فرہنگ کلام مومنؔ

ڈاکٹر سلمان راغب

فرہنگ کلام مومن

ڈاکٹر سلمان راغب

FARHANG -E- KALAM -E- MOMIN

ایڈیشن ۲۰۰۴ء

تعداد اشاعت چارسو

ناشر سلمان راغب

کتابت وطباعت زرنگار کمپیوٹر کمپوزنگ سنٹر
بنارس۔فون:۲۳۹۳۱۳۱

قیمت دوسو پچاس روپے

تقسیم کار:

زرنگار۔بی ۱۶/۱۳۰ ,باگڑ بلی، مدن پورہ، بنارس .فون:۲۳۹۳۱۳۱

یہ کتاب

فخر الدین علی احمد میموریل کمیٹی

حکومت اتر پردیش، لکھنؤ

کے

مالی تعاون سے شائع ہوئی

انتساب

والدین

کے نام

جن کی علم دوستی نے اس مقام تک پہنچایا

مقدمہ

زبان وادب کا ارتقاء ایک ایسا تدریجی عمل ہے جو بہت ہی غیر محسوس طریقے پر مسلسل جاری رہتا ہے۔ زندہ زبانیں ہمیشہ تشکیل کے مراحل میں رہتی ہیں چنانچہ کسی بھی زبان کو کبھی بھی مکمل نہیں کہا جا سکتا۔ روزمرہ، محاورے، اصطلاحات سب میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اور ایک اچھی زبان کی خصوصیت یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ ان سب تبدیلیوں کو اپنے اندر سموتی رہے۔

کسی بھی زبان کی وقعت کا اندازہ اس کے ادبی ورثے سے لگایا جا سکتا ہے۔ جس زبان میں جتنی زیادہ تخلیقات ہوں گی وہ زبان اتنی ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی۔ کسی بھی زبان و ادب کی ترقی کا راز اس چیز میں مضمر ہے کہ اس زبان کی تخلیقات کو مختلف زاویوں سے دیکھا جائے، پرکھا جائے اور ان پر زیادہ سے زیادہ تحقیق کی جائے۔

اردو کی تصنیفی عمر کچھ زیادہ نہیں ہے۔ اس کے مقابلے میں انگریزی، عربی، فارسی اور سنسکرت وغیرہ قدیم زبانیں ہیں۔ ان زبانوں کے تخلیق کاروں کو مختلف زاویۂ نگاہ سے جانچا گیا، پرکھا گیا اور ان پر مزید تحقیق کا سلسلہ جاری ہے۔ چاہے وہ انگریزی ادب کے ولیم شیکسپیئر، تھامس ہارڈی، جان آسٹن یا شیلے ہوں یا عربی ادب کے امرؤالقیس، ابوالعلاء المعری، شوقی، یا ابوالعتاہیہ یا فارسی کے حافظ، سعدی، عرفی، یا پروین اعتصامی۔ ان سب لوگوں کے کلام کو بار بار نقد و تحقیق کی کسوٹی پر کسا گیا ہے۔

کسی بھی شاعر کے کلام یا مصنف کی تحریر میں لفظ بنیادی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہی وہ کلید ہے جس سے اس کے معانی و مطالب کے قفل کھلتے ہیں۔ اس لیے الفاظ کی معنوی جہات اور تہ داری کا مطالعہ بھی نقد و تحقیق کے دائرے میں آتا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ ''فرہنگ کلام مومن (غزلیات وقصائد)'' بھی اسی مقصد کے پیشِ نظر حکیم

مومن خاں مومنؔ دہلوی کے کلام میں مستعمل الفاظ اور محاورات واصطلاحات کی تفہیم وتشریح کی غرض سے مرتب کیا گیا ہے۔

فرہنگ سازی کا یہ کام کوئی نیا کام نہیں ہے۔ اردو، فارسی اور عربی میں اس طرح کا کام اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اردو میں ''فرہنگ میر''، ''فرہنگ نظیر''، فرہنگ انیسؔ''، اور ''فرہنگ اقبالؔ'' جیسی کتابیں مرتب کی جا چکی ہیں۔ اور فارسی میں حافظ شیرازی کے کلام کی ایک فرہنگ ''فرہنگ واژہ ہائی حافظؔ'' کے نام سے ترتیب دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ عربی میں قرآن و حدیث سے متعلق اسی طرح کا بہت سا کام کیا جا چکا ہے۔

مجھے مومنؔ کے کلام کی فرہنگ تیار کرنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر ہیں جنھوں نے اپنے کلام میں الفاظ کو ان کی مختلف شکلوں میں بہت ہی خوب صورتی کے ساتھ برتا ہے اور ایک ایک لفظ سے کئی کئی معانی پیدا کیے ہیں۔ خاص کر ان کے قصید میں مختلف علوم کی اصطلاحات بکثرت پائی جاتی ہیں۔ چوں کہ مومنؔ شاعری کے علاوہ طب، دست شناسی، نجوم، رمل، ریاضی، اور شطرنج میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اس لیے انھوں نے ان تمام علوم وفنون کی اصطلاحات کو اپنے کلام میں جگہ دی اور ان سے اپنے اشعار میں حسن بھی پیدا کیا اور بلاغت ومعنویت بھی۔ چنانچہ ان کا کلام بجا طور پر اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اس کی تمام معنوی لطافتوں اور باریکیوں کے ساتھ سمجھا جائے اور پرکھا جائے۔

مومن شرفائے کشمیر کے ایک معروف خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے دادا حکیم نامدار خاں اپنے بھائی حکیم کامدار خاں کے ساتھ کشمیر سے ترک وطن کر تلاش روزگار کی غرض سے دہلی میں وارد ہوئے۔ یہ شاہ عالم کا دور حکومت تھا۔ اگر چہ اس وقت تک دہلی کی شان وشوکت ماند پڑ چکی تھی تاہم اہل علم وارباب ہنر کی قدر دانی میں اب بھی کوئی کمی نہ آئی تھی چنانچہ یہ دونوں بھائی بھی شاہ عالم کے دربار سے منسلک ہو گئے اور جاگیر میں نارنول کا علاقہ پایا۔ جب انگریزوں نے یہ علاقہ نواب فیض طلب خاں والی جھجر کو دے دیا تو نواب نے اس کے عوض میں ایک ہزار روپیہ سالانہ بطور وظیفہ مقرر کر دیا جو ان کے بھائیوں کے بعد ان کے ورثا کو ملتا رہا۔

حکیم مومن خاں مومنؔ حکیم نامدار خاں کے پوتے اور حکیم غلام نبی خاں کے فرزند

ہیں۔ان کی پیدائش ۱۸۰۰ء کے آس پاس دہلی کے محلہ کوچہ چیلاں میں ہوئی تھی۔مومنؔ کے اہل خاندان کو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے غایت درجہ عقیدت تھی۔اس لیے ان لوگوں نے شاہ صاحب موصوف سے ان کے کان میں اذان دلوائی اور انھیں سے نام بھی تجویز کرنے کی درخواست کی۔ شاہ صاحبؒ نے محمد مومن نام پسند کیا اور یہ نام ان کے لیے بہت مبارک ثابت ہوا۔

مومنؔ کی ابتدائی تعلیم گھر پر ہوئی۔اس کے بعد شاہ عبدلقادرؒ کے عربی مدرسے میں داخل کیے گئے یہ مدرسہ ان کے گھر کے قریب ہی تھا اور یہاں دور دور سے طالب علم پڑھنے کے لیے آیا کرتے تھے۔شاہ عبدالقادرؒ خود ایک جید عالم تھے مومنؔ ان کے درس میں برابر حاضر رہتے اس کے علاوہ انھیں شاہ عبدالعزیزؒ کے درس میں بھی شریک ہونے کا شرف حاصل تھا۔فارسی کی تعلیم انھوں نے اس وقت کے مشہور عالم عبداللہ خاں علوی سے حاصل کی تھی۔

طب کی تعلیم مومنؔ نے گھر پر ہی اپنے والد حکیم غلام نبی خاں اور چچا غلام حیدر خاں سے حاصل کی اور رفتہ رفتہ اس فن میں وہ مہارت پیدا کر لی کہ اپنے زمانے کے ممتاز ترین اطبا میں شمار کیے جانے لگے۔

مومنؔ طب کے علاوہ علم نجوم میں بھی غیر معمولی مہارت رکھتے تھے۔مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں:

> ''ان کو نجوم سے قدرتی مناسبت تھی۔ایسا ملکہ بہم پہنچایا تھا کہ احکام سن کر بڑے بڑے منجم حیران رہ جاتے تھے۔سال بھر میں ایک بار تقویم دیکھتے تھے پھر برس دن تک ستاروں کے مقامات اور کیفیت ذہن میں رہتی تھی۔ جب کوئی سوال کرتا تو زائچہ کھینچتے نہ تقویم دیکھتے، پوچھنے والے سے کہتے تم خاموش رہو، جو میں کہتا جاؤں اس کا جواب دیتے جاؤ۔ پھر مختلف باتیں پوچھتے تھے اور سائل اکثر کو تسلیم کرتا جاتا تھا''۔
>
> (''آبِ حیات''، طبع سوم صفحہ ۴۰۷)

روایات کے مطابق ان کی اکثر پیشین گوئیاں صحیح ثابت ہوتی تھیں جنھیں دیکھ کر لوگ

حیران رہ جاتے تھے۔ چنانچہ مشہور ہے کہ انھوں نے خود اپنے بارے میں یہ پیشین گوئی کی تھی کہ پانچ دن یا پانچ مہینہ میں ان کا انتقال ہو جائے گا۔ اور ''دست و بازو بشکست'' کہہ کر تاریخ وفات بھی نکال دی تھی۔ یہ پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی چنانچہ اس واقعے کے پانچ ماہ بعد ۱۲۶۸ھ میں کوٹھے سے گر کر ان کا انتقال ہوا۔

مومنؔ علم نجوم کے علاوہ شطرنج کے کھیل میں بھی بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اور اس میں مولانا فضل حق خیر آبادی کو ہمیشہ ہرا دیا کرتے تھے۔ ایک بار غالبؔ نے مولانا سے اس ہار کی وجہ پوچھی تو انھوں نے فرمایا:

''مومنؔ ایک بھیڑیا ہے جسے اپنی قوت کی خبر نہیں اگر وہ عشق و عاشقی قصوں کو چھوڑ کر علمی مشغلے میں پڑتا تو اس کے ذہن کی حقیقت معلوم ہوتی''

(ارواحِ ثلاثہ)

مومنؔ کو علم ریاضی سے بھی غیر معمولی دلچسپی تھی۔ وہ اس فن میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے اور سوائے خواجہ نصیر کے کسی کو اپنا ہم پلہ نہیں سمجھتے تھے۔

مومنؔ ایک خوددار، انانیت پسند، اور سلیم الطبع شخص تھے۔ وہ اپنے معاشی حالات سے سدا پریشان رہا کرتے تھے۔ مگر انھوں نے کبھی شاعری کو اپنا ذریعۂ معاش نہیں بنایا۔ اس زمانے میں جب کہ ذوقؔ کو بادشاہ وقت کا استاد ہونے کا شرف حاصل تھا اور مرزا غالبؔ اس منصب کے حصول کے لیے کوشاں رہا کرتے تھے، مومنؔ ان تمام چیزوں سے قطعاً بے نیاز تھے۔ ان کی اسی بے نیازی نے انھیں کسی امیر کی مدح سرائی نہیں کرنے دی۔ چنانچہ انھوں نے عمر بھر میں صرف ایک مدحیہ قصیدہ لکھا ہے جو راجہ اجیت سنگھ کی تعریف میں ہے۔ وہ بھی کسی انعام یا صلے کی امید میں نہیں، بطور شکریہ لکھا گیا تھا کہ راجہ صاحب موصوف نے انھیں ایک ہتھنی مرصع ساز کے ساتھ تحفے میں دی تھی۔

شاعری

اردو شاعری میں مومنؔ ایک منفرد لب ولہجہ کے مالک ہیں ان کا اسلوب اپنے تمام معاصرین سے مختلف، دلچسپ، اور قابل توجہ ہے۔ وہ ایک نازک خیال، مضمون آفریں اور دقت پسند شاعر ہیں۔ انھوں نے اردو کی تقریباً تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے مگر صنف غزل

ان کی محبوب ترین صنف ہے۔ غزل کے علاوہ ان کے یہاں جن اصناف کے نمونے ملتے ہیں ان میں قصیدہ، مثنوی، واسوخت، مرثیہ، قطعہ اور رباعی شامل ہیں۔ ان کے کلام میں دو سو انیس غزلیں، نو قصیدے، گیارہ مثنویاں، چھبیس قطعات، ایک سو اکتیس رباعیاں، چھ معمے، ایک واسوخت، ایک ترجیع بند، ایک ترکیب بند اور کچھ فردیات موجود ہیں۔

تغزل، مکر شاعرانہ، داخلیت، نازک خیالی، ندرت اسلوب اور پیچیدہ بیانی مومن کی غزل کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ بقول پروفیسر ضیاء احمد بدایونی:

> ''اردو شعرا میں مومن نفس تغزل کے اعتبار سے جس نقطۂ عروج تک پہنچ گئے ہیں دوسروں کو اس کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں''۔
>
> (''دیوان مومن'' طبع چہارم صفحہ ۵۱)

مومن جس عہد کے پروردہ ہیں وہ عہد فنکارانہ اور فلسفیانہ شاعری کا تھا۔ ایک طرف جہاں ذوق قصیدہ نگاری میں اپنا کمال دکھا رہے تھے اور غالب جذبے اور فکر کی ہم آہنگی سے غزل کو ایک نیا رنگ دینے میں مصروف تھے، مومن دوسری طرف نشاط عشق و مستی الفت سے سرشار سب سے الگ اپنی راہ پر گامزن تھے۔ موضوعات کے اعتبار سے غزل کا دامن بہت وسیع ہے۔ آلام عشق سے حوادث روزگار تک زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس کی عکاسی اس میں نہ کی گئی ہو۔ یہ مضامین عام ہیں اور انھیں کمی بیشی کے ساتھ تقریباً تمام شاعروں نے برتا ہے مگر مومن اس معاملے میں سب سے منفرد ہیں۔ وہ غزل میں حیات و کائنات کے مسائل بیان نہیں کرتے بلکہ اسے اس کے مخصوص لغوی مفہوم کے مطابق محض محبوب سے گفتگو کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ انھوں نے اپنی فکر کا دائرہ صرف عشق اور معاملات عشق تک محدود رکھا ہے۔

مومن نے غزل کو اس کا حقیقی رنگ دیا ہے۔ ان کے اشعار ان کے داخلی احساسات کے آئینہ دار ہیں۔ غزل میں مومن کے تجربے اردو شاعری کے لیے بالکل نئے تھے۔ انھوں نے پہلی بار غزل میں صنف نازک کو مخاطب کیا ہے۔

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ
لو منہ اسی پردہ نشیں کا کیا

بس کہ اِک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

دیکھیں گے مومنؔ یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

مومنؔ کی شاعری عشقِ مجازی کی شاعری ہے۔ ان کے یہاں تصوف کو کوئی دخل نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مومنؔ مسلک کے اعتبار سے اہلِ حدیث تھے اور اس مسلک میں تقلید اور تصوف کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ عشقِ مجازی میں بھی ان کا رنگ مختلف ہے ملاحظہ ہو:

از بس کہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا

عشقِ بت میں خود اب تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہوگیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

عیش میں بھی تو نہ جاگے کبھی تم کیا جانو
کہ شب غم کوئی کس طور سحر کرتا ہے

کچھ قفس میں اِن دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو

معاملہ بندی مومن کے امتیازات شعری کا ایک نمایاں عنصر ہے مگر یہ معاملہ بندی فحش نگاری تک نہیں پہنچتی وہ اسے بہرحال تہذیب کے دائرے میں محدود رکھتے ہیں۔ مومن سے پہلے بھی شعرا نے اس رنگ کو اختیار کیا لیکن اسے تہذیب کے دائرے میں محدود نہ رکھ سکے۔ مومن کے یہ اشعار دیکھیے اور اندازہ کیجئے کہ وہ اس معاملہ میں دوسرے شعرا سے کس قدر مختلف ہیں:

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اِک جواب میں

بے وفائی کا عدو کی ہے گلہ
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

یاں سے کیا دنیا سے اٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا ابھی دم کیوں اِس قدر رکتے ہیں آپ

یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

وصل کی شب شام سے میں سوگیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہوگیا

مومن کے یہاں جذبات کا بیان بھی بہت خوب صورت انداز میں کیا گیا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں محبوب کو چھیڑتے بھی ہیں تو اس طرح کہ نہ شان عشق اور احترام حسن پر حرف آتا ہے اور نہ تغزل کی کیفیت متاثر ہوتی ہے مثلاً ان کی یہ غزل ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مضمون آفرینی اور نازک خیالی مومنؔ کا خاص وصف ہے۔ اور اس وصف میں وہ متقدمین اور متاخرین سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ ان کی شاعری میں یہ رنگ فارسی شاعری سے آیا ہے۔

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سور ہے
آرام شکوۂ ستمِ اضطراب تھا
پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا
دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

مومنؔ نے شوخیِ ادا اور نازک خیالی میں ایک منفرد راستہ اپنایا ہے۔ وہ اپنے اشعار میں

محبوب کو اس طرح مخاطب کرتے ہیں جیسے وہ ان کے سامنے موجود ہو۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

مومن کے اشعار پڑھ کر کبھی کبھی ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس سے مخاطب کا فائدہ مقصود ہے لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ وہ خود اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی نے ان کے اس مخصوص طرز کلام کو مکرِ شاعرانہ کا نام دیا ہے۔ اس سلسلے میں یہ اشعار ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں:

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

سرگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچہ حرم نہ تھا

گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو، تقاضا نہ کریں گے

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

مومن کا محبوب ان سے ملنا چاہے یا نہ چاہے، ان کے خط کا جواب دے یا نہ دے، وہ ہمیشہ حسن ظن کا شکار رہتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ محبوب سے جتنی محبت کرتے ہیں وہ بھی ان سے اتنی ہی محبت کرتا ہے۔ دیکھیئے:

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

مومن حقیقی زندگی میں اگر انانیت پسند تھے تو انھوں نے اپنے کلام میں بھی اس امر کا برملا اظہار کیا ہے۔

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

مومن کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کے معاملے میں کسی قدر شدت پسند تھے یہ صحیح ہے کہ کہیں کہیں ان کے کلام پر مسلکی جذبات غالب آ گئے ہیں مگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو یہ ماننا ہوگا کہ وہ شدت پسند نہیں راسخ العقیدہ تھے۔ وہ بلا شبہ اپنے مسلکی موقف پر ثابت قدم تھے اور ان کا مذہبی نقطۂ نظر بالکل واضح تھا جس کا اندازہ ان کے اشعار سے کیا جا سکتا ہے۔

مومن کی حمد، نعت اور منقبت بھی مذہب سے ان کی غیر معمولی شغف کی نشان دہی کرتی ہے۔ ان کے وہ اشعار ان اصناف کے بہترین نمونوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہیں جن میں مذہبی جذبات کی ترجمانی نہایت عمدگی کے ساتھ کی گئی ہے۔ ملاحظہ ہوں:

حمد

وہ عشق دے جس کا نام اسلام
وہ شیوہ، نبی نے جو بتایا
سبحانک یا الہ عالم
عالم ترا عجز نے دکھایا
یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو
پایا ہر شئے میں پر نہ پایا
مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون ترے سوا خدایا

نعت

ہوا ہے کون سی ایسی نگر ''مدینے'' کی
دم مسیح کو ہے جس کی حسرت پابوس
شرف مدینے کو جس سے ہے ہونہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوب حضرت قدوس
جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
تو دیتی دل کوئی یوسف کو دخترِ طیموس
وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعثِ معاد نفوس

منقبت

ہے سراپا تو مہرۂ تریاک
تجھ کو کیا نیش مار سے ہو ضرر
اے مسیح دم رواں پرور
زندگی بخش دین پیغمبر
گرمیِ التفات سے تیری
خشک ہو عاصیوں کا دامن تر
تو وہ عادل کہ ذکر ''کسریٰ'' میں
عدل کی تجھ سے داد چاہے عمر

بلند پایہ عمر، جس کے قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں، شاہ آسماں منزل

معاندون جو کہا ''خاتم رسالت'' نے
کہ میرے بعد نبوت کے تھا ''عمر'' قابل
یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل
یہی امامت برحق کی اس کو بس ہے سجل

سویمیں زیب دہ صدر خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلکِ اطلس، خوار
''بیئر رومہ'' کی حکایت میں کہا رضواں نے
سلسبیل اس کے ہے دریاے سخاوت کا کنار
لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیانِ تیغ
ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقت جنگ
بانگِ شکست تیغ ہے شور و فغان تیغ

قصیدہ: اردو قصیدوں کے ابتدائی نمونے ہمیں دکن میں ملتے ہیں۔ ابتدائی قصیدے زیادہ تر مذہبی موضوعات پر مشتمل ہیں۔ ابتدائی قصیدوں میں قلی قطب شاہ، نصرتی، اور امین الدین اعلیٰ کے قصیدے اہمیت کے حامل ہیں۔

مضامین کے اعتبار سے قصیدے کا دامن بہت وسیع ہے اور اس میں وصف، اعتذار، حکمت فخر، حماسہ، مدح، ہجو، عتاب، مرثیہ، غزل، نسیب جیسے بے شمار مضامین کی گنجائش ہے مگر بیش تر شعرا نے صرف مدحیہ اور مذہبی قصائد ہی میں طبع آزمائی کی۔

اردو ناقدین مدح کو مذموم سمجھتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے فائز دہلوی نے آواز بلند کی لیکن ان کی آواز صدائے گنبد بن کر رہ گئی۔ فائز کے بعد حالی نے قصیدوں کی مخالفت کی اور ان کو ''نا گفتہ بہ'' بتلایا۔ ان کی رائے کے مطابق قصیدہ ''صرف چند معمولی سرکلوں'' میں گردش کرتا ہے۔ انھوں نے بزرگان دین کے علاوہ دوسروں کی مدح پر اعتراض تو نہیں کیا ہاں

یہ کہا کہ مدح صرف ایسے شخص کی ہونی چاہیے جو اس کا مستحق ہے۔
مومن نے جہاں غزل میں ایک منفرد راہ اختیار کی ہے وہیں قصیدے بھی اعلیٰ پائے کے لکھے ہیں۔ ان کے قصیدوں کے بارے میں پروفیسر ضیاء احمد بدایونی لکھتے ہیں۔

"مومن سے پہلے جس قدر شعرا گزرے ہیں قصیدہ میں (بہ استثنائے سودا) مومن کا کوئی ہمسر نہیں۔ اگرچہ پختگی اور روانی میں قصائد ذوق کا درجہ کہیں اعلیٰ اور ارفع ہے تاہم زور اور ندرت میں مومن کا جواب نہیں ہوسکتا"۔ (مجومہ قصائد مومن صفحہ ط)

مومن کے قصیدوں میں تشبیب کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کی تشبیب بہت خوب صورت ہوتی ہے۔ ان کے قصیدے عرفی کا انداز لیے ہوئے ہیں۔ مومن نے اپنے قصیدوں میں مختلف علوم وفنون کی اصطلاحات سے رنگ بھرا ہے اور آیات واحادیث کے استعمال سے ان کی اہمیت بڑھائی ہے۔ ان کی تشبیب کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کس ادا سے ، مجھے کہتا ہے کہ حیواں ہو تم
چھیڑنے کو جو کہا میں نے اسے گل رخسار
سچ ہے مفلس کو نہیں عشق کی لذت کہ مجھے
زخم دل کے لیے پیدا نہ ہوا مشک تتار
خاک میں رشکِ آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی
ہائے وہ رقصِ خوش قداں جس کے
صدقے اندازِ سروِ بستانی
جو ہوں معالج مطبوں تو قابضِ ارواح
کرے دعائے رواج طریقِ جالینوس
درم ہو چارہ گر قبض تابدست لئیم
کیا ہو میں نے جو تجویز وزنِ مغزِ فلوس
کروں جو گردشِ انجمن کی میں رصد بندی

فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس
مرے کلام ثریا نظام کا منکر
وہ تیرہ روز جو برجیس کو کہے منحوس

الحمد لواهب العطايا
اس شور نے کیا مزہ چکھایا؟
والشكر لصانع البريه
جس نے ہمیں آدمی بنایا
اللہ دکھا دے اپنا دیدار
اكشف بجمالك الغطايا
"لاعلم لنا" ہے یاد ہر چند
سب کچھ مجھے عجز نے بھلایا

مومن نے اپنے کلام میں اپنے تخلص کو مختلف مواقع پر مختلف معانی میں استعمال کیا ہے اور اس طرح اپنی بات میں ایک خوبی اور حسن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

دشمن مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومنِ دیندار کم ہوا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

طریقۂ کار:

جب میں نے پیش نظر فرہنگ کی تیاری کا کام شروع کیا تو میرے سامنے مومن کے کلام کے دو مجموعے تھے۔ (۱) دیوان مومن مرتبہ پروفیسر ضیاء احمد بدایونی (۲) کلیات مومن ''شائع کردہ مجلس ترقی ادب'' لاہور۔ میں نے بغرض استفادہ ان دونوں مجموعوں کو سامنے رکھا مگر اشعار کے حوالوں کے لیے ضیاء صاحب کے مرتبہ دیوان کو ترجیح دی کیوں کہ یہ دیوان غلطیوں سے تقریباً پاک ہے علاوہ بریں فاضل مرتب نے فہرست اغلاط بھی شاملِ دیوان کردی ہے جس سے غلطیوں کے امکانات کافی کم ہوگئے ہیں۔

فرہنگ سازی ایک نہایت نازک اور دقت طلب کام ہے۔ اس کام میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجاتا ہے کہ تمام الفاظ کو شامل فرہنگ کیا جائے یا پھر انھیں الفاظ کو لیا جائے جو مشکل ہیں۔ پھر یہ فیصلہ کیسے ہو کہ کون سا لفظ مشکل ہے اور کون سا لفظ آسان؟ یا مرکبات و مفردات کے لیے کون سی شکل اختیار کی جائے۔ اصطلاحات، تلمیحات اور محاورات کو کس طرح شامل کیا جائے۔ یہ مختلف النوع مسائل تھے جو میرے سامنے آئے۔ میرے لیے تو آسان طریقہ یہ تھا کہ میں صرف مرکبات، اصطلاحات، تلمیحات اور محاورات پر کام کرتا۔ مگر میں نے جب اپنے اساتذۂ کرام اور شمس الرحمٰن فاروقی صاحب سے اس سلسلے میں مشورہ کیا تو ان لوگوں نے مومن کے کلام کے تمام الفاظ کو اکٹھا کرنے کا مشورہ دیا اور کہا ''لغت چاہے جس قسم کی ہو (چاہے وہ عام لغت ہو یا کسی خاص موضوع کی فرہنگ) اس میں سارے ہی الفاظ ہونے چاہئیں''۔ فرہنگ سازی کا یہ راستہ کافی طویل بھی تھا اور مشکل بھی اور پی ایچ۔ ڈی کی تکمیل کے لیے مقررہ میعاد کے اندر اس کے سرانجام پانے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اس لیے فی الوقت میں نے اپنے کام کو حرف ''ز'' تک ہی محدود رکھا۔ آئندہ اگر حالات سازگار رہے اور زندگی نے موقع دیا تو انشاء اللہ اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔

زیرِ نظر فرہنگ میں حرف ''ز'' تک مومن کے کلام کے تمام الفاظ لے لیے گئے ہیں۔ اس میں الفاظ کے ماخذ کے بارے میں نہیں بتلایا گیا ہے (یعنی الفاظ کس زبان سے تعلق رکھتے

ہیں) ہاں زیرِ بحث لفظ واحد ہے یا جمع اس کی طرف ضرور اشارہ کر دیا گیا ہے۔ مشتقات کے معانی ان کے مصدر کے تحت درج کیے گئے ہیں۔ ہاں اگر کوئی مشتق کوئی خاص معنی دے رہا ہے تو اس کو مصدر کے تحت درج کرنے کے بجائے ایک مستقل لفظ کی صورت میں درج کیا گیا ہے۔
جیسے: چھپ کر: خفیہ طور سے

کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

مفرد الفاظ کو پہلے لیا گیا ہے اس کے بعد حسب ترتیب لفظ کے مرکبات کا ذکر ہے۔
اگر ایک مشتق کے کئی معانی ہیں تو ہر معنی کے اعتبار سے ایک الگ لفظ تصور کیا گیا ہے اور اس کے تحت اس کی مثالیں درج کی گئی ہیں۔
کوشش یہ کی گئی ہے کہ کسی لفظ کے معنی اس کے محل استعمال کے عین مطابق نور اللغات یا فرہنگ آصفیہ میں مل جائیں تو ان کو نقل کر دیا جائے۔ ان دونوں لغات میں مناسب معنی نہ ملنے کی صورت میں ضیاء احمد صاحب کی شرح کی طرف رجوع کیا گیا ہے اور اگر وہاں بھی کامیابی نہیں ہوئی ہے تو سیاق و سباق کی روشنی میں اپنی فہم کے مطابق معنی کا تعین کیا گیا ہے۔ جو معنی ضیا صاحب کی شرح سے لیا گیا ہے اس کے آگے (ض) لکھ دیا گیا ہے۔
یہ فرہنگ ایک طرح سے مومن کے کلام کا اشاریہ بھی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص مومن کا کوئی شعر دیکھنا چاہے اور اس کو اس شعر کا صرف ایک لفظ یاد ہو تو وہ اس فرہنگ میں اس شعر کو بہ آسانی تلاش کر سکتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص مومن کا یہ شعر:

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا　　　جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

دیکھنا چاہے تو وہ اسے لفظ "مرے" "پاس" "ہونا" "گویا" میں سے کسی بھی لفظ کے تحت دیکھ سکتا ہے۔ میں نے اس فرہنگ کو تا بمقدور جامع اور بامقصد بنانے کی کوشش کی ہے تاہم اس میں بہت سی خامیاں رہ جانے کا امکان ہے۔ مجھے امید ہے کہ اہل نظر ان خامیوں کی طرف میری رہنمائی کر کے شکر گزاری کا موقع عنایت فرمائیں گے۔

غزل

الف مد

آب: شراب

جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے
یہ آبِ تلخ شربت قند و نبات ہے

آب: آنسو

کیا بے تکلف آئے صدا ہائے شمع رو
گر میرے آبِ اشک سے ہو نوحہ گر چراغ

ڈوبی ہجومِ اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوشِ آب میں

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پُر آب دیوانہ
بنا اشکِ مسلسل سے مرے زنجیر شیشہ کی

اے آبِ اشک آتش عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفس شعلہ زا گئے

آب: دھار، کاٹ، تیزی

تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ
شوقِ تیغِ خوش آب نے مارا

وہ صیدِ ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پہ
اچھلے نہ آبِ تیغ کی طغیانیوں میں ہم

تشنہ کام آبِ تیغِ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

طوفاں ہیں آبِ ہر گہرِ اشک میں نہاں
اے یادداشت دامنِ مژگاں نچوڑ دیکھ

گر حسنِ گلو سوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آبِ دمِ تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

گرمیِ شوقِ شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آبِ دمِ خنجر حلقوم

آب: چمک، دمک

تصویر سے تری مجھے تسکینِ دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

رورہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آبِ گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے

یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
ثمر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس

آب: پانی

ہوا ہے اب تو یہ سرمایۂ لطافت آب
کہ پشت ماہی پہ گل ہائے اشرفی ہیں فلوس

سرایت نم آبِ وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریش زاہد سالوس

کرۂ آب ہو گر قطرۂ عمان ہم
صدف چرخ کرے شکوۂ طغیانِ بحار

کرے نہ خانہ خرابی تری ندامتِ جور
کہ آبِ شرم میں ہے جوش چشمِ تر کا سا

ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوزِ دل کو آبِ اشک آتش پہ روغن ہوگیا

یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرفِ آب دیکھ کر

اشکِ چشم و گریۂ زخمِ دل اب میں کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں

گر ہو وہ دستِ حنائی عکس افگن خواب میں
ہووے مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں

بیکسی دیکھو وفورِ اشکِ عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

دی دلِ سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں

ڈوب مریئے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہم راہ وہ طفلِ برہمن آب میں

تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریے دوں دوں اور ساگر خشک ہو

آب: پسینہ

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خطِ جبیں کیا مٹادیا

کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو
برق کٹتی ہے تری شمشیر سے

رافت اس کی ہو جب ضعیف نواز
آب ہو جائے شرم سے عنبر

آب آب ہونا: پانی پانی ہونا

ہوں آب آب اف رے نگہ ہائے گرم گرم
اس مہروش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں

خجلت سے آب و تاب سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرم نہان تیغ

آب بخار: بھاپ، وہ تری جو کسی گرم چیز سے نکلے

پھونکا تپ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخار آتش

آب بقا: وہ پانی جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس کے پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی اور جس کے اثر سے مردہ بھی جی اٹھتا ہے۔ آب حیات ظلمات میں ایک چشمے کا نام ہے۔ جس کے پانی کی یہ تاثیر مشہور ہے کہ حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ نے اس پانی کے پینے سے عمر ابد حاصل کی، اور یہ بھی مشہور ہے کہ سکندر اس چشمے سے محروم واپس آیا

لذت بغیر جان دہی مردگاں محال
آب بقا فشردۂ دامانِ تر نہ ہو

آب پیکر: ایک ستارہ

اطلس چرخ زیر گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری

آب پیکری: آب و تاب

اطلس چرخ زیر گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری

آب جگر: اس سے مراد ہے کہ جگر پانی ہو کر آنکھوں کی راہ بہا جاتا ہے۔

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

آب حسرت: آنسو

شربتِ مرگ آب حسرت شور بختی زہرِ غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہو گیا

آب حیوانی: دیکھیے آب بقا

جاں فزائی مرے سخن کی دیکھ
سم گنے خضر آب حیوانی

آب حیات: دیکھیے آب بقا

لب وہ آب حیات جس کے لیے
تشنہ کام صد آرزو کوثر

آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جبیں ترے خوں کردگان تیغ

آب رواں: جاری پانی

منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ

نہ ملا کچھ نشان آب رواں
خاک سارے جہان میں چھانی

آب زن: وہ ظرف جس میں دواؤں کا جوش کیا ہوا پانی بھر کر مریض کو اس میں بٹھاتے ہیں

کچھ آب زنی کرے نہیں تو
سر تار جحیم نے اٹھایا

آب زندگی: آب بقا

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موے
کیا آب زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

آب نیساں: موسم بہار کی بارش کا وہ پانی جس سے سیپ میں موتی پیدا ہوتے ہیں

آتش لعل شعلۂ جاں سوز
آب نیساں ہے ایک بد گوہر

آب و تاب: رونق، روشنی

خجلت سے آب و تاب سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرم نہان تیغ

آب و تاب کلام سے اس کے
آب ہو اولوی و مرجانی

آب وناں: کھاناپانی، رزق

آب و ناں کے لیے گرو رکھیں
رستمان زمانہ تیغ و سپر

آب وہوا: موسم، رت

آب وہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کوتو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں
یہ گل کھلاتی ہیں آب و ہوا کی تربیتیں
کہ ہے پیاز کو لاف منافع بلبوس

آب ہونا: شرمندہ ہونا

آب و تاب کلام سے اس کے
آب ہو لولوی و مرجانی
خط بیاضِ صبح وہ، شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو آئینۂ سکندری

آباد: بسنا، مکاں کی نسبت، ویراں کی ضد

سر پٹکنے نے مرے سنگِ در اس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کا ہے کو آباد رہا

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

آبادی: بستی

کہیں منکر کو نہ انکار قیامت ہو زیاد
عدل سے اس کے ہے آبادی ہر کشور و بوم

آبرو: عزت، قدر

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں
خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

آبگینۂ فانوس: لالٹین کا شیشہ

ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگ راہ نسیم
بنا ہے شبنم گل، آبگینۂ فانوس

آبلوں: آبلہ کی جمع، چھالا

میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے

آبلہ: پھپھولا، چھالا،

آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پر کالہ تھا
تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا
صورت وہی عظمت وہی گردش وہی کیسے
حیراں ہیں کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا
میں نہ مانوں گا کہ چشمِ آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روئے غیر اپنے کفِ پا دیکھ کر
مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منہ در آبلہ سے گرمیِ فریاد بھرے

آبلہ پائی: پانو میں چھالے پڑے ہونا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بام عرش سے پھسلا ہے یارب پانو دقت کا

آبیار: سیراب

ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیار عجوس
ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس

آبیاری: سیراب کرنا

کی گریہ نے کتنی آبیاری
دریا مری چشم سے بہایا

آپ: ضمیر خطاب۔ تعظیم کے موقع پر تم کی جگہ بولتے ہیں

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ مرے خون کا دعویٰ کیا
سچ ہی سہی آپ کا پیاں ولے
مرگ نے کب وعدۂ فردا کیا
کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق ہیں تھے لائق دشنام ہم
ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کے فرماتے ہیں

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہووے سمجھ تو سمجھیں بات
یہ تو کہیے حضرت ناصح آپ کے سمجھاتے ہیں

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

آپ: خود، اپنی ذات سے

مر گئے اس کے لب جاں بخش پر
ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ مرے خون کا دعوا کیا

بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرفِ شیون ہوگیا

ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

تیرے عدو گر اپنا گلا آپ کاٹ لیں
کام آئے کوشش و کشش رائگاں تیغ

اس سے کاوش نہ کر نہ ہو ظالم
آپ اپنا تو دشمن جانی

مر گئے اس کے لب جاں بخش پر
ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا

الجھا ہے پانو یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہوگیا

میں نے سوچا آپ اپنے خون ناحق کا جواب
نام اس کا سینے پر لکھا ہے نوک تیر سے

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہوگیا
دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہوگیا

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

آپ سے جانا: بے خود ہو جانا، مدہوش ہو جانا

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

آپ میں آنا: ہوش میں آنا

جلوہ افزائی رخ کے لیے مے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

آپ ہی: خود ہی

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپ ہی گردن جھکائیں گے ہم

آپ ہی آپ: خود بخود

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پر
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

آپڑنا: آلگنا

مجھ پہ شمشیرِ نگہ خود بخود آپڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

آپس: یک دگر، باہم

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں مرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

آپہنچا: آگیا

خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوقِ شہادت کا

آپہنچی: آپہنچنا کا حال: پہنچ جانا

گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آپہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

آپھرنا: آکر فوراً لوٹ جانا

موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے شب ہجر
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص

آتش: آگ، شعلہ، گرمی

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا
آتشِ اُلفت بجھادی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمیِ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا
آتش سینۂ تفتیدہ کو کیا میں روؤں
اشک جانب کرۂ آب کی مائل نہ ہوا
میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آب اشک آتش پہ روغن ہوگیا
نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہوگیا
جلتی ہے جان آتش خس پوش دیکھ کر
چلون سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا
آتش آہِ بے اثر سے مری
آسماں گلشنِ خلیل ہوا
یاد اس کی گرمیِ صحبت دلاتی ہے بہار
آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار
کل دیکھ کے وہ عذار آتش
کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش
پھونکا تپ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخار آتش
دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں
اے دیدۂ اشک بار آتش
سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ
اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع
جلتا ہوں اہل نار کی تبدیلِ جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ
وہم فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دل دار کی طرف
سمندر کر دیا آتش رخوں نے
کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ

وہاں تاب رخ و یاں آتش دل
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ
لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلادیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم
اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوزِ آتش غم سے جلا نہ کرتے ہم
اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم
سوزشِ دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھرلاتے ہیں
موم کے مانند آتش غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں
دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا
آتش گل نے لگائی آگ اے گل رو ہمیں
اف کرگئی یاد گرم جوشی
میں آتش مردہ سے جلا ہوں
گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں
کہاں ہے تاب ناز برق اے کاش
جلا دے آتش گل آشیاں کو
جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن سوئے فلک کیوں
اے گرم نالہ ہائے آتش فگن گئے ہو
اللہ رے سوز آتشِ غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ
جیتے جی غیر کو ہو آتش دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے
تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے
جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی
جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
اے آب اشک آتش عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفس شعلہ زا گئے

کیوں کر نجات آتشِ ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تاب بدن سے ہے
پھونک دے آتشِ دل داغ مرے
اس کی خود یاد دلاتے ہیں مجھے
آتشِ مہر و حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحاب آزار
اطلسِ چرخ زیرِ گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری

آتش افروزی: آگ روشن کرنے کا عمل
نہ پوچھو گرمی شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا

آتش افگن: آگ ڈالنے والا
جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے

آتش خس پوش: خس میں چھپی ہوئی آگ۔ یہاں اس سے مراد جلوۂ پس چلمن ہے۔ معشوق شعلہ رو کو آتش سے اور چلمن کو خس سے تشبیہ دی۔ (ض)
جلتی ہے جان آتش خس پوش دیکھ کر
چلمن سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

آتش کدہ: وہ مکان جس میں آتش پرست پوجنے کے لیے آگ رکھتے ہیں
بن ترے اے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
دی دل سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں
دل مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفل برہمن سے ہے

آتشیں: آگ کی صفات رکھنے والا
آتشیں خو سے آرزوئے وصال
پک گیا اب خیال خام مرا
ذرۂ خاک در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر

آتشیں خو: شعلہ مزاج، تند خو
آتشیں خو سے آرزوئے وصال
پک گیا اب خیال خام مرا

آٹھ پہر: چوبیس گھنٹے، ایک دن رات
شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند
گر گئے تھے تو تسلی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتا ہوں وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے
کس کے جلنے کا تصور ہے شب و روز کہ یوں
گدگدی دل میں کوئی آٹھ پہر کرتا ہے

آٹھوں پہر: ہر وقت، رات دن
یہی حالت رہی آٹھوں پہر تجھ بن کہ دم الٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا
جائیے پھر اُس کے کوچے دل کشا میں کس لیے
حضرتِ دل سینے میں آٹھوں پہر رکتے ہیں آپ
یہ کس کے زرد چہرہ کا اب دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت
غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں یعنی چاہیے آٹھوں پہر چراغ

آثار: جمع ہے اثر کی بمعنی تاثیر
بس بس آہنگ دعا نبی ممدوح کہ ہے
متصل عرش معلیٰ سے نزول آثار

آج: امروز، موجودہ دن
بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیاں شکن
وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا
کسی کا ہوا آج کل تھا کسی کا
نہ ہے تو کسی کا نہ ہوگا کسی کا
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا
شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اُس زلفِ تابدادہ میں کچھ آج خم نہ تھا

زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اُس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا

اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جانا

حق تو یہ ہے کیا غزل اِک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

رنگیں ہے خونِ سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب

مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں
اُس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دین داری آج

کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لیے کیوں آج ہے در بند

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں

غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کسے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

کرچکے سلک درِ اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منھ دیکھیو تو بھرتے ہیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ

کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری

آجا: آجانا کا صیغۂ امر۔ پہنچ جا

گر پاس ہے لوگوں کا تو آجا کہ قلق سے
ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا

اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

آجانا: جانا کی ضد، پہنچ جانا

اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے

آجاوے: آجائے کا قدیم۔ آئے

ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے
کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک

آجائے گا: آنا کا صیغۂ مستقبل۔ آئے گا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا
دو مبارک باد اب کی یار ہرجائی ملا

آجائے: آئے

سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

باندھو اب چارہ گرو چلنے کہ وہ بھی شاید
وصل دشمن کے لیے سوے مزار آجائے

نام بد بختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے

جیتے جی غیر کو ہو آتش دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے

کلفت ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے

آجائے: آمادہ ہونا، تیار ہونا

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرط ابر تر سے باندھ کر

آجاوے: واقف ہوجائے

بوسہ دے تیرے دم تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم

آچک: آجا

لیکے دل وعقل و دیں پھر پئے غارت ہے عشق
اے اجل آچک کہیں جان حزیں ہے ہنوز

آچکو: آجاؤ

صبر نہیں شامِ فراق آچکو
جس سے کہ بیزار تھے تم سوگیا

آچکے: آگئے

آچکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں

آخر: اخیر، آخری

دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب

آخر: زائد حسن کلام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا

ہم بھی تو ناداں ہیں آخر یاں مطلب کے لئے
خضر موسیٰ کو پئے تعلیم دانائی ملا

آخر: پچھلا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دمِ آغاز سحر آخر شب

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعت قہقری چرخ و قمر آخر شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اُس کوچے میں گر آخرِ شب

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخرِ شب

مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے یہ آرامِ دگر آخرِ شب

وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغ سحر بند

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے

آخر: انجام کار

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا

بندگی کام آرہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

آخری: پچھلا، اخیر کا
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

آخریں: آخری، پچھلا
ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کیے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا

آداب: مرتبے کا پاس لحاظ، حفظ مراتب
کھاتا ہوں محبت میں اس آداب سے میں گل
گویا شجر وادی ایمن کا ثمر ہے

آداب: اصول، ضابطہ
مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

آدمی: انسان
والشکر لصانع البریہ
جس نے ہمیں آدمی بنایا
ذکر انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر
خاکساری پسند، عرش مقام
آدمی صورت و فرشتہ سیر
تیرے اعدا کو سمجھ ہو تو کریں جان پہ رحم
آدمی تو نہیں یہ، پر ہیں جہول اور ظلوم
تھا عجب کوئی آدمی مومن
مرگیا کیا ہی نوجواں افسوس

آدھی رات: نصف شب
کیوں کہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آہوے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں
روئیے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا

آذر: رومی مہینے کا نام ہے جو ہندوستانی مہینے کے چیت کے مطابق ہوتا ہے
تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر
چھوڑ دیویں پرستش آذر

آذری: حضرت ابراہیم کے والد آذر کی طرف منسوب جو ایک مشہور بت تراش گذرا ہے
بوسہ روا بہ ہر طریق، سجدہ و فرق بر فریق
سنگ در اس کا اک صنم، رشک بتان آذری

آرا: آراستہ کرنے والا
گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہوگیا
پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہوگیا

آرایش: سجاوٹ، بناؤ سنگار، زیبائش
روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوقِ آرائشِ دل ہے بدگماں اپنا

آرام: سکون، راحت
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھ کو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
تھا میں برنگ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا
خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا
نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
کیسے آرام پسِ مرگ مگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاں اے واعظ
ہے شب فرقت میں مرگ افسانہ خوں بے فائدہ
نام آرام آگیا خواب عدم کیوں کر کریں
ترے فراق میں آرام ایک آن نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گر تو نہیں تو جان نہیں
دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو
جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
ایک دم گردش ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے

دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجے یہ خوبی اپنی قسمت کی

ایسے دمِ آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ
ہوگیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

آرام: نیند

خاک اُٹھیں گے خاک سے جو یوں ہی
ترکِ آرام و خواب نے مارا

آرامِ جاں: جان کی راحت، مجازاً محبوب

دل مضطر کی بیتابی نے مارا
کہاں سے لاؤں اس آرامِ جاں کو

آرزو: تمنا، چاہنا، عشق

ہر حلقۂ دامِ آرزو نے
طوقِ لعنت مجھے پنھایا

گل پیرہنوں کی آرزو نے
اکثر خز و پرنیاں پنہایا

شعرا کو یہ آرزوئے شعیر
خوانِ عیسیٰ ہے نیم خوردۂ خر

ہے یقیں یہ کہ خاک ہی میں ملے
آرزوئے وصال سیمیں بر

لب وہ آبِ حیات جس کے لیے
تشنہ کام صد آرزو کوثر

وہ بد شعار و طرح دار دل ربا جس سے
امیدِ وصل خطا، ترکِ آرزو مشکل

مومن کو آرزوئے ثوابِ جہاد ہے
کفار کاش آکے سنیں داستانِ تیغ

برومندی آرزوئے حصول
کشتِ مطلب کی تیرے دہقانی

ہے ابھی آرزوئے وصل صنم
ہے ابھی حسرتِ ہوس رانی

جانِ جہاں کو دل دیا دشمنِ جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری
نانِ گدا پہ رغبت شاہِ جہاں غلط غلط
با ہمہ برتری دروغ آرزوئے فروتری

تا رہے الفت آزما ناز و غرور دل ربا
تا رہے آرزو فزا طرز ادائے دلبری

کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخنِ شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

آتشیں خو سے آرزوئے وصال
پک گیا اب خیالِ خام مرا

اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا

دھر پانو آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

اک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج

غنچہ ہائے آرزوئے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحنِ بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں

تیغِ غمزہ کو لگا لے جلد سنگِ سرمہ پر
حرفِ مطلب آرزومندِ جفا کہنے کو ہیں

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمانِ ہجر کے امیدوار ہیں

آرزوئے نظارہ تھی تو نے
اتنی ہی بات پر چھپایا منہ

گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

لب پہ حرفِ آرزو کا خوں ہوا
رنگِ یاس کا منہ لگا تا چھوڑ دے

آرزومند: تمنا رکھنے والا، حسرت کرنے والا

تیغِ غمزہ کو لگا لے جلد سنگِ سرمہ پر
حرفِ مطلب آرزومندِ جفا کہنے کو ہیں

آرزوہائے: آرزو کی جمع۔ تمنا

یعنی اس حال پر فزوں تر ہیں
آرزو ہائے نفس شیطانی

آرسی: آئینہ

منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے
بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

آز: حرص، لالچ

آز پابوس میں پئے خورشید
ذرۂ اوج ، پایہ منبر
آز بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں؟
کب ہوا ایسے شریروں کو ترے بزم میں بار؟
اس کے خوان نوال سے بہ مثل
آز اشعث کی کند دندانی
یاس محو قطع آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بال ہدہدِ تصویر سے

آزاد: قیدی کی ضد

کرۂ خاک ہے گردش میں طپش سے میری
میں وہ مجنوں ہوں کہ زنداں میں بھی آزاد رہا
پانو تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

آزار: تکلیف

وہ شوخ بے سبب آزار و بے گنہ، خوں ریز
کہ جرم قاتل عثماں کا نہ ہو قائل
گر تمہیں صحبت اغیار سے پرہیز نہیں
ہم بھی کچھ چارۂ آزار کریں گے ناچار
فائدہ وصل ہوسناک سے؟ وہ بات کرو
جس سے ہر دم مجھے رنجش ہو، نہ تم کو آزار
سم کھا موے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
کیوں کامِ طلب ہے مرے آزار سے گردوں
ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا
بسکہ اِک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا
اب تغافل ہے واں مگر گردوں
میرے آزار کا کفیل ہوا
ستم آزار و ظلم و جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو
تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث
خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہوگئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح
شکوہ آزار غیر کا جو کروں
ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس
دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے
قتل ہوکر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے
نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق
لو ہم اچھے ہوگئے درمان بے تاثیر سے
ذرۂ اوج سے برجیس کو رجعت ہوجائے
ثور میں زہرہ کرے مہ کے قِراں سے انکار
شکوۂ غمزہ سفاک نہیں عاشق کو
اٹھ گئی تیرے زمانے میں یہ رسم آزار
آتش مہر وصل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحاب آزار

آزردہ: غمگین، رنجیدہ

ہو دلِ آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
طبع تحسین سے جاتی رہے تاثیر غموم
وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں کیا
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
آزردۂ حرمان ملاقات میں کیا
یعنی کہ نہ ملنا ہی نہ ملنے کی سزا ہے
مومن ایماں قبولِ دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہوجائے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

آزمانا: امتحان کرنا، جانچ کرنا

لے شب وصلِ غیر بھی کاٹی
تو مجھے آزمائے گا کب تک

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہئے ستانے کو

لب کا ترے دعویٰ مسیحی
مر اور پہ آزمائیں گے ہم

آس: امید

آخر امید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا

مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا

آئے وہ دست غیر میں دیے ہاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

کیوں کر نہ ہو تیری آس تو نے
افلاک کو بے ستوں تھمایا

آس پاس: اردگرد، گردوپیش

یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہ کامل کے آس پاس

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

یہ غیرت وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے زنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

مر جائیں تا خوشی سے عدو سن وصال کی
یارو دعا کرو گلے مل مل کے آس پاس

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گورِ عنادل کے آس پاس

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

آس ٹوٹنا: امید ختم ہو جانا

آئے وہ دست غیر میں دیے ہاتھ
آس ٹوٹی شکستہ پائی کی

آساں: مشکل کی ضد۔ سہل

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا

خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
اُن کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

آغوشِ گور ہوگئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

آسائش: آرام، چین، راحت

صبر بعد آسائش اِس قلق پہ مشکل تھا
عیشِ جاوداں نکلا رنجِ جاوداں اپنا

آستانہ: دہلیز

چلِ کے کعبے میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

آستاں: دہلیز

چارہ گر کعبے میں اس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا

دھر پانو آستاں پہ کہ اِس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظِ دفترِ تقدیر اکثر ہم

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیلِ آسماں کے لیے

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے

آستیں: انگرکھے، کرتے اور عبا وغیرہ کا وہ حصہ جس میں ہاتھ رہتی ہے۔

اشکِ چشم وگریۂ زخمِ دل اب میں کیا کروں
ہوگئی سب آستیں ترخوں میں دامن آب میں

موج زن ہے ایک دریا ہائے جوشِ اشک ہائے
آستیں ہوجائے تر دامانِ تر گر خشک ہو

عدو نے دیکھے کہاں اشکِ چشمِ گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خوں سے تر آستیں ہوچکی

آسرا: سہارا

تو فلک مرگ ہم سے سب غافل
اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا

آسرا: امید

ہے عام خطاب "یا عبادی"
اس نے تو کچھ آسرا بندھایا

آسرا بندھانا: امید دلانا

ہے عام خطاب "یا عبادی"
اس نے تو کچھ آسرا بندھایا

آسمان پر دماغ ہونا: مغرور ہونا

برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو

آسماں: فلک، آکاش

وہ نیر آسماں تقدیس
جاں سوز مناظر و مرایا

خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مدنظر ترا پابوس

زبس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں
نہ آسمان کے واڑوں رہے مدام کیوں

بلند پایہ عمر، جس کے قصرِ رفعت کا
گدائے خاک نشیں، شاہ آسماں منزل

مت پوچھ مجھ سے خون عنادل کا ماجرا
ہر گل زمینِ شعر پہ ہے آسمان تیغ

ایک جہاں میں قدرداں سو وہ بہ رغم آسماں
آج یہاں ہے کل وہاں واہ کمال داوری

خاک میں رشکِ آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی

میں وہ شہ سریرِ فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیلِ آسماں کے لیے

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا

ان نصیبوں پہ کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اُس سرو موزوں کو
زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا

دیکھنا کثرت بادہ نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسماں شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا

گر میں کم بخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا

آتشِ آہِ بے اثر سے مری
آسماں گلشنِ خلیل ہوا

دیکھئے پسِ مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا

سجدے پر سر قلم ہو دعا پر زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کجروی اے آسماں نہ چھوڑ

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے
کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہلِ جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

جو یارِ صلح پہ ہے اب تو آسمان نہیں
وہ مہربان ہوا تو یہ مہربان نہیں

کیا شکوہ جفائے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو

گریۂ خونیں کو قصدِ عالمِ بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

دکھادوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
بلادوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

تری دوری میں بھی کیا جائے جاں اس پاس جانا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے

کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجے

نہ آسمان کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپش دل نے اختیار مجھے

خالی ہوائے فتنہ سے گاہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

آسماں رس: آسمان تک پہنچنے والا

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

آسودگی: آرام، اطمینان

میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں

آسیب: آفت، بلا

آسیب چشمِ قہر پری طلعتاں نہیں
اے اُنس اِک نظر کہ میں انساں نہیں رہا

آشتی دشمن: صلح و وفا کا دشمن

آشنا سے ہوگئے بیگانگی جاتی رہی
ہوگئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

آشفتگی: پریشانی، پراگندگی

ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے
سبب آشفتگی کاکل کا

آشنا: اپنائیت بھری ہوئی نگاہ

دشمن سے ہے چشم مہربانی
محروم نگاہِ آشنا ہوں

آشنا: بیگانہ کی ضد۔ اپنا، مجازاً دوست

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھی
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آشنا سے ہوگئے بیگانگی جاتی رہی
ہوگئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

آشوب: فتنہ، فساد
چرخ وآشوب دور میں اس کے
جوشِ یاجوج و سدّ اسکندر

آشوبگاہ: فتنہ وفساد کی جگہ
عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشرِ غم اِک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا

آشیانہ: دیکھیے آشیاں
برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو
صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس

آشیاں: پرندوں کا گھونسلہ۔ مجازاً اس کا اطلاق گھر وغیرہ پر بھی ہوتا ہے
کچھ قفس میں اِن دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں
کہاں ہے تاب نازِ برق اے کاش
جلا دے آتشِ گل آشیاں کو
تر کر دیا ہے ابر بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو
نہ جاؤں کیوں کہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیال حسرت مرغان ہم قفس گذرے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لیے
نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے
ہر مو پہ پھر ہے طائر مجنوں کا آشیاں
پھر فوج فوج سر پہ مرے ازدحام ہے

آغاز: انجام کی ضد۔ ابتدا، شروعات
ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا
صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مر گئے ہم دمِ آغاز سحر آخر شب
اس بت کے لیے میں ہوس حور سے گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
بسکہ شام وصل آغاز سحر میں مر گئے
سینہ کوبی اہل غم کی ہم صدائے کوس ہے
موئے آغاز الفت میں ہم افسوس
اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی
برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہوگئی خو امتحاں سے

آغشتہ بخوں: خون میں تر
آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلاّد میں دامن ہے ہمارا

آغوش: گود
آغوشِ گور ہوگئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا
وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

آفت: مصیبت، سختی
مطلب ہے کہ وصلت میں ہے بوالہوس آفت میں
اس گرمیِ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا
ہے صلح عدو بے حظ تھی جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا
پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح
دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری آتی

آفت ایماں: ایمان کا دشمن، مجازاً محبوب

دوستی اس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

آفت جاں: جان کا دشمن، مجازاً محبوب

آفت جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آ چھپا ہے عشق

جاں دیدوں ہے اس آفت جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں

آفت دل و جاں: دل و جان کا دشمن، مجازاً محبوب

اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

آفت روزگار: زمانے کے لیے آفت و مصیبت۔ مراد شریر، شوخ

شکوۂ دہر پر کہا تم کو
آفتِ روزگار ہونا تھا

آفتاب: شراب

زبس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں
نہ آسمان کے واژوں رہے مدام کیوں

آفتاب: سورج، خورشید

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

جہاں مطاع، شہنشاہِ آفتاب نشاں
فلک سریر و قمر طلعت ملک

ہزار داغ ہو پروائے آفتاب کسے ناموس
پرستش گل خورشید میں ہے گرم مجوس

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

کب تلک جلیں یارب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

آفتابے: جمع ہے آفتابہ کی۔ لوٹا

پی ہے مے حضرت مومن نے جبھی مضمضہ کو
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں

آفریں: کلمۂ تحسین۔ طنزاً بھی استعمال ہوتا ہے

تاثیر بے قراری ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

آفریں: تعریف

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

پڑھتا ہوں اور مطلع رنگیں کہ سن جسے
سرگرم آفریں ہو لب خوں چکان تیغ

لعل لب اس کے درفشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں دونوں میں ہے برابری

آ کر: پہنچ کر

کروں جو گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس

غیر آکر قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے بہ تنگ آکر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

آ کے: پہنچ کے

عجب نہیں مے گل رنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں
غیروں کو آکے بزم میں وہ عطر مل گیا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آکے مری نعش پہ وہ رو گیا

مٹی نہ دی مزار تلک آکے اُس پہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اُس نے ملا دیا

اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
کی آکے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

جنون عشق پری روے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشق حور کی
جوآ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

وہ رندِ خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
بتنگ آ کے حریفان بادہ خوار مجھے

آ کہ: آ کر

کھا گیا جاں آ کہ دوں اس کو نکال
میں نہیں خوش صحبت غمخوار سے

آگ: سوزش

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ

آگ: شعلہ، آتش

وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے
کدھر جاؤں اِدھر پانی اُدھر آگ

سمندر کر دیا آتش رخوں نے
کہ گر پڑتا ہوں آتے ہی نظر آگ

جلایا آتش ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

نچوڑیں گے ہم اپنا دامنِ تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

وہاں تاب رخ و یاں آتش دل
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ

جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

زبس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت
مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر آگ

دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھادی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ

حصولِ سوز دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے دربدر آگ

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم
کیا جانے کسے جلائیں گے ہم

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے، مجھ کو جلاتے کیوں ہو

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

تیرے سمند ناز کی بیجا شرارتیں
کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو

سنگ در سے ترے نکالی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

نالۂ غیرت بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کار شرر کرتا ہے

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

بخت پروانۂ قربان عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے

وہ نعرۂ "علمہ بحالی" جس نے کہ اس آگ کو بجھایا

آگ لگانا: جلانا، کسی چیز کو آگ دینا

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

اف رے گرمی محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

آگ لگانا: سوز محبت کو ابھارنا، ولولۂ عشق اٹھانا

دیکھتے ہی گل نظر میں تیرا ہنسنا پھر گیا
آتش گل نے لگائی آگ اے گل رو ہمیں

آگ لگانا: جلن پیدا کرنا، سوزش پیدا کرنا

شعلہ ہائے تپِ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

آگ لگنا: اجڑنا، غارت ہونا

جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

وہ جو کہتے ہیں تجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے

آگ ہونا: برافروختہ ہونا، خشمگیں ہونا

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

آگاہ ہونا: واقف ہونا

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

آگئی: یک بیک کوئی نئی بات سوجھ گئی

در بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں

آگے: آئندہ

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے

آگے: سامنے، مقابل

ہے فرق لفظ جدید اور معنیٔ نو میں
نہ کیوں کہ چپ مرے آگے ہو افصح وائل

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسان تیغ
میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سر قہرمان تیغ

اس کے آگے علوم پیر فلک
سبق کودک دبستانی

بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیاں شکن
وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرمائے تھا

ہے جنون ایسے کے آگے ٹھیرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشم شرگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوقِ قتل نے
قاتل کے آگے گردن اغیار خم نہیں

شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سارے ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں
ہنس ہنس کے میرے آگے تم دست عدو سے جام لو

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی

پھر جائے نہ تا چشم صنم آنکھ کے آگے
سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے

آلِ داؤد: حضرت داؤد کی اولاد

کیوں شکر کریں نہ آلِ داؤد
افسون شہنشہی سکھایا

آلام: جمع ہے الم کی۔ رنج و غم

یاں کی لاکھوں خلشیں واں کی ہزاروں فکریں
ایک جان اس پہ یہ ہنگامۂ آلام و غموم

آلودہ: لتھڑا ہوا

بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

آمد: آنے کے آثار

آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

آمد: آمدنی

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیوں کر ہو ادا قرض

آمد: آنا

اوّل الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمدِ ہجراں تلک

آمد آمد: آنے کی دھن، آنے کا چرچا

آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار

آمد شد: آمد ورفت

غیرت آمد شدِ دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حالِ مشعل منکوس ہے

آمین: اجابت دعا کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے

دعا پہ ختم سخن کر کہ شور آمیں سے
اٹھا بٹھائیں گے مردوں کو عرش کے حال

جو مرجاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر آمیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

آمیں سرا: آمین کہنے میں مشغول

گرم دعائے شاہ ہو، مومن، کہ کب سے ہے
آمیں سرا زبان اجابت فشان تیغ

آن: لمحہ، تھوڑی دیر

سیر ریاض میں نسیم سطح ہوا پہ بوئے گل
عرصۂ بحر طے کرے، آن میں بے شناوری

ترے فراق میں آرام ایک آن نہیں
یہ ہم سمجھ چکے گر تو نہیں تو جان نہیں

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آں ادا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ بائے بائے میں تالو سے شب زبان لگی

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

آن: نازو انداز

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

آن بیٹھا: آبیٹھا

آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم

آن کے: آکے، آنے کے بعد

غیر عیادت سے برا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا

روزِ غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک
انتظارِ اثر اے نالۂ شبگیر نہ کھینچ

غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں

آن لگنا: آلگنا

جلا جگر تپ غم سے، بھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

وہ کینہ ورز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تمھیں ایسی بھلی وہ آن لگی

آنا: وارد ہونا، موجود ہونا

باغِ جہاں میں گو مہِ خورداد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز

آئے ہو جب، بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

آنا: پیدا ہونا

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحملِ قلق جاں نہیں رہا

آنا: پہنچنا، جانا کی ضد

تجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غمِ غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

جب دل اغیار خوں ہو کر مژہ تک آ گیا
پھر لحاظ غمزۂ شمشیر دم کیوں کر کریں
جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا
دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا
وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیداد آسماں نہ ہوا
غیر آکر قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا
صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعت قہقری چرخ و قمر آخر شب
وحشت سے میری سارے اقبا چلے گئے
آتا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب
دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب
جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ
مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس
اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث
وہ ستم گر دلبرِ عالم اِدھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھیے رہتا ہے یا جاتا ہے دل
لاش پہ آنے کی شہرت شب غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
مت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں
وہ نہیں آتے نہ آویں مرگ ظالم تو تو آ
یاں لب شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں
مجھ سے میکش کی طرف محتسب آتا ہے تو آئے
ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں
ہے منتوں کا وقت شکایت رہی رہی
آئے تو ہیں منانے کو وہ، پر عتاب میں
گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو
نہیں آتا وہ لیلیٰ وش سکھادے
کوئی مجنوں کا قصہ ساربان کو
آتا ہے بہرِ قتل وہ، دور اے ہجوم یاس
گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو
کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی
کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ
آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ
تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ
نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بس کہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے
وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہووے گا تکرار سے
غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے، میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے
گر گئے تھے تو تسلی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتا ہوں، وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے
آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطراب دل زار کے لیے
کیوں کر نجات آتش ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تاب بدن سے ہے
ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصل گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

وادی میں جو اپنی آئیں گے ہم
کیا قیس کی خاک اڑائیں گے ہم
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم
تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب
اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہو جائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت
ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعائے سحری! منت تاثیر نہ کھینچ
سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلا دوں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہیں کیا کیا کاغذ
وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغِ سحر بند
کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق
نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق
کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روزِ محشر رات کو
پھر سوئے مقتل آئے وہ ہاتھ آئے تو بہرِ نثار
اے کشتگانِ شوق جاں زندوں سے سودے دام لو
وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا اے چارہ سازو زحمت تدبیر تو کھینچو
سوتے سے اٹھ کر آئے ہیں یا رب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعائے سحر نہ ہو
بہرِ عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آوازِ پا کے ساتھ
اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست
رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے
جنونِ عشق ازل کیوں نہ خاک اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لیے
ہوں میں سیہ روز کہ وہ شمع رو
شام کو آیا تھا سحر کو گیا
کعبہ سے جانبِ بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا
اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا
تو نے کہیں سکھلایا قابو سے نکل جانا
میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا
وہ شوخ فریبِ قلقِ غیر میں آیا
اب مجھ سے تو صبر اے دلِ ناکام نہ ہوگا
شوقِ وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شبِ مہتاب دیکھ کر
اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز
جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دُردے تاب نہیں
سن کے وصف اس پہ مر گیا ہمدم
خوب آیا تھا غم بٹانے کو
جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخ پیغام نہ ہوگا
چمن میں کوئی اس کو سے نہ آیا
گئی برباد سب محنت صبا کی
ہم جان فدا کرتے گر وعدہ وفا ہوتا
مرنا ہی مقدر تھا وہ آتے تو کیا ہوتا
شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

آنا: کسی ہنر پر قادر ہونا

دل کو قلق ہے ترک محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بیداد آ گیا
بوسہ دے تیرے دمِ تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیعِ کلامِ منظوم

آنا: واقف ہونا

بوسہ دے تیرے دم تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم

آنا: داخل ہونا

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

آنا جانا: آمد و رفت

کردئے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جائے جائے لوگوں نے

آنچ: تپش، شعلہ

تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر
چھوڑ دیویں پرستش آذر
وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن
ابھی سے ہم تو جہنم میں ہو گئے داخل
وہ آنچ تیری تیغ میں جل جائے مثل طور
گر تو صنم کدے پہ کرے امتحان تیغ

آنسو: وہ پانی جو شدت غم یا افراط خوشی خواہ آشوب چشم کے سبب آنکھ سے نکلے ہوں

آگ اشکِ گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور ہاتھ پھل گیا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا
ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے و لے دل طپاں ہنوز
اَلماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل
سوزش دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھرلاتے ہیں
موم کے مانند آتش غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں
کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو کوئے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھو
کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں
ہنس ہنس کے میرے آگے تم دست عدو سے جام لو
لکھتا ہوں اس کو بستگیِ دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو
پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے
مرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہوجائے

آنسو بھر لانا: رونے کے قریب ہونا

سوزش دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھرلاتے ہیں
موم کے مانند آتش غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں

آنسو پونچھنا: اشک پاک کرنا، تسکین دینا، دلاسا دینا

مرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہوجائے
پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

آنسو پینا: آبدیدہ ہو کر ضبط کر جانا، آنسو آنکھ کے باہر نہ نکلنے دینا

دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا

آنکھ: دیکھنے کا عضو

سُرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہوگیا

بوسۂ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجر الاسود آ گیا

وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگسِ شہلا کاغذ

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

مت لال کر آنکھ اشکِ خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

گرائے اشک پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے

پھر جائے نہ تا چشم صنم آنکھ کے آگے
سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے

آنکھ بند ہونا: موت آجانا

کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا

آنکھ پھرنا: بے مروت ہونا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے اے وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

آنکھ اس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

پھر گئی آنکھ مثل قبلہ نما
جس طرف اس صنم نے پھیرا منہ

آنکھ جھپکنا: سوجانا، نیند آجانا

شب فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں

ہائے بخت خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ
دشمنوں کے طالع بیدار سے

آنکھ جھپکنا: آنکھ لڑانے میں ہار جانا

کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں

آنکھ جھپکنا: نگاہ کا خیرہ ہوجانا

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

آنکھ چرانا: نہ دیکھنا، نظر بچانا

کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھ سے
دل کو کھو کر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا

آنکھ چرانا: چشم پوشی کرنا

اس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہائے در یار آنکھ چراتے کیوں ہو

شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

آنکھ لڑنا: عشق ہونا

اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

آنکھ لڑنا: ہم چشم ہونا، مقابلہ ہونا

اس ستم گر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب
کیسے کچے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں

آنکھ لگنا: عشق ہونا، آشنائی ہونا

آنکھ نہ لگنے سے شب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

آنکھ لگنا: نیند آنا

چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خواب وصل کیا دیکھیں

لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شب فراق
ناصح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

آنکھ نہ لگنا: نیند نہ آنا

آنکھ نہ لگنے سے شب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا
نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی

آنکھوں: جمع ہے آنکھ کی۔ دیکھنے کا عضو

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ سُرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر
جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر
خاک دے آنکھوں کو میری گرد واں کی مجھ سے تو
سب مکدر ہیں ہوائے کوچۂ جاناں تلک
آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا
سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا
کوئی تیر اُس کا دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا
بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے
اُثر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا
آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے
دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں
ہوں آب آب اف رے نگہ ہائے گرم گرم
اس مہروش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں
آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں
کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے
کلفت ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے
رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آب گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے
دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے
اشک غماز بھی کیا آنکھوں میں گھر کرتا ہے
کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے
واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں
عالم شب وصال کے آنکھوں میں چھا گئے
پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ سُرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر
لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگاف در کا سا

آنکھوں کے آگے پھرنا: تصور میں کسی چیز کا نگاہوں کے سامنے رہنا یا آجانا، کسی چیز کا خیال بندھنا

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ سُرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر
پھر جائے نہ تا چشمِ صنم آنکھ کے آگے
سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے

آنکھیں: جمع ہے آنکھ کی۔ دیکھنے کا عضو، نظر

کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا
آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ ہائے اِلتفات
گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

ملی ہیں غیر نے پائے نگار سے آنکھیں
سرشکِ خوں سے نہیں پنجہ ہائے مژگاں سرخ

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں سی کھل گئیں دُرِ نایاب دیکھ کر

کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار

کرم جو غیر پہ دیکھا لہو اتر آیا
نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں بن کے ناداں سرخ

خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشمِ شرگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

انتظارِ ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوئے چرخِ خضرا دیکھ کر

شام فراق خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولت بیدار کی طرف

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانب غیر دیکھنا کب تک

گر خواب میں بھی ادھر کو دیکھا
آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

کبھی کی پھر گئیں آنکھیں فرشتے بھی نظر آئے
تمہارا منہ چھپانا دیکھئے کیا کیا دکھاتا ہے

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے

رہی شب کی سی بے تابی تو ہر روز
چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے

نہ ہو تو بیٹھے بٹھائے خراب اے مومن
لڑا نہ اس بت خانہ خراب سے آنکھیں

آپ دیکھا، نہ سنا اور سے پر جھوٹ نہیں
تیری آنکھیں کہے دیتی ہیں نہ کرنا انکار

آنکھیں پھوٹنا: اندھا ہونا، بے بصر ہو جانا

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

آنکھیں دکھانا: عتاب کرنا

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانب غیر دیکھنا کب تک

آنکھیں چرانا: چشم پوشی کرنا، کترانا

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار
شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

آنکھیں کھل جانا: حقیقت کھل جانا، قدر و عافیت معلوم ہونا
کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا
روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں سی کھل گئیں ذرِ نایاب دیکھ کر
خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آراد دیکھ کر

آنکھیں نکالنا: خفا ہونا، غصے سے دیدے نکالنا
نکل آیا اگر آنسو تو ظالم مت نکال آنکھیں
سنا معذور ہے مضطر نکل آیا نکل آیا

آنے لگا: آئے گا، پہنچے گا
یاں کا ہے کو وہ آنے لگا اے کشش دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ

آنے لگا: نکلنے لگا
پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

آوارگی: کوچہ گردی
آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت
لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائر مجنوں کے پر میں ہم
مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفس نارسا کے ساتھ

آوارہ: سرگرداں، پریشان
ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کہ جوں نالۂ جرس گذرے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی
ہوگئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے
تیرے احباب رہیں تکیہ زنِ مسند عیش
تیرے حساد رہیں آوارۂ دشت ادبار

آواز: صدا، بول
دشنام یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
آواز گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چپ ہیں صورت دیوار کی طرح
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم
اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ
بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

آویں: آئیں کی ایک شکل
وہ نہیں آتے نہ آویں مرگ ظالم تو تو آ
یاں لب شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

آوے: آئے کی ایک شکل
آوے تری حمد کا تو ہم
یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا

آہ: کلمۂ افسوس۔ تکلیف سے کراہنے کی آواز
اُس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
بجھ گئی اک آہ میں شمع حیات
مجھ کو دم سرد نے ٹھنڈا کیا
ہماری جان شب تجھ بن دل نا کام لیتا تھا

خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا
دیکھ کر یہ مجمع اُمڈا کیسا ہی ابرِ اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا
آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا
آہ پُر دود اپنی کب زیبِ فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا
ستم اے گرمیِ ضبطِ فغان و آہ چھاتی پر
کبھو بس پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا
یاد آئی کافروں کو مری آہِ سرد کی
کیوں کر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا
اے ہمدم آہِ تلخیِ ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جامِ ہلاہل کو تھامنا
تھا روزِ نخستیں غمِ شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا
ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہوسکا
آہِ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو
کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا
تم اور حسرتِ ناز، آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
رازِ دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
برقِ آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا
دل گرمیوں نے اُس کا کلیجہ جلا دیا
آتشِ آہِ بے اثر سے مری
آسماں گلشنِ خلیل ہوا
آہ طولِ امل ہے روز افزوں
گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا
شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

دھر پانو آستاں پہ کہ اِس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب
ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغانِ بے اثر رکھتے ہیں آپ
کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے جو وہ طعنِ غیر پر رات
اُس کے شکوہ سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج
مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دین داری آج
ہم دامِ محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائرِ پر بند
عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ
کیوں نہیں لاتا اسے آہ مری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دمِ بازِ پسیں ہے ہنوز
ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آ گیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس
کیا دعوئ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس
میں آہِ زبانہ کش جو کھینچوں
باندھے ابھی حصارِ آتش
ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لبِ اعجاز اثر سے فیض
کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ لیتی ہے تو تاثیرِ دعا قرض
ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ
گل بانگ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گزری نسیم آہ چمن زار کی طرف
لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ

ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
یکساں ہے شام غربت و صبحِ وطن اثر
پائیں فغانِ شب میں نہ آہِ سحر میں ہم
کیا ٹھہرے فوج غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکرِ برباد کے قدم
اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم
دم نہ لے اے اثر آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں
نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحن بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں
کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں
کیا سبھی سینے جل چکے کیا سبھی دل پگھل چکے
بوئے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں
سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبط آہ شعلہ زن کی فکر میں
آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں
ہوئے بے خواب آہِ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی کیا قیامت ہو
صرصرِ آہ و فغانِ شعلہ زن طوفانِ اشک
جمع سامانِ خرابی تھا مرے گھر رات کو
آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو
نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو
یہ مایوسی دل و جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہِ فسوں تاثیر تو کھینچو
عبث نالش ہے آہ تیرہ روز چشم جادو کی
وہاں بند ہوں سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو
اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو

ڈرتا ہوں میں نزول بلا بیشتر نہ ہو
سوتے سے اٹھ کر آئیں ہیں یا رب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعائے سحر نہ ہو
اب کیجے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر درگذر نہ ہو
اک آہ ہی کرلوں کہ ہو شاید اسے تاثیر
فرصت نہیں اب ہے نفس باز پسیں یہ
ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ
پرہیز سے اس کے گئی بیماریِ دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے
آہ دورِ چرخ کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے
ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی
منفعل ساز دم ناہید نغمے کیا ہوئے
کیوں گذرتی ہے فلک سے آہ و زاری آپ کی
کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آہ کی
اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہوجائے
بنی ہے صور سرافیل آہ بے تاثیر
کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گذرے
کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی
کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے
کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے
رکھے ہے ہاتھ سینے پہ بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک رویئے دو چار آہ خوں چکاں کیجے
ثوابت ہیں سیار مثل شرر
مری آہ کرسی نشیں ہو چکی

آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشمِ تر طوفاں اٹھا نا چھوڑ دے
کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے
جی رکے ہے ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا
ناک میں آیا دم اس آہ ستم تاثیر سے
دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی
گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
گریۂ شب نے بھگویا ہے اب اے آہِ سحر
تیری گرمی سے جو بستر نہ جلے خشک تو ہو
تم اور حسرت ناز، آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل

آہِ افسوں تاثیر: جادو جیسا اثر رکھنے والی آہ
یہ مایوسیٔ دل و جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہِ فسوں تاثیر تو کھینچو

آہ بھرنا: افسوس کرنا
مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دین داری آج
کون کہتا ہے دمِ عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں
کس کے ہاتھوں سے ہے دم نے کی طرح ناک میں جو
نالے کرتے ہیں کبھو آہ کبھو بھرتے ہیں
کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

آہِ رسا: پہنچنے والی آہ، یعنی اثر انداز ہونے والی آہ
ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
گِلہ کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم

آہِ فلک فگن: آسمان گرانے والی آہ
آہِ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

آہ و زاری: واویلا، رونا پیٹنا
اُس کے شکوہ سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج
منفعل ساز دم ناہید نغمے کیا ہوئے
کیوں گذرتی ہے فلک سے آہ و زاری آپ کی
دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی
ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

آہ و فغاں: گریہ و زاری
ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغانِ بے اثر رکتے ہیں آپ
کیا ٹھہرے فوجِ غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکرِ برباد کے قدم
صرصرِ آہ و فغانِ شعلہ زن طوفانِ اشک
جمع سامانِ خرابی تھا مرے گھر رات کو
کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

آہستہ: دھیرے، ہولے
اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

آہن: لوہا
کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دل
اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے
زرد تر چہرہ عاشق سے ہو رنگ رخِ یار

آہن فشار: لوہے کو نچوڑنے والا
کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلۂ الاماں تیغ

آہن گداز: لوہے کو پگھلا دینے والا
آہن گداز، نالہ مرا دیکھ کر نہ ہو
پیکاں ضمان خنجر و خنجر ضمان تیغ

آہنگ: قصد، ارادہ
بس بس آہنگ دعا نجی ممدوح کہ ہے
متصل عرشِ معلیٰ سے نزول آثار
آہو: ہرن
قیس شوخ اب کیوں کہ دعویٰ ملک وحشت کا کرے
مہر محضر ہوگیا نقش سم آہو ہمیں
کیوں نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آہوے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں
پھر وہ وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں آہو ہیں نظر میں پھرتے
اس آہوے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہے دل
رم کردہ شوق وصل پھر اک صید رام ہے
آہو چشم: مرگ نینا، ہرن کی سی آنکھ والا
دشمن سگ کوچہ نہ ہو اُس شوخ آہو چشم کا
نادم ہوں کعب گرگ پاے نامہ بر سے باندھ کر
آہوے رمیدہ: بھاگا ہوا ہرن، یہاں محبوب مراد ہے
اس آہوے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہے دل
رم کردہ شوق وصل پھر اک صید رام ہے
آہوں: جمع ہے آہ کی۔ کلمۂ افسوس، نالہ
آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشکِ چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم
آہوے حرم: حرم مکہ کے ہرن جن کا شکار ممنوع ہے
غور سے دیکھتے ہیں طوف کو آہوے حرم
کیا کہیں اس کے سگ کوچہ کے قرباں ہوں گے
آؤں گا: آنا سے فعل مستقبل۔ پہنچوں گا
دیکھئے وہ کون سی تب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو
آئینہ: منھ دیکھنے کا شیشہ
محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہو گا
آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

آئینہ میں ہو نہ مومِ جادو
سوئے نہیں اب وہ تا سحر رات
دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا
کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر
صفات آئے جو آئینۂ ہوا میں نظر
لگا خواص و عوارض کو اعتبار نفوس
خاک اڑاتا ہے پشت آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر
جلا پذیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فناے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل
کیا کہوں قصۂ طغیانی دریاے سرشک
دیکھ لو آئینۂ چرخ ہے زیر زنگار
موسم گل میں سیہ مست جواں تائب ہو
روز باراں میں کرے، پیر مغاں، استغفار
آئینہ ہے صفا سے دل میرا
کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
مردہ و حیراں میں کیا شبہ پڑا دیکھنا
محوِ خود آرا ترا آئینہ ہیں ہے ہنوز
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر
وہ اتنا کہ دیکھیں تماشائے غش
حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
آئینہ کا بوسہ لے تو عکس لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خودکام ہم
پیشِ نظر ہے کس کا رخ آئینہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم
کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم
آئینۂ رنگ غم نے توڑا
کیوں کر اسے منھ دکھائیں گے ہم

بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں

دل کا کیا حال کرے دیکھئے یہ گرمیِ حسن
ٹھہرتا آئینۂ یار میں سیماب نہیں

جو تیرے منھ سے نہ ہو شرمسار آئینہ
تو رخ کرے سوے آئینہ دار آئینہ

کہے ہے دیکھ کے رخسار یار آئینہ
کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ

سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گلفام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

صفائے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں
چراغ صبح ہے شب ہاے تار آئینہ

سمجھ لیا مگر اس سبز رنگ کو طوطی
کہ ہے نظارہ کا امیدوار آئینہ

وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دم مردن
تو توڑ دے کمر کوہسار آئینہ

مقابل اس رخ روشن کے کھل گئی قلعی
نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب وار آئینہ

سمارہے ہیں مگر تیرے نو بنو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ

شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

بالا ہے منع وفا نور اڑ گیا تا صبح
تو لے کے دیکھ تو رنگ عذار آئینہ

سمجھ تو مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کا ہے کو پرہیزگار آئینہ

تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یاروں مجھے جو رنگ مرا ہے

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے
آئینہ صد گلۂ آئینہ گر کرتا ہے

دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمہیں دیکھ کر نہ ہوجائے

طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
ہو نہ زیب پشت آئینہ تری تصویر سے

آئینہ: فولادی آئینہ

آئینے نے بھی اس زمانے میں
تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر

آئینہ خانہ: وہ مکان جس میں چاروں طرف آئینے لگائے گئے ہوں، شیش محل۔

مرا جوہر ہو سر تا پا صفاے مہر پیغمبر
برا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سقت کا

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑتا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کروڑ دیکھ

آئینہ دار: وہ جس سے آئینہ رکھنے اور آئینہ دکھانے کی خدمت متعلق ہو

جو تیرے منہ سے نہ ہو شرمسار آئینہ
تو رخ کرے سوے آئینہ دار آئینہ

آئینہ داری: آئینہ دکھانے کی خدمت

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

آئینہ دکھانا: حقیقت حال ظاہر کرنا

حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گلفام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

آئینہ دکھانا: آئینہ سامنے کر دینا

شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ

آئینہ دکھانا: سکتے میں منہ کے سامنے آئینہ رکھتے ہیں تاکہ ا
آئینہ پراگر سانس کا اثر معلوم ہو تو سکتہ ہی سمجھا جائے

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دم مردن
تو توڑ دے کمر کوہسار آئینہ

آئینہ رو: آئینہ جیسا چہرہ والا، کنایتاً محبوب

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشک مسلسل سے مرے زنجیر شیشہ کی

آئینہ زار: وہ جگہ جہاں آئینہ ہی آئینہ ہو

ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

آئینۂ سکندری: وہ آئینہ جس کی ایجاد سکندر نے کی

خط بیاض صبح وہ، شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو، آئینۂ سکندری

آئینہ فام: آئینہ جیسی رنگت والا، مراد گورے بدن والا

بخت سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

آئینہ گر: آئینہ ساز، آئینہ بنانے والا

تری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

خاک اڑاتا ہے پشت آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر

آئینہ گری: آئینہ سازی، آئینہ بنانے کا کام

تری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

آئیں گے: آنا کا فعل مستقبل۔ پہنچیں گے

نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے
جوشِ لبیک و مرحبا کب تک

آئیو: آنا سے فعل امر کی ایک شکل

اے قیامت نہ آئیو جب تک
وہ مری گور پر نہ ہو جائے

آئے: حاضر ہوئے، موجود ہوئے

چمن سے زر، عدن سے در، کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہاں میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری

آیت کرسی: سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۵۵ جس میں کرسی کا ذکر آیا ہے

تا سحر شام عبادت تری شب بیداری
شارح آیت کرسی پس حیٔ القیوم

اب وجد: باپ دادا

مجھ تلک پہنچے ہیں اب وجد سے
ورثۂ نکتہ ہائے لقمانی

ابتدا: انتہا کی ضد، شروع، آغاز

ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھیے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مرگیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے

ابتری: خرابی

کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری

راجہ اجیت سنگھ نام، کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام، کار جہاں کی ابتری

اب تو: اس کا استعمال وہاں ہوتا ہے جہاں ایک امر ہو چکے اور اس پر کوئی نتیجہ مرتب کیا جائے

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومنِ دیندار کم ہوا

عشق بت میں خود اب تو درخور پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

ہاں مان کہا بیچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جان اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض

پئے ہم ہے حالت جاں کنی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

ابد: وہ زمانہ جس کی انتہا نہ ہو

اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں

ابر: بادل

رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ
کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا

شہ سریر خلافت، مہ سپہر کمال
محیط ابر نوال و سحاب دریا دل

بحر ارشاد و ہدایت سے تری ہو جاوے
فیضیاب نم تاثیر اگر ابر بہار

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
ہے محو گرم پائی برق تپان تیغ

ابر بارندۂ دانش، گہر فیض کمال
قلزم حسن عمل، منبع دریائے علوم

اس کے ہے روزگار میں یکساں
ابر کو بہمنی و نیسانی

تر کردیا ہے ابر بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گر تھم جائے ہے
دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقت بارش اخگر خورشید تف ہر ژالہ تھا

دیکھ کر یہ مجمع امڈا کیسا ہی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرط ابر تر سے باندھ کر

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق
بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

ابر آذری: وہ بارش جو ماگھ اور پوس کے مہینے میں ہوتی ہے۔
اسے مہاوٹ بھی کہتے ہیں

اگر میں گریۂ مستانہ کا کروں مذکور
زمین مے کدہ بے ابر آذری ہو گل

ابر بہاری: وہ ابر جو فصل بہار میں آئے، موسم بہار کا بادل

ترکر دیا ہے ابر بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

ابر نیسانی: موسم بہار کی وہ بارش جس کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے سیپ میں موتی بنتے ہیں

میرے خامے کے جوش گریہ سے
روئے دیتا ہے ابر نیسانی

ابرار: (جمع ابرار کی) نیکو کار، پرہیزگار

اے صنم! چاہیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تو نے سنا قصۂ شاہ ابرار

ابرام: اصرار

کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا

ابرو: بھوں

دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہ عید
جس طرح سوئے ہلال رمضاں بادہ گسار
دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو
ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میان تیغ
نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروے دل ربا پہ خم جاں ستان تیغ
خنجر جاں شگاف میں اس کے
ابروے یار کی سی بڑائی
براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس

غم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
کشش ابروے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے دل مائل محراب نہیں
کسی کے ابروے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ہو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو
ابروے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

ابروے تیغ: تلوار کا ابرو (تلوار کو خم کے اعتبار سے ابرو کہا گیا ہے)

ابروے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

ابروے خوش خم: خوب صورت دائرے والی بھنویں

کسی کے ابروے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ہو

اب کی: اس بار، اس مرتبہ

ہے اول بہار یہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت
مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

ابلیس: شیطان، جو حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے سے راندۂ درگاہ ہوا

یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب
ابلیس کو خاک میں ملایا

ابن علیؓ: علی کے بیٹے، یہاں مراد حضرت حسنؓ ہیں۔

مرحبا یا بن علیؓ کی چلی آتی ہے صدا
اب تلک روضۂ رضواں سے، زہے فیض قدوم

ابھی: اسی وقت

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیاں ہوگا

ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنادوں
پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
میں آہ زبانہ کش جو کھینچوں
باندھے ابھی حصار آتش
کیا گل کھلے گا دیکھیے ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
ہیں جاں نثار کہیے تو مر جائیں ہم ابھی
یہ کام بوالہوس سے کبھی عمر بھر نہ ہو
اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو
حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ
منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
لوں میں بھی ابھی لیتے ہیں پردہ دری اتنی

ابھی: اب تک

ہے ابھی آرزوئے وصل صنم
ہے ابھی حسرت ہوس رانی
ہے ابھی آرزوئے وصل صنم
ہے ابھی حسرت ہوس رانی
باقی ہے شوق چاکِ گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا
قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

اپنا: میرا

دعویٔ تکلیف سے جلّاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا
کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا
ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیّاد کیا
زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا

آج ہم نے اُس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا
دیکھ اپنا حالِ زار منجّم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا
لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرّۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا
قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا
لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوسِ کلیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا
تھا روزِ نخستیں غمِ شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اخترشمری مشغلہ اپنا
بل جاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر
زنجیر درِ یار ہے یا سلسلہ اپنا
انصاف کے خواہاں ہیں، نہیں طالب زر ہم
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا
تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا
بے وفائی ہے سرشت اس کی سو وہ ہم میں کہاں
ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہو گیا
دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خطِ جبیں کیا مٹا دیا
کیا ہوا ہوا گر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا
دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا
اُڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہو گئی خاک خاکساری آج
کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح
گماں قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور
سیاہ مستی مے سے ہے چشمِ جاناں سرخ

یاں اپنا ان کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جاسکے کب یار کے مسکن میں ہم

کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم

گیسو وخال وخط اپنا دین وایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کردیا ہندو ہمیں

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آ گیا دل یاد اے آئینۂ رو اپنا ہمیں

خسرو و عیش وصل یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

بیکسی دیکھو، وفور اشک عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

فطری ہے پیر چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرت بخت جواں نہیں

سودا ہے مجھ کو گرمیِ بازار عشق کا
اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو

مومن نہ سہی بوسۂ پا، سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کرلے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے

اپنا: خود کا

اللہ ! دکھادے اپنا دیدار
اکشف بجمالك الغطایا

پاکے الزام دست خالی سے
قلغی پیٹتا ہے اپنا سر

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

شعلۂ دل کو نازِ تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

اب انہیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

نچوڑیں گے ہم اپنا دامنِ تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

یارو دشمن نے ستایا جب کہ ہم عاشق ہوئے
ہے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

مت لال کر آنکھ اشکِ خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس میں

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں

کھولا جو دفتر گلہ اپنا زیاں کیا
گذری شب وصال ستم کے حساب میں

سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں
اپنا ہم مقبرہ بنانے کو

جب کہا یار سے دکھا صورت
ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منھ

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

وصل میں بھی دل سے غم جاوے کہاں
کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے

اپنا سا منہ لے کر رہ جانا: امید کے خلاف ظاہر ہونے پر خفیف ہونا

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

اپنی: اپنا کی تانیث، خود کی

اپنی حسرت کا کچھ علاج نہیں
یار ہو بخت یا فلک یاور
میں اپنی کشتیِ طوفاں رسیدہ سے خوش ہوں
کہ بحرِ عشق میں کام نہنگ ہے ساحل
یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسدِ جاہل
پائے خم ہی تھی سزاوار یہ زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سرِ ناپاک پہ اپنی دستار
نقدِ جاں، اپنی تجلّی کی نہ کہنا قیمت
صبحِ محشر کہیں بن جائے نہ روزِ بازار
سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گرگ
غمِ تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار
زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا
بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار
کیا کہوں اپنی گردشِ ایام
صبحِ نو روز ہے شبستانی
دوری اپنی نہیں ہے مانعِ فیض
مہر کو کیا حجابِ ظلمانی
جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا
آویزہ دو اپنی کب زیبِ فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا
کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا
یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابندِ سلاسل نہ ہوا
غیر کو سینہ کبھے سے سیم بر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینہ میں طغیانِ اشک نے
اپنی ہی فوج ہو گئی لشکرِ غنیم کا
باقی ہے شوقِ چاکِ گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اُس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا
دیکھیے پسِ مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا
ہم جواں مردِ محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلکِ پیر نہ کھینچ
خدا کو مان اپنی راہ لے کعبہ کو جا مومن
صنم خانہ میں کیا لیوے گا اے گم گشتہ رہ رہ کر
کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار
تھی جہنم وہ نگاہِ گرم بھی سوئے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر
ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوئے بد اے بد زباں نہ چھوڑ
شمع ساں اپنی تپش ہے، تو سنے یا نہ سنے
طے نہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک
حیرتِ دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم
آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشکِ چشمِ یار فسوں خوانیوں میں ہم
وادی میں جو اپنی آئیں گے ہم
کیا قیس کی خاک اڑائیں گے ہم
مدعا یہ ہے کہ غیرت سے میں سم کھا جاؤں
اس لئے غیر کو وہ اپنی قسم دیتے ہیں
گر نگاہِ ناز کو مشقِ ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگسِ تربت قلم کیوں کر کریں
تا نہ خلل پڑے کہیں آپ کے خوابِ ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
عاشق کشی ہے شیوہ اگر بوالہوس سہی

آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں
دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑ دے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں
مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں
اے کاش عدو کو غیرت آوے
میں منتظر اپنی موت کا ہوں
جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دُردِ مئے ناب نہیں
میں اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں
اگر زنجیر کش سوے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو
اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو
شاید کبھی وہ میکش بدمست منھ لگائے
خاک اپنی کاش دردِ تہ خم نشستہ ہو
تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ
مجھے یاد آگئی بس وہ ہیں اس کے قد و قامت کی
چمن میں دیکھ کر کل سرو میں نے کیا قیامت کی
یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھیے دلدار کا
پند گو اب تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے
یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امیدواری کی
کر دے روز جزا شب دیجور
ظلمت اپنی سیاہ کاری کی

قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ سزا اپنی جاں نثاری کی
جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے
یہ آب تلخ شربت قند و نبات ہے
دیا ظالم کو دل جاں غیر کو، آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجے یہ خوبی اپنی قسمت کی
بات اپنی وہاں نہ جمنے دی
اپنے نقشے جمائے لوگوں نے
سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے
میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہوجائے
گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی
نی کچھ نہیں اپنی جاں بازیاں
یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے
بے ہوش ہے عاشق پہ یہ مست سے کمتر
تم مجھ کو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے
تمہیں شور و فغاں سے میرے کیا کام
خبر لو اپنی چشم سرمہ سا کی
جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں
نہ تاب لائے دل سخت زاہد سالوس

اپنے: خود کے

کرتے رہے شکر بخت بیدار
ساتھ اپنے صنم نے گر سلایا

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
تجھ کو دکھلاؤں تماشا میں جنوں کا اپنے
آر ہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار
کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار

حسادسر سے پانو تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ
مصرعِ زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا حال پریشاں منظوم
جائیں وحشت میں سوے صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی
سوچ سوچ اپنے دل میں ڈرتا ہوں
گو ہو وسواس ہاے شیطانی
کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری
اب نہیں کی بے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری
باغ میں اپنے ہر شجر تابہ چنار و سرو بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری
یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعاے وصل نہ کی کہ وقت تھا اثر کا سا
الجھا ہے پانو یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پنھائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پریزاد آگیا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرفِ شیون ہوگیا
اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہوگیا
آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا
کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبشِ مژگاں نہیں رہا
رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے
تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
مومن میں اپنے نالوں کے صدقے، کہ کہتے ہیں
اُس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب
سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ
اس ضعف میں تو سینے سے آتا ہے لب تلک
کہتے ہیں اپنے نالے کو ہم نارسا عبث
گلگوں قبا پہن کے کیا قتل غیر کو
کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد
ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہوگیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار
میں نہ مانوں گا کہ چشمِ آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روے غیر اپنے کفِ پا دیکھ کر
مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس
کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مکر
دیکھ اپنے نفس رشتۂ زنار کی طرف
غم ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم
اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم
پیشِ نظر ہے کس کا رخ آئینہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم
پھرتے ہیں سوسو سوسے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھاتے ہیں
تن کاہیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں
وہم آتا ہے فغانِ ہجر کوے یار کا
صورِ اسرافیل ہے قمری تری کوکو ہمیں
اہلِ ماتم اپنے روئیں کس طرح منھ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں
گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو
سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو
گریہ پہ میرے زندہ دلو! ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دل جنت مقام کو
ایسے سے قدر و مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو
کوچہ سے اپنے غیر کا منھ ہے ہٹا سکے
عاشق کا سر لگا ہے ترے نقش پا کے ساتھ
میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ
چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دست عدو سے پانو میں تھی شب حنا لگتی
مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے
دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے
شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے
گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے رازداں سے

اپنے: میرے

مصرع زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا حال پریشاں منظوم

جائیں وحشت میں سوے صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی
کلی سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری
کر دیے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جاے جاے لوگوں نے
چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے تنکے چھننے کی کیوں دھوم دھام ہے
کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے بھی چپکے رہنے میں کچھ کچھ کلام ہے

اپنے: خود

شام سے اپنے سو رہے وہ تو اور ہم ان کے کوچے میں
ولولہ ہاے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں گھبراتے ہیں
عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے
اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور بیع سلم کرتے ہیں
پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ مہتاب قمر میں پھرتے
سوااے محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزا وار شکستن کون سی تقصیر شیشہ کی
کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعدِ مرگ
ہنگامۂ محبتِ اَغیار کم ہوا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
کفر ہے بے گلرخ تر سا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا
دشنہ چھین لے گا کیا ہم نشیں شب فرقت
آپ جب نہیں اپنے کون میری جاں اپنا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب
گلشن میں لالہ میں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دلنشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں

اتارنا: چھین لینا، لے لینا

حکم سے اس کے بے سروساماں
سر جم سے اتار لے افسر

اترنا: یاد نہ رہنا، بھول جانا

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی مرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اتفاق: اچانک، یکا یک

مجھ کو یہ گل زمیں پسند آگئی اتفاق سے
مزرعِ غیر میں کسے ورنہ سر کدیوری
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اتقا: پرہیزگاری

مومن اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

اتنا: اُس قدر

نہ دینا بوسۂ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے

اتنا: اس مقدار میں

نہ کوئی مایہ دار حسن اتنا
نہ کوئی مجھ سا عاشق بے زر
دور اتنے رہے، محرومی قسمت، سے کہ ہم
سمجھے ہندی صنموں کو بھی بتان فرخار
دیکھ اتنا مہر ترے عشق میں رویا کہ ہوئی
جلوہ گر مہر لیا، وحشت سے تا کہسار
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں

منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے
وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آؤں حضرت عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے
دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے
ہم حال کہیں جائیں گے سنیے کہ نہ سنیے
اتنا ہی تو یاں صحبت ناصح کا اثر ہے
اِتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جاتا
ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا
مشکل ہے مزاج اتنا اِک بار بدل جاتا
دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت ہے
اِتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جاتا
بے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق
اِتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا
عشق بت میں خوداب تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا
پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُسنے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر
وہ اتنا کہ دیکھیں تماشائے غش
یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض
کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصل غیر کا انکار ہے غلط

اتنا: اس قدر

من وسلوا کباب ہے آلود
زاہد اتنے ہیں جوع سے مضطر

پامال کیجے شوق سے پر بزم خاص میں
اتنا تو ہوکہ خاک مری در بدر نہ ہو

نومیدی جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پس قاصد رواں نہیں

اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاعِ روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

تناسا منہ نکل آنا: چہرہ اتر جانا

ہوئی بلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردین میں غنچہ کا منہ اتنا سا نکل آیا

اتنوں: اتنا کی جمع، مراد اتنے لوگ

بیٹھا رہوں کیا منتظر دور میں ساقی
اتنوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا

اتنی: اتنا کی تانیث۔ اس قدر، مقدار بتانے کے لیے

جان مومن یہ گونہ گونہ ستم
کافر اتنی تجھی نامسلمانی

کہ نہیں کیوں خیال طوف حرم
مومن اور اتنی نامسلمانی

اتنی کدورت اشک میں؟ حیراں ہوں کیا کہوں
دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں

اتنی بھی تاب دوریِ خورشید طلعتاں
نقصان کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں

منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
اوں میں بھی ابھی لیتے ہیں پردہ دری اتنی

تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سایہ سے مرے وحشت اے رشک پری اتنی

دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری اتنی

بے پردہ پس چلون یک بار تم آبیٹھے
بے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

لازم تھا حذر مجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تجھ کو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی

لوچھیڑ رہے ہے نکہت کو گل ہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی بادِ سحری اتنی

یہ کون کہے اس سے کی ترک وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی

کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

اتنی بات: مختصر سی بات

لگائی آ دو نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ

اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

اتہام: تہمت، الزام

ربط بتان دشمن دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

اٹ گئے: مٹی اور خس وخاشاک سے بھر جانا

اٹ گئے حوض ونہر غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

اٹکنا: لگاؤ ہونا۔ محبت کے لیے کہا ہے۔

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

اٹی ہوئی: اٹ جانا۔ گرد و غبار میں آلودہ ہونا

خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں
آئے ہے کچھ اٹی ہوئی باد صبا غبار میں

اٹھ جا: اٹھنا کا صیغۂ امر۔ نکل جا۔ چلا جا

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

اٹھ جانا: روانہ ہوجانا، نکل جانا

دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
میرے احوال پر نگاہ نہ کی

اٹھ جانا: مرجانا۔ فوت ہوجانا

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

اٹھ سکے: برداشت ہو سکے

ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بیداد چرخ
مر گئے مضمون جور یار جوں سوجھا ہمیں

اٹھ گئی: موقوف ہوگئی، ترک ہوگئی

شکوۂ غمزہ سفاک نہیں عاشق کو
اٹھ گئی تیرے زمانے میں یہ رسم آزار

اٹھا: دیکھیے اٹھانا

اٹھا نہ ضعف سے گل داغ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سما گئے

اٹھا: اٹھنا کا فعل ماضی۔ دیکھیے اٹھنا۔

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امیدِ دعا ہائے سحر ہے

اٹھا: ملا۔ حاصل ہوا

اب شوق سے تم محفل اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے

اٹھا بٹھائیں گے: اٹھا کر بٹھادیں گے۔ جگا کر بٹھادیں گے

دعا پہ ختم سخن کر کہ شور آمیں سے
اٹھا بٹھائیں گے مردوں کو عرش کے حامل

اٹھادے: ہٹادے

اے پردہ نشیں چلون اُٹھادے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت

اٹھانا: جھیلنا، تحمل کرنا

قتلِ عدو میں عذر نزاکت گراں ہے اب
مجھ میں ستم اُٹھانے کی طاقت کہاں ہے اب
دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھاتا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو
کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
آسماں کے ستم اٹھانے کو

اٹھانا: بوجھ اٹھانا

سر پہ یہ کوہ غم گر اُٹھاتا تو بوجھ سے
دھنس جاتے بے ستون میں فرہاد کے قدم

پڑی ہے اس گلی میں لاش دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بارِ گراں کو
جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پانو سے گئے مدفن میں ہم

اٹھانا: بلند کرنا، اوپر کرنا

اٹھا کے سوتے میں دے پٹکا رات سر شاید
کہ زیرِ سر کے مرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
کتنی ہی قضا ہوئیں نمازیں
پر سر کو نہ پانو سے اٹھایا
کچھ آب زنی کرے نہیں تو
سر نار جحیم نے اٹھایا
جو میری نثر کے دیکھے لآلی منثور
اٹھا لے مسند حشمت حجاب سے کاؤس
چرخ سے کم تو کیا ہو وہ خود جو ضرب گرز اٹھائے
حرب سے پہلے سر شکن، بہر عدو پہ یہ مغفری
اے پردہ نشیں چلون اُٹھادے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت
اللہ ری ناتوانی جب شدت قلق میں
بالیں سے سر اُٹھایا دیوار تک نہ پہنچا
ایسے ستم کیے کہ مرا جی بٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

اٹھانا: جنازہ اٹھانا

مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

اٹھانا: نکالنا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا
جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
یا رب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو' سے اٹھاتے ہیں مجھے

اٹھانا: جگہ سے الگ کرنا

مرے گھر آپ یوں جاتے تھے کس دن
اٹھانا مدعا ہے آستاں سے
دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پانو اٹھاتے کیوں ہو

اٹھنا: آگے کو بڑھنا

پانو زنداں سے اٹھے کیا سر اُٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہوگیا

اٹھنا: ہٹنا

رُکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں، کیا پانو ہے کیا ہاتھ

اٹھنا: کھڑا ہونا

دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپِ غم سینہ جلا کے اٹھے
شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے
خاک اُٹھیں گے خاک سے جو یوں ہی
ترکِ آرام و خواب نے مارا

اٹھنا: اٹھ کر چلے جانا

بر میں عدو کی سوئے، بغل سے مری اُٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہُوا
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اٹھنا: دنیا سے اٹھنا، مرجانا

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

اٹھنا: نکلنا، روانہ ہونا

اُس کے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے
کیا قیامت ہے دل کا آجانا
تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سائے سے مرے وحشت اے رشک پری اتنی
ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے
اف رے گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
پانو زنداں سے اٹھے کیا سر اُٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہوگیا
بزمِ دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے
آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے
اف رے گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
شعرِ مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوالِ دلِ زار سنا کے اٹھے
جی ہی مانند نشانِ کفِ پا بیٹھ گیا
پانو کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

اٹھنا: بلند ہونا

سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا
دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھادی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ
سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبطِ آہ شعلہ زن کی فکر میں
جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں سر سے کہ اب
مرثیہ ہم اس چراغِ کشتہ کا کہنے کو ہیں
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں
اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اُٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

اٹھے دیوار کیا جب خانہ ٔ غیر
بنے میرے غبار ناتواں سے

دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے

میں دکھاتا تمھیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے

اٹھنا: بیدار ہونا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

کب تلک جلیں یارب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

سوتے سے اٹھ کر آئیں ہیں یارب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعائے سحر نہ ہو

منتظر کس کے یہ رہتے ہیں کہ ہم ہر شب کو
تا سحر شام سے اٹھ اٹھ کے ہیں گھر میں پھرتے

بر میں عدو کی سوئے بغل سے مری اُٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبہ دل سے عجب ہُوا

ہم بھی غمگین سے ہیں آج کہیں
صبح اٹھے تھے دیکھ تیرا منہ

وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اٹھے
ہوئے ہم کیا سبک خواب گراں کیا

اٹھی: الٹ گئی

جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

اٹھی: نکلی، الٹ گئی، حاصل ہوئی

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

اٹھی: حاصل ہوئی

اک نمکداں سے تو لذت نہ اٹھی اے قاتل
زخم دل عرض نمکدان دگر کرتا ہے

اثر: قبولیت

یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

مومن اب کر دعا کہ سنتا ہے
تیری تقریر گوش دل سے اثر

کیا دور اس کے دست کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریز ہو مژۂ خوں فشان تیغ

اثر ذکر سے ہو صاف دلی کے اس کے
نقش مرآت ہوا، عکس ضمیر مکتوم

ختم سخن دعا پہ ہو، تا نہ اثر میں ہو کلام
آپ پہ قصہ مختصر ختم ہوئی سخن وری

بے زباں بند اثر دل سے شب وصل میں اور
فکر سو سو ہیں دل مرغ سحر میں بھرتے

سوائے محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزاوار شکستن کون سی تقصیر شیشہ کی

سرمگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

بے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھیے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بےفائدہ کیوں غل مچاتا ہے

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے
کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے

پھر زیب سر ہے شعلۂ داغ جنوں سے تاج
پھر دور باش نالہ اثر اہتمام ہے

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجاز اثر سے فیض

شرم کی بات نہیں ہے یہ اثر ہو کیوں کر
نہ میں مومن ہوں نہ تو پیر مغاں اے واعظ

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

یکساں ہے شامِ غربت و صبحِ وطن، اثر
پائیں فغانِ شب میں نہ آہِ سحر میں ہم

جانیں اثر جب اے رہِ جذب اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

دم نہ لے اے اثرِ آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں

نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو، ہووے بھی گر فریاد بیکس میں

کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو کوئے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں

بن ترے بزمِ سور میں ہیں یہ قیامتیں کہ ہے
نغمۂ صور کا اثر نغمۂ نے نواز میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

تاثیرِ صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفا داروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلتِ تقریر تو کھینچو

صد حیف سینہ سوز و فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجرِ یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

گر وہاں بھی یہ خموشی اثرِ افغاں ہو گا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا

ضبطِ فغاں گو کہ اثر تھا کیا
حوصلہ کیسا کیا نہ کیا کیا کیا

شکرِ اثر تھا گلۂ دشمناں
نالہ مرے کام سے یارو گیا

اُس روانی سے ذرا خنجر بیدار رہا
بارے اِک دم اثرِ نالہ و فریاد رہا

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا

ٹھنڈا ہے گرمجوشیِ افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

اثرِ حسن و عشق تھا بے مثل
میں ترا تو مرا عدیل ہوا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

کیا بابِ اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

اُس کے شکوہ سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج

دودِ دل و گردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

اثر: علامت، نشان

زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اُس کو اپنا زورِ زر دکھلا دیا

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

اثر اہتمام: تاثیر کا کرنے والا، تاثیر کا بندوبست کرنے والا

پھر زیبِ سر ہے شعلۂ داغِ جنوں سے تاج
پھر دورباشِ نالہ اثر اہتمام ہے

اثر خفتہ: سوئی ہوئی تاثیر (بے اثری کو اثر خفتہ کہتے ہیں)

گر نہ ہو دل میں خیالِ نگہِ خواب آلود
درد کیا کیا اثرِ خفتہ جگا کے اٹھے

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

اثر دکھانا: تاثیر دکھانا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

اجابت: قبولیت

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس
گرم دعاے شاہ ہو مومن کہ کب سے ہے
آمیں سرا زبان اجابت فشان تیغ
کیا بابِ اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت
خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا

اجازت: پروانگی، منظوری

اب اذنِ انتقام جفاے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہُوا

اجتماع: اکٹھا ہونا۔ جمع ہونا

کچھ انتہا بھی کواکب کے دورِ بے جا کی
ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماع نحوس
تم نکلے بہر سیر تو نکلے گا مہر بھی
ہووے گا اجتماع شب ماہتاب میں

اجتناب: پرہیز، کنارہ کش

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
تا صبح سے مجھ کو آج تک اجتناب تھا
بزمِ مے میں بس ایک میں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا
عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں
تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں

اجر: ثواب

ہائے مومن شہادت بے اجر
بہر وصل صنم قتیل ہوا

اجزا: جز کی جمع۔ حصے، ٹکڑے

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزاے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

اجل: موت، قضا

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا
غیروں سے اس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی
جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہنچا
اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ
ہوں خوں گرفتہ یارو شفاعت سے فائدہ
صیدِ اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز
لیکے دل و عقل و دیں پھر پئے غارت ہے عشق
اے اجل آ چک کہیں جان حزیں ہے ہنوز
خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
تو بختِ عدو اجل فلک دل
کس کس کے ستم اٹھائیں گے ہم
کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوق اجل پروئے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں
اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں
شب فراق میں پہونچی نہ دل سے جان تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتوان نہیں
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو
کیا یار کے آنے کی سنی کچھ کہ اجل کی
کاہے کی خوشی ہجر میں ہے جان حزیں یہ
کروں میں وعدہ خلافی کا شکوہ کس کس سے
اجل بھی رہ گئی ظالم سنا کے آنے کی
میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان گئی

میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی

قلق کشتۂ سخت جانی ہے پھر
امید اجل آفریں ہوچکی

اجل جاں بلب اس کے شیون سے ہے
یہ نادم مرے زود کشتن سے ہے

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے

اجنبی: ناآشنا، ناواقف

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

اچھا: مناسب

غیر عیادت سے برا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا

کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا

جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دل ناداں اس الفت اس محبت کی

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسی
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

میرے لکھے کو منایا آپ نے اچھا ہوا
تھا شگوں ہی مدعا یاں نامہ کی تحریر سے

میں بھی کچھ خوش نہیں وفا کرکے
تم نے اچھا کیا نباہ نہ کی

سن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا

اچھا: خیر، کیا مضائقہ ہے

ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بدائے بدزباں نہ چھوڑ

اچھا: تندرست

مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہوگیا

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسی
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطر گریباں نہیں رہا

نالہ ہائے بوالہوس نے کھودیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہوگئے درمان بے تاثیر سے

اچھلے: کودنا

وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پر
اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم

اچھی: عمدہ، اچھا کی تانیث

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لئے یہ زور شور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

دل ہوا خون خیال ناخن یار
تونے اچھی گرہ کشائی کی

اچھی: اچھا کی تانیث۔ مناسب

اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا

احبا: حبیب کی جمع۔ احباب، کسی شخص کے متعلقین اور دوست

وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

احباب: جمع حبیب کی۔ کسی شخص کے دوست اور متعلقین

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بدگماں نہ ہوا

عشق کیوں درپئے جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

تیرے احباب نیک بخت مدام
تیرے اعدا ہمیشہ فال اختر
تیرے احباب رہیں تکیہ زنِ مسندِ عیش
تیرے حساد رہیں آوارۂ دشت ادبار
تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد
ترے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم
تیرے حساد و رنج گونا گوں
تیرے احباب اور تن آسانی

احتراز: کنارہ کشی، پرہیز
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز
کہہ دے اگر ہو شک سخن داد خواہ میں
ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز ہے

احتراق: جل جانا۔ منجموں کی اصطلاح میں قمر کے سوا کسی سیارہ کا برج واحد میں جمع ہونے کی وجہ سے شعاع خورشید کے نیچے چھپ جانا احتراق کہلاتا ہے۔
ہوں غضب سے اس کے سرگرم فغانِ شعلہ زن
جل گیا جی احتراق زہرہ کی تاثیر سے

احتساب: حاکم کی طرف خلاف شرع باتوں کی ممانعت۔ (آص)
ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس
یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ
ہوا وفور سخاوت سے مانع سائل
احتساب اس کے ہے، گو محفل کفار بھی ہو
ذکر تحریم مزامیر کرے موسیقار

احتمال: گمان، شک
وصل میں احتمالِ شادیِ مرگ
چارہ گرد دردِ بے دوا ہے عشق
اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
رہے نہ بیم خسوف اور احتمال ہبوط
جو اس کی رائے سے ہو مستغنی مہ کامل
ظہور میں ہوئی تقدیم انبیاء کہ نہ تھا
ترے وسادۂ دولت پہ احتمال جلوس

احتیاج: حاجت، ضرورت
کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کی زکاۃ ہے

احسان: کسی کے ساتھ نیکی کرنا، اچھا سلوک
اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا
کیا ایسے سے دعوئی ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا
بے تو دہ تو دہ خاک سبک دوش ہو گئے
سر پر جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا
ہے کس لئے مجھ سے اُسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت
احساں ہیں اس کے کیا گراں بار
سر سبع شداد کا جھکایا
حساب دفتر احساں کا اس کے مشکل و سہل
کہ بے شمار ہے گو ہے نقط مد فاضل
اس کے احسان فراواں کا جو مذکور چلے
"کم" ہو مستعمل تقریر بجائے "بسیار"

احکام: جمع ہے حکم کی۔ فیصلہ
نہ مقابل ہو ترے قصد کے عزم افلاک
نہ برابر ہو ترے حکم کے احکام نجوم

احمد: آنحضرت ﷺ کا اسم مبارک
شوق بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اُس مہندی دوراں تک
شبہ کیا عصمت لخت جگر احمد میں
جب مسلم ہو کہ معصوم ہے جزو معصوم

احمد مرسل: وہ احمد جنھیں رسالت کے منصب سے سرفراز کیا گیا
وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

احمر: سرخ
لب رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر

بادہ کش ایسے تلخ کام، کہ ہے
کف مار سیہ، مئے احمر

احمری: سرخی

لب کو مثال کس سے دوں، لعل و عقیق بے مزہ
گل میں کہاں یہ نازکی مل میں کہاں یہ احمری

احوال: حال کی جمع۔ کیفیت

مومن بے زبان، عرض احوال
میں نے تجھے بے خرد جتایا

جفا کو آئے مری دل شکستگی پر رحم
بلا کرے مرے احوال زار پر افسوس

عیب جو، خوردہ بیں کا یہ احوال
دوپہر کو فلک نہ آئے نظر

جل بے ہیں پس مردن بھی نہیں کیوں گریاں؟
تیرے حساد کے احوال پہ ہے شمع مزار

کردیا خواہش بیداد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار پہ میں ہوں مظلوم

یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا
تنکیوں سے لباس عریانی

میں احوال دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے

دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
میسرے احوال پر نگاہ نہ کی

گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے رازداں سے

کیا نامہ میں لکھوں دل وابستہ کا احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوال شب تار سے روشن ہے ہمارا

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بخود آپڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

رنگ اُڑ جانے کا احوال اُسے لکھنا ہے
زردی رخ سے زرافشاں میں کروں گا کاغذ

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوال سوزِ دل اُسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوال دل مضطر رقم کیوں کر کریں

نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے

اختتام: خاتمہ

زانوے بت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا

اختر: تارا، ستارہ

کیسا فلک کہ اختر طالع جلادیے
کیا سرد مہر میرے دم شعلہ بار ہیں

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھائی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے
ہے منور تر شب غم مہر عالم گیر سے

تیرے احباب نیک بخت مدام
تیرے اعدا ہمیشہ فال اختر

نہ یہ سمجھا ہوں سیر اختر سے
علم ظنی نہ ہووے ایقانی

اختر شماری: تارے گننا

تھا روزِ نحستیں غم شبہاے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

قطرہ ہاے اشک گنتے ہوا گر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہوگئی اختر شماری آپ کی

اختر شمری: دیکھیے اختر شماری

تھا روزِ نخستیں غمِ شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

اختر شناس: منجم، جوتشی

اِن نصیبوں پر کیا اختر شناس
آسماں بھی ہے ستم ایجاد کیا

اختیار: قابو، بس، اپنے ارادے سے کوئی کام انجام دینے کی طاقت اور قدرت۔

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں
دھیان میں مومن آ گئی مبحث جبر و اختیار
قابوے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

اختیار: اپنالینا

مومن دین دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہوگیا

اختیار: وہ فلسفہ جس کی رو سے انسان اپنے ارادوں کو انجام دینے کی طاقت وقدرت رکھنے والا مانا جاتا ہے۔

دھیان میں مومن آ گئی مبحث جبر و اختیار
قابوے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

اختیار: طاقت وقدرت

نہ آسمان کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپشِ دل نے اختیار مجھے

اختیار کرنا: اپنالینا

اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

اختلاط: گرمجوشی، محبت کی چھیڑ چھاڑ

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

اخگر: انگارہ، چنگاری

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

اخگر خورشید تف: وہ انگارہ جس میں سورج کی سی حرارت ہو

آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقت بارش اخگر خورشید تف ہر ژالہ تھا

اخلاص: خلوص

غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں
بارے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا اخلاص
غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص
ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اُس کا اخلاص
مجھ سے مل ہمنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص
جنبشِ لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
ترے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص
اس ستم گر نے بناوٹ کی لگاوٹ بھی نہ کی
ہائے قسمت مرے کچھ کام نہ آیا اخلاص
پس قتل آ مری خاطر سے ٹھہر جاتا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص
چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص
اب انہیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص
موت بھی آ نہ پھری پاس ہمارے شب ہجر
سچ تو یہ ہے کہ بُرے وقت میں کیسا اخلاص
مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بد تر ہے
اُس بت دشمن ایماں سے ہمارا اخلاص
کر چکا ہوں دو را اخلاص بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

اخلاص: ربط ضبط، دوستی

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشمِ بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

ادا: ناز و انداز

کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال
کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

کس ادا سے، مجھے کہتا ہے کہ حیوان ہو تم
چھیڑنے کو جو کہا میں نے اسے گل رخسار

ادا: بیان

کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخ پیغام نہ ہوگا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُس کے
کیوں کر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

ادا: انداز معشوقانہ

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُس کے
کیوں کر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آں ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادی مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

ادا کرنا: بیباک کرنا۔ چکا دینا

جور سہوں، وفا کروں، حق وفا ادا کروں
یہ نہ کروں تو کیا کروں قہر ہے عشق و بے زری

ادا ہونا: بیباق ہونا، چکایا جانا

وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے

ادادانی: اداشناسی

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادادانیوں میں ہم

اداس: غمگین، افسردہ

گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ

ادافیوس: ایک قسم کا پھول جس کو نرگس کی طرح آنکھ سے تشبیہ دیتے ہیں۔

نگاہ بانیں عصمت سے وہ رواج حیا
کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور ادافیوس

ادافہم: اداشناس

میں روش دان حکیم برجیسی
میں ادا فہم سیر کیوانی

ادبار: بدنصیبی، بدبختی

موشگافی کی بہت شعر میں پر فائدہ کیا؟
ہے وہی دست تہی شانۂ دست ادبار

تیرے احباب رہیں تکیہ زن مسند عیش
تیرے حساد رہیں آوارۂ دشت ادبار

ادخنہ: جمع ہے دخان کی، دھواں

عطر مشام حور عیں نے فلک نو آفریں
ادخنہ و بخور سے عنبر و بان مجمری

ادراک: عقل، فہم

ہوں بندۂ شور عجز ادراک
ناکام کو کام سے لگایا

ادمغہ: دماغ کی جمع۔ مغز، بھیجا

یار مومن سے بھی ہیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر ان ادمغۂ یابس کے

اِدھر: اس جانب

دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم
گر نہ ہو روئے التفات ادھر

یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا

سنگِ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم اِدھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

ہوتے ہیں قتل غیر اب اِدھر ہے نگاہِ لطف
ارماں مرے نکلتے ہیں تلوار کی طرح

ہم دام محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دم قتل
دیکھا نہ اِدھر تو نے رہا خون بہا قرض

ہے شام انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح اِدھر ہم اُدھر چراغ

وہ ستم گر دلِ بر عالم اِدھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھیے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

دیکھا اِدھر کو تو نے تو بس دم نکل گیا
اترے نظر سے اپنے نگہبانیوں میں ہم

ٹکٹکی لگائی ہے اب تو اس توقع پر
تا وہ گر اِدھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں

جب وہ بدمست اِدھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دُردِ مے ناب نہیں

دِکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرام ناز تجھے
کبھی اِدھر سے جو اس شوخ کا فرس گذرے

اُدھر: اس سمت۔ اس جانب

یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ اِدھر کو آئے تھا

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

سنگِ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم اِدھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں

ہم دام محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

ہے شام انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح اِدھر ہم اُدھر چراغ

وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے
کدھر جاؤں اِدھر پانی اُدھر آگ

وہاں تابِ رخ و یاں آتشِ دل
جدھر دیکھو اِدھر ہے جلوہ گر آگ

گر خواب میں بھی اِدھر کو دیکھا
آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم

ادیب: علم ادب جاننے والا، زبان داں

مرے کلام سے ہیں گونہ گونہ فائدہ مند
ادیب و نبض شناس و منجم و فاضل

ادیم: چمڑا، مجازاً دسترخوان

اس کے ادیمِ حشمت و مائدۂ جلال پر
خستہ ذباب کی طنیں، طنطنۂ سکندری

اذن: اجازت

اب اذنِ انتقام جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کے سنے اذن عام کو

ارادہ: عزم، نیت

امیرِ لشکرِ اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوجِ ملائک پر حکومت کا

کیا بہر عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا

غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو
ہے ارادہ نباہ کا کب تک

مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ مزا اپنی جاں نثاری کی

سیل خودروز ہے گل کے لیے لے کر پانی
کرے تعمیر مکاں کا جو ارادہ معمار

خون کے میرے ارادے سے ہوا "مذابح سعد"
قتل پر میرے کمر باندھے ہے ہیکل جبار

ارباب: رب کی جمع، یہ لفظ ہمیشہ کسی دوسرے کے ساتھ مضاف ہو کر استعمال کیا جاتا ہے۔

وصلِ شیریں کی تمنا کوہکن کو کیا کہوں
صحبت شاہاں سے ارباب ہنر رکتے ہیں آپ

کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں ارباب ہنر بند

ارباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیٔ عاشق جاں باز تو دیکھو

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کی تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے

لذتِ جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اسے ارباب ستم دیتے ہیں

ارزش: قیمت، لیاقت

نہ ہنر کی مرے پرسش نہ سخن کی مرے قدر
نہ گہر کی مرے ارزش، نہ طلا کی معیار

ارژنگ: نگارخانہ

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگ عشق
نو بنو جلوہ ملالو رنگ کی تغییر سے

ارسطو: یونان کے ایک مشہور حکیم کا نام

صد "ارسطو" کہے سے مانے برا
حکما کو سنا جو ہے کافر

ارشاد: رہنمائی

پھر تو سرگوشیِ دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اس کے فغانِ گلہ ارشاد بھرے

ارشاد کرنا: فرمانا، کہنا

نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں
حضرت ناصح کریں ارشاد کیا

اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے

ارکانی: ارکان کی طرف منسوب۔ ارکان سے یہاں مراد عناصر اربعہ ہیں

کثرت بادِ عنصری اس کی
ثبت انقلاب ارکانی

ارمان: تمنا، آرزو

خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

خدنگ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

ہوتے ہیں قتل غیر اب ادھر ہے نگاہِ لطف
ارماں مرے نکلتے ہیں تلوار کی طرح

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
یاں ہاتھ تصور میں مرا زیر کمر ہے

جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں
نہ تاب لائے دل سخت زاہد سالوس

نکلے ارمان کیا کہ نکلے بیچ
نالہاے شب و فغان سحر

ارمغان: تحفہ

آئی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار
لے جاؤ منکروں کے لیے ارمغان تیغ

ارواح: روح کی جمع۔ جان، آتما

جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح
کرے دعاے رواج طریق جالینوس

اڑانا: اچھالنا

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہاے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا درد پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے

اڑانا: ہوا میں پریشان کرنا، برباد کرنا

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

اڑتی سی: افواہ

سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

اڑنا: فق ہونا، پھیکا پڑنا

نکہت اُس زلف کی صبا میں نہ ہو
اُڑ گیا رنگ بوے سنبل کا

رنگ اُڑ جانے کا احوال اُسے لکھنا ہے
زردی رخ سے زرافشاں میں کروں گا کاغذ

اُڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پَر شکستہ کی پرواز دیکھنا

اڑنا: غائب ہونا

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہاے احوال دل مضطر رقم کیوں کر کریں

بلا ہے منع وفا نور اڑ گیا تا صبح
تو لے کے دیکھ تو رنگ عذار آئینہ

اڑنا: پرواز کرنا

اُڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہو گئی خاک خاکساری آج

اُس کے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

از بسکہ: اس وجہ سے کہ

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوزِ تپ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا

از بسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہُوا

پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالاے بام ہے

ازار: ٹانگوں میں پہنا جانے والا کپڑا

پایۂ عرش پہ ہو کیوں نہ غلاف؟ اطلس چرخ
پوششِ ساق بنی تیری حیا سے ہے ازار

از خویش رفتگی: بے خودی، مدہوشی کی کیفیت طاری ہونا، اپنے آپ میں نہ رہنا۔

از خویش رفتگی ہے عناں کش زماں زماں
دکھلائے گی عدم ہی ہمیں اُس دہن کی یاد

ازدحام: بھیڑ، ہجوم

ہر مو پہ پھر ہے طائر مجنوں کا آشیاں
پھر فوج فوج سر پہ مرے ازدحام ہے

ازل: وہ زمانہ جس کی ابتدا معلوم نہ ہو۔ مجازاً آغاز خلقت کا زمانہ

کشتہ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور
اس ذات کو کب زوال آیا

خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مدِ نظر ترا پابوس

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

ازلی: ہمیشہ سے موجود

جنونِ عشق ازلی کیوں نہ خاک اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لیے

اژدرِ سپید: سفید اژدہا

خط بیاض صبح وہ شعلہ دم اژدر سپید
مس سے جس کے آب ہو آئینہ سکندری

اسباب: سبب کی جمع۔ وجوہ

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں

اسپ: گھوڑا

براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس

بہ فرض گر کرۂ خاک کو کہوں دائر
شکستہ اسپ گلی ہووے پیش تاز فروس

زیر راں اس کے توسن چالاک
رشک اسپ سپہر گردانی

استاد: آزمودہ کار، کامل فن

پامال جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

استادوں: استاد کی جمع۔ کامل فن۔ یہاں آزمودہ کار شعرا مراد ہیں

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہو گیا

استخوان: ہڈی

گرد یکھ لے رخ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوز رشک سے تا استخوان شمع
غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخواں کیوں ہو گئے قط گیر سے
گر شوق زخم عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہما نہ کھائے یہ جز استخوان تیغ

استخواں پرست: (ہڈی پوجنے والا) یعنی ظاہر بیں، اصل تک رسائی نہ رکھنے والا۔

ہیں یہ سگان جیفہ خوار، مغز سخن سے بے نصیب
کافر استخواں پرست، طرفہ سگی و کافری

استغفار: طلب بخشش

موسم گل میں سیہ مست جواں تائب ہوا
روز باران میں کرے، پیر مغاں، استغفار

استقبال: پیشوائی

غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

اسد: شیر

شیر خدا علی کے شجاعت سے جس کی ہے
سر پنجۂ اسد پہ زنخ زن بنان تیغ

اسرار: سر کی جمع۔ راز

مقتبس ہیں مہ و خور رائے درخشاں سے تری
ہے منجم کو اسی واسطے کشف اسرار

اسرافیل: اس مقرب فرشتے کا نام جو قیامت کے دن صور پھونکے گا

وہم آتا ہے فغانِ ہجر کوے یار کا
صور اسرافیل ہے قمری تری کو کو ہمیں
مری فریاد سن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے
قیامت آ گئی کیوں کر یہ غل کیساز میں پر ہے

اسفل: سب سے نیچا

موافقوں کو بہشت و ترقی درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ اسفل

اس قدر: اتنی زیادہ،، یا اتنی عظیم

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں
ناصح ہے عیب جوے ودل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخن ناصواب میں
اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلاب حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری
بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری
حضرت مومن اس قدر لاف اگر چہ ہے درست
طول مقال عیب و شعر جملہ عیوب سے بھری

اسکندر: یونان کے ایک بڑے اولوالعزم بادشاہ کا نام

اسے دینا تھا رتم ''نوشابہ''
مجھے دی تھی جو عقل ''اسکندر''

اسلام: مسلمانوں کے مذہب کا نام

خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوقِ شہادت کا
امیرِ لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا
اگر مومن ہی ہو مومن و لے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا
گر ترے کوچے کو دی کعبہ سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم
وہ عشق دے جس کا نام اسلام
وہ شیوہ، نبی نے جو بتایا

اسی: اسم اشارہ بعید

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ
لو منہ اسی پردہ نشیں کا کیا
عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اُسی پہ ہوں
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا

اسیر: قید و بند

ہیں اسیر اُس کے جو ہے اپنا اسیر
ہم نہ سمجھے صید کیا صیاد کیا
چھوٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے

اسیری: قید و بند

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے
ہے کس کا انتظار کہ خوابِ عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آوازِ پا کے ساتھ
کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امنِ قفس
ہے بیمِ برق بلا روزِ آشیاں کے لیے

اشارت: اشارہ

گر کہے غمزدہ کسے قتل کروں
تو اشارت سے بتاتے ہیں مجھے

اشارتوں: جمع اشارت کی بمعنی اشارہ

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اشارے: جمع اشارہ کی۔ جنبشِ چشم

جنبشِ نرگسِ جنت نے رلایا مومن
چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

اشارہ: ایما، منشا

قصۂ "بیعتِ رضواں" میں اشارہ ہے یہی
ورنہ کوئی نہیں ہم دستِ رسولِ مختار

اشارہ: آنکھ یا ہاتھ کی جنبش

دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو

ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میانِ تیغ

اشتیاق: شوق، آرزو

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہو گیا
دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہو گیا
جانیں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم
کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دیے
وہ شورِ اشتیاقِ نمکداں نہیں رہا
ہے پئے اشتیاق ویرانی
شاہ فرہاد و بے ستون کشور

اشراق: روشن ضمیری۔ یہاں یونانی حکیموں کا تصفیہ قلب کا وہ خاص طریقہ مراد ہے جس کے ذریعے وہ اپنے دور بیٹھے ہوئے طالب علموں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔

کس قدر، ،حکمتِ اشراق، ، سے جی جلتا ہے؟
ہو گئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار
دیکھ اشراق اس کا افلاطون
کہے ھذا حکیم ربانی

اشعار: شعر کی جمع۔ ابیات

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پستِ فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا
پڑھتے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ
نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو
کہہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے
شوق اس بت کو ترے اشعار سے
مدح خوانی کا مری جائزہ شاہی بھی نہیں
وائے حرماں کہ ہیں بے جائزہ ایسے اشعار
یہ دل خراشیاں مرے اشعارِ شوخ کی
سینے پہ منکروں کے ہیں لاکھوں نشانِ تیغ

اشعث: ایک مشہور حریص کا نام

اس کے خوانِ نوال سے یہ مثل
آز اشعث کی کند دندانی

اشک: آنسو

آگ اشکِ گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور ہاتھ پھل گیا

دیکھ کر یہ مجمع اُلٹا کیسا ہی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا

آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

آتش سینۂ تفتیدہ کو کیا میں روؤں
اشکِ جانب کرۂ آب کی مائل نہ ہوا

چھوڑا نہ کچھ بھی سینہ میں طغیانِ اشک نے
اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا

ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم
طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آبِ اشک آتش پہ روغن ہو گیا

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہو گیا

جوشِ عشق وحسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشکِ خونی سے مرے منہ زرد اُس کا ہو گیا

اشک آنا: آنسو نکلنا

ہے مشک بس کہ روتے روتے چشم اے ماہ رو
شب جو اشک آیا سو اِک عقدِ ثریا ہو گیا

گر پھر بھی اشک آئیں تا جانوں کہ عشق ہے
حقہ کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

اشک آفتاب: آفتاب کے لیے باعث رشک، یعنی محبوب

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

اشک بہانا: رونا، آنسو لانا

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

اشک جانا: آنسو نکلنا

آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

اشکبار: آنسو بہانے والا

دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں
اے دیدۂ اشک بار آتش

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشمِ اشک بار کہیں پہ نہ جائے داغ

اشکباری: آنسو بہانے کا عمل

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

اشکوں: اشک کی جمع۔ آنسو

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہو گیا

اصحاب کہف: وہ چند لوگ جو دقیانوس بادشاہ کے خوف سے غار میں چھپ کر تین سو نو برس تک سوتے رہے بعد اس کے دو مرتبہ جاگ کر پھر سو رہے۔

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین
وگرنہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس

دور نصفت میں تیرے، فتنے کا
پاس "اصحاب کہف" کے بستر

اصحاب نفاق: نفاق والے، منافقین

مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دلِ صد پارہ اصحابِ نفاق و اہلِ بدعت کا

اصرار: ہٹ، تکرار

معنی روشن و مضمون بلند اور سنیں
سامعیں کو ہے اگر مطلع نو پر اصرار

اصطخر: فارس کے ایک قلعہ و شہر کا نام ہے جو خلافت فاروقی میں فتح ہوا تھا۔

گرا دے جب تری تکبیر، قلعۂ اصطخر
تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں بتانِ چگل

اصفار: جمع صفر کی۔ جس کی وجہ سے اعداد کی قیمت دہ چند ہو جاتی ہے۔

ہیں مشابہ بہت اس دست کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزائے رقوم

اصل: بنیاد، جڑ

وہ نکتہ داں کہ ،، تقیے،، کو اصل دیں کہے تا
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے خجل

اصل السوس: ملیٹھی

عجب ہوا ہے کہ فیض ہوا سے ہوتا ہے
شکم میں ''خستہ'' کے نشو و نمائے اصل السوس

اصلاً: (اردو میں بغیر تنوین کے) ہرگز، کسی طرح

صبا نکہت یار لائی کہاں سے
نہیں دخل اُس کو میں اصلاً کسی کا

اضطراب: بے قراری، گھبراہٹ

ہر چند اضطراب میں مَیں نے کمی نہ کی
تو بھی نہ واں تغافل بسیار کم ہوا

پھرنے سے شام وعدہ کھٹکے یہ کہ سو رہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

مجھ کو تیرے عتاب نے مارا
یا مرے اضطراب نے مارا

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پہ
اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم

غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی
ہو آؤں حضرت عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے

اطبا: جمع طبیب کی۔ حکیم، معالج

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا

کاہوں ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں

کیوں نہ کا ئیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

اطفال: جمع ہے طفل کی۔ لڑکے

اب تک نہیں گواہی اطفال معتبر
محسوب ہے جو عصمت یوسف نگاہ میں

اطلس: ایک قسم کا چمکیلا ریشمی کپڑا۔

قبائے گل کو گر اطلس سے دیجیے تشبیہ
سیاہ پوش ''جعل'' ہو درون ماتم ''سوس''

بے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

پایۂ عرش پہ ہو کیوں نہ غلاف؟ اطلس چرخ
پوشش ساق نبی تیری حیا سے ہے ازار

یا یہاں پرنیاں و اطلس سے
جلوہ گر تھی سپہر سامانی

اطلس چرخ زیر گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری

سوئیں زیب وہ صدر خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلک اطلس، خوار

اظہار: ظاہر کرنا، بیان کرنا۔

اظہارِ شوق شکوہ اثر اُس سے تھا عبث
یعنی کہا کہ مرتے ہیں تم پر کہا عبث

ہر غنچۂ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اِس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا
اور حاصل عشق کے اظہار سے

سُن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

جی میں ہے موتیوں کی لڑی اس کو بھیج دوں
اظہار حال چشم گہر بار کے لیے

بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار

بیم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشت دل کا اظہار

اعادہ: پلٹانا، پھرانا۔

جب منایا مجھے اس نے وہی الفت، وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں، بہر معدوم

اعتبار: یقین

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

اعتبار: حیثیت اور درجہ

صفات آئے جو آئینۂ ہوا میں نظر
لگا خواص و عوارض کو اعتبار نفوس

اعتبار: اعتماد، ساکھ

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

ہرزہ گردی سے ہم ذلیل ہوئے
چرخ کا اعتبار ہونا تھا

چشم بے اعتبارِ جاناں میں
کیا مرا اعتبار ہونا تھا

اعتبار: بھروسہ

بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اُس گل کو اعتبارِ نسیم و صبا گیا

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہو گئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی

اعتبار: رتبہ، مقام

اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلاب حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری

اعتدال: برابری، یکسانیت

مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالح الکیموس

اعتدال آنا: معتدل ہونا، برابر ہونا۔

مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالح الکیموس

اعتراض: نکتہ چینی

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

اعتراف: تسلیم کرنا، مان لینا

سرشکِ اعترافِ عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

اعتکاف: گوشہ نشین ہونا۔

کب تلک اعتکاف بت خانہ
کب تلک کنج دیر و رہبانی

اعتماد: اعتبار، بھروسہ

اس بت کو ترک دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

بے اعتماد مرے بخت خفتہ پہ کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے

اعجاز: معجزہ

کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرتا سمجھ کے دعویٔ اعجاز دیکھنا

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پہ اعجاز رقم دیتے ہیں

دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسفِ بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

اعجاز جاں دہی ہے ہمارے کلام کو
زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو

علم اعجاز اسے، معجزۂ علم اسے
جس میں اندیشہ ہو عاجز وہ سب اس کو معلوم

ترسا صنم پہ مر گئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجازِ اثر سے فیض

اعجاز رقم: جس کی تحریر نہایت خوشنما ہو

مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پہ اعجاز رقم دیتے ہیں

اعجاز مسیحا: حضرت عیسیٰ کا معجزہ جس سے مردے زندہ ہو جاتے تھے۔

چشمۂ حیواں بنا اُس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بس کہ اعجاز مسیحا ہو گیا

اعجاز مسیحائی: حضرت عیسیٰ کے اس معجزے جیسی کیفیت جس سے وہ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔

تلخ کامی پر مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز
آ مرے جادو سے، اعجاز مسیحائی ملا

اعدا: جمع عدو کی۔ دشمن، مجازاً رقیب

تلخ کامیِ نصیبِ اعدا حیف
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا

اس حال کو پہنچے ترے غصے سے کہ اب ہم
راضی ہیں کہ اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

شوق نے دور باش اعدا کو
اُس کی محفل میں مرحبا جانا

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

کیوں کر یہ کہیں منتِ اعدا نہ کریں گے
کیا کیا نہ کیا عشق میں کیا کیا نہ کریں گے

اعداد: عدد کی جمع۔ گنتی

کرم اس کا ہو اگر پایہ فزائے اعداد
ذرہ عرش کو بھی صفر گنے حد شمار

اعدائے بوالہوس: ہوس پرور دشمن یعنی رقیب

وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گذرے

اعزاز: عزت

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

اعضا گدازی: اجزائے بدن کے پگھلتے رہنے کی کیفیت۔

سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زبانِ شمع

اعظم: بلند

چکر میں ہے عقل عرش اعظم
اس نے بھی مگر تجھے نہ پایا

اعمال: عمل کی جمع۔ افعال، کرنی

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں

اعمال کا کاغذ: نامۂ اعمال۔

یاں تک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

اغوا: کسی کے خلاف مجبور کرنا، ورغلانا

اس بت کو ترکِ دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ

اغیار: غیر کی جمع۔ رقیب

اب اغیار سے ہاتھاپائی ہے کیوں
نزاکت بس اے نازنیں ہو چکی

اس کو میں مخبر نے نہ دیا جوش قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بے جا نہ کریں گے

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بدخوئیوں سے یار کی ہو کر خفا گئے

شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

کیا دل تھا اس لیے میں تمہیں کہ تم
ہو جاؤ یوں مرے اغیار کے لیے

گر تمہیں صحبت اغیار سے پرہیز نہیں
ہم بھی کچھ چارہ آزار کریں گے ناچار

رشک وہ شئے ہے کہ ہر اک ملک الموت مجھے
نظر آتا ہے فرشتہ ہی اگر ہوں اغیار

بے مروت مری نظروں میں ہیں انداز ترے
آج کل کچھ نگہ لطف ہے سوے اغیار

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعدِ مرگ
ہنگامۂ محبتِ اَغیار کم ہوا

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ
سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سنتا نہیں وہ ورنہ یہ سرگوشی اغیار
کیا مجھ کو گوارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ہے
قتل اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا

دیکھ کر یہ مجمع اُنڈا کیسا ہی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

ہل جاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر
زنجیر در یار ہے یا سلسلہ اپنا

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

کم ظرفیِ اغیار پہ ساقی کو نظر ہے
افسوس مئے آلودہ لب جام نہ ہوگا

اغیار سے بے فائدہ ہے گرمیٔ صحبت
کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا

ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم
حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا

گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوسِ اغیار کی طرح

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلا دوں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہے کیا کیا کاغذ

ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

کیا سوزِ رشک کی دل اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

کرتے ہیں مجھ سے دعویٔ الفت وہ کیا کریں
کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط

اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
کی آکے موت نے بھی تو اغیار کی طرف

مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف

ہاتھ اٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوقِ قتل نے
قاتل کے آگے گردنِ اغیار خم نہیں

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

اب شوق سے تم محفل اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے

دیتے ہو تسکیں میرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے

گر نہ کھیلیں جان پر جی بار دیں
عشق بازی سیکھیے اغیار سے

کیا مال ہیں کہ جان دیں دیتے ہیں دم تمہیں
اغیار بوالہوس کی یہی کائنات ہے

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

کرتا ہے قتل عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

اغیار: غیر کی جمع: دشمن

مانعین زکات ہیں اغیار
یاد ایام نصفت سرور

آ چک اے صبح طرب کٹ نہیں سکتی شب غم
جلد جائیں مع اغیار جہنم میں نجوم

اف رے: کسی چیز کی زیادتی ظاہر کرنے کے لیے بطور مبالغہ کہتے ہیں۔ صیغۂ تعجب۔

اُف رے سوزِ عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو لوٹا تھا وہ بھی گل خن ہوگیا

اف ری تپ گرمیِ محبت
اس نام پہ جاں نثار آتش

ہوں آب آب اف رے نگہ ہائے گرم گرم
اس مہر وش کے سامنے آنکھوں میں نم نہیں

اف رے گرمیِ محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

اف رے سوز نالہ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر روئے زمیں اس سے سمندر خشک ہو

اف ری کثرتِ اشک و تبسم بل بے ہجوم یاس امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

اف کرنا: جلا کر خاک کر دینا، تباہ کر دینا۔

اف کرگئی یاد گرم جوشی
میں آتش مردہ سے جلا ہوں

دود شمع بزم نے گھر پھونک کر اف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلف خمیدہ مو مجھے

افتادگی: انکساری، خاکساری۔

رتبہ اُفتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا

افتا:

پاک دامن ہو تو بدگو کے نہ دم آتا
سنتے ہیں لوط کے مہماں کوئی افتائے لزوم

افترا: الزام، تہمت۔

وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہ کن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

افراط:، بہتات

دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل

افزائش: بڑھوتری، زیادتی۔

تھا ہم پہ لطف تو بنے افزائش الم
صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث

افزوں: زیادہ، بڑھ کے

بدی خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری
کردی انصاف الہی نے یہ امت مرحوم

اس سے افزوں ہے شوق اس در کا
جس سے حاصل ہو یہ بہ آسانی

افسانہ: کہانی، داستان۔

افسانہ سمجھ کے سوگئے وہ
کام آئی فغان بے اثر رات

شمع ساں اپنی تپش ہے تو سنے یا نہ سنے
طے نہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گرگ
غم تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار

افسانہ خواں: داستان گو۔

ہے شبِ فرقت میں مرگ افسانہ خوں بے فائدہ
نام آرام آگیا خواب عدم کیوں کر کریں

لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شب فراق
ناصح ہی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

افسر: تاج

زبان لال کہاں اور مدیح تاج خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسر کاؤس

حکم سے اس کے بے سر و ساماں
سر جم سے اتار لے افسر

افسردگی: طبیعت کا مرجھانا، دلگیری۔

ٹھنڈا ہے گرمجوشی افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا

افسوس: رنج، تاسف

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

یاد ایام وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

افسوس موئے شمع شب وصل کی مانند
جو قہقہہ شادی ہے سو شیون ہے ہمارا

کم ظرفی اغیار پہ ساقی کو نظر ہے
افسوس مئے آلودہ لب جام نہ ہوگا

جس غم میں مرر ہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا
افسوس مر کے سمجھے کہ جینا ہے کیا عبث

کھا گیا جی غم نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس

شکوہ آزار غیر کا جو کروں
ہنس کے کہتا ہے وہ کہ ہاں افسوس

مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تونے الفت کا امتحاں افسوس

گل داغ جنوں کھلے بھی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس

کشتۂ روزِ ہجر کا اس کے
مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس

موت بھی ہوگئی ہے پردہ نشیں
راز رہتا نہیں نہاں افسوس

تھا عجب کوئی آدمی مومن
مرگیا کیا ہی نوجواں افسوس

افسون: جادو، منتر۔

کیوں شکر کریں نہ آل داؤد
افسون شہنشہی سکھایا

افشا کرنا: ظاہر کرنا

جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا

دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا

افصح وائل: وائل کا فصیح یعنی وائل کا بیٹا جس کا نام سحبان تھا جو کہ بہت فصیح تھا اور جس کی فصاحت ضرب المثل تھی۔

ہے فرق لفظ جدید اور معنی نو میں
نہ کیوں کہ چپ مرے آگے ہوا فصح وائل

افضل الناس: لوگوں میں سب سے افضل۔

افضل الناس حسن ابن علیؑ سبط نبیؐ
سید و سرور و مولا و مطاع و مخدوم

افضلیت: بزرگی، بڑائی۔
افضلیت میں کیا سخن ، یہی بات
سب سے بہتر کہ سب سے ہے بہتر

افعی رح: ایسا نیزہ جو سانپ کی شکل کا ہو۔
افعی رح دیکھ لے اس کا
تو عصا بھول جائے ثعبانی
افعی رح سینے کو چیر کے دل نکال لے
مار سیاہ زلف سے ہو نہ سکے یہ دلبری

افغاں: فریاد، نالہ
گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہو گا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا
ٹھنڈا ہے گرمجوشی افسردگی سے جی
کیسا اثر کہ نالہ و افغاں نہیں رہا
یوں کرتے تھے وہ کب دلِ نالاں کی شکایت
کی ہوگی فلک نے مرے افغاں کی شکایت
گوش نازک پر کسی کے رحم کر
جوش افغاں غل مچانا چھوڑ دے

افکارتر: تازہ فکر
یار مومن سے بھی ہیں مدعی طبع رواں
واہ افکار تر ان ادمغۂ یابس کے

افگار: زخمی، چاک چاک
چھڑکے ہے کان ملاحت لون کیا
خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

افلاس: مفلسی، محتاجی
افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

افلاطون: یونان کے ایک مشہور حکیم کا نام
دیکھ اشراق اس کا افلاطون
کہے خدا حکیم ربانی

افلاک: فلک کی جمع۔ آسمان
جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردۂ تو بر تو افلاک چلمن ہو گیا

رستمی کا عوض افلاک سے لوں گا پس مرگ
قتلِ عاشق ہے یہ خون ریزی سہراب نہیں
نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک
کیوں کر نہ ہو تیری آس تو نے
افلاک کو بے ستوں تھمایا
اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار
در دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار
آز بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں؟
کب ہوا ایسے شریروں کو ترے بزم میں بار؟
غم بےقدری، ،ہیت،، سے جگر چاک ہوا
خرق افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار؟
جب تلک گردشِ افلاک سے اس عالم میں
ایک کے دل کو قلق، ایک کے دل کو ہے
نہ مقابل ہوتے قصد کے عزم افلاک
نہ برابر ہو ترے حکم کے احکام نجوم
مہر افلاک عقل و دانش ہوں
فطرتی ہے مری درخشانی

افواج: فوج کی جمع۔ لشکر
تیری افواج کا میداں میں دم جنگ خروش
بلبلوں کا ،،مہ آزار،، گلستاں میں ہجوم

افیوس: ایک سیاہ پھل جو بےحد مرطوب ہوتا ہے۔
رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افیوس

اقبال: خوش نصیبی، عروج۔
میرے اقبال کا آ جائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار
تیرا اقبال روز افزوں ہو
جیسے مومن پہ لطف رحمانی

اقتدا سنت: سنت کی پیروی کرنے والا۔
نہ رکھ بیگانۂ مہر امام اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے اس کی امامت کا

اقرار: وعدہ، عہد و پیمان۔

مفت اولِ سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا

کیا جذبِ انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

آ گیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے کیا تھا اقرار؟

اقربا: قریب کی جمع۔ اعزا، بھائی بند۔

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اک بات: ادنیٰ سا کرم۔

کیا پایۂ منت سلیماں
اک بات میں تخت پر بٹھایا

اک بات میں: تھوڑی سی کوشش میں۔

اک بات میں تمام ہے یہاں کار مدعی
کس کی بلا ہو بارکشِ امتنانِ تیغ

اک بار: ایک مرتبہ

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا

اک دم: ایک لمحہ، تھوڑی دیر

نالہ اک دم میں اڑا ڈالے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کیے خوب آخریں دم
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہوتا

کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار

اکثر: بارہا، بیشتر۔

گل پیرہنوں کی آرزو نے
اکثر خز و پرنیاں پنہایا

کبھی انصاف ہی دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اس کو میں ترپا کی

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

روز ہجراں سے شب فرقت نہ ہو کیوں سخت تر
گاہے گاہے دن کو ملتے تھے وہ اکثر رات کو

دم ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم
کسی کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم
چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم
ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم
لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

غم ابرو میں بھرتے ہیں دمِ شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم
کسی کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم
چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم
ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم
لگے آگ آتشِ غم کو زبان خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظِ دفترِ تقدیر اکثر ہم

وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوقِ ہم کناری میں
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

عجب حالت ہے سودے میں زلفِ مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیر اکثر ہم

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تا بدل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومنؔ فسوں پڑھنے پے تسخیر اکثر ہم

اکسیر: کسی مرض کے لیے نہایت مفید اور سریع الاثر دعا۔

ہوگیا اُس لبِ لعل و دُرِ دنداں کے سبب
غیرت نسخۂ اکسیر مسی کا کاغذ

دل بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق تہ دل سے جلاتے کیوں ہو

میرے زرد آبلوں سے تختۂ خُصد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے

رشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے اک غزل
جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

ساتھ سوتا غیر کے چھوڑا اب تو اے سیمیں بدن
خاک میری ہوگئی نایاب تر اکسیر سے

اکسیر: وہ خاک جو سونا بنا دے۔

کرامت ہے رخِ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بخی سنی ہے آج تک اکسیر شیشہ کی

اکشف بجمالک الغطایا: اپنے جمال کے پردے اٹھا دے۔

اللہ دکھادے اپنا دیدار
اکشف بجمالک الغطایا

اگرچہ: باوجودیکہ، ہر چند۔

اگرچہ شعر مومنؔ بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضموں یاب اپنا سا

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ
نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرش بریں یہ

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا

حضرت مومنؔ اس قدر لاف اگرچہ ہے درست
طول مقال عیب و شعر جملہ عیوب سے بَری

اگلنا: منھ سے باہر نکالنا، تھوکنا۔

عجب نہیں کہ بسان مگس عسل اگلے
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس

اگنا: نباتات کا پیدا ہونا، نکلنا۔

خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار

الاماں: کسی بات سے تنگ آنے کی جگہ کہتے ہیں۔

قتلِ عدو نے شوقِ شہادت مٹا دیا
لب پر ہمارے غلغلۂ الاماں ہے اب

قہر ہے پھرنا نگاہ یار کا
الاماں اس بازگشتِ تیر سے

ماجرا سن کے تیغ کا تیری
الاماں الاماں کہیں کافر

کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلہ الامان تیغ

التفات: توجہ، مہربانی۔

آنکھیں جو ڈھونڈھتی تھیں نگہ ہائے التفات
گم ہوتا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تاب التفات
بے ہودہ فکر جور و سر امتحاں ہے اب

یک چند اور کاہش غم چشم التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

امتحاں کے لئے جفا کب تک
التفاتِ ستم نما کب تک
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں
ان سے اب التفات کی غیر کو ہیں شکایتیں
سن کے مرا مبالغہ منت احتراز ہے
پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
کیا جب التفات اس نے ذرا سا
بڑی ہم کو حصول مدعا کی
دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم
گر نہ ہو روے التفات ادھر
کہ محرک ہے التفات نہاں
تاب فرسا ہے جذب روحانی
گرمی التفات سے تیری
خشک ہو عاصیوں کا دامن تر

التفات آمیز: اپنی طرف مائل اور متوجہ کرنے والا۔
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

التفاتیاں: التفات کی جمع۔ توجہ، مہربانی۔
کہدیں رقیب نے تری بے التفاتیاں
ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب

التماس: عرض، گذارش۔
ترجمان التماس شوق ہے تغییر رنگ
جوں زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
گر نہ ہو شکر جفاے متصل سے وردِ سر
لب پہ کچھ کچھ التماس جان غم مانوس ہے

الٹ جانا: خلاف ہوجانا، پلٹ جانا۔
اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

الٹی سمجھ: اوندھی عقل۔
بوسے دمِ غضب لئے الٹی سمجھ تو دیکھیے
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

الٹے: برعکس، جیسا چاہیے اس کے خلاف۔
آشفتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا
الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

الجھنا: باہم گتھنا، لڑنا، جھگڑنا۔
کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم
دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بند قبا کے ساتھ

الجھنا: بحث کرنا، جھگڑا کرنا۔
کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے
الجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث

الجھنا: پھنسنا، اٹکنا۔
الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثل خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بند قبا کے ساتھ
داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے

الجھی: گتھی، پیچ دار۔
صد شکر وہ الجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی بڑھی زلف پریشاں کی شکایت

الحمد لواھب العطایا: تمام تعریفیں بخششوں کے دینے والے کے لیے زیبا ہیں۔

الزام: قصوروار ٹھہرانا۔

فکر الزام حکیم و متکلم ہو اسے
تو مجسم نظر آجائیں نکات موہوم

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

یار و دشمن نے ستایا جب کہ ہم عاشق ہوئے
بے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم

میں اپنی چشمِ شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں

الزام: قائل کرنا۔

فکر الزام حکیم و متکلم ہو اسے
تو مجسم نظر آجائیں نکات موہوم

کہنا پڑا مجھے پے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائق شرح و بیاں نہیں

الزام: اتہام، تہمت

یاں کے الزام دست خالی سے
فلسفی پیٹتا ہے اپنا سر

طعنۂ وصل ہوس ناک پہ ہنس دیتے ہیں
مگر الزام و ندامت نہیں لازم ملزوم

السلام: تم پر سلامتی ہو، السلام علیکم کا مخفف۔

السلام اے روش آموز طریق اسلام
السلام اے خضر جادۂ جنت ملزوم

العطش زن: العطش کہنے والا پیاسا۔

العطش زن سپہر و یارو عدو
بے گناہ خوں مرا سبیل ہوا

الفت: دوستی، محبت۔

تا رہے الفت آزما، ناز و غرور دل ربا
تا رہے آرزو فزا، طرز ادائے دلبری

جب منایا مجھے اس نے وہی الفت، وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں، بہر معدوم

جراحت زار اک جاں دے کہ جس کی ہر جراحت ہو
نمکداں شور الفت ہو مزا آوے عیادت کا

غیر چھڑکے ہے زخمِ دل پہ نمک
شور الفت میں بھی مزہ نہ رہا

ہو گئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومنِ وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

شور الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لب شمشیر پر تبخالہ تھا

آتشِ الفت بجھادی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمی صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا

نام الفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا

کیا پوچھتا ہے تلخی الفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

مومن یہ لاف الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلی میں کوئی دشمن ایماں نہیں رہا

اس تلخی حسرت پر کیا چاشنی الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

کیا ٹھہرے دل بوالہوساں میں الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں ارباب ہنر بند

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منھ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس

کرتے ہیں مجھ سے دعویٰ الفت وہ کیا کریں

کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے غلط
اوّل الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمد ہجراں تلک
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو
کچھ شورِ محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ
کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
ہے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی
جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دلِ ناداں اس الفت اس محبت کی
کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یاں
فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے
موئے آغاز الفت میں ہم افسوس
اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

الفت آزما: الفت کو آزمانے والا۔

تا رہے الفت آزما، ناز و غرور دل ربا
تا رہے آرزو فزا، طرز ادائے دلبری

الفت آنا: مروت آنا۔

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

الکوس: ایک پہلوان کا نام جو رستم کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ (ض)

اگر کہے مددے یا محمدؐ عربی!
صفیر مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس

اللہ: خدا کا نام۔

اللہ دکھادے اپنا دیدار
اکشف بجمالک الغطایا
اللہ غم بتاں میں یک چند
بے فائدہ جان کو کھپایا
اللہ مرے گناہ بیحد
وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا

دھوم ہے، تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار
''کرم اللہ'' نام و ذات اس کی
مظہر لطف ہائے یزدانی
کشتہ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا
جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
مدام اس دل بر میکش کے منہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشہ کی

اللہ اکبر: تعجب و حیرت کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

اللہ رے: اف رے۔ مبالغہ اور تعجب کی جگہ بولتے ہیں۔

اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رلایا
اللہ رے سوز آتش غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ
دیکھئے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو
اف رے سوز نالۂ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر رو ئے زمیں اس سے سمندر خشک ہو
اللہ ری ناتوانی جب شدت قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا
اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

الم: رنج، دکھ۔

بے کسی نے نہ دیا ہائے تہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریۂ جلاد رہا

وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اُس کو رنج والم نہ ہوتا

تھا ہم پہ لطف تو پئے افزائش الم
صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث

بے التفاتیاں جو عدو سے کئی نہ تھیں
ہم جانتے تھے وصل میں رنج والم نہیں

کون ڈوبا تنگ آ کر غرق دریائے الم
کیوں صدا شور تموج سے ہے شیون آب میں

الماس: ہیرا، ایک قیمتی پتھر مجازاً آنسو

چھڑکے ہے لون زخم پہ وہ کیوں نہ ہوں غمیں
الماس کی تھی آس کبھی تک الم نہ تھا

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل

الماس ریزی: الماس چھڑکنے کا عمل۔ (الماس ایک قیمتی پتھر)

سرشک اعتراف عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

الوانی: تنوع، رنگا رنگی۔

کہیں نیرنگی زماں سے فزوں
خوان نعمت کی اس کی الوانی

الیم: دردناک۔

واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا

الہام: منجانب اللہ کوئی خیال دل میں آنا۔

بڑھا یہ پایہ الہام رائے صائب سے
کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

الٰہی: اے خدا۔

مظہر شان الٰہی ہے یہاں تک کہ حکیم
متزلزل ہے دم بحث وجوب اور لزوم
بڑی خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری

کردی انصاف الٰہی نے یہ امت حوم
اس کے دل میں اب خیال قتل ہر دم آئے ہے

موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا
یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تا بدل روزن

الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم
یار تھے یا دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر

لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں
جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی

الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

الٰہی خیر: جب کوئی ضرر پہنچا ہی چاہتا ہو یا آفت آیا ہی چاہتی ہو تو اس جگہ پناہ مانگنے کے طور پر کہتے ہیں۔

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

امام: پیشوا، قائد۔

امام اہل یقیں، شہریار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقبل

نہ رکھ بیگانۂ مہر امام اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے اس کی امامت کا

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

امام: نماز پڑھانے والا۔

جب نہ تب "والضحیٰ" پڑھتے ہے امام
مقتدی تا سنیں "فلا تنہر"

امام سموم: وہ امام جنھیں زہر دے کر شہید کیا گیا۔ اشارہ ہے حضرت حسنؑ کی طرف۔

سبزہ رنگی نے تری قتل کیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم

امامت: پیشوائی۔

یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل
یہی امامت برحق کی اس کو بس ہے سجل

منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ

امان: پناہ

دل ہی میں حسرت نفس خوں چکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امان تیغ

مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہل جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

امت: وہ گروہ جو کسی پیغمبر کا پیرو ہو۔

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

امتحان: آزمائش، جانچ۔

تم اور حسرت ناز، آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل

صد مژدۂ جراحت منکر حسود کو
کرتا ہوں رزم گاہ میں، میں امتحان تیغ

وہ آنچ تیری تیغ میں جل جائے مثل طور
گر تو صنم کدے پہ کرے امتحان تیغ

اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو

کر چکا ہوں دور اخلاص بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجئے پھر ہمارا امتحاں کیجئے

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اس کے امتحاں کے لیے

برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہوگئی خو امتحاں سے

ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم
کبھی محبت دشمن کا امتحان نہ ہوا

یہ عذر امتحان جذب دل کیسا نکل آیا
میں الزام اس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

امتحاں کیجئے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا

کیا ہوا ہو اگر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تاب التفات
بے ہودہ فکر جور و سر امتحاں ہے اب

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

یاں امتحان مرگ سے فارغ ہوئے ہیں یار
واں اپنے ہی پہ مرنے کا ہے امتحاں ہنوز

مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس

دل گرمیِ فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع

امتحاں کے لئے جفا کب تک
التفات ستم نما کب تک

مجھ پہ بعد امتحاں بھی جور کم کیوں کر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں

نہ چاہوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقت امتحاں نہیں

کرتے وفا امید وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اس کو سر امتحاں نہیں

امتنان: احسان مند کرنا۔

اک بات میں تمام ہے یہاں کار مدعی
کس کی بلا ہو بارکش امتنان تیغ

امتیاز: خصوصیت۔

کر دیا خالق دو عالم نے
امتیاز ریاض رضوانی

چشم کا تیری امتزاج روح فزا نظر فزا
گریہ مستی و نگاہ روح و گلاب و عبہری

امتیاز: شناخت۔

داغ اور زخم اس میں ہیں جو لالہ و گل اس میں ہیں
فصل ہے یا آپ کے عاشق کی چھاتی ہے بہار
خسرو و عیشِ وصلِ یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

اُمڈنا: اکٹھا ہونا۔

دیکھ کر یہ مجمع اُمڈا کیسا ہی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا

امل: امید، آرزو۔

آہ طولِ امل ہے روز افزوں
گرچہ اِک مدعا نہیں ہوتا
صحبت میں ایک رات کی وہ تنگ آ گئے
طولِ امل سے قصہ مرا مختصر نہ ہو
کیے ہیں طولِ امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظمِ جہاں کے ہیں کاروبار مجھے
طولِ امل کی حد نہیں، سازِ طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری

امن: اطمینان و آرام۔

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لیے

امید: آرزو

وہ بد شعار و طرحدار دلربا جس سے
امید وصل خطا، ترک آرزو مشکل
نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغ امید حرم
بیکاریِ امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا

کس توقع پہ امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں
کس توقع پہ امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں

امید: توقع

امید حور بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتان چگل
حور و جنت کی بھی امید خدا سے نہ رہی
شورِ محشر سے نہ ہوں گے مرے طالع بیدار
اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی
کیا امید بر سیمیں و زر دست افشار
میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امید حشر، مرگ علاج مضطری
فصل بہار بعد یاس، کس لیے غنچہ پھر ہوا
بزم میں تیری گر نہ تھی، گل کو امید ساغری
وہاں جلے میں نعیم جناں کی ہے امید
اگر ہو لطف ترا، میرے حال کے شامل
بند ہے امید گر اک خوشہ گندم کی مجھے
"تیز" مہر تحویل سے ہو برج شرف کی بیزار
لاف زنی پس مدیح، رسم قدیم کیا کروں
اس غم تازہ سے نہیں مجھ کو امید جاں بری
کیوں کہ امیدِ وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا
آخر نغید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا
امید وعدۂ دیدار حشر پہ مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا
بیکاریِ امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا
ناکامیِ امید پہ صبر آئے تو کیا آئے
ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا

گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں
گر دردِ عشق ہے تو امیدِ شفا عبث

دودِ دل وگردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

ہے چرخ سے امید کشائش عبث ہمیں
عکس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

کیا کہوں میں ہجومِ یاس و امید
رشکِ ہنگام انتظار ہے دل

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے امید وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخ لیلیٰ فام ہم

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسباں ہیں زندانیوں میں ہم

اف ری کثرتِ اشک وتبسم بل بے ہجوم یاس امید
جی ہے دھڑ کتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے

توڑنا جان کا ہوجائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

یاد آ گیا زبس کوئی مہ روے مہر وش
امید داغ تازہ سپہر کہن سے ہے

اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے

امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یکشبہ ہے یاس جاوداں کے لیے

غلط کہ صانع کو ہو گوارہ خراش انگشت ہائے نازک
جواب خط کی امید رکھتے جو قولِ جفَّ القلم نہ ہوتا

کرتے وفا امید وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اس کو سر امتحاں نہیں

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

اس سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالات خام کو

معشوق وے سے زاہد مفلس کوئی آس ہے
قطع تعلقات کس امید پر نہ ہو

ایسے سے قدر و مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو

کیا یوں ہی جائے گی مری فریاد سرزنش
واعظ کو روز حشر امید نجات ہے

جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

امید اجل آفرینی: موت کو پیدا کرنے والی امید۔

قلق کشتہ سخت جانی ہے پھر
امید اجل آفریں ہو چکی

امید بندھانا: ڈھارس بندھانا۔

توڑنا جان کا ہوجائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

امید بندھنا: آس پڑنا۔

بند ہے امید گر اک خوشہ گندم کی مجھے
"تیر" مہر تحویل سے ہو برج شرف کی بیزار

امیدوار: توقع رکھنے والا۔

کیا شب انتظار ہونا تھا
ناحق امید وار ہونا تھا

وصل جاناں کہاں سوائے خیال
ہم ہیں مایوس امید وار ہے دل

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمانِ ہجر کے امید وار ہیں

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امید وار مجھے

سمجھ لیا مگر اس سبز رنگ کو طوطی
کہ ہے نظارہ کا امیدوار آئینہ

امیدواری: امیدو آرزو کی حالت و کیفیت۔

مجھ کو حیراں دیکھ کے حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محو یاس ہے امید واری آپ کی
تیرے آتے ہی دم میں دم آیا
ہو گئی یاس امید واری آج
یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امید واری کی

امیر: سردار

امام اہل یقیں، شہریار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقبل
امیرِ لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا

امیر: دولت وحکومت کا مالک۔

امیرِ لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا

امیروں: جمع امیر کی۔ حاکم

نہ امیروں کو پاے بندی عدل
نہ رعایا مطیع و فرماں بر

انامل: انگلیوں کی پوریں۔

باقی ہے شوق چاکِ گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

انبیاء: جمع ہے نبی کی۔ رسول۔

ظہور میں ہوئی تقدیم انبیاء کہ نہ تھا
ترے وسادۂ دولت پہ احتمال جلوس

انتخاب: پسند کرنا، چننا۔

مری بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے
سپند جس پہ ہوئے مردن بتاں کے تل
کیا کیا سخن ہوئے ہیں دل زار کو مگر
اس کے ذہن میں ورق انتخاب تھا

کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا
کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا

انتساب: لگاؤ، نسبت۔

جب تلک گردش سپہر سے ہے
انتساب حدوث نیکی و شر

انتظار: راہ دیکھنا۔

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ
وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا
کیا شب انتظار ہونا تھا
ناحق امید وار ہونا تھا
روزِ غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک
انتظار اثر اے نالۂ شبگیر نہ کھینچ۔
انتظار ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوے چرخ خنفراد یکھ کر
تھا رابطۂ غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخ بے وفا تو وفا دار ہے نخاطر
ہے شامِ انتظار تماشاے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح ادھر ہم اُدھر چراغ
شامِ فراق خواب عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولت بیداری طرف
کیا کہوں میں ہجومِ یاس و امید
رشک ہنگام انتظار ہے دل
اب تک گیا نہ باغ میں تو بہر انتظار
سن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم
خواب عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
بس کہ بن آئے مرگئے ہم شب انتظار میں
دن جور بے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

جاں دیدوں ہے اس آفت جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں
نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی
وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست
رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے

انتقام: بدلہ، عوض۔

گر بہائے خون عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلّاد کیا
کس صنم کو چھیڑا دیا واعظ
لے خدا تجھ سے انتقام مرا
اب اذنِ انتقام جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا
تلخی خسرو ہو شیریں کام شادی مرگ کیا
جان کنی ہے انتقام کوہ کن کی فکر میں
یاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو
پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں خطر انتقام ہے
ذکر میں انتقام حق کے ترے
مترادف ترحم و کیفر

انتہا: انجام

مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں

انتہا: حد

کچھ انتہا بھی کوا کب کے دور بے جا کی
ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماع نحوس

انجام: نتیجہ

فرماتے ہیں وصال ہے انجام کار عشق
کیا ناصحِ شفیق نے مژدہ سنا دیا
دیکھئے انجام کیا ہو مومن صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

اس بت کے لیے میں ہوس حور گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے

انجام: انتہا، خاتمہ

زانوئے بت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا
حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

انجم: ستارے، تارے

قرانِ انجم سیارہ برج آبی میں
ڈبوئے گی مری چشم ستارہ بار مجھے
کروں جو گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس
اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار
در دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار

انجم شناس: ستاروں کا علم رکھنے والا، نجومی

صدر انجم شناس سے تاباں
مہ کامل کی طرح داغ جگر

انجمن: مجلس

وہ شمع انجمن ناز ہائے حوصلہ سوز
جو سمجھے خواری مشتاق رونق محفل
رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
شعلۂ دود و عارض روشن و زلف عنبری

انجمن افروز: انجمن کو رونق بخشنے والا

جب تلک ذلت و عزت طرب و غم ہوں خلق
گوشہ گیر انجمن افروز سمین و معدوم

انداز: طرز، ڈھنگ

بے مروت مری نظروں میں ہیں انداز ترے
آج کل کچھ نگہ لطف ہے سوے اغیار
ہائے وہ رقص خوش قداں جس کے
صدقے انداز سرو بستانی

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا

وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی میں
مزے اڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ اندازِ رم نہ ہوتا

یہ اہتمام جور ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز

طلب وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں
شوق نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

انداز اڑانا: نقل کرنا، کسی کی وضع سیکھ لینا۔

یہ اہتمام جور ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز

اندر: باہر کی ضد

شمع ساں میں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

ان دنوں: آج کل

عجب نہیں کہ بسان مگس عسل اگلے
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس

سوئے صحرا لے چلے اس کو سے میری نعش ہائے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا میرا کھجلائے تھا

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

ہائے قسمت کہ ہوئی مجھ پہ جفا اور فزوں
ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں

اندوہ: رنج، غم

آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال
اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں

شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے
ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے

اَندُہ: اندوہ کا مخفف۔ رنج، غم

ناکامیوں کا گاہ گلہ گاہ شکر ہے
شوقِ وصال و اندہ ہجراں نہیں رہا

اندھیر: ظلم، سینہ زوری

رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزن در رات کو

اندھیر: بدانتظامی

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات

اندھیرا: تاریکی۔

اس کے بجھتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

اندھیرا آنا: تاریکی چھاجانا

اس کے بجھتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

اندھیری: تاریکی، سیاہی۔

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھائی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

اندیشہ: خیال، تصور

اوج لاہوت کا ہے طائر اندیشہ کو شوق
واں سے آتا ہے نظر جو تری رفعت کا حصار

علم اعجاز اسے، معجزۂ علم اسے
جس میں اندیشہ ہو عاجز وہ سب اس کو معلوم

سرشکِ اعتراف عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

تیرے سمند ناز کی بیجا شرارتیں
کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو

اندیشہ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش

نشتر سے علاج دل دیوانہ کریں گے

اندیشہ: خوف، دھڑکا

ہیم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشت دل کا اظہار
مر چلے اب تو اس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

انس: محبت، الفت

آسیب چشم قہر پری طلعتاں نہیں
اے اُنس اک نظر کہ میں انساں نہیں رہا

انسان: آدمی۔

ذکر انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر

انسانی: انسان کی طرف منسوب

ہائے وہ ساز و برگ عیش و نشاط
قوت افزائے روح انسانی

انسیت: میلان

انسیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم

انصاف: عمل انصاف کرنا: فیصلہ کرنا۔

دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم
گر نہ ہو روے التفات ادھر

خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
بدیٔ خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری
کردی انصاف الہیٰ نے یہ امت حوم
انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا
مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل
دست بوسی پر کرو ہاں قتل اپنے ہاتھ سے

سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیروں کا ہمیں
بلاے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کا ہے کو بلا لگتی
یہ نیم جان و غم ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں اے مرگ داد رس گذرے
کبھی انصاف ہی دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اس کو میں رہا کی

انصاف کرنا: فیصلہ کرنا

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
شکوہ نہیں غیر کے ستم کا
انصاف کرو تو میں بھی کیا ہوں

انصتوا: خاموش ہو جاؤ اور کان لگا کر سنو۔ اشارہ ہے سورہ اعراف کی آیت نمبر ۲۰۴ کی جانب۔

یہ وہب ہے کہ مناجات کبریا جو کروں
تو "انصتو" کہے ذاکر سے عابد شاغل

انظار: جمع ہے نظر کی۔ علم نجوم کی اصطلاح میں دو ستاروں کا ایک دوسرے کے مقابل ہونا۔ جس کی مختلف قسمیں ہیں۔ جن سے ان کے اثرات کا تعین ہو۔

زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا
بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار

انعام: عطیہ، بخشش۔

نہ صلہ مدح کا پایا، نہ غزل کا انعام
ہاے ناکامیٔ یاقوت و لب لعل نگار
خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے

انفصال: فیصلہ

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا
جفائے یار کو سونپا معاملہ اپنا
اب آگے ہو نہ ہو امید انفصال تو ہے

انفعال: ندامت، شرمندگی۔

اس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے

انقلاب: الٹ پلٹ، تبدیلی۔

کثرت باد عنصری اس کی
مثبت انقلاب ارکانی

اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلاب حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری

یاد ایام وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

آنکھ اس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں

انکار: اقرار کی ضد۔ کسی بات کو نہ ماننا۔

آپ دیکھا، نہ سنا اور سے پر جھوٹ نہیں
تیری آنکھیں کہے دیتی ہیں نہ کرنا انکار

شرط ایمان ہے پیمان خلافت اس کا
وہ مسلمان ہی کیا؟ جس کو ہو اس میں انکار

کہیں منکر کو نہ انکار قیامت ہو زیاد
عدل سے اس کے ہے آبادی ہر کشور و بوم

نہ رکھ بیگانۂ مہر امام اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے اس کی امامت کا

مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر
نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخر شب

روز جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز

کہنا بڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصل غیر کا انکار ہے غلط

عشق میں ناصح بھی ہے کیا مدعی
جرم ثابت ہو گیا انکار سے

انگاروں: جمع ہے انگارہ کی۔ چنگاری سے بڑا دہکتا ہوا کوئلہ

پری لوٹنے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

انگبیں: شہد۔

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لب شیریں دہاں ہنوز

انگشت: انگلی

دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنۂ انگشت ندامت ہو

انگشت رکھنا: نکتہ چینی کرنا، عیب نکالنا۔

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمان تیغ

انگشت شہادت: کلمے کی انگلی جو انگوٹھے کے پاس ہوتی ہے۔ چوں کہ مسلمان نماز میں "التحیات" پڑھتے وقت جب کلمۂ شہادت آتا ہے تو یہ انگلی اٹھاتے ہیں۔

نہ کیوں کر مطلع دیواں ہو مطلع مہر وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشت شہادت کا

انگشت نما: کسی چیز کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کرنا، کسی چیز کا مرکز نظر اور جاذب توجہ ہونا۔

دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے

انگشت ہا: جمع ہے انگشت کی۔ انگلیاں

غلط کہ صانع کو ہو گوارہ خراشِ انگشت ہائے نازک
جواب خط کی امید رکھتے جو قولِ جَفَّ الْقَلَم نہ ہوتا

انگلی: ایک عضو کا نام جسے انگشت بھی کہتے ہیں۔

پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثل صبح چاک گریبان شام ہے

انگلیوں: جمع ہے انگلی کی۔ انگشت

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

انوار: نور کی جمع۔ روشنی

کس قدر،، حکمت اشراق،، سے جی جلتا ہے؟
ہو گئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

انور: روشن

طالع پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بخت تیرہ سے مرے، روز مہ انور تار

انوری: فارسی کا ایک مشہور قصیدہ گو شاعر

''انوری'' کے بیان میں ہے کہاں
میری تقریر کی سی تابانی
حیرتی عقوبت تازہ موکلان قہر
بس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری

انہار: جمع ہے نہر کی۔ دھارا

ترے ایام میں باقی نہ رہا بس کہ فساد
چشمۂ خضر میں ہیں انہار عروق مجذوم

انہار: جمع ہے نہر کی وہ ندی جو دریا سے کاٹ کر نکالی گئی ہو، یہاں دریا مراد ہے

قلزم جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہائے کف دست کے، موج انہار

انھیں: ان کو

یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
مگر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس
عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا
نوید مرگ انہیں جو ہیں زخمی لب یار
کہ رنگ یاں سے ہوئے اور لعل خنداں سرخ
اب انہیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص
فریاد نالہ ہائے عزابار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں
یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستان نہیں
شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں یا ہم بھی
دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ
تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشق حور کی
جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں فگار ہے دل

اوج: بلندی

مرغان دراز ابجہ کو
اس اوج نے خاک پر گرایا
واہ اے چرخ تیری نافہمی
مہ اوج کمال فال اختر
آز پابوس میں ہے خورشید
ذروہ اوج ، پایہ منبر
اوج لاہوت کا ہے طائر اندیشہ کو شوق
واں سے آتا ہے نظر جو تری رفعت کا حصار
میرے اقبال کا آ جائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار
سحر حلال سے مرے جادوے سامری خجل
طور کلیم اوج فکر، نور خدا فسوں گری
میں وہ شہ سریر فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری
عدو اس اوج پر شاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملا دے خاک میں یہ تو بھی شکر آسماں کیجئے

اوراق: جمع ہے ورق کی۔ کتاب کا ورق

ہوائے جنبش اوراق سے ہیں عطر فروش
لغات ورد کہ ہیں ثبت صفحۂ قاموس

اوضاع: وضع کی جمع۔ کردار، کرتوت۔

اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

اوروں: دوسروں، غیروں

کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آجاتا
شکرِ صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

اوصاف: وصف کی جمع۔ ہنر، کمالات

جل رہے ہیں پس مردن بھی نہیں کیوں گریاں؟
تیرے حساد کے احوال پہ ہے شمع مزار

تیرے اوصاف کے صحیفے میں
صنعت کارنامۂ مانی

اول: پہلا

اول اس در پہ سجدہ ریزی کر
تا ملے مفت جاہ کیوانی

ہے یہ غم گور میں رنجِ شب اول سے فزوں
کہ وہ مہ رو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

اول: ابتدا، آغاز۔

باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری

مفت قولِ سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

ہے اول بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت

اول الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمد ہجراں تک

اولاد: ولد کی جمع ہے۔ بال بچے

گواہ عصمت مریم ہو کثرت اولاد
عقیمہ مجھ سے سنے گر بیان شکل عروض

اولیں: سب سے اول

مسند آرائے محفل تقدیس
اولیں جانشین پیغمبر

وحید عصر ہوں میں، عقل اولیں ہے گواہ
فرید دہر ہوں میں، صفحۂ زماں ہے سجل

صبح مری شب مریض، شب، شب اولین گور
زور گداز ہیم شام، سختی روز محشری

اہتزاز: ہوا کا چلنا

دم گلگشت وہ سبک رفتن
اہتزاز نسیم بستانی

اہتمام: انتظام، بندوبست

پھر زیب سر ہے شعلۂ داغ جنوں سے تاج
پھر دور باش نالہ اثر اہتمام ہے

یہ اہتمام جور ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز

اہل: صاحب، والا۔

اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں

کیے ہیں طول اہل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظم جہاں کے ہیں کاروبار مجھے

اہل اسلام: اسلام والے، مسلمان۔

کیسے آرام پس مرگ مگر کافر تو
اہل اسلام کا ہے دشمن جاں اے واعظ

اہل بدعت: بدعتی

مجھے وہ تیغ جوہر کرکہ میرے نام سے خوں ہو
دل صد پارہ اصحاب نفاق و اہل بدعت کا

اہل بزم: شریکِ محفل

روشن ہے اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیان شمع

اہل تقویٰ: تقوی والے، پرہیزگار

اس کے احساں سے عزہ شوال
اہل تقوی کو سلخ شعبانی

اہل جہاں: دنیا والے

آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہل جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک

اہل خانقاہ: خانقاہ والے

مجھ کو فغاں سے کام اور ذکر میں اہل خانقاہ
دیر میں شور بید خواں، میکدے میں نواگری

اہل ضلالت: گمراہ

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہل ضلالت کا

اہل عزا: ماتم کرنے والے

سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

اہل غم: غمگین

بسکہ شام وصل آغاز سحر میں مرگئے
سینہ کوبی اہل غم کی ہم صدائے کوس ہے

اہل فن: ہنرمند، فن کار

سُن رکھو سیکھ رکھو اس کو غزل کہتے ہیں
مومن اے اہل فن اظہار ہنر کرتا ہے

اہل کمال: صاحب کمال

پایہ سنج کمال اہل کمال
فارق قلزمی و عمانی

اہل ماتم: ماتم کرنے والے لوگ۔

اہل ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

اہل مذاق: صاحب ذوق

نوائے طوطیِ شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں، اہل مذاق جوں طاؤس

اہل نار: جہنم والے، جہنمی

جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ

اہل نظر: صاحب اثر

زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمت اہلِ نظر سے فیض

اہل نظر: اہل بصیرت، صاحب نظر

دیکھے نرگس حسد سے جانب گل
خوردہ بین ہوگئے ہیں اہل نظر

اہل ہنر: صاحب فن

روتے ہیں تیری جان کو ظالم
ایک میں کیا کہ سارے اہل ہنر

اہل ہوس: ہوس والے یعنی رقیب

ہم نفس کیوں کہ مسخر وہ پری رو ہوگا
نام اہل ہوس اوراد فسوں گر میں نہیں

اہل یقین: صاحب ایمان

امام اہل یقیں، شہریار کشور عدل
امیر لشکر دین و مبارز مقبل

ایام: یوم کی جمع۔ زمانہ، روز و شب۔

مانعین زکات ہیں اغیار
یاد ایام نصفت سرور

سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گرگ
غم تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار

ترے ایام میں باقی نہ رہا بس کہ فساد
چشمۂ خضر میں ہیں انہار عروق مجذوم

یاد ایام عشرت فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی

یاد ایام وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

تاروں کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایام ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

کیا کہیں تم سے اے ہمدردو پوچھو مت مرغان چمن
کیوں کر یاں ایام خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں

ایثار: اوروں کو اپنے اوپر مقدم سمجھنا

ذکر بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار

ایذا: تکلیف، دکھ

ہم جواں مرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلکِ پیر نہ کھینچ
جی اٹھے اور وہی رنج و محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

ایسا: اس قسم کا، اسی طرح کا

وہ بھی ایسا نہیں کہ یوں محروم
رکھے مستوجب کرم کو مگر
خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر

کہیں ایسا نہ ہو وہ غیرت حور آجائے
ہے بہت میرے جنازے پہ فرشتوں کا ہجوم
میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پہ یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے
کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑتا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے
ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوے بتاں میں
پھر جا میں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے
رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسشِ حال داد خواہ نہ کی

اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا
جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا
کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجئے
اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا
ہاں تنگِ دہانی کا نہ کرنے کے لیے بات
ہے عذر پر ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
دمِ الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا
جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منھ لے کے سب احباب اپنا سا
ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اہتمام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا
وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آتا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب
یہ کاہ رُبا سے بھی ہیں کم اے کششِ دل
مذکور کچھ ایسا پسِ چلمن ہے ہمارا
ہمسری اُس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہوگیا
لو مرے بختِ سیہ کو اور سودا ہوگیا
اس کے ملتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر
مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ
آساں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہل جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک
شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دل
مجھ پہ بعدِ امتحاں بھی جور کم کیوں کر کریں
وہ ستائیں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں

ایسی: اسی طرح کی

ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگ راہ نسیم
بنا ہے شبنم گل، آب آئینۂ فانوس
ہوا ہے کون سی ایسی مگر "مدینے" کی
دمِ مسیح کو ہے جس کی حسرت پابوس

فنون نظم میں میں نے نکالی ایسی راہ
طریقۂ شعرائے سلف ہوا مطموس
ہجو گوئی نہیں ہمارا کام
ایسی باتوں سے خامشی بہتر
چاہنا خلق کو صہبا وصنم سے محروم
ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم
انسیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم
ایسی وحشت سرا میں آے کون
بے دری کر رہی ہے دربانی
وہ کینہ ورز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تھی ایسی بھلی وہ آن لگی
واقعی سجدہ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے
ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اس کا کوئی پیکاں ہوگا
نشۂ اُلفت سے بھولے یار کو
سچ ہے اَیسی بے خودی میں یاد کیا
روزِ محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا
عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا
عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا
ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنادیا
دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب
ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترک بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

اہل جنت سے کرو دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ
آچکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کے فرماتے ہیں
ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادی مرگ ہوں
جور وستم کا میری جاں لطف وکرم سے کام لو
سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ
بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہو گئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی
سد راہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے
ایسے: اس قسم کے، اس طرح کا
براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پاؤں سے محسوس
ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون وعلوم
خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس
بادہ کش ایسے تلخ کام، کہ ہے
کف مار سیہ، مئے احمر
ہم سے دشمن نے، ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار
شاد شاد آئے عیادت کو دمِ آخر تم
ایسے بیدرد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار
آز بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں؟
کب ہو، ایسے شریروں کو ترے بزم میں بار؟
مدح خوانی کا مری جائزہ شاہی بھی نہیں
وائے حرماں کہ ہیں بے جائزہ ایسے اشعار
محتسب نے خم مے چھین لیا یا قسمت
ایسے کمبخت کے ہاتھ آئے ہمارا مقسوم
میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امید حشر، مرگ علاج مضطری

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے
محبِ حسین ؓ کا اور دل رکھے شمر کا سا

ہے جنون ایسے کے آگے ٹھیرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھا گا جو تماشائی ملا

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا

ایسے ہی روز گر ستم نو بنو رہے
تم کو بھلا رہے گی سپہر کہن کی یاد

ایسے ستم کیے کہ مرا جی بجھا دیا
ہر چند سر فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

ہاتھ اٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

ہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

ایسے سے کیا درستیِ پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگِ حنا کا شکستہ ہو

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑتا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کہ روز دیکھ

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے ہمارا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

گرا نہ اشک پہ تاثیر یوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے

قتل اس نے جرم صبر جفا پہ کیا مجھے
یہی سزا تھی ایسے گنہ گار کے لیے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہوں
کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے

تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر
کہ کبھی سیر عید گاہ نہ کی

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

ایقانی: یقینی

نہ یہ سمجھا ہوں سیر اختر سے
علم ظنی نہ ہووے ایقانی

ایک بات میں: تھوڑی دیر میں

اک بات میں تمام ہے یہاں کار مدعی
کس کی بلا ہو بارکشِ امتحانِ تیغ

جی چاہتا ہے پوچھے کوئی کیا وہ مر گیا
پھر ایک بات کہنے میں قصہ تمام ہے

ایک سا: برابر، یکساں

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کر ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

ایلاؤس: ایک مرض جس میں بول و براز بذریعہ قے خارج ہو

عجب نہیں کہ بسان مگس عسل اگلے
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس

ایما: حکم

دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے
جادو کو کیا نرگسِ جادو نے نظر بند

ایما: اشارہ

ابروے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے

ایمان: شریعت اسلام میں دل سے خدا پر یقین لانا اور زبان سے اس کی خدائی اور توجہ کا اقرار کرنا۔

شرط ایمان ہے پیان خلافت اس کا
وہ مسلمان ہی کیا؟ جس کو ہو اس میں انکار

دوستی اس صنم آفت ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمنِ ایماں ہوگا

عرض ایماں سے ضد اُس غارت گر دیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

مومن یہ لاف اُلفت تقویٰ ہے کیوں مگر
دلی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکایت

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

غنچہ ہاے آرزوے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشن ایماں میں آتی ہے بہار

مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بد تر ہے
اُس بت دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

سن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشق بتاں کو

تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہیئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے

مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے

ایمان بالغیب: بے دیکھی چیزوں پر اعتقاد کرنا جو اسلام کا منشا اور مومن کی شان ہے۔

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بت پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

ایمان لانا: یقین کرنا

امید حور بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتان گل

ایمان لانا: اسلام قبول کرنا

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

خدا کی بے نیازی ہاے مومن
ہم ایماں لاے تھے ناز بتاں سے

ایمانی: ایمان کی طرف منسوب

پھر طواف حرم میں ہو مشغول
تیرے صدقے شروط ایمانی

ایوس: تانبے کا کساؤ، نیلا تھوتھا

کہیں جہان میں کائی نظر نہیں آتی
کہ صرف زنگرزاں ہو گئی بجائے ''ایوس''

باب: دروازہ

سیف و قلم ہیں دونوں ستوں کاخِ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہان تیغ

باب: کتاب کا حصہ

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں باب نہیں

باب اجابت: دعا قبول ہونے کا دروازہ

کیا باب اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

بابل: ایک شہر کا نام جو سحر اور شراب خوری کی وجہ سے مشہور تھا۔

میں کیوں کہ مطربۂ مہر وش کو رام کروں
چلے نہ ،،زہرہ،، پہ زنہار جادوے بابل
یہ معجزہ مرے سحر حلال کا ہے کفر
ہر ایک مذہب و ملت میں جادوے بابل
یہ کس کی چشم فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسم جادوے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

بات: رسم و راہ

میں جو آیا تو التفات نہیں
وہ نظر وہ سخن وہ بات نہیں

بات: خیال

آ گیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے کیا تھا اقرار؟
چشم غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

بات: مضمون

افضلیت میں کیا سخن، یہی بات
سب سے بہتر کہ سب سے ہے بہتر

بات: خوبی

میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

بات: گفتگو، قول

میں گلہ کرتا ہوں اپنا تو نہ سن غیروں کی بات
ہیں یہی کہنے کو وہ بھی اور کیا کہنے کو ہیں
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آں ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہاں تنگ دہانی کا نہ کرنے کے لیے بات
ہے عذر پر ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ
پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
لگ گئی چپ مجھ کو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا
وہ آخر شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغ سحر بند
بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعت ایہام ہم
بات میری جو کسی طرح سمجھتا ہی نہیں
وہم آتا ہے کہ ناصح بھی نہ ہو عاشق زار
کیا پیام اور کیا پیام گذار
جس کی ہر بات وعظ عرفانی
کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی میرے دل
سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئے ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں سنا ہے
یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امید واری کی

جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی
لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

بات: شان

کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلہ الامان تیغ

بات: فعل، کام

ناکامی امید پہ صبر آئے تو کیا آئے
ہر بات پہ کہتے ہو کہ یہ کام نہ ہوگا
مومن نہ توڑ رشتۂ زنارِ برہمن
مت کرو وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو
فائدہ وصل ہوسناک سے؟ وہ بات کرو
جس سے ہر دم مجھے رنجش ہو، نہ تم کو آزار

بات: حالت، کیفیت

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بات: خوشامد

غیر کو سینہ کہے سے سیم بر دکھلا دیا
تم نے کیا کچھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا

بات: امر، معاملہ

لگائی آہ نے غیروں کے گھر آگ
ہوئے کیا کیا وہ اتنی بات پر آگ
وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

بات: تقریر، بیان

گو حسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اُس جان جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہو وے سمجھو تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھئے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں

بات اٹھانا: سخت کلامی کا متحمل ہونا، ناگوار باتوں کو برداشت کرنا۔

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط
ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

بات بات پر: ہر معاملہ میں، ہر حرکت پر

کہتا ہے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے
گویا کہ پک گیا ہے کلیجہ ندیم کا
کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے
الجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث
اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم
اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم

بات بڑھنا: تکرار ہونا، جھگڑا ہونا

بات شب کو اس سے منعِ بیقراری پر بڑھی
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھائے تھا

بات بڑھنا: معاملے میں طوالت ہونا، معاملہ طول پکڑنا۔

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم
موت آئی تھی قصہ مختصر رات

بات بگڑنا: کام بگڑنا

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے

بات بن آنا: بات بن پڑنا، کامیابی کے قریب پہنچنا

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بات بنانا: بات کو پھیر پھار کر اپنے مطلب کے موافق کہنا (محاورہ)

کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن
اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

سوائے نقطۂ موہوم کیا وصف دہاں کیجئے
بنا کر بات کیا کہئے جو کچھ ہو تو بیاں کیجئے

کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑنا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اسی دل شکن سے ہے

بات پہ مرنا: ضد کرنا، اصرار کرنا

حیف صد حیف، اگر غیر کے دم میں آئے
میں اسی بات پہ مرتا تھا، کہ تم ہو عیار

بات جمنا: اعتبار قائم ہونا، ساخت قائم ہونا۔

بات اپنی وہاں نہ جمنے دی
اپنے نقشے جمائے لوگوں نے

بات چھپانا: بات پر پردہ ڈالنا

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

بات کرنا: گفتگو کرنا

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا

بات کہنا: بولنا، گفتگو کرنا

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہم دم
بات کہنے میں میرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

بات نہ پوچھنا: خبر نہ لینا، حال دریافت نہ کرنا۔

آ گیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے کیا تھا اقرار؟

باتوں: جمع ہے بات کی۔ بہانہ

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے ہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں

باتوں: جمع ہے بات کی۔ گفتگو، بول

بجز کوئی نہیں ہمارا کام
ایسی باتوں سے خامشی بہتر
روز محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو نہ خرشاد کیا

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پہ
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

باتوں میں آنا: دم یا فریب میں آنا

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کسے فرماتے ہیں

باتیں: جمع ہے بات کی۔ اشارہ

مجھ رمز شناس سے یہ باتیں
کیا خوب میں غیر سے برا ہوں

نہ ہوش کھوتے اگر اس پری کی باتوں پہ
تو آپ ہی آپ یہ باتیں کیا نہ کرتے ہم

کاش آپ وہ آئیں جو سنتوں تاز کی باتیں
قاصد سے ادا ہیچ پیغام نہ ہوگا

باتیں: جمع ہے بات کی۔ طعن، تشنیع

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

باتیں: جمع ہے بات کی۔ تذکرہ، ذکر

اب ذرا جان وفا کوئے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ

باتیں: جمع ہے بات کی۔ بہانہ

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

باتیں: جمع ہے بات کی۔ گفتگو

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص

کرتے ہو مجھ سے راز کی باتیں تم اس طرح
گویا کہ قول محرم اسرار ہے غلط

حور کی مدح میں کیا ترک صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

اہل جنت سے کرو دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ

باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں ہے مرا راز داں نہیں

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو
کرنی نہ تھی بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے
کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو
بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے
ہنس ہنس کے وہ مجھ سے ہی مرے قتل کی باتیں
اس طرح سے کرتے ہیں کہ گویا نہ کریں گے
تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

باد: ہوا

کثرت بادِ عنصری اس کی
مثبت انقلاب ارکانی
ہم رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
طوفان باد ہے مجھے جھوکا نسیم کا
ہوتے ہیں پائمال گل اے بادِ نو بہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

بادِ بہار: موسم بہار کی ہوا

بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوے چمن گئے ہو

بادِ بہاری: موسم بہار کی ہوا

کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن بادِ بہاری سے وہ گل گوش ہوا
بوے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں گی بادِ بہاری آپ کی

بادِ پا: ہوا جیسے پانو والا، تیز رفتار

توسن بادِ پا ترا، روز وغا بگاڑ دے
صرصر عاد کی ہوا دم میں دکھا کے صرصری

بادخوان: تعریف کرنے والا

کوشش نے تیری حرف تعصب مٹا دیا
کیوں بید خوان دہر نہ ہوں بادخوان تیغ

بادِ سحری: صبح کی ہوا

لو چھیڑے ہے نکہت کو گل ہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی بادِ سحری اتنی

بادِ سموم: بہت گرم ہوا

عہد میں اس کے جو گل زاری بلبل پہ ہنسے
ہو نسیم سحری، ہم اثر بادِ سموم
نالۂ گرم نے دل بر کو بنایا دلدار
معجزِ عشق سے جاں بخش ہوئی بادِ سموم

بادشاہ: سلطان، تخت و تاج کا مالک

محتسب یہ ستم غریبوں پر
کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی

بادشہ: سلطان، تخت و تاج کا مالک

کہئے گر بادشاہ کو عرش سریر
کہے میری بلا کو ہو چکر

بادشہی: سلطنت

طول امل کی حد نہیں، ساز طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری

بادِ صبا: صبح کے وقت کی ہوا، مشرق کی ہوا

یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب و جاں گداز
خفیہ شمال میں سموم، بادِ صبا میں صرصری
جوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکل جاتا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جاتا
ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے بادِ صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں
خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں
آئے ہے کچھ اٹی ہوئی بادِ صبا غبار میں
مضطر وہ گل جو میرے دم سرد سے ہوا
کیا کیا شمال و بادِ صبا بے قرار ہیں

بادفروش: خوشامدی (ش)

باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار بادفروش نو بری

بادیہ: جنگل، بیابان

کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دیے
وہ شورِ اشتیاقِ نمکداں نہیں رہا

بادہ: شراب

اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشم میگوں کی
کفِ ساقی میں جامِ بادۂ گلگوں نہ ٹھہرے گا

رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پرہیز گار ہوتا تھا

بہر حسود جام زہر، ساغر مے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار طبع تلخی بادہ شکری

بادہ خوار: شرابی، شراب پینے والا

خاک میں حیف یہ شراب ملے
محتسب بادہ خوار ہوتا تھا

وہ رندِ خم کدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
تنگ آ کے حریفانِ بادہ خوار مجھے

بادہ خواری: شراب نوشی

کیوں بنی خوننابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لیے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی

بادہ کش: شراب پینے والا

بادہ کش ایسے تلخ کام، کہ ہے
کف مار سیہ، مئے احمر

بادہ گسار: بادہ خوار، شرابی

دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہ عید
جس طرح سوئے ہلالِ رمضاں بادہ گسار

باذل: بخشنے والا

وفورِ بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے
کہاں ہے، ،معن،، کریم اور حاتم باذل

شہا کسی نے نہ دی یاں مرے ہنر کی داد
کہ نکتہ فہم نہ تھا ایک مرور باذل

بار: مرتبہ، شمار

آیا نہ کبھی خیالِ حج کا
تھا سو بار [illegible] سمجھایا

دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل
کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل

وہ جلے محفلِ دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھیڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سو بار

ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوتِ قلبی فسانِ تیغ

ربط سے زخم ہائے اعدا کے
قطرۂ خوں ہو مشک بار دگر

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا

ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا
مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جاتا

اب اذنِ انتقامِ جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا
حشر اور ایک بار ہونا تھا

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اٹھتی ہے اک بار آتش

کرتے ہیں آواز زنجیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھٹکاتے ہیں

یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آ گیا
بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب

دل کو مرے پوچ گہر جس کو
سجدے کرے بار بار آتش

پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اٹھتی ہے اک بار آتش

ناخنِ چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ہاتھ کٹواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا

جذبۂ دل کو نہ چھپاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

در بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن

یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں
یادِ بتاں میں لاکھ بارِ فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں
کرتے ہیں آواز زفیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھٹکاتے ہیں
درد دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں
دیر بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں
یادِ بتاں میں لاکھ بارِ فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب
مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ
بے پردہ پس چلون یک بار تم آبیٹھے
ہے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی
پھر کیوں نہ کام ہووے کہ اس کینہ پر کہا
سو بار مجھ کو تم سے تمہیں مجھ سے کام ہے
ثواب ترک صنم سچ سہی ولے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

بار: دخل، رسائی
آز بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں؟
کب ہو، ایسے شریروں کو ترے بزم میں بار؟
در منشور مرے، زینت صد صدر ہوئے
لیک بزم امرا میں، نہ ملا مجھ کو بار

بار: بوجھ، گرانی
تمکین کو تیری دیجے گر کوہ سے مثال
روئیں تنون سے اٹھے نہ بار گران تیغ
تاج ظفر ہو زیب دہ فرق دوستاں
اعدا کا سر رہے تہہ بار گران تیغ
گرز اس کے بار گردن ہے
مغفر مدعی کی سندائی
لیتے ہوئے گرائے جو بار عطا سے لعل و در
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکان جوہری
بار گردن تو نہیں تیغ ستم گار آخر
جاں نثاروں سر مشتاق جھکاتے کیوں ہو
پڑی ہے اس گلی میں لاش دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بار گراں کو
گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ
مرا خون کیا بار گردن ہوا
کہ بے تاب وہ درد گردن سے ہے

بار اٹھنا: بوجھ برداشت کرنا
تمکین کو تیری دیجے گر کوہ سے مثال
روئیں تنون سے اٹھے نہ بار گران تیغ

بارانی: برساتی، وہ کپڑا جو برسات میں بارش سے بچنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔
تیر باران فاقہ نے مارا
بک چکی تھی کلاہ بارانی

باراں: مینھ، برسات کا موسم
بحر ارشاد و ہدایت سے تری ہو جاوے
فیض یاب نم تاثیر اگر ابر بہار

بار بار: مکرر، کئی مرتبہ
دل کو مرے پوج گبر جس کو
سجدے کرے بار بار آتش

بار خاطر ہونا: ناگوار ہونا، تکلیف دہ ہونا
بالش سنگ و خواب واویلا
بار خاطر ہوئی گراں جانی

بارش: مینھ، برسات
آگ کیا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقت بارش اخگر خورشید تف برژالہ تھا

بارکش: بوجھ اٹھانے والا، بوجھ لے جانے والا

اک بات میں تمام ہے یہاں کار مدعی
کس کی بلا ہو بارکش امتنان تیغ

بارگاہ: دربار

تو وہ سلطاں کہ بارگہ کا تری
پست کا شانہ ہے فلک منظر

بارگہ: دربار

جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی
خانقاہِ فقرا بارگہ قیصر روم

بارندہ: برسنے والا

ابر بارندۂ دانش، گہر فیض کمال
قلزم حسن عمل، منبع دریائے علوم

بارور: پھل دار

بے صبر کو کہاں تپ داغ سے جگر فیض
گل چیں کو کب ہوا شجرِ بارور سے فیض

اس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجرِ بارور میں ہم

باریکی: موشگافی، دقت

بس کیے یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی

بارے: الغرض، آخرکار

سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

اُس روانی سے ذرا خنجر بیدار رہا
بارے اک دم اثر نالہ و فریاد رہا

دھو دیا اشک ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی بارے موثر غم ہجراں کی شکایت

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج
دیکھا بھی ہم نے اس شعرا کے امام کو

حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرم ساری آپ کی

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگئے

باز آنا: احتراز کرنا

گو وصف ہے "یومنون بالغیب"
پر بندہ تو اس سے باز آیا

باز آنا: چھوڑ دینا

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

باز کرنا: کھولنا

کیا ترا تیر، مرا تشنہ خوں ہے ظالم
واں سے آتا ہے کیے باز دہان سوفار

باز ہونا: کھلنا

وہ چشمِ انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا

بازار: خرید و فروخت

نقد جاں، اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بن جائے نہ روز بازار

سودا ہے مجھ کو گرمی بازار عشق کا
اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو

اہل بازار محبت کا بھی کیا سودا ہے
عشرتِ عمر ابد قیمت غم دیتے ہیں

بازار: خرید و فروخت کرنے کی جگہ

کر علاج جوش وحشت چارہ گر
لادے اک جنگل مجھے بازار سے

کیسی شکست رونق بازار ہو گئی
بے تختہ بند دست قلم سے دکان تیغ

بازاری: بازار سے نسبت رکھنے والی، بیسوا

شوخ بازاری تھی شیریں بھی مگر
ورنہ فرقِ خسرو و فرہاد کیا

بازگشت: مراجعت، پھر کر آنا

گرم دعاے بازگشت، شکل بشر میں سوے خاک
بہرِ حصول زیور و چارۂ رشک زیوری

بازگشتی تیر: نگاہ کو تیر سے تشبیہ دی ہے اور چوں کہ نگاہ "پھر جاتی ہے" اس لیے اس کو بازگشتی تیر کہا گیا ہے (ض)

قہر ہے پھرنا نگاہ یار کا
الاماں اس بازگشتی تیر سے

بازیچہ: کھیل، تماشا

بازیچہ کردیا ستم یار وجور چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ وشاب میں

باطل: حق کی ضد۔ غلط

وہ کج ادا، صنم خود پسند، کافر کیش
کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل

مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط
کہ بت پرست کہاں فارق حق و باطل

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

باطن: ظاہر کی ضد۔ اندرون

لب رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر

توبہ کہاں کدورت باطن کے ہوش تھے
غش ہوگیا میں رنگِ مئے ناب دیکھ کر

باعث: علت، سبب

وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

وہ دست زور، مظہر سر پنجۂ خدا
وہ تیغ باعث شرف دودمان تیغ

نہ ہو خالق ہے مگر ہے اثر باعث خلق
نہ وہ رازق ہے و لے قاسم رزق مقسوم

زبسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا

اشکِ واژونہ اثر باعث صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغانِ بے اثر رکھتے ہیں آپ

آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت

باعث بیتابی عالم نگاہ یاس ہے
چشم جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں

ہے گریباں گیرواں ناز تغافل اب تلک
جی جلایاں سے باعث دیر آمدن کی فکر میں

اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

نالۂ رشک نہ ہو باعث درد سر مرگ
غیر کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے

کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعث گرمی ہو تری مجلس کے

کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعث گرمی ہو تری مجلس کے

تڑپنے لوٹنے رونے کا کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی

باغ: چمن، پھلواری

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس

دم بھرے اس کے کوے دلکش کا
باغ جنت میں بھی نسیم سحر

سیر کو باغ میں وہ شاخ گل آجائے اگر
سرو و شمشاد سے قمری نہ کرے فرق چنار

لطف سے اس کے زمیں غیرت باغ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکان عطار
گل ہوا بیم سے پھر غنچہ کہ تھا صورت جام
دیکھ کر باغ میں مستانہ صبا کی رفتار
تو وہ بہارِ حسن باغ جس پہ کرے نثار جاں
لالہ رخی سہی قدی، گل بدنی سمن بری
باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری
سوے ہزار گوش جاں، روے زمیں پہ زر فشاں
باغ میں جب تک اس طرح جلوہ کرے گل طری
کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت
بس نازکی ضعف کہ گلگشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پانو میں گل خار کی طرح
بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر
باغِ جہاں میں گو مہِ خورداد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز
گل داغ جنوں کھلے بھی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس
اب ذرا جان دہی کوے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ
اب تک گیا نہ باغ میں تو بہر انتظار
سن ہو گئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم
اے ہمدمان باغ رہا ہوں پہ کیا کروں
اُٹھتا نہیں ہے کوچہ سے صیاد کے قدم
یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستان نہیں
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جاے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

باغ جناں: جنتوں کا باغ مراد بہشت

اب ذرا جان دہی کوے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ

باغ جنت: جنت کا باغ مراد بہشت

دم بھرے اس کے کوے دلکش کا
باغ جنت میں بھی نسیم سحر

باغیوں: جمع ہے باغی کی۔ سرکش، بغاوت کرنے والا

لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیان تیغ

باقی: بچا کھچا، جو بچ رہے

ترے ایام میں باقی نہ رہا بس کہ فساد
چشمۂ خضر میں ہیں انہار عروق مجذوم
باقی ہے شوق چاکِ گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرفِ شیون ہو گیا
آسماں فتنہ کچھ ایسا نہیں اے اہل جہاں
کوئی باقی نہیں رہنے کا اماں ہونے تک
ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو
باقی نہیں کدورت شوق ستم کی ہرگز
کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ہو
سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرم ساری آپ کی

بال: زلف، گیس

ترے بال لاکر سنگھائے کہیں
کہ غش ہو گئے چارہ فرمائے غش

پھرتے ہیں سو سو سوسے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

بال: پر

یاس موقطع آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بال ہدہد تصویر سے

غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے

بال جنبانی: پروں کی جنبش
,,نسر طائر،، کو سمجھے ہے بے پر
مرغ فطرت کی بال جنبانی

بال و پر: بازو اور پر
بال و پر فرشتۂ موت ہیں یا پر خدنگ
دشنہ دشنۂ قضا، یا ترے تیر کی سری

بالائے بام: اوپری منزل پر
پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

بالش: تکیہ
چین ہو خواب عدم میں تو کسی تدبیر سے
میرے بالش کے لیے پر لا دو اس کے تیر سے

بالش سنگ: پتھر کا تکیہ
بالش سنگ و خواب واویلا
بار خاطر ہوئی گراں جانی

بالطبع: طبیعت میں، طبعی طور پر
بالطبع گر کرم ہو تو مفلس بھی ہے کریم
ہوتا ہے سایہ کا شجر بے ثمر سے فیض

بالفرض: اگر مان لیا جائے
لکھے، گر ہے ترا مثل بالفرض
صفحے سے محو ہو خط مسطر
گر کہے کوئی کہ بالفرض مماثل ہے ترا
ذکر کیا پھر کوئی تقدیر کا سمجھے مفہوم

بالیدگی: نمو، روئیدگی
لکھا جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے

بالیدہ: بڑھتا ہوا، ابھرتا ہوا
بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں

بالیں: تکیہ
اللہ ری ناتوانی جب شدت قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا
حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

بام: منزل
غیر کو بام پہ آ، جلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ سوجھا کہ پڑا ہے کوئی زیر دیوار
بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بام عرش سے پھسلا ہے یارب پانو وقت کا
اس جوش طپش پر ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا
تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات
آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوے بام ہم
پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

بان: ایک خوشبو کا نام
عطر مشام حور ہیں نُـــــ، فلک نو آفریں
ادخنہ و بخور سے عنبر و بان مجمری

باندھنا: لگانا، آراستہ کرنا، مسلح ہونا
اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

باندھنا: کسی چیز پر لپیٹنا
عجب حالت ہے سودے میں تری زلف مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیر اکثر ہم
اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر
جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

باندھنا: نظم یا نثر میں لانا

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لئے یہ زور شور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیرِ کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا

پانو تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا

باندھتے ہیں سخن سرا موزوں
کس طرح ہو نصیب سرو کو بر

باندھنا: زنجیر، رسی یا کسی چیز سے اٹکا دینا، کھولنا کی ضد

لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائرِ مجنوں کے پر میں ہم

یاس محو قطع آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بال ہدہدِ تصویر سے

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اُسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

دشمن سگ کوچہ نہ ہو اُس شوخ آہو چشم کا
نادم ہوں کعبِ گرگ پائے نامہ بر سے باندھ کر

دیوانۂ نازک ہوں میں فصادِ مژگاں نیشتر
لے فصد میرے ہاتھ کو تارِ نظر سے باندھ کر

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے

لکھ کے بدمستیِ غم تا کہ وہ میکش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی
ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے

دل بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
ہوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا

بانگ: آواز

صدا نکلتی ہے مل کر ہوا سے کیا ہو فرق
کہ بانگِ خندۂ گل ہے کہ نالۂ ناقوس

ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقتِ جنگ
بانگِ شکست تیغ ہے شور و فغانِ تیغ

باور: یقین، اعتبار

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گورِ عنادل کے آس پاس

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ

باور آنا: یقین آنا، اعتبار آنا

کسی کا سوزِ دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانے ہے اے مہرِ عالم تاب اپنا سا

کیا کہوں جی پہ کیا گذرتی ہے
یہ ستم کس کو آئے گا باور

باہر: اندر کے خلاف، کھلے میدان میں

ہل جاتے ہی اغیار نکل آتے ,,
زنجیر در یار ہے یا سلسلہ اپنا

کیا گنے خوبیاں کوئی اس کی
اک سخاوت شمار سے باہر

باہم: آپس میں

واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

باہمہ برتری: ساری برتری کے باوجود

نانِ گدا پہ رغبتِ شاہِ جہاں غلط، غلط
باہمہ برتری دروغ، آرزوے فروتری

بہ آسانی: بغیر دقت کے

ہیں مخاصم بھی سخت شکر گزار
عمر جو کٹ گئی بہ آسانی

اس سے افزوں ہے شوق اس در کا
جس سے حاصل ہو یہ بہ آسانی

بت: بُت، پتلا، مجازاً محبوب

دشمنِ مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

مومنؔ اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا
روزِ جزا خدا بُتِ جلّاد کو ملا
گویا کہ خون ناحق مومنؔ صواب تھا
زانوئے بت پہ جان دی دیکھا
مومنؔ انجام و اختتام مرا
دیکھیں گے مومنؔ یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا
عشقِ بت میں خود اب تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا
ہم بندگیِ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومنؔ موجود خدا ہوتا
خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
وہ فتنہ گر، بت حق ناشناس، نا انصاف
جو فرض عین گنے، کین داور عادل
تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار
دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومنؔ کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ
مومنؔ اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لافِ دین داری آج
چینِ جبیں بلاؤ نگاہِ غضب ستم
کرتی ہے قتل اس بتِ خوں خوار کی طرح
کرلیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومنؔ کی جلتا دیکھ کر
خدائی کا جلوہ ہے مومنؔ کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہوجائے غش
مومنؔ اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اُس بت دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص
سچ تو یہ ہے کہ اس بتِ کافر کے دور میں
لاف و گزاف مومنؔ دیندار ہے غلط
منتظر ہی کسی بت کا تو نہیں تو کیوں ہے
مجلس وعظ میں ہر سو نگراں اے واعظ
نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومنؔ فسوں پڑھنے پے تسخیر اکثر ہم
نہ جاتے اس بتِ ہرجائی کی گلی میں اگر
تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم
کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانہ اور ملا
حضرت مومنؔ اب تمہیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں
اس بت کو ترک دیں سے نہیں مومنؔ اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں
اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومنؔ کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں
اس بت کے لیے میں ہوس حور سے گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
ہے کچھ تو بات مومنؔ جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو
چل کے کعبے میں سجدہ کر مومنؔ
چھوڑ اس بت کے آستانے کو
کب تک نبھایئے بت ناآشنا کے ساتھ
کچے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ
اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومنؔ چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ
مومنؔ نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے
کہہ غزل اک اور بھی مومنؔ کہ ہے
شوق اس بت کو ترے اشعار سے
گر دعا کرتا ہوں مومنؔ وصل کی
ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے
کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومنؔ
حاصل اس بت سے شرم ساری کی
سجدہ نہ کہیں کرتا مومنؔ قدم بت پر

کعبے ہی میں ہوتی ہے یہ بیہودہ سری اتنی
تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی
کہیں سے ڈھونڈھ کر لاتا بت کافر کو اے مومن
طبیعت سیر جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی
محو وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلہ سے منھ جانب در کرتا ہے
مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تار سبحہ کے زنار کے لیے
مومن سوئے شرق اس بت قاتل کا تو گھر ہے
ہم سجدہ کدھر کرتے ہیں اور کعبہ کدھر ہے
کہا اس بت سے مرتا ہوں تو مومن
کہا میں کیا کروں مرضی خدا کی

بت پرست: بت پوجنے والا

مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط
کہ بت پرست کہاں فارق حق و باطل
یاں کے ہوئے نہ واں کے ہم جیسے فقیر بت پرست
بندگی خدا تو ہو گر نہ ہو صاحب افسری

بت پرستی: بت کی پرستش

مومن دین دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا
کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آپ کی
اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

بت ترسا: نصرانی، آتش پرست

کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہی گر کبھی
مومن نظر پڑے بت ترسا کے خواب میں

بت خانہ: مندر، وہ عمارت جہاں بت رکھے جائیں۔

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا
حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

کعبہ سے جانب بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا
چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی ملا
بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدِ راہ برہمن ہے ہمارا
بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے
گر شوق نے گرد تو پھرایا
اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم
کب تلک اعتکاف بت خانہ
کب تلک کنج دیر و رہبانی
درِ بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں
کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرتِ مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو
مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترک درِ بت خانہ کریں گے
مومن آؤ تمہیں بھی دکھلا دوں
سیر بتخانہ میں خدائی کی

بت کدہ: وہ عمارت جہاں بت رکھے جائیں۔ مندر، شوالہ

بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس
لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا
دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حصول
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح
مومن کو بچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں

نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحن بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں

بتا دینا: ذہن نشیں کر دینا، سمجھا دینا

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغانِ آسماں رس میں

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

بتانا: تشخیص کرنا، تجویز کرنا

کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں

بتانا: اشارہ کرنا

گر کہے غمزہ کسے قتل کروں
تو اشارت سے بتاتے ہیں مجھے

بتانا: کہنا

شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوب حضرت قدوس

چھپایا کیوں ہر اواں رات دن رہنا بہم پھرنا
بتا تو کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں مجھ کو
بتا دے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا

معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح

سبب شادیِ دشمن تو بتادو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم

بتاں: بت کی جمع۔ مورت، پتلا، مجازاً حسین محبوب

امید وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

کہ غمِ حور گہے عشقِ بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسنِ خدا داد رہا

کشتہ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

دم الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا

ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

اللہ غمِ بتاں میں یک چند
بے فائدہ جان کو کھپایا

امید حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتانِ چگل

گرا دے جب تری تکبیر، قلعۂ اصطخر
تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں بتانِ چگل

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

تو نے جو قہرِ خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن ہلاکِ خنجرِ نازِ بتاں ہے اب

نام عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجیے بس خدا خدا صاحب

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقولِ درد
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرتِ مومن تمہیں دعوئ دیں ہے ہنوز

ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

اب ذرا جان دہِ کوے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ
لائیں نہ تاب حرف بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع
وصلِ بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
درِ بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں
یادِ بتاں میں لاکھ بارِ فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب
یادِ بتاں میں لاکھ بار فرطِ قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں
ہوگئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

سن اے مومن یہ ایماں ہے ہمارا
نہ کہنا کفر پھر عشقِ بتاں کو

مومن تم اور عشقِ بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منھ آپ کا صاحب خدا کا نام لو
کر چکا ہوں دورِ اخلاصِ بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے
عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے
کہاں وہ ربط بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گذر
عذاب ایزدی جان کا وبے ماتا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجے
ہو نہ بیتاب غم ہجر بتاں میں مومن
دیکھ دو دان میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے
تشبیہ زبس دیتے ہیں لب ہائے بتاں کو
مر جائیں گے پر منت عیسیٰ نہ کریں گے
ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے
اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگئے
گر ہے مومن روزۂ وصل بتاں
تو غم فرقت بھی کھانا چھوڑ دے
پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

رواں فزائی سحر حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لب بتاں کے لیے
خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے ناز بتاں سے

تھے ہمیں مومن کی خودداری پہ کیا کیا اعتماد
کیا خبر تھی یہ کہ یوں محو بتاں ہو جائے گا

اللہ غم بتاں میں یک چند
بے فائدہ جان کو کھپایا
مری بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے
سپند جس پہ ہوئے گردن بتاں کے تل

دور اتنے رہے، محرومیِ قسمت، سے کہ ہم
سمجھے ہندی صنموں کو بھی بتانِ فرخار
خوف سے تیری عدالت کے لگا کر مسّی
سرخیِ لب کو چھپاتے ہیں بتانِ خوں خوار
بوسہ روا بدہر طریق، سجدہ و فرق ہر فریق
سنگ در اس کا اک صنم، رشک بتانِ آذری

بتو: اے بتو (صیغۂ خطاب)

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادم بیت الصنم نہ تھا
طواف کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

بتوں: جمع ہے بت کی۔ پتلا، مورت مجازاً صنم

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے بے خدا نہ کرتے ہم

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں
واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذابِ الیم کا
مت مانگیو اماں بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبانِ بیہدہ سائل کو تھامنا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا
حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکایت
اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو
جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ
فریب وعدہ پہ چھوڑی بتوں نے جھوٹ قسم
سنا زبس کہ زباں سے تری وعید غموس
کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کی زکاۃ ہے
توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے
اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے
لیکن جو بتوں نے ہی بھلا آپ سے کی بات
پھر آپ ہی فرمائیں کہ کیا کیا نہ کریں گے

…ھانا: اٹھانا کی ضد

ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے

…ھانا: تخت سلطنت دینا

کیا پایۂ منت سلیماں
اک بات میں تخت پر بٹھایا

بٹھانا: گرانا

ملا دے گاؤ زمیں گاؤ چرخ سے نیزہ
بٹھا دے خاک پہ شیر سپہر کو دبوس

بجا: درست، ٹھیک

ہے بجا دیجیے اگر تجھ کو سلیماں سے مثال
کہ مسخر ہے پری اور ہوا ہے محکوم
واقعی سجدہ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
جب گھر میں نہ ہو تم تو رہیں کوچے میں ہم کیوں
شکوہ جو تمہارا تو ہمارا بھی بجا ہے
کچھ بھی کیا نہ یار کی سنگیں دلی کا پاس
سب کاوش رقیب بجا کوہ کن سے ہے
گلہ ہرزہ گردی کا بے جا نہ تھا کچھ
وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے
شب وصل آپ کا عذر نزاکت
بجا ہے پر نہ مجھ سے نیم جاں سے

بجائے: بعوض، قائم مقام

اس کے احسان فراواں کا جو مذکور چلے
''کم'' ہو مستعمل تقریر بجائے ''بسیار''
بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دل نالاں پس مردن جو سرگرمِ شکایت ہو

بجز: سوائے، علاوہ

گر شوق زخم عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہما نہ کھائے بہ جز استخوان تیغ
بے زری سے مری تجھے حاصل
کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی
کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دردِ مے ناب نہیں

بجلی: وہ چمک جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے، برق

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے

بجلی گرنا: بجلی کے شعلے کا کسی آدمی یا کسی اور چیز کو چھو کر جلا دینا۔

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہُوا تھا سو اب ہُوا
ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوے آشیاں نہیں
تر کر دیا ہے ابر بہاری نے اس قدر
بجلی گرے تو گرم مرا آشیاں نہ ہو

بجھا دینا: کسی جلتی چیز کو ٹھنڈا کر دینا

آتش مہر و حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحاب آزار

بجھانا: کسی جلتی ہوئی چیز کو ٹھنڈا کرنا

وہ نعرۂ "علمہ بحالی"
جس نے کہ اس آگ کو بجھایا
اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم
آتشِ اُلفت بجھا دی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمیِ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا
دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ

بجھنا: کسی جلتی ہوئی چیز کا ٹھنڈا ہو جانا، شعلہ مٹنا

بجھ گئی اک آہ میں شمعِ حیات
مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا
زلفیں اُٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

بچانا: بچاؤ کرنا، حفاظت کرنا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یا رب پانو وقت کا
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی
برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے
وہ خاتم مرسلیں محمدؐ
جس نے ہمیں شرک سے بچایا
مجھ کو بھی بچا لے جیسے تو نے
یوسف کو گناہ سے بچایا

بچنا: محفوظ رہنا

مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوبارہ حلقوم

بچنا: زندہ رہنا، سلامت رہنا

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعاے سحری منت تاثیر نہ کھینچ
ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو
قتل ہو کر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

بچھانا: فرش کرنا

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات
آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار
خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

بحار: جمع ہے بحر کی۔ سمندر

کرۂ آب ہو گر قطرۂ عمان ہم
صدف چرخ کرے شکوۂ طغیان بحار

بحر: سمندر، بڑا دریا

میں اپنی کشتیِ طوفاں رسیدہ سے خوش ہوں
کہ بحرِ عشق میں کام نہنگ ہے ساحل
جا کے جنت میں بھی رہتی ہے ترے در کی ہوس
ورنہ "مرغان اولی اجنحہ" کیوں ہوں طیار

کردے سارے جہان کو سیراب
بحرِ ہمت کی اس کے طغیانی

سیرِ ریاض میں نسیم، سطحِ ہوا پہ بوئے گل
عرصۂ بحر طے کرے، آن میں بے شناوری

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو گرم نالہ تھا
حلقۂ گردابِ رشکِ شعلۂ جوالہ تھا

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیانِ بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

ہے یاد رطب و یابس تقریرِ ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفرِ بحر و بر میں ہم

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرتِ دل
بہے سو بحرِ چشمِ خوں فشاں سے

بحر و بر: تری اور خشکی

ساکنِ بحر و بر تمام، رام نہ ہوں تو کیا کریں
تیغ میں یہ نہنگی اور طبع میں ہے غضنفری

بخار اٹھنا: دھواں اٹھنا، بھاپ اٹھنا

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

بخار نکلنا: دل کا غبار نکلنا، غصہ فرو ہونا

پھونکا تپِ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخارِ آتش

بخت: قسمت، نصیب

نمک تھا بختِ شور فکر خوانِ مدحِ شیریں پر
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دستِ حسرت کا

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

کرتے رہے شکر بختِ بیدار
ساتھ اپنے صنم نے گر سلایا

اپنی حسرت کا کچھ علاج نہیں
یار ہو بخت یا فلک یاور

اے شبہ پایہ فزا! مدح سرا گر تیرا
پستیِ بخت نگوں سار سے ہو شکوہ گذار

رشک افزا نظارۂ صحبتِ ساکنانِ قرب
پستیِ بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امیدِ حشر، مرگ علاجِ مضطری

اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلابِ حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بختِ سنجری

پیری میں وصلِ غیرتِ یوسف ہوا نصیب
بختِ وفا مثالِ زلیخا جواں ہے اب

شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

تو بختِ عدو اجل فلک دل
کس کس کے ستم اٹھائیں گے ہم

طالعِ برگشتہ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

فطری ہے پیرِ چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرتِ بختِ جواں نہیں

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں

بخت پروانہ قربان عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غمِ ہجراں کو بھا گئے

اپنی حسرت کا کچھ علاج نہیں
یار ہو بخت یا فلک یاور

تیرے احباب تک بخت مدام
تیرے اعدا ہمیشہ فال اختر
اے شبہ پایہ فزا! مدح سرا گر تیرا
پستیِ بخت نگوں سار سے ہو شکوہ گذار

بخت بد: بری قسمت

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے
مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہوجائے
مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہوجائے

بخت تیرہ: کالی قسمت یعنی بری قسمت

طالع پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بخت تیرہ سے مرے، روز مہ انور تار

بخت بیدار: اچھا نصیب

کرتے رہے شکر بخت بیدار
ساتھ اپنے صنم نے گر سلایا

بخت جاگنا: قسمت کا کھلنا، نصیب کا موافق ہونا

آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محوِ تماشا کے خواب میں

بخت جواں: اچھا نصیب

پیری میں وصل غیرت یوسف ہوا نصیب
بختِ وفا مثال زلیخا جواں ہے اب
فطری ہے پیر چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرت بخت جواں نہیں
تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھا گئے

بخت چمکنا: قسمت کھلنا

سوز دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسم گرما میں سفر آخر شب

بخت خفتہ: سویا ہوا نصیب

روئیے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا
طالعِ برگشتہ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں
شب وہ جو سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں
ہائے بخت خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ
دشمنوں کے طالع بیدار سے
ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پہ کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے

بخت خوابیدہ: سوئی ہوئی قسمت

گراں خوابی وہی ہے بخت خوابیدہ کی اے ظالم
مرا شور فغاں کا ہے کو سوتوں کو جگاتا ہے

بخت رسا: اچھا نصیب

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اِک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا

بخت سعید: بابرکت قسمت

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

بخت سیاہ: کالی قسمت یعنی برا نصیب

کیا روؤں خیرہ چشمی بختِ سیاہ کو
واں شغلِ سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا
بخت سیاہ اے منعمو آخر ملائے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سرزمین شام لو

بخت سیہ: کالی قسمت یعنی بری قسمت

ہمسری اُس زلف سے اب یہ بھی ایسا ہوگیا
لو مرے بختِ سیہ کو اور سودا ہوگیا

بخت شور: برا نصیب

نمک تھا بختِ شور فکر خوان مدح شیریں پہ
کہ دندان طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا

بخت کا جوان ہونا: اقبال مند ہونا، خوش نصیب ہونا

پیری میں وصلِ غیرتِ یوسف ہوا نصیب
بختِ وفا مثال زلیخا جواں ہے اب

بختِ نارسا: ناکام و نامراد قسمت

پہنچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے
شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا

غم مقصد رہی تا نزع اور ہم
اب آئی موت بختِ نارسا کی

بختِ نگوں سار: اوندھا نصیب

اے شبہ پایہ فزا! مدح سرا گر تیرا
پستیِ بختِ نگوں سار سے ہو شکوہ گذار

بخدا: خدا کی قسم (ب قسمیہ ہے)

مومن بخدا سحر بیانی کا جبھی تک
ہر ایک کو دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بخشش: جود و کرم، عطیہ

کہ جس کی بخششِ یک روزہ کو وفا نہ کریں
ہزار سالہ گہر ہائے قلزم و قاموس

ذکرِ بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار

سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرطِ بخشش سے نہ مجمع رہے کوچے میں نہ دھوم

بخشش بیشمار سے مشکل
ہے دبیرِ فلک کو دیوانی

سو امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بہیمی و خری

اس سے زیادہ اور کیا ہووے گی بخشش و عطا
کم رہے اکثروں سے ملک، پیش نہ ہو مقرری

بخل: کنجوسی، تنگ دلی

سو امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بہیمی و خری

بخور: وہ چیز جس کے جلانے سے خوش بو نکلتی ہے۔

عطرِ مشامِ حور ہیں نہ فلک تو آفریں
ادخنہ و بخور سے عنبر و بان مجمری

بخیل: کنجوسی، تنگ دلی

گر میں کم بخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

بخیلوں: بخیل کی جمع۔ کنجوسی، تنگدلی

جلنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض

بخیوں: بخیہ کی جمع۔ ٹانکا

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیوں کر ہو ادا قرض

بخیہ گری: ٹانکے لگانے کا عمل

منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
لوں میں ابھی لیتے ہیں پردہ دری اتنی

بد: نیک کی ضد۔ خراب، برا

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

بدانجام: برے نتیجہ والا

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا

بدآموز: بری صلاح دینے والا

ناصح رقیب سے ہے بدآموز تر کہیں
پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز

بد بخت: بری قسمت والا، بدنصیب

ہیں مخاصم ترے بد بخت پہ کم بخت نہیں
یعنی کثرت سے ہے قسمت میں حمیم اور زقوم

بدبختی: بدنصیبی

نام بدبختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے

بد بلا: چڑیل، نہایت شریر

یہ عشق وہ بد بلا ہے جس نے
ہاروت کو چاہ میں پھنسایا

بدتمیز: بے تمیز، بے ادب
جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بدتمیز
چین بجبین کیوں نہ ہو فرش میں چین ہے ہنوز

بدخشانی: بدخشاں سے نسبت رکھنے والا
میرے گوہر تمام ناسفتہ
میرے یاقوت سب بدخشانی

بدخو: بری خصلت والا
ستم پیشہ بد خو ہے ستم گر ہے جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستوں اس بے مروت کی
ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہو گا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا

بدخواہ: برا چاہنے والا، دشمن
وہ بدخواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

بدخوئی: بری عادت والا
لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بد خوئی نے ظالم کردیا بد خو ہمیں

بدخوئیوں: جمع ہے بدخوئی کی۔ بری خصلت والا
جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بدخوئیوں سے یار کی ہوکر خفا گئے

بددعا: کوسنا، نفریں، لعنت
جو مرجاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر آمیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

بددعائیں: جمع ہے بددعا کی۔ کوسنا، لعنت
کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

بدزباں: گالی گلوچ بکنے والا
ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بد اے بد زباں نہ چھوڑ

بدسگال: بدخواہ، برا چاہنے والا
نیک خواہ اور خوبی دارین
بد سگال اب سے خوار تا محشر

بدشعار: بری روش اور بری طرز والا
وہ بدشعار وطرح دار دل ربا جس سے
امید وصل خطا، ترک آرزو مشکل

بدظن: بدگمان، برے گمان والا، شکی
صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہوگیا
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر
کہ بیزار وہ سحر گلشن سے ہے

بدظنیوں: جمع ہے بدظنی کی۔ بدگمانی
چار طرف سے غلغلہ "حیَّ علی الفلاح" کا
بدظنیوں سے عذر لنگ، شدت ضعف ولاغری

بدکام: برا چاہنے والا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

بدگماں: برے گمان والا، بدظن
خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بد گماں نہ ہوا
وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا
روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوقِ آرائش دل ہے بدگماں اپنا
اس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ
روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام
مہر عدو بد گماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز
بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس
اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم
دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہو گے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

اس کو بھی جانتا ہوں فریب وصال غیر
تم کو عبث یقیں ہے کہ میں بدگماں نہیں

عدو کے گھر میں ہے تصویر شیریں
دکھاؤں کس طرح اس بدگماں کو

یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہوگیا
صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

گلہ کیا کیجیے اس بدگماں عیار پر فن کا
کہ عرض حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی

جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی

کیوں نہ مجھ سے رم وہ مہ وش اب زیادہ تر کرے
بدگماں ہے سبحۂ سیارہ کی تسخیر سے

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں
زیادہ بدگماں اس بدگماں سے

بدگمانی: برا گمان رکھنے کی حالت و کیفیت

صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہوگیا

ہوں داغ بدگمانی دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمان شمع

خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار

رگمانیاں: جمع ہے بدگمانی کی۔ بدظنی، خیال فاسد

ناصح سے مجھ کو کیوں کہ نہ ہوں بدگمانیاں
دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوست دار ہیں

گو: برا کہنے والا، بری بات کہنے والا

پاک دامن ہو تو بدگو کے نہ دم آتا
سنتے ہیں لوط کے میہماں کوئی افتائے لزوم

بدگوہر: بدسرشت، بداصل

آتش لعل شعلۂ جاں سوز
آب نیساں ہے اک بدگوہر

بدا: کوئی فیصلہ کر کے اس سے رجوع کرنا

وہ دور بیں کہ خدا پر کرے بدا ثابت
نہیں غیر زبس اعتماد کے قابل

بدر: چودھویں کا چاند

بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے
گر شوق نے گرد تو پھرایا

بدعت: دین میں نئی چیز پیدا کرنا

ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد

ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے بعد فنا ہاتھ

وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس و کوہ کن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

بدعتی: مذہب میں نئی چیز پیدا کرنے والا

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

بدعہد: وعدہ خلاف، پیماں شکن

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا

بدل جانا: تبدیل ہو جانا، پلٹ جانا

ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا
مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جانا

بدل کرنا: بدل دینا، تبدیل کرنا

نظر لطف سے گر چارہ گر عاشق ہو
کرے حیرت سے بدل شرم کو چشم بیمار

بدلنا: ایک چیز لے کر دوسری چیز دینا

رشک داماں جواہر اور لکھی ہے اک غزل
جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

بدلنا: ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننا
ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

بدلے: عوض
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اُٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں
کیوں رم جانا نہ کے بدلے ہے از خود رفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی
چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخِ بے حجاب نے پردہ اُٹھا دیا
تاروں کے بدلے گن کے شبِ تار کاٹ دی
ایامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ
جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ
ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

بدمزہ: بدذائقہ، خراب
ستم اے شور بختی میری ہڈی کیوں ہما کھاتا
سگِ لیلیٰ ادا کو گر نہ ظالم بدمزہ لگتی

بدمست: مدہوش، نشے میں چور
جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دُردِ مے ناب نہیں
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں
شاید کبھی وہ میکش بدمست منہ لگائے
خاک اپنی کاش دردِ تہ خم نشستہ ہو
بیاں کرتا ہے بہکانے کا اس بدمست کے عالم
ولے کیا سمجھئے پیچیدہ ہے تقریر شیشہ کی

بدمستی: مدہوشی
لکھ کے بدمستیِ غم تا کہ وہ میکش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

بدمعاملہ: بے ایمان، معاملے کا خراب
یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بدمعاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

بدن: جسم
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا
کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں
کیوں کر نجات آتشِ ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تاب بدن سے ہے

بدنام: رسوا
منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث
بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں

بدنامی: رسوائی
ہم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشتِ دل کا اظہار
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو

بدنامیوں: جمع ہے بدنامی کی۔ رسوائی
بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے کہ میں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

بدنظر: بری نظر والا
چشمِ نرگس بدنظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

بدنظری: غیر سے نظر بازی کرنا، آنکھیں لڑانا
کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بدنظری اتنی

بدی: نیکی کی ضد

بدیِ خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری
کردی انصاف الٰہی نے یہ امت مرحوم

بدیع سنج: نکتہ رس

طالع ہر بدیع سنج میں ہے
کیا ضرورت ہبوط میزانی

بدیہہ سنجی: برجستہ گوئی

میری بدیہہ سنجی کی جاہل کشی کو دیکھ
نظروں سے گر پڑا ستم ناگہانِ تیغ

بذل: داد و دہش، بخشش

وفور بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے
کہاں ہے ''معن'' کریم اور حاتم باذل

بر: پھل

ہے جب تلک گل و بر قسمت نہال و شجر
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت و بوس

بر: بغل، پہلو

سینے پہ روے دلبراں، بر میں قبائے رستمی
بانو پہ فرق سروراں، سر پہ کلاہ سروری
خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں
قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برے سے ہیں بر میں پھرتے

بر: خشکی

ہے یاد رطب و یابس تقریر ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفر بحر و بر میں ہم

برسیمیں: چاندی جیسا بدن مجازاً محبوب

اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی
کیا امید برسیمیں و زر دست افشار

برا: اچھا کی ضد۔ خراب

بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم
حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا
اب تو دل عشق کا مزا چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق
بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں
دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں
مجھ رمز شناس سے یہ باتیں
کیا خوب میں غیر سے برا ہوں
گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو
دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دم زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے
کیوں برا کہتے ہو بھلا ناصح
میں نے حضرت سے کیا برائی کی
برا ہو ترا محرم راز تو نے
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے
زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے
برا سنتے سنتے بھلا کہتے کہتے
برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے
مرا بچنا برا ہے آپ نے کیوں
عیادت کی لب معجز بیاں کی
برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

برا لگنا: ناگوار گزرنا

سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا

برا ماننا: ناخوش ہونا، ناراض ہونا

صد ''ارسطو'' کہے سے مانے برا
حکما کو سنا جو ہے کافر

غیر عیادت سے برا مانتے
قتل کیا آن کے اچھا کیا

براوقت: مصیبت اور تکلیف کا زمانہ

موت بھی آ نہ چکی پاس ہمارے شب ہجر
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص

برابر: ہمسر، ہم مرتبہ

نہ مقابل ہو ترے قصد کے عزم افلاک
نہ برابر ہو ترے حکم کے احکام نجوم

برابری: ہم چشمی، ہم سری

آئے غزال چشم سدا میرے دام میں
صیاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا

برابری: موافقت، مطابقت

لعل لب اس کے درفشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں دونوں میں ہے برابری

برادری: قوم

شہرت ظلم و جور سے دور میں تیرے کیا عجب
ہفت پدر اگر ہم ترک کریں برادری

براق: بہشت کا گھوڑا

براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پانو سے محسوس

براں: نہایت کاٹ کرنے والا، بہت تیز

طالع برگشتہ اے شوق شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجر براں تلک

برائی: اچھائی کی ضد، خراب بات، خراب رویہ

تم کو خو ہوگئی برائی کی
درگذر کیجئے بھلا کب تک

ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے

کیوں برا کہتے ہو بھلا ناصح
میں نے حضرت سے کیا برائی کی

برائے: واسطے

وہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ

مرتا ہوں کس عذاب سے بے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

برایا: بریت کی جمع، مخلوق

تو واحد بے نظیر و ہمتا
تو حاکم و خالق برایا

برآت: دستاویز، فرمان

ہوا مہر برات عفو نقش سجدہ مومن کو
قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے

برانی: تیزی، کاٹ

خنجر جاں شگاف میں اس کے
ابروے یار کی سی برانی

برباد: تباہ

کچھ قفس میں ان دنوں لگتا ہے جی
آشیاں اپنا ہوا برباد کیا

خار و خس میں گلشن کے بوے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

کیا ٹھہرے فوج غم کے مقابل فغان و آہ
جمتے نہیں ہیں لشکر برباد کے قدم

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرام ناز کہ تاب و تواں نہیں

برباد نہ جائے گی کدورت
کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم

چمن میں کوئی اس کو سے نہ آیا
گئی برباد سب محنت صبا کی

بربری: بربر سے متعلق (افریقہ کا ایک ملک)

ہائے سبک عنانیاں، واہ گراں رکابیاں
گاہ غزال چین ہے وہ، گاہ پلنگ بربری

برتر: زیادہ بلند

قاضی "مشتری" کہاں سے ہیں
ہندوان "زحل" شیم برتر

برتری: فضیلت

مومن اسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچے

فیل نشیں بنادیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب، لاف و گزاف برتری
نان گدا پہ رغبت شاہ جہاں غلط، غلط
با ہمہ برتری دروغ، آرزوے فروتری

برتریں: سب سے زیادہ بلند
روز نبرد گرچہ ہو خصم جہان کے زیر ران
توسن برتریں فلک، تو بھی محال جاں بری

برتے: قوت، بل، طاقت، زور
کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض

برج: آسمانی دائرے کا بارہواں حصہ
ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جاے تنگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری

برج آبی: اس سے تین برج مراد ہیں۔ برج سلطان، برج عقرب، برج حوت۔
قران انجم سیارہ برج آبی میں
ڈبوئے گی مری چشم ستارہ بار مجھے

برج خاکی: برج ثور، سنبلہ، برج جدی
کردیا گردش سپہر نے حیف
برج خاکی مسیر کیوانی

برج شرف: اس سے مراد برج حمل ہے۔ کہ آسمان کے برجوں میں سے پہلا برج جس کی شکل مینڈھے کی سی ہوتی ہے۔ جس دن آفتاب اس برج میں آتا ہے شرف آفتاب اور یہی دن نوروز کا ہوتا ہے۔
بندھے امید گر اک خوشہ گندم کی مجھے
''تیز'' مہر تحویل سے ہو برج شرف کی بیزار

برجیس: ایک ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے جسے مشتری اور قاضی فلک بھی کہتے ہیں۔
مرے کلام ثریا نظام کا منکر
وہ تیرہ روز جو برجیس کو کہے منحوس
گل ہوا بیم سے پھر غنچہ کہ تھا صورت جام
دیکھ کر باغ میں مستانہ صبا کی رفتار
میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار

برجیسی: برجیس سے متعلق (برجیس ایک ستارے کا نام جو چھٹے آسمان پر ہے جسے مشتری اور قاضی فلک بھی کہتے ہیں)
میں روش دان حکیم برجیسی
میں ادا فہم سیر کیوانی

برچھی: چھوٹا بھالا
وہ پھر ہے گرم نظارہ کہاں تک زخم دل ٹانکوں
کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آلگتی

برچھیاں: جمع ہے برچھی کی۔ چھوٹا نیزہ
بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں

برحق: ٹھیک، درست
یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل
یہی امامت برحق کی اس کو بس ہے سجل

برزن: سڑک، کوچہ، گلی
شہر میں ہے شہرہ کس قد قیامت زا کا کیوں
جلوہ گاہ حشر ہر ہر کوے و برزن ہوگیا

برس: سال
بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا
کہاں وہ ربط بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گذر

برسرکیں: کینہ پروری میں مشغول
ہاے پس مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخ برسرکیں ہے ہنوز

برسنا: بارش کی زمین پر کسی چیز کا گرنا
مت آئیو میری خاک پر تو
برسے ہے سر مزار آتش
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

برّش: تیزی، کاٹ

ہووے نہ میری حجت قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعویٔ برّش زبان تیغ

برعکس: الٹا

بہ عکم آسماں: آسماں کی ضد پر

ایک جہاں میں قدرداں سووہ بہ عکم آسماں
آج یہاں ہے کل وہاں واہ کمال داوری

برق: بجلی۔ وہ روشنی جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے

وہ شوخ برق عناں خاک میں ملادیوے
اگر ہو حسرت دنبالہ گردیٔ محمل

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
ہے محو گرم پائی برق تپان تیغ

خندۂ برق تیغ میں، گرمیٔ مہر تیر ماہ
گریۂ زخم تیر میں جوش سحاب آذری

فروغ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہل ضلالت کا

داغ سینہ سے دل و جان وجگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برق خرمن ہوگیا

برق آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا
دل گرمیوں نے اُس کا کلیجہ جلادیا

کس ضبط پر شرار فشاں ہے نگانِ شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوئی زبانِ شمع

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آبندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق

بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

کہاں ہے تاب ناز برق اے کاش
جلا دے آتش گل آشیاں کو

برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو

کیوں نہ نکلے آب جب نکلے لہو
برق کٹتی ہے تری شمشیر سے

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیان کے لیے

برق تبسم: مسکراہٹ کی بجلی

بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

برکت: خوش قسمتی، نیک بختی

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہوجاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پئے تسخیر اکثر ہم

برگ: پنکھڑی

اس لب نازک کو برگ گل سے دیتے ہی مثال
ہونٹ برگِ لالہ تھے اور نیل داغ لالہ تھا

برگ: سامان

ہائے وہ ساز و برگ عیش و نشاط
قوت افزاے روح انسانی

برگ حنا: مہندی

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو شکل برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

برملا: اعلانیہ، کھلم کھلا

کبھی بیٹھے سب میں جورو بروتو اشاروں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

واعظوں کی زباں پہ آتا ہے
برملا شکوۂ قضا و قدر

برمے: جمع ہے برما کی۔ سوراخ کرنے کا آلہ

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برمے سے ہیں بر میں پھرتے

برنگ حنا: مہندی کی طرح

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو شکل برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

برنگ شعلۂ جوالہ: شعلہ رقصاں کی طرح

تھا میں برنگ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا

برنگ صورت بلبل: بلبل کی طرح

برنگ صورت بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان گی

برنگ گل: پھول کی طرح

پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گل
پھر مجھ کو آگئی کسی گل پیرہن کی یاد

برنگ مرجاں: مونگے کی طرح

سرایتیں ہیں یہ طوفانِ اشکِ خونیں کی
کہ ایک ایک شجر ہے برنگِ مرجاں سرخ

برومندی: پھل لانے کی کیفیت یا حالت

برومندی آرزوے حصول
کشت مطلب کی تیرے دہقانی

بروج آذری: اس سے بروج آتشی مراد ہیں۔ یعنی برج حمل، برج اسد، اور برج قوس۔

نالے سے میرے گرم خشک، زہرہ و ماہ کا مزاج
گریے سے میرے سرد و تر طبع بروج آذری

بروں شدن: باہر نکلنا

وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری

بُری: ناقص، خراب

مرگ سے تجھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا

جہانِ تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں

دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری اتنی

جفاے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی

بری بنانا: صدمہ پہنچانا

بگڑے تو کریں گے اور سے صلح
تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم

بری بننا: صدمہ ہونا

حزن و ملال میں ہے دل آزردگی کا وہم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

بری طرح: بھونڈے طریقے سے

مر چک کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح

برے: اچھائی کی ضد، خراب، ناگوار

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطرِ گریباں نہیں رہا

بریانی: جلنے بھننے کی کیفیت

وہ گزک کیسی وہ کباب کہاں
نقل مجلس ہے دل کی بریانی

بریاں: جلنے والا، بھننے والا

اُف رے سوزِ عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو لوٹا وہ بھی گل خن ہو گیا

برہم: بے ترتیب، الٹا پلٹا

خرام ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برہم
زمیں گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمیں پر ہے

برہمن: بت پرست، زنار بند

امید حور بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتان چگل

امید حور بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتان چگل

بن ترے اے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا

مومن دین دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہو گیا

لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوسِ کلیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا

بتِ خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدِ راہ برہمن ہے ہمارا

دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

ہے کفرِ و بدعت ایک نہیں تارِ سبحہ سے
زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

گر یقینی واں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ میں طفل برہمن کی فکر میں

ڈوب مرئے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہمراہ وہ طفل برہمن آب میں

مومن نہ توڑ رشتۂ زنارِ برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

دل مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفل برہمن سے ہے

اپنا شریک بھی نہ گوارا کرے بتو
مومن کو ضد یہ کیش بد برہمن سے ہے

برہمی: بکھرنے الجھنے کی کیفیت

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی برہمی زلف پریشاں کی شکایت

ٹھیری ہے کہ ٹھیرائیں گے زنجیر سے دل کو
پر برہمی زلف کا سودا نہ کریں گے

بڑی بات چھوٹا منہ: اپنی لیاقت سے زیادہ بات کہنہ

شب غم کا بیان کیا کیجئے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

بڑی مشکل: امرِ عظیم، دشوار کام

کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجئے

بڑے: بہت عظیم، بہت بڑے (کلمہ تعریف و مبالغہ)

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو دشمن چار ہیں

بڑھ جانا: نمو ہونا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بندِ قبا اس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

بڑھانا: بلند کرنا، اونچا کرنا

میں روح قدس کا ہم زباں ہوں
یہ مرتبہ عجز نے بڑھایا

بڑھانا: زیادہ کرنا

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

بڑھنا: ترقی حاصل کرنا

بڑھا یہ پایہ الہام رائے صائب سے
کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل

بڑھنا: آگے نکل جانا

پایہ ترے مدیح شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارک سر پہ زبان تیغ

بڑھنا: زیادہ ہونا

ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اُس کا اخلاص

عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

آپ کی کون سی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

عرض ایماں سے ضد اُس غارت گردیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

حسن روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے وہ رہ
یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے

بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں
یہ بڑھ گئی ترے سکّے سے قدر تا بہ فلوس

بڑھنا: طول وطویل ہونا

اس کے عہد کرم کی نسبت سے
بڑھ گئی عمر عالم فانی

مار ڈالا ہم کو جور گردشِ ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے

بزم: محفل، مجلس

ہے وحشت، بزم طرب، کثرت نتائج سے
نہ کیوں ہو شکل ہماری کو ناز شکل عروس

جو شمع بزم کہوں اس کے روئے تاباں کو
کتان و ماہ بنے نور شعلہ و فانوس

دردِ سر میری شکایت سے نہیں، یہ تم کو
بزمِ دشمن جو مے پی تھی، سو اس کا ہے خمار

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزم عیش میں ہر سو
نہیں ہے اور پھر یوں آپ جو چاہیں گماں کیجئے

بارا اس سیہ روز کو بزم میں
شب عیش اے مہ جبیں ہو چکی

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے

ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے
اس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دم شمشیر سے

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں
غیروں کو آکے بزم میں وہ عطر مل گیا

اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا

ہنسے نہ غیر مجھے بزم سے اٹھانے پر
سبک ہے وہ کہ تری طبع پر گراں نہ ہوا

ہر ایک سے اس بزم میں شب پوچھتے تھے نام
تھا لطف، جو کوئی مرا ہم نام نکلتا

بزم مے میں بس ایک میں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا

خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
اُن کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آب اشک آتش پہ روغن ہو گیا

آپ کی کون سی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہو گئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشان شمع

شوق بزمِ احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اُس مہندیِ دوراں تلک

دودِ شمع بزم نے دل پھونک کر اف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں

بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جانِ مضطر رات کو

پامال کیجے شوق سے پر بزم خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاک میری در بدر نہ ہو

بزم سور: محفل عیش

بن ترے بزم سور میں ہیں یہ قیامتیں کہ ہے
نغمہ صور کا اثر نغمۂ نے نواز میں

بس: حاصل کلام

مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

بس: قابو

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گر سب ہوں مرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

کہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

بس: باز آیا، اب نہیں، اور نہیں

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

بس چلنا: قابو چلنا

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے

بسان: مثل، مانند (یہ لفظ مرکب شکل میں استعمال ہوتا ہے)

عجب نہیں کہ بسان مگس عسل اگلے
گر ان دنوں ہو کوئی مبتلائے ایلاؤس

دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے
بہ سان ساغر خورشید کاسہ ہائے رؤس

ہوں خوشہ سے بسان مغاں
عید خورشید روز شہریور

حساد سر سے پانو تک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسان تیغ
میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ

اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسانِ شمع

تھا شب چراغ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع

بسانا: معطر کرنا، خوشبودار بنانا

چشم گلشن پہ قدم رکھتا ہوا کون آئے گا
عطر فتنہ میں گل نرگس بساتی ہے بہار

بستانی: بستان یعنی باغ کی طرف منسوب

بستر: فرش، بچھونا

مجمع بستر مخمل شب غم یاد آیا
طالع خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا

نہ کانوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بستر گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

گریۂ شب نے بھگویا ہے اب اے آہ سحر
تیری گرمی سے جو بستر نہ جلے خشک تو ہو

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چیں ہائے بستر رات کو

دور نصفت میں تیرے، فتنے کا
پاس "اصحاب کہف" کے بستر

بستر گل پہ خواب خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطر لباس سے گلاب جرم دماغ کی تری

بستگیِ دل: دل گرفتگی

لکھتا ہوں اس کو بستگی دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو

بستہ: بندھا ہوا

ایسے سے کیا درتی پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

بستہ تر: افسردہ، پژمردہ

چین جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
کیسی کشود کار کشادِ نقاب میں

بسکہ: اس وجہ سے کہ

ہجوم سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سدوس

ہوا ہے بس کہ گل شمع بھی ہے عطر آگیں
عدیل طبلۂ عطار بن گئی فانوس

بس کہ ہے کین و دشمنی اس کی
قدر کاہ و بہا شکن یک سر
کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجیے درہم و دینار کو، داغوں کے شمار؟
غم نہ سما سکا مرا، بس کہ جہان تنگ میں
چرخ میں یہ محدبی آگئی اور مقعری
چین سے زر عدن سے در کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہان میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری
رونق لولیان بزم، دیکھ کر اس کی جود سے
خیرہ نگاہ بس کہ ہے لولی چرخ چنبری
بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری
حیرتی عقوبت تازہ موکلان قہر
بس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری
بس کہ تھے ہم زباں گلے میں ترے
دل سے میں مجھ سے شرمسار ہے دل
بسکہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا
سراپا بس کہ محوِ شوخیِ قاتل ہوں محشر تک
مرے زخموں سے جاری ہی رہے گا خوں نہ ٹھہرے گا
بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہو گیا
بے مشبک بس کہ روتے روتے چشم اے ماہ رو
شب جو اشک آیا سو اک عقدِ ثریا ہو گیا
بے اعتبار ہو گئے ہم ترک عشق سے
از بسکہ پاس وعدہ و پیماں نہیں رہا
ہوں داغ بدگمانی دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع
بسکہ مشتاقِ نازِ یار ہے دل
ستم آموزِ روز گار ہے دل
بسکہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم
بسکہ شام وصل آغاز سحر میں مر گئے
سینہ کوبی اہل غم کی ہم صدائے کوس ہے
نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے
بسکہ یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی

بسمل: مذبوح، گھائل، زخمی

وہ بے وفا کہ مکر جائے جاں شکستن تک
کرے جو وعدہ روز جزا دم بسمل
کوئی کرے نہ گرمی روز نشور میں
بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبان تیغ
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا
خود گلا کاٹ موا جب کہ میں بسمل نہ ہوا
اُن کو آساں نہ ہوا جو مجھے مشکل نہ ہوا
آغوشِ گور ہوگئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا
یہ غیرت وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس
نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پر
ہمیشہ اک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنۂ انگشت ندامت ہو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو
نوید قتل سے بھی ہو دل مضطر کو کیا تسکیں
کہ قدر نیم رقص مرغ بسمل جا زمیں پر ہے

بسنت: بہار کا موسم

کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ
واں تیرے گھر بسنت ہے یاں میرے گھر بسنت

یہ کس کے زرد چہرہ کا اب دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آٹھوں پہر بسنت

آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

اِس رشکِ گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے
سرسوں ہتھیلی پر نہ جمائے اگر بسنت

کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت

ہے اوّل بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت

بسنت پھولنا: نیا شگوفہ کھلنا

کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت

بسوس: بنو اسرائیل کی ایک منحوس عورت کا نام جس کے شوہر سے تین دعاؤں کے مقبول ہونے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اس نے عورت کے حق میں تینوں دعائیں کیں اور قبول بھی ہوئیں مگر آخر میں وہ اپنی شامت سے جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ (ش)

ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں
نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعت بسوس

بسیار: بہت

اس کے احسان فراواں کا جو مذکور چلے
"کم" ہو مستعمل تقریر بجائے "بسیار"

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی
تو بھی نہ واں تغافل بسیار کم ہوا

بشر: انسان، آدمی

کوئی اس دور میں جیے کیوں کر
ملک الموت ہے ہر ایک بشر

کہ ہے قدسی گہر، ملک فطرت
جیش منصور میں ہر ایک بشر

گرم دعائے بازگشت بشکل بشر میں سوئے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری

بصد شوق: اشتیاق کی کثرت کے ساتھ

جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہوں گی نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

بطلیموس: ایک یونانی حکیم کا نام جو مجسطی نامی کتاب مصنف بھی ہے۔

کروں جو گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آکر روان بطلیموس

شاعری اپنی ہوئی نیرنگی دانشوری
جو سخن ہے سو طلسم راز بطلیموس ہے

بعد: پیچھے

مومن کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

وہ چشم انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا

معاندو جو کہا ،،خاتم رسالت،، نے
کہ میرے بعد نبوت کے تھا "عمر" قابل

کچھ اپنے ہی نصیب کی خوبی تھی بعد مرگ
ہنگامۂ محبت اغیار کم ہوا

جام مے گر کوئی پی
دل کو قلق ہے ترک محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا

جائے تری نبی کے بعد
زہر کھاوے پئے درماں خراش بلا ہوم

بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

کیا ہوا ہو اگر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا

بعد مدت اُس کوے یوں پھرے بہ تنگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

صبر بعد آسائش اس قلق پہ مشکل تھا
عیشِ جاوداں نکلا رنجِ جاوداں اپنا

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوے ستم گار کی طرف

ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

اُٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعدِ قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوے ستم گار کی طرف

وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ بے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق

مجھ پہ بعدِ امتحاں بھی جور کم کیوں کر کریں
وہ ستا میں غیر کو ایسا ستم کیوں کر کریں

بیکسی دیکھو وفورِ اشک عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

دوستوں مرتا ہوں اس روئے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں

اللہ رے سوز آتشِ غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفسِ نارسا کے ساتھ

ہم اور یہ بدعت تپشِ دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے بعد فنا ہاتھ

جاں گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی
ہوگئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے

جو بعد مرگ بھی الفت کا اثر ہو جائے
ہماری خاک پہ ہوجائے یار پر ہو جائے

مومن کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا

جلا پزیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فنائے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل

معاندو جو کہا ،،خاتم رسالت،، نے
کہ میرے بعد نبوت کے تھا ''عمر'' قابل

رنج کے بعد ملوں کیا؟ کہ رہائی معلوم
ہاتھ آجائے جو صیاد کے، رم کردہ شکار

جام مے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے پئے درماں خراش بلعوم

بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

چرخ نے جیسے جیتے جی، کیں پدری عنایتیں
خاک کرے گی بعد مرگ، ویسی ہی مہر مادری

فصل بہار بعد یاس، کس لیے غنچہ پھر ہوا
بزم میں تیری گر نہ تھی، گل کو امید ساغری

بعید نہ ہونا: خلاف قیاس نہ ہونا، انہونی بات نہ ہونا

بعید کچھ نہیں شادابی زمیں سے اگر
زیادہ تر کرے سیلان خوں گل شاموس

بغایت کمال: کمال کی انتہا کے ساتھ

رونق بزم و عزم رزم، فر جلال و قدر جاہ
تو نے بغایت کمال جمع کیے، نہ سرسری

بغل: پہلو، بازو

بر میں عدو کی سوئے بغل سے مری اُٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہُوا
رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ
وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں
اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی
کیا امید بر سیمیں و زرِ دست افشار

بغیر: بن، بلا

کفر حکایت غرور، اس کے بغیر یہ محال
"متنبّی" و "جریر" عار ہے مجھ کو ہم سری
یا ہم کو لگائی ابر نے تیرے بغیر
وقت بارش اخگر خورشید تف برژالہ تھا
پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم
لذت بغیر جان دہی مردگاں محال
آب بقا فشردۂ دامانِ تر نہ ہو

بقا: فنا کی ضد۔ پائیداری، باقی رہنے کی کیفیت

مومن کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا

بقول: کہنے کے مطابق (یہ ہمیشہ مرکب شکل میں مضاف بن کر استعمال ہوتا ہے)

مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقول درد
دل سے نہیں گیا ہے خیال بتاں ہنوز

بک چکی: فروخت ہو چکی

تیر باران فاقہ نے مارا
بک چکی تھی کلاہ بارانی

بکا: گریہ، ماتم، رونا

وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دم بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشم پری سے ہم

بکتے بکتے: بولتے بولتے، بکواس کرتے کرتے

کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے

بکر فکر: اچھوتے خیالات

فرط جمال سے نہیں گرچہ لباس کا خیال
تو بھی تو بکر فکر کو، ننگ ہے زہرہ معجری

بکنا: بکواس کرنا، بڑبڑانا

پند گو اب تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے
کسی کی زلف پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

بکھری پڑی: پھیلی ہوئی

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے دربدر آگ

بگاڑ: لڑائی تکرار

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوقِ آرائش دل ہے بد گماں اپنا
کرنی نہ تھی بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے
کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو

بگاڑ دی: خراب کر دی

سن سن کے نادرست تری خو بگاڑ دی
ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو

بگڑ کے: خفا ہو کے

کیوں کر نہ بگڑ کے وہ نکالے
میں دل کے غبار سے بنا ہوں

بگڑنا: خفا ہونا، ناراض ہونا

کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجئے
اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا
کس پہ بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب
بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات
کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ

بگڑے جو وہ طعن غیر پر رات
بگڑے تو کریں گے اور سے صلح
تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم
تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں
کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آن ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی
دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ
رشک دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا
کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑتا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں
عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے
گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

بل: شکن

بوسے دمِ غضب لئے اُلٹی سمجھ تو دیکھ
بَل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہُوا

بل: رخ، جانب

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

بل بے: اہا، واہ کلمہ تحسین واستعجاب

اف ری کثرت اشک وتبسم بل بے ہجوم یاس امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں
کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بلبے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

بل کھانا: پیچ کھانا، خم پڑنا

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ وتاب اپنا سا

بل نکالنا: سیدھا بنانا، سزا دینا، غرور ڈھانا

ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

بلا: ناچیز، بے حقیقت، ہیچ، جیسے ہماری بلا جانے

کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی میرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

بلا: مصیبت

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہوگیا
ہے صلح عدو بے حظ تھی جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا
اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں
ہے طعن سے مدح شام ہجراں
میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں
اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزول بلا بیشتر نہ ہو
خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے
اے دل آجانے دے اس زلف مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتار بلا ہوتا ہے
جفا کو آئے مری دل شکستگی پر رحم
بلا کرے مرے احوال زار پر افسوس
کہئے گر بادشاہ کو عرش سریر
کہے میری بلا کو ہو چکر
اک بات میں تمام ہے یہاں کار مدعی
کس کی بلا ہو بارش امتنان تیغ

بلا: قہر، آفت

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لیے
کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے ہیم برق بلا روز آشیاں کے لیے
بلا ہے منع وفا نور از گیا ناصح
تو لے کے دیکھ تو رنگ عذار آئینہ
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

بلا: بختی، زحمت

ہونا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر
تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا

بلا: کیا پروا ہے

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

بلا: حد سے زیادہ

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نشتر رات
رشک پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے
کیا بلا اس زلف خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں

بلا سے: آزمائش بختی

خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوق شہادت کا
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجھ کو حنا نے سودے کا خلل جانا
آتی نہیں بلا سے شب غم نگاہ میں
کس مہوش کا جلوہ نظر میں سما گیا

قہر ہے موت ہے قضا ہے عشق
سچ تو یہ ہے بری بلا ہے عشق
کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں
شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

بلا لگنا: مصیبت لگنا

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کہ ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

بلا نوشی: جو ملے سب کھا پی جانا، بہت زیادہ شراب پینا

دیکھنا کثرت بلا نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا

بلاغت: بلند پروازی، عالی دماغی

میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں
جس کے در کا گدا ہے خاقانی

بلالؓ: ایک صحابیِ رسول کا نام

تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

بلانا: آواز دینا، طلب کرنا

میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان گئی
ابروئے تیغ سے ایما ہے کہ آ
قتل کرنے کو بلاتے ہیں مجھے
بے خزاں میں بھی وہی جوش جنوں کیا ہو گیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار
تھا شور "فدائک" "جائے "لبیک"
اس دشمن دیں نے گر بلایا

بلانوشیوں: جمع ہے بلانوشی کی۔ بہت زیادہ شراب پینے والا

لکھا جو اس کو خط میں بلانوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے

بلائیں: جمع ہے بلا کی۔ آفت قہر

مثال دیتے ہیں روز فراق سے کیا دور
بلائیں ہوں شب یلدا میں چرخ سے نازل

بلائے جاں: جی کا جنجال، جان کی آفت

موئے نہ عشق میں جب تک وہ مہرباں نہ ہوا
بلائے جان ہے وہ دل جو بلائے جاں نہ ہوا
کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اِک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا
بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی
ہوگئی کیا بلائے جاں بوسۂ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کام ودہان مار میں

بلبل: ایک خوش آواز پرندہ

چمن میں نغمۂ بلبل ہے یوں طرب مانوس
کہ جیسے صبح شب ہجر، نالہائے خروس
طبیب وہ ہوں کہ ہو سوز سینۂ بلبل
نظارۂ رخ گل فام سے مجھے محسوس
عہد میں اس کے جو گل زاری بلبل پہ ہنسے
ہو نسیم سحری، ہم اثر باد سموم
شور زاغ و زغن ہے شمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی
ہوئی بُلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردین میں غنچہ کا منہ اِتنا سا نکل آیا
وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا
بلبل کے سے نالے کہ صبا کی سی کروں سعی
میرا نہ ہوا ہے وہ گل اندام نہ ہوگا
محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار
نام بدبختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے
نالہ غیرت بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کار شرر کرتا ہے
برنگ صورت بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان گی
چاک پیراہن گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاران لباسی کا قبا ہوتا ہے

بلبل طوس: فردوسی۔طوسی کی طرف اشارہ

پڑھے ہے مرغ گلستاں وہ مطلع رنگیں
کہ سن کے بس جسے رہ جائے "سن" ہی بلبل طوس

بلبلوں: جمع ہے بلبل کی۔ایک خوش آواز پرند کا نام

تیری افواج کا میداں میں دم جنگ خروش
بلبلوں کا ،،مہ آزار،،گلستاں میں ہجوم

بلبوس: ایک نبات کا نام جو پیاز سے مشابہ ہوتا ہے مگر اس سے زیادہ نفع بخش ہوتی ہے۔(ض)

یہ گل کھلاتی ہیں آب وہوا کی تربیتیں
کہ ہے پیاز کو لاف منافع بلبوس

بلد: رہبر، گائڈ

بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدِ راہ برہمن ہے ہمارا

بلعوم: گلا

جام مے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے پئے درماں خراش بلعوم

بلقیس: شہر صبا کی ملکہ جو حضرت سلیمان کی زوجہ ہوئیں۔

اسے "بلقیس" گر بنایا تھا
میں بھی زہندہ تھا "سلیماں" فر

بلند: اونچا

پا کے الزام دست خالی سے
فلسفی پیٹتا ہے اپنا سر
میں وہ شہ سریر فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری

بلند ایوانی: بلند محل والا ہونا

خاک میں رشک آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی

بلند بنیانی: بلند رتبے والا، عالی مرتبت (ش)

آستانے پہ تیرے چرخ نہم
ہو نہ جائے بلند بنیانی

بلند پایہ: عالی مقام، اونچے رتبے والا

بلند پایہ عمر، جس کے قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں، شاہ آسماں منزل

بلند منظری: اونچے منظر والا ہونا

رشک فزا نظارۂ صحبت ساکنان قرب
پستی بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

بلندی: اونچائی

کیا ہوئی وہ بلندیِ دیوار
کیا ہوئے وہ عماد طولانی

بلوے: بلوہ کی جمع۔ فتنہ، فساد

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خونِ تمنا ہوگیا

بلید: کند ذہن، کم سمجھ

جو دیوے تجھی خصم لئیم سے تشبیہ
کوئی بلید تو، ،سقمونیا، ، نہ ہو مسہل

بن: سوا، بجز، بغیر

ہماری جان شب تجھ بن دل نا کام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا
یہی حالت رہی آنکھوں پہ ہر تجھ بن کے دم الٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھکو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
مٹے نہ اتری گلے سے جو اس بن
مجھ کو یاروں نے پارسا جانا
لطف سے ہوئی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بد خوئی نے ظالم کر دیا بد خو ہمیں
سو جاؤں روتے روتے تو کیا بخت کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آکے خواب میں

کلبۂ تار میں کیوں کر ترے بن گذرے گی
دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں
بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھاگئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو
بن کہے راز ہائے پنہانی
اسے کیوں کر سنائے لوگوں نے
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجئے
بس کہ بن آئے مر گئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

بن آنا: مطلب بر آنا، مراد حاصل ہونا

وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

بن آنا: تدبیر بن پڑنا

مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی نہیں جب اسے بے وفا جاتا ہے
کچھ بھی بن آتی نہیں کیا کیجئے
اس کے بگڑنے نے کچھ ایسا کیا
پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی
ورنہ میں اور تیہ بیبانی

بن جانا: ہوجانا، ایک حالت سے دوسری حالت میں تب[illegible]
ہوجانا، شکل اختیار کرنا۔

نقدِ جاں، اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بن جائے نہ روز بازار
ہجوم سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سندس
ہوا ہے بس کہ گل شمع بھی بے عطر آگیں
عدیل طبلۂ عطار بن گئی فانوس
سارے ہیں مگر تیرے نو بنو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ
آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کروڑ دیکھ

یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

صفحۂ جیحوں پر جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

بن دنداں: دانت کی جڑ

بن دنداں سے کھائے نال قلم
خوش نویسوں میں ہے جو سر دفتر

بنا جانا: ایک حالت سے دوسری حالت ہو جانا

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا

بنا دیوے: شکل دینا

دعوت عام تری سب کو بنا دیوے خاص
گر قضا کو نہ ہو پاس صفت فیض عموم

بنارس: ایک شہر کا نام

اگر مشہور ہو افسانہ اپنی بت پرستی کا
برہمن کیا عجب ایمان لے آئیں بنارس میں

بَنان: انگلی کی پور

شیر خدا علی کے شجاعت سے جس کی ہے
سر پنجۂ اسد پہ زنخ زن بنان تیغ

بنانا: آراستہ کرنا

یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے

بنانا: تعمیر کرنا

سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں
اپنا ہم مقبرہ بنانے کو

بنانا: کر دینا

کوہ صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

بنانا: ایک حالت سے دوسری حالت میں کر دینا

فیل نشیں بنا دیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب، لاف و گزاف برتری

ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنا دیا

دل بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق تہ دل سے جلاتے کیوں ہو

بنانا: پیدا کرنا، شکل و صورت عطا کرنا

والشکر لصانع البریہ
جس نے ہمیں آدمی بنایا

مدام اس دل برمیکش کے منہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشہ کی

بنانا: درست کرنا، تیار کرنا

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشک مسلسل سے مرے زنجیر شیشہ کی

فراق غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنایا تو نے اُس کو بھی دل بے تاب اپنا سا

چمن کی خاک سے گل گونہ اب بناتے ہیں
شگفتہ تا دم رخصت بھی ہو عذار عروس

بناوٹ: دکھاوا، تکلف، تصنع

ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہو گیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ و تاب اپنا سا

سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو

بند: کھلا کے خلاف

زخم تو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینہ کا روزن ہو گیا

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے و لے دل طپاں ہنوز

بند: لباس کا بٹن، ڈورا، سلا ہوا فیتہ

اے سوزشِ سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے
کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے مگر بند

بند: کپڑے کی دھجی

ہر دم رہینِ کشمکشِ دستِ یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں

بند: قید

یہ مشت پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو
تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند
کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں اربابِ ہنر بند
جا سکتے نہیں جاتے ہیں اُس کو میں جو ناصح
چُھٹ جائیں گے قصہ سے کیا تو نے اگر بند

بند: گرفتار

ہم دامِ محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بجھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

بندِ قبا: لباس کا بٹن، ڈورا، سلا ہوا فیتا

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بندِ قبا اس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا
دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ

بندِ گراں: بھاری زنجیر

وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری

بندگی: پرستش، عبارت

جب بندہ ہے ترا تو رہا کون
پھر لائق بندگی خدایا
ہم بندگیِ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا
کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ں مومن کی سی کیوں دین داری آ گئی

بندگی: غلامی

یاں کے ہوئے نہ واں کے ہم جیسے فقیر بت پرست
بندگی خدا تو ہو گر نہ ہو صاحب افسری
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

بندگی: تابعداری، خدمت

بندگی کام آ رہی آخر
میں نہ کہتا تھا کیوں سلام مرا

بندگی: رخصتی سلام، خدا حافظ

دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب

بندگی: شکریہ ادا کرنے کے واسطے استعمال کرتے ہیں

صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم

بندی: بندش، ممانعت

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہیے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیکھ
مشامِ غیر میں پہنچے ہے نکہتِ گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

بندے: جمع ہے بندہ کی۔ غلام

بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے
گر ہو سکے راہِ چمن اے رستگان دام لو

بندے: جمع ہے بندہ کی۔ خاکسار

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

بندہ: غلام، مطیع، فرماں بردار

ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب
غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
ہے نگاہِ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے
واقعی سجدہ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگئے
پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے
گو وصف ہے "یومنون بالغیب"
پر بندہ تو اس سے باز آیا
جب بندہ ہے ترا تو رہا کون
پھر لائق بندگی خدایا
ہوں بندۂ شور عجز ادراک
ناکام کو کام سے لگایا

بنگ: بھنگ

وہم مے خواری سے دل کو نشۂ بنگ آگیا
ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے

بننا: تعمیر ہونا

اٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر
بنے میرے غبار ناتواں سے

بننا: حالت و کیفیت طاری ہونا

دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں
مت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں
کرنی نہ تھی بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے
کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو

بننا: شکل اختیار کرنا

سرایت نم آب وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریش زاہد سالوس
جو شمع بزم کہوں اس کے روے تاباں کو
کتان و ماہ بنے نور شعلہ و فانوس
ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگ راہ نسیم
بنا ہے شبنم گل، آب گینۂ فانوس
نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

بننا: تیار ہونا

کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفلد
کرامت ہے رخ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشہ کی

بننا: ممکن ہونا، ہوسکنا

نے جائے واں بنے ہے نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجئے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح

بننا: ہونا

بنی ہے صور سرافیل آہ بے تاثیر
کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گذرے
دل مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفل برہمن سے ہے
حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے
وہ ستم گر دل بہ عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دل
گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوس اغیار کی طرح
وہ کی مومن کی ضد سے مومن ہو
یہ گر اس کے لیے بنے کافر
کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کی میرے
کیمیا یاب سیاہی بنی عنقا کاغذ

بننا: راستہ ہموار ہونا، کام آسان ہونا

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح

بننا: تخلیق ہونا

خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس
ہوا سلسلاں میں لوڈر سے ندرس واعظ کوئی کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذاب ہجر صنم نہ ہوتا

تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریئے ووں ووں اور ساگر خشک ہو

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

بنیاد: اصل

نالہ اِک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

بنے: ہوسکے

مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس
گر بنے تو دل چھنالوں یار سے

بو: مہک، خوشبو

زلف کی بو آئے گی ہم کو اگر
غیر کے گھر دستۂ شبو گیا

نکہت اُس زلف کی صبا میں نہ ہو
اُڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا

خار وخس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

تمہاری کدورت سے ہوش آگیا
کیا بوئے گل نے مداوائے غش

کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں

کیا کبھی سینے جل چکے کیا کبھی دل پگھل چکے
بوئے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں

بوئے گل کا اے نسیم صبح اب کس کو دماغ
ساتھ سوئے ہے ہمارے وہ سمن بر رات کو

وہ لالہ رو گیا نہ ہو گل گشت باغ کو
کچھ رنگ بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ

گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ

بوئے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی باد بہاری آپ کی

پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثل غنچہ تھی
جھونکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے باد صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں

بوئے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی باد بہاری آپ کی

پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثل غنچہ تھی
جھونکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

میں تو اس زلف کی بو پر غش ہوں
چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے

خوش آئے مجھ کو صبا کب گلوں کی باغ میں بو
بھری ہوئی ہے یہاں اور ہی دماغ میں بو

بو آنا: بو یا خوشبو محسوس ہونا

خار وخس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے باد صبا آئی یہ کس کی بو ہمیں

بوئے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی باد بہاری آپ کی

آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

ذکر اشک غیر میں رنگینیاں
بوئے خوں آئی تری گفتار سے

بوالہوس: بہت ہوس والا، خواہش نفسانی کا

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل

بے وفا، بوالہوس اور آپ ستمگر، سچ ہے
نہ تمہارا کوئی عاشق نہ ہمارا کوئی یار

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغانِ بے اثر رکتے ہیں آپ
گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوسِ اغیار کی طرح
کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ
بوالہوس اور لافِ جاں بازی
کھیل ہی کیا سمجھ لیا ہے عشق
رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں
کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گل عذار
خار مژہ میں اب خلش دم بدم نہیں
عاشق کشی ہے شیوہ اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں
ہے جنون ایسے کے آگے ٹھیرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھا گا جو تماشائی ملا
دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا
مطلب ہے کہ مہلت میں ہے بوالہوس آفت میں
اس گرمیِ صحبت میں اے دل نہ پگھل جاتا
کیا قہرِ طعنِ بوالہوس بے ادب ہُوا
جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہُوا
یہ غیرتِ وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
تبمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس
صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو
بوالہوس روئے میرے گریہ پہ اب
منہ کہاں تیرے مسکرانے کو
ہیں جاں نثار کہیئے تو مر جائیں ہم ابھی
یہ کام بوالہوس سے کبھی عمر بھر نہ ہو
سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گلفام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

چھوڑ جلد اے بوالہوس سر کو کہ اب
جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے
کیا مال ہیں کہ جان دیں دیتے ہیں دم تمھیں
اغیار بوالہوس کی یہی کائنات ہے
وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گذرے
جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بدخوئیوں سے یار کی ہوکر خفا گئے
ہوں سزاوارِ ستم میں نے کیا ہے جرمِ عشق
بوالہوس ہیں بیکنہ پھر کیوں ڈریں تعزیز سے
نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزارِ شوق
لو ہم اچھے ہوگئے درمان بے تاثیر سے
پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شبِ بوالہوس سیاہ نہ کی
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے

بوالہوساں: بوالہوس کی جمع: بہت ہوس والا۔ خواہش نفسانی کا پابند۔ مجازاً رقیب

کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں اربابِ ہنر بند

بوالہوسوں: جمع ہے بوالہوس کی۔ بہت ہوس والا۔ خواہش نفسانی کا پابند۔ مجازاً رقیب

آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشکِ چشمِ یار فسوں خوانیوں میں ہم
آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

بوالہوسی: خواہش نفسانی کی پابندی، حرص

نہیں منظور اگر بوالہوسی کا شکوہ
غیر کو تم مرے اشعار سناتے کیوں ہو

بوجھ: بار، وزن

گر نہ بگڑو تو کیا بگڑتا ہے
مجھ میں طاقت نہیں لڑائی کی

بوس: مخفف ہے بوسہ کا۔ چومنا، پیار کرنا

تھی کمیں میں غارتِ بوسِ دہن ہنگامِ خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا

کیوں یار نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو
لب بستگی تصور بوسِ دہن سے ہے

بوسے: جمع ہے بوسہ کی۔ چوما، بی

دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے

میں اس کی بزم سے میں زہر پی کیوں کر نہ مرجاتا
کہ میرے سامنے اُس لب کے بوسے جام لیتا تھا

محوِ جفا ستم کشِ الطاف کب ہُوا
رحم اُس کو میرے حال پہ آیا غضب ہُوا

یوں لب خنجر کے بوسے متّصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں کام میرا ہو گیا

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوقِ جاں فشاں کے لیے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیل آسماں کے لیے

بوسہ: چوما۔ بی

بوسہ جو دیا ذقن کا گویا
سیب خلد بریں کا کھلایا

آگیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے کیا تھا اقرار؟

حسرت ہے تیرے بوسۂ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ

بوسہ دے ترے دمِ تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم

بوسہ روا بہ ہر طریق، سجدہ و فرق ہر فریق
سنگ در اس کا اک صنم، رشک بتان آذری

ناکامیوں کی کاہشِ بے حد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوقِ لب یار کم ہوا

نہ ٹھہرا بوسہ تو دینا دلِ مفتوں نہ ٹھہرے گا
اگر واں وُوں نہ ٹھہرے گا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہرے گا

ہیں پاک نظر ہم تو وہ لے ذوقِ فزا عشق
بے چاشنی بوسۂ دشنام نہ ہوگا

بوسۂ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آگیا

حسرت بوسہ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخم دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے ہیں

آئینہ کا بوسہ لے تو عکس لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خود کام ہم

دیکھنا اس دہن تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادیٔ مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

سنگِ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منھ

مومن نہ سہی بوسۂ پا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

نہ دینا بوسۂ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے

جھنجھلاتے ہو کیا دیجئے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوئے بوسہ کا لب پر مقام ہے

لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیل آسماں کے لیے

بوسہ زن: چومنے والا

اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

بوسہ ہا: جمع ہے بوسہ کی: چوما، بی

بوسہ ہائے لب شیریں کے مضامیں ہیں نہ کیوں
لفظ سے لفظ مرے شعر کا چسپاں ہوگا

بوسے: جمع ہے بوسہ کی: چوما، بی

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیل آسماں کے لیے

بولنا: بات کرنا، کہنا

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم
میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

جب کہا یار سے دکھا صورت
ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منہ

حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

نہ بولوں گا نہ بولوں گا کہ میں ہوں
زیادہ بدگماں اس بدگماں سے

سن کے میری مرگ بولے مر گیا اچھا ہوا
کیا برا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا
جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا
مجھ بے گنہ کے قتل میں کیوں سوچ دیکھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطع زبان شمع

گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ

چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہم دم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے

ہے یاد رطب و یابس تقریر ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفر بحر و بر میں ہم
بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر

بوم: علاقہ، خطہ

کہیں منکر کو نہ انکار قیامت ہو زیاد
عدل سے اس کے ہے آبادی ہر کشور و بوم

بوم: الو

ہائے لینے نہ دیا نام عدو غیرت نے
ورنہ کیا کیا مرے ویرانے میں تھی کثرت بوم

بوئے خوں: دشمنی کی علامت

گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ

بہ بہ کر: پانی کی رو میں جا جا کر

شبا ستم ہے کہ تیرے مدیح خواں پہ کرے
ہزار گونہ ستم روزگار نامانوس

بہ لب: ہونٹوں پر

میرے معاندوں حسود، ہرزہ ستائے رفتگاں
ہاجی خویش و بے خبر مست بہ لب کف آوری

بہا: قیمت

بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں
یہ بڑھ گئی ترے سکّے سے قدر تا بہ فلوس
دور کرم میں اس کے لعل خشکی لب کا ہے بہا
در یتیم کو بکے چشم یتیم کی تری

بہار: ربیع، پھول کھلنے کا زمانہ

غبار صحن چمن میں کیمیائے عیش و نشاط
بہار لالہ و گل سیمیائے عرض و شموس
خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس
گر اس بہار کی یعقوب کو ہوا لگ جائے
شمیم جامۂ یوسف کبھی نہ ہو محسوس

مزا ہے وصل کا ہجراں سے پیش تر یعنی
گل خزاں زدہ کو کیا بہار سے حاصل
بحر ارشاد و ہدایت سے تری ہو جاوے
فیض یاب نم تاثیر اگر ابر بہار
غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہے
سرگرم جلوہ فصل بہار و خزان تیغ
صبح کی جب بہار ہے ساقی غنچہ لب ہو پاس
مے سے عذار لالہ رنگ، لب مذاق شکری
تو وہ بہار حسن باغ جس پہ کرے نثار جاں
لالہ رخی سہی قدی، گل بدنی سمن بری
فصل بہار بعد یاس، کس لیے غنچہ پھر ہوا
بزم میں تیری گر نہ تھی، گل کو امید ساغری
باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری
ہے اوّلِ بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہارِ دگر بسنت
نمودِ حسن خطِ یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تبۂ سبز ہو نمایاں سرخ
بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر
یاد اس کی گرمیٔ صحبت دلاتی ہے بہار
آتش گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار
کو وصحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار
جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار
آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار
خاک تو مرغ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا

دیکھئے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ہے بہار
ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہو گیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار
جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار
داغ اور زخم اس میں ہیں جو لالہ وگل اس میں ہیں
فصل ہے یا آپ کے عاشق کی چھاتی ہے بہار
امتیازِ دل دہی و دل بری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار
محوِ حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار
میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار
ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھئے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار
چشمِ گلشن پر قدم رکھتا ہوا کون آئے گا
عطرِ فتنہ میں گل نرگس بساتی ہے بہار
خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار
کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار
غنچہ ہائے آرزوے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار
جا چک خدا کے واسطے اے موسم بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز
خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں
بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو

سارہے ہیں مگر تیرے نو بنو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ
نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی
نام بد بختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے
پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پانو وہی خار مغیلاں ہوں گے
نہ سیر گل نہ قدح نوشی اس کے ساتھ ہوئی
غم خزاں ہے نہ کچھ حسرت بہار مجھے

بہار: شادابی، رونق

کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار

بہار: لطف و کیفیت

ہے اولِ بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت
کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار

بہار: عالم شباب

باغ جہاں میں گو مہِ خورداد آگیا
یاں ہے اسی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز

بہار آنا: کسی چیز کا رونق اور شباب پر آنا

غنچہ ہائے آرزوے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار

بہار آنا: بہار کا موسم آنا

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پانو وہی خار مغیلاں ہوں گے

بہار دکھلانا: سماں دکھانا، کیفیت دکھانا

ہے اولِ بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت

بہانا: جاری کرنا، رواں کرنا

کی گریہ نے کتنی آبیاری
دریا مری چشم سے بہایا
گر بہائے خون عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلاد کیا
مت لال کر آنکھ اشکِ خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

بہانا: پانی کی رو میں ڈالنا

کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو کوے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
دوستوں مرتا ہوں اس روے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں

بہانہ: عذر، حیلہ

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آکے مری نعش پہ وہ رو گیا
رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لیے
چمن آرا کو رسم پیرائش
اک بہانہ ہے بہر قطع شجر

بہت: زیادہ

بہت ناز اں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا
رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے
تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشکِ روان شمع
اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق
یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
تھا بہت شوق وصل تو نے تو
کی اے حسن تاب کاہ نہ کی
خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں پے نثار مجھے
جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے
ہیں مشابہ بہت اس دست کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزاے رقوم

بہتر: زیادہ اچھا، عمدہ، افضل

ہجو گوئی نہیں ہمارا کام
ایسی باتوں سے خامشی بہتر
افضلیت میں کیا سخن، یہی بات
سب سے بہتر کہ سب سے ہے بہتر
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں
خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

بہر: لیے، واسطے

چمن آرا کو رسم پیرائش
اک بہانہ ہے بہر قطع شجر
وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہر عذر کرے ناز ہائے تاب گسل
جب منایا مجھے اس نے وہی الفت، وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں، بہر معدوم
تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا
جانتے ہیں کہ شہب بہر شیاطیں ہے رجوم
گرم دعاے بازگشت، شکل بشر میں سوے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری
وہ آئے بہر عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

چرخ سے کم تو کیا ہو وہ خود جو ضرب گرز اٹھائے
حرب سے پہلے سرشکن، بہر عدو پہ یہ مغفری
تا کہ ہے بیت بخشتمیں، قوت لولی فلک
تا کہ نجم میں ہے فرح، بہر عروس خاوری
بہر حسود جام زہر، ساغر مے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار طبع تلخی بادہ شکری
نہ ربط اس سے نہ یاری آسماں سے
جفا بہر عدو لاؤں کہاں سے
وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیِ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا
کیا بہر عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا
ہائے مومن شہادت بے اجر
بہر وصلِ صنم قتیل ہوا
دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا
پھرتا ہے بہرِ کشتنِ عشاق کو بکو
گردش میں ہے وہ چرخ ستم گار کی طرح
نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل
ہے بہر طور دم شماری آج
اب تک گیا نہ باغ میں تو بہر انتظار
سن ہوگئے کھڑے کھڑے شمشاد کے قدم
تشنہ کام آب تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں
تم نکلے بہر سیر تو نکلے گا مہر بھی
ہووے گا اجتماع شب ماہتاب میں
آتا ہے بہر قتل وہ دور اے ہجوم یاس
گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو
بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ
وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے

بہر طور: ہر طرح سے

نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل
ہے بہر طور دم شماری آج

بہزاد: ایک مشہور نقاش کا نام جو شاہ اسماعیل صفوی کے زمانے میں تھا۔

پابوس یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم
دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے

بہشت: جنت، فردوس، باغ

موافقوں کو بہشت و ترقی درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم
ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم
کثرت باد عنصری اس کی
ثبت انقلاب ارکانی
ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیرِ مغاں نہ چھوڑ
دم رکے ہے بہشت میں تو کوئی
اس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں
مومن بہشت و عشق حقیقی تمہیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

بہکانا: ورغلانا، فریب دینا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا

بہکنا: نشہ میں کچھ کا کچھ کہنا

روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع

بہل جانا: دل خوش کرنا

حوروں کی ثنا خوانی واعظ یونہیں کب مانی
لے آ کہ ہے نادانی باتوں میں بہل جانا

بہلانا: سیر تماشے میں دل لگانا

موا گل دیکھتے ہی یادِ رخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجئے

بہلنا: دل لگنا

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

بہلول: ایک مشہور عارف کا نام

جہاں ہو ذکر مری دانش آفرینی کا
سفیہ ہے وہ جو "بہلول" کو کہے عاقل

بہم: آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ

شہرت ظلم و جور سے دور میں تیرے کیا عجب
ہفت پدر اگر بہم ترک کریں برادری
چھپایا کیوں براواں رات دن رہتا بہم پھرتا
بتا تو کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا
ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ہو
بہم جو ہر سے جو ہر تیغ کا جب دست حسرت ہو
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

بہمنی: بہمن ایک فارسی مہینے کا نام جو پھاگن کے مطابق ہوتا ہے۔ بہمن کی طرف منسوب۔

اس کے ہے روزگار میں یکساں
ابر کو بہمنی و نیسانی

بہنا: جاری ہونا

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحرِ چشم خوں فشاں سے
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

بہیمی: جانورپن، حیوانیت

سوا مرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بہیمی و خری

بہہ جانا: نکل جانا

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے

بھا جانا: دل کو بھلا معلوم ہونا، اچھا لگنا

اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
سرمہ گیں چشم کی گردش جو نہ بھاتی تو
خاک یوں کا ہے کو ہم ڈالتے سر میں پھرتے
تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھا گئے

بھاگنا: دوڑنا، لپکنا

کیا گل کھلے گا دیکھئے ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

بھاگنا: فرار ہونا

میں وہ مجنون وحشت آرا ہوں
نام سے میرے بھاگتا ہے عشق
ہے جنون ایسے کے آگے ٹھہرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا
یقیں کہ راہ نمائی ہے پیروی اس کی
نہیں تو سائے سے کیوں بھاگتا دیو مضل
تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا
جانتے ہیں کہ شبب بہر شیاطیں ہے رجوم

بھاگنا: احتراز کرنا، کنارہ کرنا

لذت وحشت سے جتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے

بھانا: اچھا لگنا، دل کو بھلا معلوم ہونا

امتیازِ دل دہی و دل بری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار
کرتا ہے سخت ناخن غم رو خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ

بھانا: پسند آنا

ہر چند کی قول ناصحوں کا
کچھ تلخ نہ تھا ولے نہ بھایا

بھر آنا: آنسو آ جانا، آنکھ پر اشک ہو جانا

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہو گیا

بھرا: پُر

تجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غم غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا
یہ دست بریدہ میرے قاصد کا نہ ہووے
ہے مہر کا خط ہائے شعائی سے بھرا ہاتھ
جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

بھرا ہونا: کثرت سے موجود ہونا

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

بھرنا: پُر کرنا

خون دل پیتے ہیں خو کردۂ محنت اے کاش
ساغر دہر میں ساقی ے بیداد بھرے
تیشہ کچھ دشنۂ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے
مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منہ در آبلہ سے گرمی فریاد بھرے
خوش میخانہ پے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنگ ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں
حسرت بوسہ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخم دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے ہیں
اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہن زخم گلو بھرتے ہیں
غیر کرتے ہیں سبوے ے گلگوں خالی
ساغر چشم میں ہم دلِ کا لہو بھرتے ہیں
پی ہے مے حضرت مومن نے جبھی منہ منہ کو
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں
تشنہ کام عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریے ووں ووں اور سا گر خشک ہو

بھرنا: رنج واندوہ میں بسر کرنا

حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں

کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے

بھرنا: پُر ہونا

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمر عدو حلقۂ آغوش ہوا

کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار

بھری: پُر

جان جہاں کو دل دیا دشمن جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری

پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ

بھڑک اٹھنا: شعلہ زن ہونا

خمیدہ شاخ سے یوں رنگ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعل منکوس

نالہ غیرت بلبل سے بھڑک اٹھے ہے آگ
گل مری قبر پہ کیا کار شرر کرتا ہے

بھڑکانا: آگ کو تیز کرنا

ہووے نہ مقابل تف دل
بھڑکائے کوئی ہزار آتش

بھلا: اچھا، خوب

ستم آزار و ظلم و جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اس کے امتحاں کے لیے

بھلا: حسن کلام کے لیے استعمال کرتے ہیں

کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت

روز غم کون بھلا آن کے ہوتا ہے شریک
انتظار اثر اے نالۂ شبگیر نہ کھینچ

کیوں کر دے فلک دامِ عدو کو درمِ داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

تم کو خو ہوگئی برائی کی
درگذر کیجئے بھلا کب تک

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

اے ناصحو آہی گیا وہ فتنۂ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو

شفیع بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی
بھلا خوں تو کروگے پہلے تم شمشیر تو کھینچو

سبک روح تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ہے
شمیم گل کی نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو

کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زرِ جان کی زکاۃ ہے

وہی مذہب ہے اپنا بھی جو قیس وکوہ کن کا تھا
نئی راہ افترا ہے کب بھلا مومن نے بدعت کی

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی

جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہوچکی

بھلا رہنا: بھلا رکھنا

ایسے ہی روز گر ستم نو بنو رہے
تم کو بھلا رہے گی سپہر کہن کی یاد

بھلانا: فراموش کرنا، یاد نہ رکھنا

''لا علم لنا'' ہے یاد ہر چند
سب کچھ مجھے بھلایا

یہ بے خبری کہ یاد جس کی
تھی واجب و فرض اسے بھلایا

بھلوں: بھلے کی جمع۔ نیک، برے کی ضد

کیا اچھے ہو گئے کہ بھلوں سے برے ہوئے
یاروں کو فکر چارہ و درماں نہیں رہا

بھلی: بری کی ضد

لگتی ہے گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح
وہ کینہ ورز تھا مومن تو دل لگایا کیوں
کہو تو کیا تھی ایسی بھلی وہ آن لگی

بھلے کی: فائدہ کی

مرچک کہیں کہ تو غمِ ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح

بھول جانا: فراموش کر دینا، یاد نہ رکھنا

بھول جانا: بھلا دینا

خون کے میرے ارادے سے ہوا" ،ذابح سعد"
قتل

بھول کر: غلطی سے

وہ نہ لی جس نے حال کی میرے
عمداً کیا کہ بھول کر بھی خبر

بھولنا: فراموش ہو جانا، خیال نہ رہنا

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر
نشۂ اُلفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا
یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آ گیا
بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب

بھولے سے: سہواً، دھوکے سے

اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے

بھیج دینا: ارسال کر دینا

آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطراب دل زار کے لیے
جی میں ہے موتیوں کی لڑی اس کو بھیج دوں
اظہار حال چشم گہر بار کے لیے

بھیجنا: روانہ کرنا

پہنے تو غیر کے بھیجے ہوئے کنٹھے افسوس
دست گل خوردہ مرا، ہو نہ گلے کا ترے ہار
خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اُسے
پر بھیج دوں، جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر
بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام
حال دل اسے جتائیں گے ہم
دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں
تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم
تھا قلق برتھی دشمن جاں شب فراق
شکل کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں

بھیگنا: تر ہونا

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

بھینچنا: دبانا، دبوچنا، مسلنا

کوئی بھینچے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہمکناری آج

بیاباں: صحرا، جنگل

شوئی بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا
لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا
اگر زنجیر کش سوے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو
سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت و بیاباں ہوں گے

بیابانی: جنگلی، جنگل کا رہنے والا
نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں
کہ میں شہری ہوں یا بیابانی
بیابانیوں: بیابانی کی جمع۔ جنگلی
معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت
گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم
بیاض: سادہ کتاب جس میں یادداشت یا حساب وغیرہ لکھتے ہیں۔
مری بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے
سپند جس پہ ہوئے گردن بتاں کے تل
بیاض: سفیدی
خط بیاض صبح وہ، شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو، آئینۂ سکندری
بیان: تقریر، گفتگو
''فردوسی'' ایک خار جنان بیان تھا
گل ریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ
انوری کے بیان میں ہے کہاں
میری تقریر کی سی تابانی
میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری
بیان: فصاحت، زبان آوری
روشن ہے اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس ہبکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع
بیان: حالت وکیفیت کا ذکر، تذکرہ
ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجیے، تیزی خنجر
گر شوق زخم عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہما نہ کھائے بہ جز استخوان تیغ
عشق عیاں کا کیا بیاں حسن ہنر ربا نہاں
قمری نالہ کش زباں میری دل صنوبری
وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا
عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغامِ مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہنچا
مفت اول سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا
روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشمِ بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص
غیر کرتا ہے بیاں مجھ سے تو میں کہتا ہوں
بارے اب تک تو نہیں تجھ سے مرا سا اخلاص
بزم میں اس کی بیانِ درد وغم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں
نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں
نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں
مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں
کہنا پڑا مجھے پے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائق شرح و بیاں نہیں
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
گو آپ نے جواب برا ہی دیا و لے
مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو
اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو
شب غم کا بیان کیا کیجے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منھ
بیاں کرتا ہے ہکلانے کا اس بدمست کے عالم
ولے کیا کیجیے پیچیدہ ہے تقریر شیشہ کی
برنگ صورت بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان گی
سوائے نقطۂ موہوم کیا وصف دہاں کیجے
بنا کر بات کیا کہیے جو کچھ ہو تو بیاں کیجے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

بیان اقرار تک نہ پہنچا: یعنی اقرار کی نوبت ہی نہیں آئی

مفت اوّل سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا

بیت: گھر، مسکن

ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جاے تنگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری
تا کہ ہے بیت ہفتمیں، قوت لولیِ فلک
تا کہ نہم میں ہے فرح، بہر عروس خاوری
مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا
مومن سوے حرم ہے تگاپوے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

بیت الصنم: بت خانہ

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

بیت زہرہ: زہرہ کا گھر۔ یہاں ماہ کا زہرہ کے ساتھ قران مراد ہے جو منجموں کے نزدیک سعد سمجھا جاتا ہے۔ (ض)

ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جاے تنگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری

بیت ہفتمیں: جب زائچہ کے ساتویں خانے میں زہرہ واقع ہوتا ہے تو صاحب طالع کے حق میں احکام نجوم مرتب ہوتے ہیں۔ بیت ہفتمیں سے یہی ساتواں خانہ مراد ہے۔ (ض)

تا کہ ہے بیت ہفتمیں، قوت لولیِ فلک
تا کہ نہم میں ہے فرح، بہر عروس خاوری

بیٹھنا: نشست ہونا

کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجیے درہم و دینار کو، داغوں کے شمار؟
بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دور میں ساقی
اتنوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ
کوئی کھینچے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہمکناری آج
غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں
قافیہ کیا تنگ ہے وصف دہن کی فکر میں
کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
آسماں کے ستم اٹھانے کو
کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ
بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ
بیٹھا کف افسوس ملے گا پس کشتن
غیروں سے بھی ظالم تو مرے ساتھ اٹھا ہاتھ
اف رے گرمی محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے
خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے
دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفاں
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے
اب شوق سے تم محفل اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے
سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے
جاتا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم

بیٹھنا اٹھنا: نشست و برخاست کرنا

یادِ بتاں میں لاکھ بار فرط قلق سے ہم بھی تو
بیٹھے اٹھے ہیں مومن آپ گر رہے شب نماز میں

بیٹھے بیٹھے: آپ ہی آپ

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

بیٹھے بٹھائے: مفت میں، ناحق، ناروا

مجھ پہ طوفان اٹھائے لوگوں نے
مفت بیٹھے بٹھائے لوگوں نے

بیچارگی: عاجزی، درماندگی

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

بید: ایک درخت کا نام جس کی ٹہنیاں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہے اور اس کی صورت دیوانوں کی سی معلوم ہوتی ہے۔

ہوئی ہے سقف فلک مانع قد افرازی
وگرنہ بید کہاں اور ترقی معکوس

لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیان تیغ

باغ میں اپنے ہر شجر تابہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری

بیدخواں: وید پڑھنے والا، یہاں عام کفار مراد ہیں (ض)

کوشش نے تیری حرف تعصب مٹا دیا
کیوں بیدخوان دہر نہ ہوں بادخوان تیغ

بید مجنوں: ایک درخت کا نام جس کی ٹہنیاں زمین کی طرف جھکی ہوئی ہوتی ہیں اور اسکی صورت دیوانوں کی سی معلوم ہوتی ہے۔

ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہوگیا

پھلے پھولے ہیں بے خرد کیا دور
بید مجنوں بھی گر لے آئے ثمر

بیڑیاں: جمع ہے بیڑی کی، زنجیر

ہم چارہ گر کو یوں ہی پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آگیا

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت

بیساکھ: ایک ہندی مہینہ کا نام جو اپریل مئی کے مطابق ہوتا ہے

بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا

بیش: زیادہ

اس سے زیادہ اور کیا ہووے گی بخشش و عطا
کم رہے اکثروں سے ملک، بیش نہ ہو مقرری

بیشتر: بارہا، اکثر

شعلہ شمع سے فزوں، چہرہ مرا زریر گوں
رنگ شفق سے پیش تر، گریا مرا معصری

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزول بلا بیشتر نہ ہو

بیع: فروخت

قیمت حسن یوسفی، میرے سخن کا رونما
ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، مایہ فزائے مشتری

بیع سلم: وہ فروخت جس میں خریدار بیچی گئی چیز پر فوراً قبضہ نہ کر سکے

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور بیع سلم کرتے ہیں

بیعت رضواں: اس سے وہ بیعت مراد ہے جس میں حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے ایک درخت کے نیچے بیعتِ جہاد لی تھی اور اصحاب حسب وعدہ قرآں رضوان اور بخشش الٰہی کے مستحق ٹھہرے تھے۔ اس موقع پر حضور ﷺ نے حضرت عثمان کی عدم موجودگی میں جو رسالت کے کار خاص سے مکہ مکرمہ بھیجے گئے تھے اپنا ایک دست مبارک دوسرے پر رکھا اور فرمایا کہ یہ بیعت عثمانؓ کی جانب سے ہے۔

قصۂ ''بیعت رضواں'' میں اشارہ ہے یہی
ورنہ کوئی نہیں ہم دستِ رسولِ مختار

بیم: ڈر، خوف، اندیشہ

بیم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشت دل کا اظہار

آپ ہی سایۂ مژگاں سے لگائے ڈرتے
چشم خوباں کو جو باندھے کوئی شاعر مے خوار

پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد بیم نہان تیغ

صبح مری شب مریض، شب، شب اولین گور
زور گذار بیم شام، سختی روز محشری

بیم بیداد و ستم کچھ دل مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ گویا وہ صف محشر میں نہیں

ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
یاں ہاتھ تصور میں مرا زیر کمر ہے

امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے

کہاں وہ عیش اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لیے

بیمار: روگی، خستہ

خاص وہ مایہ دل آشوبی
جس کا بیمار غم نہ ہو جاں بر

نظر لطف سے گر چارہ گر عاشق ہو
کرے حیرت سے بدل شرم کو چشم بیمار

کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجئے درہم و دینار کو، داغوں کے شمار؟

بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

دم لینے کی طاقت ہے بیمار محبت ہے
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغامِ مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہنچا

کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب موئے
اچھا تو درد عشق کا بیمار کم ہوا

جنبش لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
ترے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص

کیا بڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب رابطہ رہا ہے

زہر ٹپکے ہے نگاہ یار سے
موت سوجھی نرگس بیمار سے

کیوں نہ کامیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

غیروں سے شکر لب سخن تلخ بھی ترا
ہر چند ہلاہل ہو گوارا نہ کریں گے

گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

بیمار اجل چارہ: وہ بیمار جس کا علاج صرف موت ہو

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

بیماری: خستگی

پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب رابطہ رہا ہے

بیہدہ سائل: بےہودہ سوال کرنے والا

مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

بے اثر: بے تاثیر، بے نتیجہ، بے فائدہ

ضبط نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغان بے اثر رکھتے ہیں آپ

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ و فغاں نہ چھوڑ

ہے دعا بھی بے اثر گویا نہیں
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

حزن و ملال میں ہے دل آزردگی کا رنج
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہو جائے
گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی
کیا کروں اللہ سب ہیں بے اثر
ولولہ کیا نالہ کیا فریاد کیا
بے اثر ہے فغانِ خون آلود
کیوں نہ ہوئے خراب کام مرا
افسانہ سمجھ کے سو گئے وہ
کام آئی فغان بے اثر رات
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب
دم ہائے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

بے اثری: بے تاثیر ہونے کی کیفیت
لازم تھا حذر مجھ سے ناچیز کے نالوں سے
پر تجھ کو کہاں غیرت اے بے اثری اتنی

بے اختیار: خود بخود، بغیر ارادے
کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر
رو دیا بے اختیار اس شوخ نے تاثیر سے
دود دل بھی کم نہیں ہے سرمۂ تسخیر سے

بے اختیاری: مجبوری، بے چارگی
جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی

بے ادب: بے تمیز، گستاخ
کیا قہر طعنِ بوالہوس بے ادب ہُوا
جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہُوا
درازدستی یہ کس بے ادب نے کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

بے اعتبار: ناقابلِ اعتماد
چشمِ بے اعتبار جاناں میں
کیا مرا اعتبار ہونا تھا
چشمِ نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

بے اعتبار: بے وقعت
بے اعتبار ہو گئے ہم ترکِ عشق سے
از بس کہ پاس وعدہ و پیماں نہیں رہا

بے آرام: بے چین، بے کل
شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام

بے بادہ: بغیر شراب کے
کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں

بے باک: دلیر، شوخ
وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
پھر آ گیا ہے کون سے بیباک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصت ناموس و نام ہے

بے باکی: دلیری، شوخی
کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال
کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

بے بخت: بغیر نصیب کے
بے بخت رنگ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

بے پر: پر سے محروم
"نسر طائر،، کو سمجھے ہے بے پر
مرغ فطرت کی بال جنبانی

بے پردہ ہونا: ظاہر ہونا، سامنے آنا
ہو گیا راز عشق بے پردہ
اس نے پردہ سے جو نکالا منہ

بے پردہ: پردے سے باہر، بے حجاب

بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
نیم جلوہ کو بھی وہ کہتے ہیں اب بے پردگی
جسمِ کاہیدہ یہ کس کا صرفِ چلمن ہوگیا
بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ
بے پردہ پس چلون یک بار تم آبیٹھے
بے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی
ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

بے پروا: بے نیاز، بے خوف

کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کن دنوں میں جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا

بے تاب: بے چین، پریشان

دلِ بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
ہوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
فراقِ غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنا یا تو نے اُس کو بھی دلِ بے تاب اپنا سا
ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج
قبر میں چھوٹے عذابِ دلِ بیتاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ
جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر
ہے بے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر
کیا کہیے گرمیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوالہ جائے داغ
غیر کے واسطے نہ ہو بیتاب
طعنہ دیتا ہے اضطراب ہمیں

دلِ بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق سے دل سے جلاتے کیوں ہو
گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بیتاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے
ہائے کیا بے تاب ہو کر دھرلیا سینہ پہ ہاتھ
کھل گئی مہ وش کہے سے دل فگاری آپ کی
ہو نہ بیتاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے
جی رکے ہے ضبط کرتے کرتے میں تو مر گیا
ناک میں آیا دم اس آہ ستم تاثیر سے
حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے

بے تابی: بے چینی، بے قراری

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم
کس کی خبر اب آنے کی ہے کس لیے ہے یہ بیتابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے آتے ہیں اور جاتے ہیں
باعث بیتابی عالم نگاہ یاس ہے
چشم جادوگر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں
جب ترے کوچہ کا بیتابی دل سے پھرنا
یاد آتا ہے زمیں بوس قدم کرتے ہیں
دل مضطر کی بیتابی نے مارا
کہاں سے لاؤں اس آرام جاں کو
فرط ضعف و جوش بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشم ہر جوان و پیر سے
کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی
ان کو بے تابی ہے کیوں اس خواب بے تعبیر سے
رہی شب کی سی بے تابی تو ہر روز
چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے
یاں تاب کسے کہ خاک و خوں میں
بے تابی شوق نے لٹایا

بے تاثیر: بے نتیجہ، بے اثر

بنی ہے صور سرافیل آہ بے تاثیر
کہ میرے دم پہ قیامت نفس نفس گذرے
نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

بے تکلف: بے ساختہ، بے بناوٹ

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کششِ دل عاشقاں کی اس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ ناز اک قدم نہ ہوتا
کیا بے تکلف آئے صدا ہائے شمع رو
گر میرے آب اشک سے ہو نوحہ گر چراغ

بے تمیز: تمیز سے محروم، بدذوق، پست ذہن (مض)

بوئے سمن سے شاد تھے اغیار بے تمیز
اُس گل کو اعتبار نسیم و صبا گیا

بے جا: بے محل، بے موقع

سنے ہے دور عدالت میں اس کے شیر غریں
شبان کی ضربت بیجا سے نالش جاموس
کچھ انتہا بھی کواکب کے دور بے جا کی
ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماع نحوس
کس کی دل گرمی بیجا نے جلایا دل کو؟
کہ ہے خاکستر "گلخن" مری خاطر کا غبار
جائے تھی تیری مرے دل میں سو ہے
غیر سے کیوں شکوۂ بیجا کیا
میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم
نہیں میری جاں شکوہ بیجا کسی کا
جنت کی ہوس واعظ بے جا ہے کہ عاشق ہوں
جنت کی ہوس واعظ بیجا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں میر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا
جانے دو کہ بیجا ہے پشیماں کی شکایت
یہ ستم کیا غیر پر کرتا وہ سچ پوچھو تو ہے
یار کے ناز بجا سے شکوۂ بیجا ہمیں
میں اور وہ کوچہ لے گیا کس جاے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جاے دل کروں
گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں
تیرے سمند ناز کی بیجا شرارتیں
کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو
اس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوشِ قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بیجا نہ کریں گے
گلہ ہرزہ گردی کا بیجا نہ تھا کچھ
وہ کیوں مسکرائے بجا کہتے کہتے

بے جا: نامناسب، ناحق

میں اور وہ کوچہ لے گیا کس جاے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جاے دل کروں

بے جاں: مردہ، بے روح

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے

بے جرم: بے قصور

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

بے جگری: بہادری، دلاوری

جس نے مقابلہ کیا، بے جگری سے چل دیا
کیا کھلے ایک حملے میں گرچہ کھلے دلاوری

بے جگہ: خوفناک جگہ، خطرناک جگہ

دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل
کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل
اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

بے چین: بے کل، بے قرار

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام

بے حاصل: بے نتیجہ، بے فائدہ

فغاں کے دل بر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بے کار و سعی بے حاصل

بے حجاب: بے شرم، بے لحاظ

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخِ بے حجاب نے پردہ اُٹھا دیا

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے
اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں

ہر دم عرق عرق نگہ بے حجاب ہے
کس نے نگاہ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

ملے دشمن سے کیوں کر بے حجاب آپ
نہ شرم آئی مرے شوق نہاں سے

بے حجاب: بے تکلف، بے روک ٹوک

کیا کیجئے کہ طاقت نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

مشام غیر میں پہنچے ہے نکہت گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

غیر سے بے حجاب ملتے ہو
شب عاشق سحر نہ ہو جائے

ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصل گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں

بے حجابی: بے تکلفی

تا کہ ہو نو بہار میں قسمت رند مشرباں
مستی و بے حجابی و نغمہ زنی و مے خوری

بے حجابی: بے پردگی، بے لحاظی

بے حجابی کا گلہ کیجئے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

بے حجابیاں: جمع ہے بے حجابی کی۔ بے شرمی، بے لحاظی

پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ راز میں

بے حد: بہت زیادہ، بے انتہا

ناکامیوں کی کاہش بے حد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوقِ لب یار کم ہوا

بے حس: جس کو تمیز یا حس باقی نہ رہے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

بے حظ: بے مزہ، بے لطف

صلح عدو بے حظ تھی جنگ غلط فہمی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

بے حیا: بے شرم

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

بے حیائی: بے شرمی

وہ جنگ جو کہ اگر سیے رشک دشمن بھی
تو بے حیائی کے طعنے ہو جان کے قاتل

بے خبر: لاعلم ناواقف

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

بے خبر: غافل

میرے معاندوں حسود، ہرزہ ستائے رفتگاں
ہاتی خویش و بے خبر مست بہ لب کف آوری

کیا دیکھتا خوشی سے بے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت

جلایا آتش ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ

سخت کم بختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

بے خبری: بے ہوشی

بے خبری کہ یاد جس کی
تھی واجب و فرض اسے بھلایا

بے خبری: غفلت، لاعلمی

کہتا ہے مرے آگے وہ مجھ پہ عدو غش ہے
بے ہے مری الفت سے ہے بے خبری اتنی

بے خرد: بے عقل، بے وقوف

مومن ہے زبان، عرض احوال
میں نے تجھے بے خرد جتایا

پھلے پھولے ہیں بے خرد کیا دور
بید مجنوں بھی گر لے آئے ثمر

سوا امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بیسی و خری

بے خواب ہونا: بے نیند ہونا

ہوئے بے خواب آہ نیم شب سے تو لگے کہنے
کہ سوتوں کو جگا دیتے ہو تم بھی کیا قیامت ہو

بے خود: مست، سرشار

بے خود تھے، غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بے خود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی

وہ شام وعدہ جو آئے تو بے خود و سرمست
رہا وصال میں بھی وہ ہی انتظار مجھے

بے خودی: بے ہوشی، بے خبری

ہے بے خودیٔ دائم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیوں کہ مرا ہوتا

پوچھا ہے اس نے کیا مری بے خودی و قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں

خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں

کیوں نہ ہی خونابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لیے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی

بے خودی: مستی، سرشاری

نشۂ الفت سے بھولے یار کو
سچ ہے ایسی بے خودی میں یاد کیا

حیلۂ بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشۂ مُل کا

گر یہی بے خودی ہے صہبا میں
کون مشتاق سلسبیل ہوا

بے خودیوں: جمع ہے بے خودی کی، بے ہوشی، بے خبری

بس بس نہ کرو بات کہ یاد آئے ہے مجھ کو
ناصح سے جو کچھ بے خودیوں میں سنا ہے

بے داد: ظلم و ستم، جور و جفا

جس کو دیکھو سو مایۂ بے داد
کیا ہوا گر نہیں سیمیں بر

کردیا خواہش بیداد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار پہ میں ہوں مظلوم

وہ آئے بہرِ عیادت تو تھا میں شادیٔ مرگ
کسی سے چارۂ بیدادِ آسماں نہ ہوا

اُس روانی سے ذرا خنجرِ بیداد رہا
بارے اک دم اثر نالہ و فریاد رہا

دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا

کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا

خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم

ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بیدادِ چرخ
مرگئے مضمون جورِ یار جوں سوجھا ہمیں

بیمِ بیداد و ستم کچھ دلِ مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ گویا وہ صفِ محشر میں نہیں

خونِ دل پیتے ہیں خوگردۂ محنت اے کاش
ساغرِ دہر میں ساقی ہے بیداد بھرے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

بیدادگری: ظلم وستم، اور جور و جفا کا عمل

شکوہ کیا بیدادگری کا کیجئے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخمِ جگر دکھلاتے

بیدار: جاگنے والا، ہوشیار

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اِک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا
تھی خارِ راہ تیری مژگاں کی یاد پہر شب
تا صبحِ خواب چشمِ بیدار تک نہ پہنچا
شامِ فراق خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولتِ بیدار کی طرف

بیداری: جاگنے کا عمل

تھی کمیں میں غارتِ بوسِ دہن ہنگامِ خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا
مبارک خفتگانِ خاک کو تصدیعِ بیداری
کہ گورِ تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی

بے درد: ظالم، سنگدل

خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
شاد شاد آئے عیادت کو دمِ آخر تم
ایسے بیدرد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار
خوں بہا قاتلِ بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں
دیں پاکیٔ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسفِ بیدرد کا اعجاز تو دیکھو
محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمنِ جاں
مجھ پہ جب تا صبح بیدرد کو پیار آجائے

بے دردی: ظلم، بے رحمی

لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

بے درماں: لاعلاج

دردِ بے درماں مرا منت کشِ مرہم نہیں
داغ نو ہے چارۂ داغِ کہن کی فکر میں

بے دری: دروازے کا نہ ہونا

ایسی وحشت سرا میں آئے کون
بے دری کر رہی ہے دربانی
وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری

بے دم: بے جاں

بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے
دروازے میں آجھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

بے دماغ:

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغِ عطرِ گریباں نہیں رہا

بے دوا: جس کی دوا نہ ہو، لاعلاج

بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل

بے دید: بے مروت، بے لحاظ

صورت دکھایئے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجھلا کے خواب میں
منظورِ نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
میرے احوال پر نگاہ نہ کی
آجھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر
میں نہ مانوں گا کہ چشمِ آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روئے غیر اپنے کفِ پا دیکھ کر
زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

بے ڈھب: بے طور، بے طرح

مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

بے رحم: بے درد، ظالم

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا
بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرسائے دل کروں

بے رضا: بلا اجازت
گر تری بے رضا کرے گردش
ٹوٹے دو لاب چرخ کا محور

بے روئے: بغیر آنسو بہائے
بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

بے زار: ناخوش، ناراض
ننگ نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سروکار
چھوڑ دوں آج وفا گر ہو وفا سے بیزار
گیند کیا چرخ، ترے حکم کے چوگاں کے لیے
لامکاں کیوں نہ پر تنگ بہت ہے مضمار
تا کہ ہوجائے ہر آزار کا مصدر ایک ایک
سخت نحسیں کو ہے دفع طبیعت پہ قرار
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا
صبر نہیں شامِ فراق آچکو
جس سے کہ بیزار تھے تم سو گیا
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم
کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں
بیزار ہے سوز عشق سے جی
کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر
کہ بیزار وہ سحر گلشن سے ہے
بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

بے زر: مفلس محتاج
نہ کوئی مایہ دار حسن اتنا
نہ کوئی مجھ سا عاشق بے زر

بے زری: مفلسی محتاجی
بے زری سے مری تجھے حاصل
کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی
کیوں کہ ہو عذر بے زری مقبول
ہے خلاف قیاس برہانی
جور سہوں، وفا کروں، حق وفا ادا کروں
یہ نہ کروں تو کیا کروں قہر ہے عشق و بے زری

بے سبب: بلا وجہ
وہ شوخ بے سبب آزار و بے گنہ، خوں ریز
کہ جرم قاتل "عثمان" کا نہ ہو قائل
وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں کیا
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا
کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جواب نہیں
سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہُوا
مشام غیر میں پہنچے ہے نکہت گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

بے ستوں: ایران کا ایک پہاڑ جس کو کاٹ کر فرہاد نے جوئے شیر نکالی تھی
ہے پئے اشتیاق ویرانی
شاہ فرہاد و بے ستوں کشور
سر پہ یہ کوہ غم گر اُٹھاتا تو بوجھ سے
دھس جاتے بے ستوں میں فرہاد کے قدم
مزہ خواب عدم کا بے ستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

بے ستوں: بغیر کھمبے کے، بغیر ستون کے
کیوں کر نہ ہو تیری آس تو نے
افلاک کو بے ستوں تھمایا

بے سروساماں: محتاج، مفلس

حکم سے اس کے بے سر و ساماں
سر جم سے اتار لے افسر

اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجیے گا تو احساں ہوگا

بے سمجھ: کم عقل، نادان

تو نہ جانے عشق بازی اور ہم نادان ہوں
بے سمجھ کہتا ہے ناصح تو نے کیا سمجھا ہمیں

بے شمار: شمار سے باہر، بہت زیادہ

حساب دفتر احساں کا اس کے مشکل و سہل
کہ بے شمار ہے گو ہے فقط مد فاضل

بخشش بیشمار سے مشکل
ہے دبیر فلک کو دیوانی

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غم روز حساب نے مارا

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے

بے صرفہ: بے فائدہ

آز بے صرفہ میں افلاک ہیں کیوں سرگرداں؟
کب ہوا ایسے شریروں کو ترے بزم میں بار؟

ہووے فریاد رسا، سمع خراش قاروں
پر ترحم، کہ ہے بے صرفہ نہ آئے زنہار

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

بے طاقتی: ناتوانی، کمزوری

میری نگاہ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنش ناز دیکھنا

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تاب التفات
بے ہودہ فکر جور و امتحاں ہے اب

اس کو میں جو مریں گے مدد اے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

نے دوشکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ

بے طرح: حد سے زیادہ، بری طرح

اُسے خو پڑ گئی بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گ

بے طمعی: لالچ کی صفت کا نہ پایا جانا

ایک جہاں گدائے در اور وہ سب جو معتقد
بے طمعی سے شیخ وقت، جس کا سوال قیصری

بے طور: بری طرح، بہت زیادہ

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

بے قرار: پریشان، بے چین، بے کل

تھا میں برنگ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہو گیا مجھے آرام جب ہوا

صبر کر صبر ہو چکا جو کچھ
اے دل بے قرار ہونا تھا

بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل

ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلف خم بہ خم کیوں کر کریں

مضطر وہ گل جو میرے دم سرد سے ہوا
کیا کیا شمال و باد صبا بے قرار ہیں

بقدر جوش تڑپنے کو تھا و لے پس قتل
وہ بے قرار ہوئے آگیا قرار مجھے

بے قراری: پریشانی، اضطراب

گر تیری طرف کو بے قراری
کھینچے گی تو لوٹ جائیں گے ہم

بے قراری: بے کلی، بے چینی

بات شب کو اس سے منع بیقراری پہ بڑھ
ہم تو سمجھے اور کچھ وہ اور کچھ سمجھے تھ
کیا تجاہل ہوں اب علاج بیقراری کیا کرو
دھر دیا ہاتھ اس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا

فراق غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنایا تو نے اُس کو بھی دل بے تاب اپنا سا

تاثیر بے قراری ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج

لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بد خوئی نے ظالم کردیا بد خو ہمیں

ہوئی تاثیر آہ وزاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

کیوں رم جانا نہ کے بدلے ہے از خودرفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

بے قدری: حق ناشناسی

کس قدر ،،حکمت اشراق،، سے جی جلتا ہے؟
ہوگئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

بے کاری: خالی ہونا، خانہ نشینی

بے سیر دشت بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اُس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا

بے کس: تنہا، بے یارومددگار

نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریاد بیکس میں

بے کسوں: بے کس کی جمع۔ تنہا، بے یارومددگار

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سر کشتگان شمع

بے کسی: تنہائی، بے یاری ومددگاری

بے کسی نے نہ دیا بارے تہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا

بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرف شیون ہوگیا

بے کسی کیوں ہے نعش پر مجمع
کیا ہوئی تو مری پیاری آج

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم

دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑ دے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں

بیکسی دیکھو وفور اشک عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں

خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

بے گانگی: غیرت، بے تعلقی

آشنا سے ہوگئے بیگانگی جاتی رہی
ہوگئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

بے گانگیوں: جمع ہے بے گانگی کی۔ غیرت، بے تعلقی

پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

بے گانہ: غیر، پرایا

میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

بے گانہ نہ رکھنا: لاعلم رکھنا

نہ رکھ بیگانۂ مہر امام اقتدا سنت
کہ انکار آشنائے کفر ہے اس کی امامت کا

بے گانہ وار: اجنبی کی طرح

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

غصہ بیگانہ وار ہونا تھا
بس یہی تجھ سے یار ہونا تھا

بے گریہ: بغیر روئے ہوئے

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

بے گناہ: بے جرم، بے قصور

ہوں بے گناہ و لے خوں بہا معاف کیا
کہ وارثوں سے کہیں ملتفت نہ ہو قاتل

تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلاد آ گیا

بے گناہاں: جمع ہے بے گناہ کی۔ بے قصور، بے جرم

شفیع بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی
بھلا کوں تو کروگے پہلے تم شمشیر تو کھینچو

بے گناہ کشی: بے قصوروں کو مارنے کا عمل

فریاد بے گناہ کشی جا بجا کروں
گر وہم جاں نثاری پیغام بر نہ ہو

بے گنہ: بے جرم، بے قصور

ہیں گدا پر غرور شیرویہ
بے گنہ جو کیا ہے خون پدر

وہ شوخ بے سبب آزار و بے گنہ، خوں ریز
کہ جرم قاتل ''عثمان'' کا نہ ہو قائل

العطش زن سپہر و یارو عدو
بے گناہ خوں مرا سبیل ہوا

کیا ہوا ہو اگر وہ بعد امتحاں اپنا
بے گنہ سزا پائے اب وہ دل کہاں اپنا

ہوں سزاوار ستم میں نے کیا ہے جرم عشق
بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعزیز سے

بے مثال: لاجواب

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

بے مروت: بے لحاظ، جس کو کسی کا پاس نہ ہو

بے مروت مری نظروں میں ہیں انداز ترے
آج کل کچھ نگہ لطف ہے سوئے اغیار
مگر رقیبوں نے سر اُٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

بے مروت ناتواں ہیں ہنس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانئے کیا دیکھ کر

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک زنی کیا کیا
نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو

بے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

ستم پیشہ بد خو ہے ستم گر ہے جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستوں اس بے مروت کی

بے مزہ: بے لطف، خراب

لب کو مثال کس سے دوں، لعل و عقیق بے مزہ
گل میں کہاں یہ تازگی مل میں کہاں یہ احمری

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ برے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا

شور اُلفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لب شمشیر پر تبخالہ تھا

کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق ہیں تجھے لائق دشنام ہم

بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں

بے نالہ: بغیر فریاد کے

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

بے نصیب: بے بہرہ، جسکو کوئی حصہ نہ ملا ہو

ہیں یہ سگان جیفہ خوار، مغز سخن سے بے نصیب
کافر استخواں پرست، طرفہ سگی و کافری

بے نظام: بے بندوبست

''راجہ اجیت سنگھ'' نام، کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام، کار جہاں کی ابتری

بے نظیر: لاثانی، لاجواب

Scanned with CamScanner

شاعر بے نظیر ہوں، سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمونۂ معجزہ پیمبری

بے نمک: بے مزہ

ہجو ملیح غیر سمجھ کر مزے اٹھائے
خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دل فگار ہیں

بے نیاز: مستغنی

وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے پس محمل

بے نیازی: بے پروائی

اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رلایا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تونے مومن بتوں کو کیا جانا
خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے ناز بتاں سے

بے وفا: بدعہد، وہ شخص جو دوستی کا پکا نہ ہو

وہ بے وفا کہ مکر جائے جاں شکستن تک
کرے جو وعدہ روز جزا دم بسمل
بے وفا، بوالہوس اور آپ ستمگر، سچ ہے
نہ تمہارا کوئی عاشق نہ ہمارا کوئی یار
روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مر گئے
اب تو خوش ہو بے وفا تیرا ہی لے کہنا کیا
جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بیداد کیا
بے وفا کہنے کی شکایت ہے
تو بھی وعدہ وفا نہیں ہوتا
ہے یہ بندہ ہی بے وفا صاحب
غیر اور تم بھلے بھلا صاحب
سید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں
ہم سے وفائے زندگی بے وفا عبث

چشمِ نرگس بدنظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیرِ گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر
وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگسِ شہلا کاغذ
تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخ بے وفا تو وفا دار ہے غلط
کیا جذبِ انتظار کی تاثیرِ بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط
آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
با وفا حسن بے وفا ہے عشق
غیر ہے بے وفا پہ تم تو کہو
ہے ارادہ نباہ کا کب تک
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل
ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آ گیا خلل اپنے نباہ میں
بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں
کب تک نبھایئے بت نا آشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ
تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ
رشک دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا
کب تلک کوئی نہ بگڑے حال گھرا جائے ہے
تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی
پھر کس نے مسکرا کے مجھے بے وفا کہا
کیوں کہہ رہا ہوں بندہ تو صاحب غلام ہے
صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

بے وفائی: بے مروتی، دوستی کا یکانہ ہونا

بے وفائی ہے سرشت اس کی سو وہ ہم میں کہاں
ہم مزاجی کے سبب سے غیر اپنا ہوگیا

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریکِ زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

بے وفائی ہوئی وفا کا سبب
غیر سے ہے وہ بدگماں افسوس

میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑنا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے

دام عاشق ہے دل وہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی

بے وفائی کا عدو کی ہے گلہ
لطف میں بھی وہ ستاتے ہیں مجھے

بے ہراس: بے خوف، بے خطر

بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس
لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا

بے ہودہ: لغو، بے کار

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تابِ التفات
بے ہودہ فکر جور و سر امتحاں ہے اب

بے ہودہ سری: لغویات

سجدہ نہ کہیں کرنا مومن قدم بت پر
کعبے ہی میں ہوتی ہے یہ بیہودہ سری اتنی

بے ہوش: ہوش و حواس سے عاری

جلوہ افزائی رخ کے لیے مئے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

بے ہوش ہے عاشق پہ سیہ مست سے کمتر
تم مجھ کو تو کہتے ہو پہ اپنی بھی خبر ہے

بہ ایں یمن قدوم: قدموں کی اس برکت کے ساتھ (یہ الفاظ یہاں طنزاً استعمال کیے ہیں۔ ورنہ مراد قدموں کی نحوست)

محتسب آپ کے آنے سے ہوئے دیر خراب
قصد کعبے کا نہ کیجئے گا بہ ایں یمن قدوم

پا: پانو

تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

پائے خم ہی تھی سزاوار یہ زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سر ناپاک پہ اپنی دستار

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو

نقش پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

پائے طلب شکستہ نہ کوتاہ دست شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے
نقش پا پر نقش پا ظالم کف افسوس ہے

نہ دینا بوسۂ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتناز میں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے
جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے
پھر کچھ صدائے پا سے دل مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے
تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلّاد آگیا

پابند: مقید، گرفتار

جوشِ وحشت ہے پہ ناصح نے پنہانا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم
یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا
سبک روح تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ہے
شمیم گل کی نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو

پابوس: قدم چومنا

تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلّاد آگیا
پابوس یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویرِ میری چوم لے بہزاد کے قدم
ہوا ہے کون سی ایسی مگر "مدینے" کی
دم مسیح کو ہے جس کی حسرت پابوس
خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس
آز پابوس میں پئے خورشید
ذروہ اوج ، پایہ منبر
پابوس گر کرے مرے خامے کا بند ہوں
شیرینی سخن سے لب خوش بیان تیغ

پابوسی: قدم چومنے کا عمل

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو شکل برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے
نقش پا پر نقش پا ظالم کف افسوس ہے

پار: اس طرف، دوسری طرف

بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں

پارسا: پرہیزگار، متقی

مئے نہ اُتری گلے سے جو اُس بن
مجھ کو یاروں نے پارسا جانا
ہوگئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں
اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

پارسائی: پرہیزگاری

بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی

پارہ پارہ: ٹکڑے ٹکڑے

یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہوگیا
صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

پاس: لحاظ، مروت

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا
رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا
پاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ
کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے
پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
یارانِ نو کے واسطے مجھ سے خفا ہوئے
تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا
گر پاس ہے لوگوں کا تو آجا کہ قلق سے
ہے لاش کہیں اور کہیں مدفن ہے ہمارا
نیند آگئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمانِ خواب پریشاں نہیں رہا

سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیوں کر کریں
کچھ بھی کیا نہ یار کی تسکیں دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہ کن سے ہے
گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے
کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں
اہلِ ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں
میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امیدِ حشر، مرگ علاجِ مضطری

پاس: قبضے میں

سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلا دوں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہے کیا کیا کاغذ
کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

پاس: قریب، نزدیک

دور نصفت میں تیرے، فتنے کا
پاس "اصحاب کہف" کے بستر
خوف و عصمت سے تیرے آئے جو پاس
شمع پروانے کے جلادے پر
صبح کی جب بہار ہے ساقی غنچہ لب ہو پاس
مے سے عذار لالہ رنگ، لب مذاق شکری
دیتے تکلیف شب ہجر میں کیا اپنے پاس
نقدِ جاں پیش کشِ مرگ کے قابل نہ ہوا
تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا
پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر
ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہوگیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار
جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بدتمیز
چین نہیں کیوں نہ ہو فرش میں چین ہے ہنوز

موت بھی آنہ پھری پاس ہمارے شبِ ہجر
سچ تو یہ ہے کہ برے وقت میں کیسا اخلاص
گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آ پہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک
اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلون نظارہ دم بدم کیوں کر کریں
رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کیے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں
شب وہ جو سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں
تری دوری میں بھی کیا جائے جاں اس پاس جانا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے
شیخ حرم سے کام نہ پیر مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو
بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ
چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی
جلا جگر تپ غم سے پھنکے جان گئی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن گئی
کچھ بھی کیا نہ یار کی تسکیں دلی کا پاس
سب کاوشِ رقیب بجا کوہ کن سے ہے
ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے
اسے غیر کے پاس سنتے نہیں ہیں
زیادہ ہمیں ہوش سے ہے بہائے بے غش

پاس آنا: لحاظ آنا

محشر میں پاس کیوں دم فریاد آ گیا
رحم اس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آ گیا

پاس پھٹکنا: قریب جانا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے

پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

پاسباں: چوکیدار، دربان

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسبان ہیں زندانیوں میں ہم

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پہ کیا کیا
وگرنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے

رہی شب کی سی بے تابی تو ہر روز
چرائیں گے ہم آنکھیں پاسباں سے

پاسبانی: چوکیداری، محافظت

کہیں میں ہے مومن وہ کافر صنم
بس اب پاسبانی دیں ہو چکی

قصر جاہ و جلال میں تیرے
فخر کیواں ہے پاسبانی در

پاسخ: جواب

کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پاسخ پیغام نہ ہوگا

پاش پاش: ٹکڑے ٹکڑے، ریزہ ریزہ

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل

تنگی وہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہوسکا

نہ تن ہی کے ترے نسبمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

پاک: ستھرا، بےلوث

زمانہ مہدیِ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

پاک دامن: باعصمت، بےگناہ

پاک دامن ہو تو بدگو کے نہ دم آتا
سنتے ہیں لوط کے مہماں کوئی افتاے لزوم

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا

پاک گوہری: ذات کی پاکیزگی، اصل کی پاکیزگی

بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری

پاک نظر: اچھی نگاہ سے دیکھنے والا، اچھے ارادے سے دیکھنے والا

ہیں پاک نظر ہم تو وہ لے ذوقِ فزا عشق
بے چاشنی بوسۂ دشنام نہ ہوگا

پاکبازی: بےگناہی

پاک بازی کی طمع ہم سے گنہ گاروں سے
کیا ہوئے عشق میں اے زہرہ جبیں وہ معصوم

پاکدامانی: پارسائی، عفت بےگناہی

داغ ہے تیرے جام عشرت سے
گل داماں کی پاک دامانی

پاکی دامن: عصمت وعفت، بےگناہی

دیں پاکی دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھو

پالا پڑنا: واسطہ پڑنا، سابقہ پڑنا

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

پالغز: پانو کی لغزش، خطا

پالغزِ محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا
اُس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

پامال ر: روندا ہوا، تباہ و برباد

پامالِ ستم ہے دلِ ناکام کے ہاتھوں
کس منہ سے کروں ولولۂ جاں کی شکایت

کونسا گذرا یہاں سے شہسوار نازنیں
سبزۂ تربت مرا پامالِ توسن ہوگیا

تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

پامال کیجئے شوق سے پر بزم خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاک میری در بدر نہ ہو

اب شوق وصل ہے نہ غم قرب مدعی
پامال ہو چکا ہوں عبث سرگراں نہ ہو

مجھ کو پامال کیا کیوں نہ فزوں ہو عزت
دود افغاں سے ملی پیر فلک کو خرطوم

حاتم و معن پائمال اس کے صف نعال میں
صدر نشین بزم کام بخشی و فیض گستری

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

یہ کیا طاقت کہ اب بھی محتسب پامال کرڈالے
ملا تو خاک میں پر ہے وہی توقیر شیشہ کی

تا صبح کف افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

کثرت سجدہ سے وہ نقش قدم
کہیں پامال سر نہ ہو جائے

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم

ہوتے ہیں پائمال گل اے بادِ نو بہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

پامال: رسوا، ذلیل

مت رکھیو گردِ تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا

پان: برگِ تنبول

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ میرے خون کا دعوا کیا

نوید مرگ انہیں جو ہیں زخمی لب یار
کہ رنگ پاں سے ہوے اور لعل خنداں سرخ

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

لب پہ حرف آرزو کا خوں ہوا
رنگ پاں کا منہ لگا تا چھوڑ دے

پانا: تاڑ جانا، پہچاننا

شب تم جو بزم غیر میں آنکھیں چرا گئے
کھوئے گئے ہم ایسے کہ اغیار پا گئے

پانا: حاصل کرنا، وصول کرنا

لکھئے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر
ذرہ پائے رواج خوردہ زر

نہ صلہ مدح کا پایا، نہ غزل کا انعام
ہائے تاکائی یاقوت و لب لعل نگار

یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو
پایا ہر شئے میں پر نہ پایا

چکر میں ہے عقل عرش اعظم
اس نے بھی مگر تجھے نہ پایا

ہم ہیں اور عشق حقیقی کہ بجز ذات خدا
نہیں پایا کہیں دنیا میں وفا کا مفہوم

زمانہ مہدیِ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اس کو رنج و الم نہ ہوتا

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خوگر وہ تھا بہ تاب و تپ شعلہ ہائے داغ

نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کہا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم

چاہتا قاتل کو ہوں روز جزا
چاہ کی اب تک مزا پائی نہیں

کشتۂ غیرت ترے پانی چوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں

مزہ خواب عدم کا بیستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصالِ غیر نے پایا نہیں ہنوز

صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہو گئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع

کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق ہیں تھے لائق دشنام ہم

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

یکساں ہے شام غربت و صبحِ وطن اثر
پائیں فغانِ شب میں نہ آہ سحر میں ہم

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو

پانو: پیر، قدم

کیا صعب گذار ہے رہ حمد
جبرئیل کا پانو لڑکھڑایا

کتنی ہی قضا ہوئیں نمازیں
پر سر کو نہ پانو سے اٹھایا

براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پانو سے محسوس

حساد سر سے پانو تک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ

سینے پہ روے دلبراں، بر میں قباے رتمی
پانو پہ فرق سروراں، سر پہ کلاہ سروری

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرساے دل کروں

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پانو دقت کا

مل جاے گر یہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک
گل کی تھی کیوں کہ پانو وہ نازک پھسل گیا

اُلجھا ہے پانو یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

پانو زنداں سے اٹھے کیا سر اُٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہو گیا

مہندی ملے گا پانو سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

دھر پانو آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

بس نازکی ضعف کہ گلگشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پانو میں گل خار کی طرح

زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سرخ

جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پانو سے گئے مدفن میں ہم

عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیرا اکثر ہم

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرسائے دل کروں

اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھنے ہم
عدم میں جاتے ہیں گو پانو کا نشان نہیں

دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پانو اٹھاتے کیوں ہو

رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں کیا پانو ہے کیا ہاتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ

پانی پانی ہونا: شرم سے پسینے پسینے ہو جانا

چشمۂ حیواں بنا اُس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی بس کہ اعجازِ مسیحا ہو گیا

یاد آیا سوئے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موج دریا دیکھ کر

سوزشِ دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

قلزمِ جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہائے کفِ دست کے، موج انہار

پانی چوانا: جانکنی کے وقت پانی منہ میں ٹپکانا

کشتۂ غیرت ترے پانی چوانے سے بے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوقِ خونِ دشمن آب میں

پائمال: روندا ہوا، تباہ و برباد

ہوتے ہیں پائمال گل اے بہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح

اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

حاتم و معن پائمال اس کے صفِ نعال میں
صدر نشینِ بزمِ کام بخشی و فیض گستری

پانو پڑنا: خوشامد کرنا

وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پانو پڑوں کس کس کے

پائے خم: شراب کے مٹکے کے نیچے (ض)

پائے خم ہی تھی سزاوار یہ زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سرِ ناپاک پہ اپنی دستار

پایہ: درجہ، رتبہ، قدر

بڑھا یہ پایۂ الہام رائے صائب سے
کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پانو وہی خارِ مغیلاں ہوں گے

جی ہی مانند نشانِ کف پا بیٹھ گیا
پانو کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

رہا اس کو میں مٹی یار لے جائیں تو لے جائیں
کہ پڑتا پانو مانند نشانِ پا زمیں پر ہے

پانو تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگِ ستم سے پیکے

بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

پانو پھسلنا: پانو رپٹنا، لغزش ہونا

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خارِ ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پانو دقت کا

مل جائے گر یہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک
گل کی تھی کیوں کہ پانو وہ نازک پھسل گیا

پانی: آب

وفورِ اشک و طغیانِ فغاں ہے
کدھر جاؤں ادھر پانی اُدھر آگ

پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں

شمع ساں میں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گرگ
غمِ تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار

اٹ گئے جوشِ و نہر غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

پانی بھرنا: اطاعت کرنا

شمع پہ کچھ نہیں موقوف کہ سارے خادم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

پانی بھرنا: شرمانا، منفعل ہونا

اے سوزِ گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع

کرم اس کا ہو اگر پایہ فزاے اعداد
ذرہ عرش کو بھی صفر گنے حد شمار
پایہ ترے مدیح شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارک سر پر زبان تیغ
وہ ترا پایہ ہے اے شاہ جوانان بہشت
کہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم
قیمت حسن یوسفی، میرے سخن کا رونما
ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، مایہ فزاے مشتری

پایہ: ستون
پایہ عرش پہ ہو کیوں نہ غلاف؟ اطلس چرخ
پوشش ساق نبی تیری حیا سے ہے ازار
آز پابوس میں پے خورشید
ذرہ اوج ، پایہ منبر

پایہ سنج: اہل کمال کے کمال کا اندازہ کرنے والا
پایہ سنج کمال اہل کمال
فارق قلزمی و عمانی

پابندی: عادت، کو، لحاظ، خیال
نہ امیروں کو پابندی عدل
نہ رعایا مطیع و فرماں بر

پتلی: آنکھ کا گول سیاہ حصہ
سرمۂ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہوگیا

پتھر: سنگ
سوزش دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھر لاتے ہیں
موم کے مانند آتش غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں
کرتے ہیں آواز زنجیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھنکاتے ہیں
جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ
وہ سر جو کل تیرے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے

رکھ لیویں گے پتھر مگر ان سنگ دلوں کو
چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے
پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد ہم نہان تیغ

پٹکا: پٹی، کمر بند
ہے سرخ پٹکا اور خونِ غیر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر میرے کمر نکلے ہو گھر سے باندھ کر

پٹکنا: کسی چیز کو دوسری چیز پر مارنا
تری دوری میں بھی کیا جاے جاں اس پاس جانا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے

پٹی: کاغذ یا کپڑے کی چوڑی لانبی دھجی
جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

پختگی: مضبوطی، پکاپن
اس سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالات خام کو

پدر: باپ
ہیں گدا پر غرور شیرویہ
بے گنہ جو کیا ہے خون پدر

پدری عنایتیں: باپ جیسی شفقت رکھنے والا
چرخ نے جیسے جیتے جی کیں پدری عنایتیں
خاک کرے گی بعد مرگ، ویسی ہی مہر مادری

پذیرائی: قبولیت، منظوری
ہے دعا بھی بے اثر گویا کہیں
عرض عاشق کی پذیرائی نہیں

پر: پنکھ
لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائر مجنوں کے پر میں ہم
اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

پرتاثیر: پراثر، بانتیجہ

گرائے اشک پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے

پُر غرور: بہت زیادہ مغرور

ہیں گدا پر غرور شیرویہ
بے گنہ جو کیا ہے خونِ پدر

پُرفریب: دھوکے سے بھرا ہوا

وہ پُرفریب کہ ہو دل نشیں تغافل ناز
ہمیشہ حالت عاشق سے گرر ہے غافل

پرتو: روشنی

نے عقل بسیط اس کا پرتو
نے نور مجرد اس کا سایا
اس کا مرے دل پہ ایک پرتو
جس شعلے نے طور کو جلایا

پردا: فکر، لحاظ

ہزار داغ ہو پروائے آفتاب کسے
پرستش گل خورشید میں ہے گرم مجوس
نہ ہو جب کہ میرا خیالِ وفات
تو کیا اس ستم گر کو پروائے غش

پردہ: آنکھ کی جھلی

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست ہوس سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا
بے حجابی کا گلہ کیجئے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا
وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دمِ بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

پردہ: حجاب، اوٹ، آڑ

دل میں شوق رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
چارہ جو اور بھی اچھا میں کروں گا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوندِ گریباں ہوگا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

ہو صرصرِ فغاں سے نہ کیوں گرد مضطرب
مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا
جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردۂ تو بر تو افلاک چلمن ہوگیا
مشق کرتے ہیں وہ کیوں لفظ نظر بازی کی
پردۂ دیدۂ مشتاق ہے یہ یا کاغذ
چاک سراپردہ سے جھانکتے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محرابِ در شغلِ جبیں ہے ہنوز
یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہوگیا راز عشق بے پردہ
اس نے پردہ سے جو نکالا منہ
یاں جلایا جی حجابِ شمع رو نے اور یہ
سوز پروانہ کو مانع پردۂ مانوس ہے
یہ پردہ نہ ہو نیش زنبور کا
مشبک مرا سینہ چلون سے ہے
پردہ کی کچھ حد بھی آئے پردہ نشیں
محمل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

پردہ اٹھا دینا: چلمن یا چک دور کردینا

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

پردہ اٹھانا: بے تکلف ہوجانا، حجاب دور کرنا

ہاں پردہ اٹھا ورنہ کھلا شوق نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ

پردہ اٹھانا: راز کھول دینا، اصلیت ظاہر کردینا

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب
دم ہائے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

پردہ پڑ جانا: اندھا ہوجانا

جو نقاب اٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

پردہ پوشی: عیب پوشی، عیب چھپانا

پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شب بوالہوس سیاہ نہ کی

پردہ چھوڑنا: پردہ گرانا

اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ہے پردے کا بھی چھوڑنا عبث

پردہ در: عیب ظاہر کرنے والا، راز افشا کرنے والا

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہوجائے

پردہ در ہونا: پردے کو چاک کردینا،

پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثل صبح چاک گریبان شام ہے

پردہ دری: راز ظاہر کرنے کا عمل، راز کھولنا

تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا

پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہوکہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جان نہفتہ راز میں

منہ کو نہ سیا ناصح کی بخیہ گری اتنی
لوں میں ابھی لتے ہیں پردہ دری اتنی

پردہ نشیں: چھپنے والی عورت، پردے میں بیٹھنے والی عورت

بسکہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

مرگ نے ہجراں میں چھپایا ہے منہ
لو منہ اسی پردہ نشیں کا کیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بت پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غم پنہاں نہیں رہا

اے پردہ نشیں چلون اُٹھادے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوزِ غم پنہاں کی شکایت

جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کی پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

لب پہ دم آیا ولے نالہ نہیں ہے ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

موت بھی ہوگئی ہے پردہ نشیں
راز رہتا نہیں نہاں افسوس

اس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع

آفت جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آچھپا ہے عشق

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

بسکہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم

تو خبرلا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

وحشت ہے عشقِ پردہ نشیں میں دمِ بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم

بس کہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

اہل ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں

پردہ نشین کے عشق میں پردہ دری نہ ہوکہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ راز میں

کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا سبھی چاک گریباں ہوں گے

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہوجائے

کس وقت کیا مردمک چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب
دم ہائے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

پردہ کی کچھ حد بھی آئے پردہ نشیں
کھل کے مل بس منہ چھپانا چھوڑ دے

ہاں پردہ اٹھا ورنہ کھلا شوق نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ

پردے: جمع ہے پردہ کی۔ حجاب، آڑ

صرف دلق گدا ہوئے پردے
زینت افزائے کاخ سلطانی

وہ علی الرغم عدو مجھ پہ کرم کرتے ہیں
بے ستم لطف کے پردے میں ستم کرتے ہیں

پردے: جمع ہے پردہ کی۔ وہ کپڑا وغیرہ جو دروازے پر آڑ یا زیبائش کے لیے ڈال دیتے ہیں۔

صرف دلق گدا ہوئے پردے
زینت افزائے کاخ سلطانی

پرساں: خبر گیری، فریادرس

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

پرستش: عبادت

ہزار داغ ہو پروائے آفتاب کسے
پرستش گل خورشید میں ہے گرم مجوس

تری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر
چھوڑ دیویں پرستش آذر

عشق بت میں خود اب تو در خور پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

پرسش: دریافت، خبر گیری

تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں

کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسش حال داد خواہ نہ کی

پرکالہ: ٹکڑا، حصہ

آبلے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

پرنیاں: ایک قسم کا ریشمی کپڑا

یا یہاں پرنیاں و اطلس سے
جلوہ گر تھی سپہر سامانی

گل پیرہنوں کی آرزو نے
اکثر خز و پرنیاں پنہایا

پرواز: اڑان

اڑتے ہی رنگ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

ہم دام محبت میں ادھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

پروانے: جمع ہے پروانہ کی۔ پتنگہ

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوال سوز دل اُسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلہ زخم جگر چراغ

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

پروانہ: پتنگا، مجازاً عاشق

بن تیرے اے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا

دل گرمی فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال مرے امتحان شمع

محفل فروز تھی تپ و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع
ہوں داغ بدگمانیٔ دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع
اس مہروش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ
سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل
جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمع تربت ہو
یاں جلایا جی حجابِ شمع رونے اور بھی
سوزِ پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے
بختِ پروانہ قربانِ عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے
خوف و عصمت سے تیرے آئے جو پاس
شمع پروانے کے جلا دے پر

پروانہ وار: پروانہ کے مانند
پروانہ وار گرمِ تپش ہیں قلق سے ہم
تم شوخیوں سے شعلۂ بیتاب جستہ ہو

پروبال: پرندے کا پر
مرے خط میں شکایت اُس کے شہبازِ نظر کی ہے
پرو بالِ کبوتر ایک اک لکھ دوں نہ ٹھہرے گا

پروردہ: تربیت یافتہ، پلا ہوا
پروردۂ وفا سے ہو کب ترکِ عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

پرونا: سوراخ دار چیز میں ڈورا ڈالنا
کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوقِ اجل پروئے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں

پرویز: خسرو بادشاہ کا نام جو نوشیرواں کا پوتا اور شیریں کا عاشق تھا۔
ملک "پرویز" چاہیے تھا مجھے
اسے "شیریں" خشم کیا تھا اگر

پرہیز: احتراز، دوری، علاحدگی، مضر چیزوں سے بچنا
منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے
پرہیز سے اس کے گئی بیماریٔ دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے
شوق کم ملنے سے اندوہ فزا ہوتا ہے
ہائے پرہیز سے یہ درد سوا ہوتا ہے
گر آرزوئے وصل نے بیمار کیا تو
پرہیز کریں گے پہ مداوا نہ کریں گے

پری: خوب صورت عورت کے لیے، مجازاً معشوق
کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں تری الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں اربابِ ہنر بند
لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال
باندھیں گے نامہ طائرِ مجنوں کے پر میں ہم
وحشت ہے عشقِ پردہ نشیں میں دمِ بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم
لاش پہ آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے
آئینہ صد گلۂ آئینہ گر کرتا ہے
پری لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے
چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ہے
عجب نہیں ہے گل رنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس
ذکرِ انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر
ہے بجا دیجیے اگر تجھ کو سلیماں سے مثال
کہ مسخر ہے پری اور اور ہوا ہے محکوم

جمع جو تجھ میں عدل و حسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری
میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

پری رخسار: پری جیسے چہرے والا، حسین، خوب رو
جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردۂ تو بر تو افلاکِ چلمن ہوگیا

پری رخی: حسن و جمال، خوب صورتی
جمع جو تجھ میں عدل و حسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری

پری رو: پری جیسے چہرے والا، خوبصورت، حسین
اک نگاہ سرسری دیوانہ ہم کو کرگئی
گردشِ چشمِ پری رو ساحرِ بنگالہ تھا
ہم نفس کیوں کہ مسخر وہ پری رو ہوگا
نام اہل ہوس اور افسوں گر میں نہیں
کس پری روئے ستم گر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے
وحشت چشم پری رو دیکھنا
بچ گیا جی سرمۂ تسخیر سے

پری رو: خوب صورت، حسین
جنون عشق پری روئے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

پری زاد: خوبصورت، حسین
لے چلا جوشِ جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پہنائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آگیا

پری طلعتاں: پری طلعت کی جمع۔ پری رو، خوب رو
بیکاری امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبار حسرت و حرماں نہیں رہا

پری وش: پری کی طرح خوبصورت
ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
اس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے
تجھ کو دکھلاؤں تماشا، میں جنوں کا اپنے
آرہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار

پریشانی: پراگندہ ہونے کی صفت
تیرے دشمن کے واسطے عاشق
زلف جاناں سے لے پریشانی

پریشانی: دکھ، مصیبت
ایک دن یوں ہجوم یاراں تھا
جیسے اب مجمع پریشانی

پریشانیوں: جمع ہے پریشانی کی۔ اضطراب، انتشار
الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم
آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم

پریشاں: خستہ، پراگندہ
اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آجاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم
مصرعِ زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا، حال پریشاں منظوم

پریشاں: بکھرا ہوا تتر بتر
ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

پرے: دور
رتبہ اُفتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا

پرے ہٹ: دور ہوجا
چل پرے ہٹ مجھے نہ دکھا منہ
اے شب ہجر تیرا کالا منہ

نا: لیٹی رہنا، صاحب فراش رہنا

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

نا: گرنا، آرہنا

نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحن بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں
بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے
دروازے میں آجھانک کے دیکھا جو کہیں یہ
تڑپتا ہے پڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے
آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوے بام ہم
پری لوٹنے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

نا: فکر ہونا، خیال ہونا

کیا جب التفات اس نے ذرا سا
پڑی ہم کو حصول مدعا کی

پڑی ہے: پھینکی ہوئی ہے۔

پڑی ہے اس گلی میں لاش دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بار گراں کو

پڑے جھڑتے ہیں: جھڑتے رہتے ہیں

ذکر بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار

پڑھانا: بہکانا، برائی جمانا

اور ہی کچھ پڑھا دیا اس کو
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے

پڑھنا: علم سیکھنا، تعلیم پانا

گاہ کہتا ہے جنوں عشق کو، گہ کفر و حرام
جہل کرنے کو پڑھے تھے مرے ناصح نے علوم

پڑھنا: تلفظ کرنا، زبان سے ادا کرنا

پڑھے ہے مرغ گلستاں وہ مطلع رنگیں
کہ سن کے بس جسے رہ جائے "سن" ہی بلبل طوس

یہ جی میں ہے کہ پڑھوں اور ایک وہ مطلع
جو ہو ہر اک متنفس کی طبع سے مانوس
یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعاے بدر بطوس
جب نہ تب "والضحیٰ" پڑھے ہے امام
مقتدی تا نہیں "فلا تنہر"
پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی
حبذا حبذا کہیں سن کر
اور پڑھتا ہوں ایک وہ مطلع
جان دے جس پہ ہر سخن گستر
پڑھتا ہوں اور مطلع رنگیں کہ سن جسے
سرگرم آفریں ہو لب خوں چکان تیغ
رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ
اپنے انداز کی بھی ایک غزل پڑھ مومن
آخر اس بزم میں کوئی تو سخن داں ہوگا
اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اِک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہرِ فن ہوگیا
پڑھتا ہے کہیں غزل جو مومن
لگ اٹھتی ہے اک بار آتش
ہم یہاں سورۂ اخلاص کا پڑھتے ہیں عمل
اور بڑھتا ہے وہاں غیر سے اُس کا اخلاص
اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسانِ شمع
پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ
مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ
مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمون کی غزل
شوخیوں کو جس کی دعوئی ہو رم نخچیر سے

پڑھنا: کسی عبارت کو زبان سے ادا کرنا یا اس پر نگاہ ڈال کر

اس کا مفہوم سمجھ لینا۔

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُسنے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

لکھ کے بدمستیٔ غم تاکہ وہ میکش پڑھ لے
باندھ دیتا ہوں سرِ شیشۂ صہبا کاغذ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

زحل پرست جو میری عزیمت منظوم
پڑھے تو نکہتِ مشک ہو دخانِ مقل

پڑھنا: ورد کرنا، بار بار رٹنا

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پہ تسخیر اکثر ہم

پڑھوانا: کسی کو پڑھنے کا حکم دینا

خطِ غلامی لکھ دے غیرت تو بھی گلہ کیا لکھئے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

پس: پیچھے، بعد

یہ کاوِ زبا سے بھی ہیں کم اے کششِ دل
مذکور کچھ ایسا پسِ چلمن ہے ہمارا

ہائے پسِ مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخ برسرکیں ہے ہنوز

نومیدی جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پسِ قاصد رواں نہیں

ہوں میں وہ صیدِ جگر خون اسیری مشتاق
جو پسِ ذبح بھی ہر دم دمِ صیاد بھرے

پسِ شکستنِ خم زجرِ محتسب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے

لاف زنی پسِ مدح، رسمِ قدیم کیا کروں
اس غمِ تازہ سے نہیں مجھ کو امید جاں بری

پس مردن: مرنے کے بعد

جل رہے ہیں پسِ مردن بھی نہیں کیوں مریں؟
تیرے حسّاد کے احوال پہ ہے شمعِ مزار

دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکتے در و دیوار لگا

دیکھئے پسِ مردن حال جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا

بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دل نالاں پسِ مردن جو سرگرمِ شکایت ہو

پست: بلند کا ضد، نشیب، نیچا

تو وہ سلطاں کہ بارگہ کا تری
پست کا شانہ ہے فلک منظر

طالع پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بخت تیرہ سے مرے، روزِ مہ انور تار

میں وہ شہ سریرِ فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری

پست فہم: کم فہم

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پست فہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

پستی: بخت، نصیب کی خرابی

اے شبہ پایہ فزا! مدح سرا گر تیرا
پستیٔ بخت گموں سار سے ہو شکوہ گذار

رشک فزا نظارۂ صحبتِ ساکنانِ قرب
پستیٔ بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

پسر: لڑکا، بیٹا

اس کو ہو رستمِ زماں کا خطاب
جو کرے قتل خورد سالہ پسر

پسنا: کچلا جانا

نہ کرتے اس کی برنگِ حنا جو پابوسی
تو شکلِ برگِ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم

پسند: مرغوب، مقبول

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

گالیاں دے کے زمانے کو کروں گا تسخیر
ہیں پسند فلک سفلہ، صفات مذموم

پسند آنا: اچھا لگنا، بھلا معلوم ہونا

مجھ کو یہ گل زمیں پسند آگئی اتفاق سے
مزرعِ غیر میں کسے ورنہ سرِ کد یوری

کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا

پسینہ: وہ رطوبت جو بدن کے مسومات سے نکلے

نہ چھوٹے کیوں تن کاہیدہ سے پسینہ ہائے
طرف سے غیر کی جب نذر عطرِ خس گذرے

پسینے: جمع ہے پسینہ کی۔ وہ رطوبت جو بدن کے مسومات سے نکلے

پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخمِ نہاں کو

سوزشِ دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

پشت: پیٹھ

ہوا ہے اب تو یہ سرمایۂ لطافت آب
کہ پشتِ ماہی پہ گل ہائے اشرفی ہیں فلوس

پشتِ آئینہ: آئینے کا پچھلا حصہ

خاک اڑاتا ہے پشتِ آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر

پشتِ خم: ٹیڑھی پیٹھ، خم شدہ پیٹھ

کام ہوتے ہیں جوانوں کے سپہر پیر سے
لے گیا پشتِ خم شاید تیری شمشیر سے

پشیمانی: ندامت، پچھتاوا

بے زری سے مری تجھے حاصل
کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی

پشیمانیوں: جمع ہے پشیمانی کی۔ ندامت، پچھتاوا

ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

پشیماں: شرمندہ، افسوس کرنے والا، پچھتانے والا

وہ جو سر کاٹ کر پشیماں ہو
رحم کر آئے نیم بسمل پر

وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہر عذر کرے ناز ہائے تاب گسل

ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہوگا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا

کیوں کہ امیدِ وفا سے ہو تسلی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا

کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکرِ جفا کا
جانے دو کہ بے جا ہے پشیماں کی شکایت

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

ہو کے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

پک جانا: پختہ ہو جانا

آتشیں خو سے آرزوے وصال
پک گیا اب خیالِ خام مرا

پکارنا: بلند آواز سے کہنا، چلا کر کہنا

وفورِ بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے
کہاں ہے ''معن'' کریم اور حاتم باذل

پگھل جانا: پسیجنا، رحم کھانا (ذیل کے اشعار قطعہ بند ہیں)

کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

مطلب ہے کہ وصلت میں ہے بوالہوس آفت میں
اس گرمیِ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا

پگھل جانا: مہربان ہو جانا

مطلب ہے کہ وصلت میں ہے بوالہوس آفت میں
اس گرمیِ صحبت میں اے دل نہ پگھل جانا

پگھلانا: نرم کرنا، ملائم کرنا

سوزشِ دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھرلاتے ہیں
موم کے مانند آتشِ غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں

پگھلنا: رقیق ہونا، پتلا ہونا

کیا ابھی سینے جل چکے کیا ابھی دل پگھل چکے
بوے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں

پلانا: نوش کرانا

محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے ہے تاب ہے رہ راب نہیں

جاے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے
منہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوک تیر سے

گہہ ساقی سرخ لب کے غم نے
خوں تاب دل و جگر پلایا

پلکیں: جمع ہے پلک کی۔ آنکھ کے بال، مژہ

یادِ چشمِ یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردمِ آبی کی پلکیں شمعِ روشن آب میں

پلنگ بربری: بربر علاقے سے منسوب چیتے۔ (بربر ایک ملک ہے طرف حبشہ کے) (ن)

ہائے سبک عنانیاں، واہ گراں رکابیاں
گاہ غزالِ چین ہے وہ، گاہ پلنگ بربری

پنبہ: روئی

پنبۂ داغ دل کو حیراں ہوں
نہ رہا خرقۂ زمستانی

پنجہ: ہاتھ یا پانو کی پانچوں انگلیاں مع ہتھیلی کے

کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلہ الاماں تیغ

پنجہ ہاے مژگاں: پلکیں

ملی ہیں غیر نے پاے نگار سے آنکھیں
سرشکِ خوں سے نہیں پنجہ ہاے مژگاں سرخ

پنجہ شانہ: کنگھی کے دندانے

پنجۂ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانے کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

پنجہ مہر: آفتاب کی کرنیں

کھینچے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر
ذرہ پائے رواجِ خوردہ زر

پنجۂ خور: آفتاب کی کرنیں

کچھ نظر میں سمائے تو دیکھے
پنجۂ خور کو اس کا دست نگر

ہم میں فلک تک کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ
دستِ مژہ سے پنجہ خور مت مروڑ دیکھ

پند گو: نصیحت کرنے والا، نیک صلاح دینے والا

پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا

کیا پوچھتا ہے تلخی الفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

کہنا پڑا مجھے پے الزامِ پند گو
وہ ماجرا جو لائقِ شرح و بیاں نہیں

پند گو اب تو ہی فرما کس کو سودا ہے یہ کون
اور کی سنتا نہیں اپنی ہی بکتا جائے ہے

پنکھا جھلنا: پنکھے کو حرکت دینا

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

پنہاں: پوشیدہ، چھپا ہوا

دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

اے پردہ نشیں چلون اٹھا دے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوزِ غمِ پنہاں کی شکایت

محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

داغِ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہاے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے

پہنانا: کسی چیز کو کسی جسم کے کسی حصے پر ڈالنا

ہر حلقۂ دام آرزو نے
طوق لعنت مجھے پہنایا

جوشِ وحشت ہے پہ ناصح نے پہنا نا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم

پوجنا: پرستش کرنا

دل کو مرے پوج گبر جس کو
سجدے کرے بار بار آتش

پوچھنا: دریافت کرنا، معلوم کرنا، سوال کرنا

نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں
مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں

وہ حال پوچھے ہے میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں

یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھیے دلدار کا

پوچھنا: دریافت کرنا، استفسار کرنا

دھوم ہے، تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار

آ گیا لب پہ دم اور بات نہ پوچھی تم نے
بوسے دینے کا اسی منہ سے کیا تھا اقرار؟

سبب شادیِ دشمن تو بتا دو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم

نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں
کہ میں شہری ہوں یا بیابانی

کچھ غیر سے ہونٹوں میں کہے ہے یہ جو پوچھو
تو وہیں مکرتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

پوچھنا حالِ یار ہے منظور
میں نے ناصح کا مدعا جانا

کیا پوچھتا ہے تلخیِ اُلفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا

ہم کسی شانہ بیں سے پوچھیں گے
سبب آشفتگیِ کاکل کا

لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے ہے ننگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپ ہی گردن جھکائیں گے ہم

کیا کہیں تم سے اے ہمدردو پوچھو مت مرغان چمن
کیوں کریاں ایام خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے اپنے

سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو نے دل اور بیع سلم کرتے ہیں

نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے جو وہ طعن غیر پر رات

میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو
تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث

ہم سے نہ بولو تم اسے کیا کہتے ہیں بھلا
انصاف کیجئے پوچھتے ہیں آپ ہی سے ہم

پوچھا ہے اس نے کیا مری بے خودی و قلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں

کیوں نہ کانمیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہووے گا تکرار سے

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برے سے ہیں بر میں پھرتے

پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنان صدا گئے

خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

ستم ہائے گردوں مفصل نہ پوچھو
کہ سر پھر گیا ماجرا کہتے کہتے

کیوں کہ پوچھے حال تلخی عاشق دل گیر سے
ہوگئے ہیں بند لب شیرینی تقریر سے

کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسش حال داد خواہ نہ کی

جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا
کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے رازداں سے

پوری: ساری، تمام

بات پوری بھی منہ سے نکلی نہیں
آپ نے گالیوں پہ کھولا منہ

پوشش: لباس، پوشاک

سیل خود دوڑے ہے گل کے لیے لے کر پانی
کرے تعمیر مکاں کا جو ارادہ معمار

پونچھنا: صاف کرنا

آگ اشک گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور ہاتھ جل گیا

تفتہ جنوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کف جلاد میں دامن ہے ہمارا

پونچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک
پونچھے ہوں گے دامن کہسار سے

پہچاننا: سمجھنا، معلوم کرنا

عشق ان کی بلا جانے عاشق ہو تو پہچانے
لو مجھ کو اطبا نے سودے کا خلل جانا

اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور
میں نے کیا تجھ کی بات پہچانی

پہروں: جمع ہے پہر کی۔ دن کا چوتھا حصہ

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

پہلا: ابتدائی، اول

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی ترکی اور وہ پہلا اخلاص

پہلو: بغل، آغوش

آ ملے کیونکر نہ نکلیں جائے اشک آنکھوں سے آہ
میرے پہلو میں ابھی وہ آگ کا پرکالہ تھا

جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا

صور تھی منقار مرغ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہو گیا

کوئی بھینچے ہے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہمکناری آج

رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ

صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں
دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

پہلو سے اٹھنا: پہلو سے جدا ہونا

سوزش دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے

پہلی سی: اگلی سی

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفرِ مومنِ دیندار کم ہوا

پہلے: آگے، اول

زمانہ مہدیِ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاکِ حضرت کا

جوشِ قلق نے اُس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبعِ تحمل میں رم نہ تھا

کیا جذبِ انتظار کی تاثیرِ بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم

منہ دیکھنے سے پہلے بھی کس دن وہ صاف تھے
بے وجہ کیوں غبار رکھیں آرسی سے ہم

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہووے سمجھ تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھئے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں

محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے مے ناب ہے زہراب نہیں

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

شفیعِ بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی
بھلا خوں تو کرو گے پہلے تم شمشیر تو کھینچو

منظورِ نظرِ غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے

خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں بے نثار مجھے

کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار

سبب شادی، دشمن تو بتادو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم

سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرطِ بخشش سے نہ مجمع رہے کوچے میں نہ دھوم

چرخ سے کم تو کیا ہو وہ خود جو ضرب گرز اٹھائے
حربے سے پہلے سر شکن، بہرِ عدو یہ مغفری

پہنچ جانا: آجانا

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

پہنچنا: ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

اللہ ری ناتوانی جب شدتِ قلق میں
بالیں سے سر اُٹھایا دیوار تک نہ پہنچا

روتے تو رحم آتا سو اُس کے روبرو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا

عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغامِ مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہنچا

ہم کھینچے جوشِ وحشت سے فلک پر پہنچے
خار دامن گیر پر عیسیٰ کی سوزن ہو گیا

پہنچنا: سرایت کرنا

مشامِ غیر میں پہنچے ہے نکہتِ گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی

پہنچنا: حاصل ہونا

پہنچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے
شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا

حاملِ دفترِ مدیح سے یوں
مجھے پہنچا تھا علم از عانی

مجھ تلک پہنچے ہیں اب وجد سے
ورثے نکتہ ہائے اتمانی

پہنچنا: رسائی ہونا

بے بخت رنگ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

مومن اُسی نے مجھ سے دی برتری کسی کو
جو پستِ پہم میرے اشعار تک نہ پہنچا

پہونچتے واں تک تو اس پردہ نشیں کو دیکھتے
کاش ہوتے چشم نرگس دیدۂ بادام ہم

جوشِ وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحنِ خانۂ زنجیر سے

پہنچنا: برابر ہونا، ہمسر ہونا

پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع

پہنچنا: آجا

کود کر گھر میں تو پہنچا میں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو

تھی خارِ راہ تیری مژگاں کی یاد پہر شب
تا صبح خواب چشمِ بیدار تک نہ پہنچا

بختِ رسا عدو کا جو چاہے سو کہے اب
اِک بار یار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچا

غیروں سے اس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی
جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہنچا

پانو تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا

پہننا: کسی چیز کا جسم کے کسی حصے پر استعمال کرنا

پہنے تو غیر کے بھیجے ہوئے کنٹھے افسوس
دستِ گل خوردہ مرا، ہو نہ گلے کا ترے ہار

توڑ دیں سبحہ زاہد کے لیے یوں ہندو
ہیں اسی واسطے، گویا کہ پہنتے زنار

پہننا: زیبِ تن کرنا

غریقِ گریۂ خونیں رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ

پہنا ہے کس کا جامہ گلدوز غیر نے
کیوں تنگ ہوگئی مرے تن پر قبائے داغ

پہننا: وسعت، پھیلاؤ

خاک میں کیوں کر ملاؤں بندھ گیا سعئے میں دھیان
اس کے صحنِ خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ کر

پہنچانا: ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا

خدایا لشکرِ اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا

پھاڑنا: ٹکڑے ٹکڑے کرنا، چاک کرنا

اُس کے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

پھٹ جانا: شق ہو جانا، شگاف ہو جانا

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جور دیکھ

پھر جانا: برگشتہ ہونا

جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

پھرانا: طواف کرانا، چکر لگوانا

بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے
گر شوق نے گرد کو پھرایا

پھرانا: چکر دینا، گردش دینا

عظمت نے ہجو دکی، فلک کو
گرد کرۂ زمیں پھرایا

بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے
گر شوق نے گرد کو پھرایا

پھرانا: گھوم آنا، سیر کر آنا

گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی

پھرانا: گشت کرانا، گھمانا، سیر کرانا

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش دلِ عاشقاں کی اس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ ناز اک قدم نہ ہوتا

کوہ صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار

پھرتے چلتے: گھومتے پھرتے

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آ جائے گا
وہ مبارک باد اب کی یار ہرجائی ملا

پھر جانا: لوٹ جانا

طالعِ برگشتہ بختِ خفتہ مت پوچھو کہ ہم
غش پڑے تھے پھر گیا وہ جان کر سوتا ہمیں

پھرنا: گردش کرنا

پھرتے ہیں سو سو سوسے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

پھرنا: گھومنا، گشت کرنا، چکر کاٹنا

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے بہ تنگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت

نہ پھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا
تو ٹھنڈی سانسیں ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس

جب ترے کوچہ کا بیتابیِ دل سے پھرنا
یاد آتا ہے زمیں بوس قدم کرتے ہیں

بخت پروانہ قربان عدو ہوں یعنی
آگ بن جائے ہے وہ گرد پھروں میں جس کے

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے
اب غیر اس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

پھرنا: برگشتہ ہونا، بیزار ہونا

کیوں کر پھرے دل اس سے کہیں قرض وعاریت
ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کروں

پھرنا: مکرنا، پلٹنا

آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے اے وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا

ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے

پھرنے سے شام وعدہ سمجھے یہ کہ سور ہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

پھرنا: پلٹ کر واپس آنا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے بہ تنگ آکر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

آہ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو
کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

طالعِ برگشتہ مرے کیا پھریں
ملک عدم سے نہ پھرا جو گیا

پھرنا: تبدیل ہونا، پلٹا کھانا

مدعا غیر سے کہا تا وہ
سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا

پھرنا: بیزار ہونا

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستم گار کی طرف

پھرنا: گھوم جانا

دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوئے ستم گار کی طرف

پھرنا: سیر کرنا، اِدھر اُدھر گھومنا

چھلایا کیوں ہر اواں رات دن رہنا بہم پھرنا
بتا تو کیا ترا میں گردشِ ایام لیتا تھا

پھرتا ہے بہرِ کشتنِ عشاقِ کو بکو
گردش میں ہے وہ چرخ ستم گار کی طرح

اے تند خو آجا کہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

کس کی خبر اب آنے کی ہے کس لیے ہے یہ بیتابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے آتے ہیں اور جاتے ہیں

شام سے اپنے سور ہے وہ تو اور ہم ان کے کوچے میں
ولولہ ہائے شوق سے کیا کیا پھرتے ہیں گھبراتے ہیں

پھکنا: جلنا، راکھ ہوجانا

داغِ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برق خرمن ہوگیا

پھل: نتیجہ، حاصل

لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زبان تیغ

پھلنا: میوہ لگنا، بارور ہونا

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق
ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

پھلنا پھولنا: پھول اور پھل آنا

پھلے پھولے ہیں بے خرد کیا دور
بید مجنوں بھی گر لے آئے ثمر

پھنسانا: الجھانا، فریب میں لانا

یوسف سے عزیز کو کئی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا
یہ عشق وہ بد بلا ہے جس نے
ہاروت کو چاہ میں پھنسایا
اس دام سے مجھ کو تو چھڑا دے
داؤد نے جس میں دل پھنسایا

پھوڑ دیکھ: پھوڑ کر دیکھ

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شب ہجر کی سی تاریکی

پھوڑا: بڑی اور موٹی پھنسی، دنبل

پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موئے پر خلل گیا
جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
ستم اے گرمیٔ ضبط فغان و آہ چھاتی پر
کبھو بس پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا

پھوڑنا: ٹکڑے کرنا

پھوڑ جلد اے بوالہوس سر کو کہ اب
جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے
جبیں ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

پھول: گل

کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوق اجل پروئے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں

پھول لگنا: پھول کا شاخ میں پیدا ہونا

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یارب کس کے
نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

پھولنا: خوش ہونا، اترانا

چاک پیراہنِ گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاران لباسی کا قبا ہوتا ہے

پھولنا پھلنا: پھول اور پھل آنا

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہین داغِ عدو کا رہے دل مایوس
اس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجر بارور میں ہم
رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق
ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

پھونک دینا: راکھ کر دینا، خاکستر کر دینا

یہ مشت پر سوختہ پھونکیں گے قفس کو
تو ساتھ کسی کے مجھے صیاد نہ کر بند
برق کا آسمان پر ہے دماغ
پھونک کر میرے آشیانے کو
فروغ جلوۂ توحید کو وہ برق جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستی اہل ضلالت کا
پھونک دے آتش دل داغ مرے
اس کی خود یاد دلاتے ہیں مجھے

پھونکنا: جلانا، ستانا

وہ وشمع بزم نے دل پھونک کر اف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلف خمیدہ مو ہمیں
پھونکا تپ غم نے جی کو مجھے
دل کے ترے آب بخار آتش

پھونکنا: جلانا، سوختہ کرنا

پھونکا تپ غم نے جی کو مجھے
دل کے ترے آب بخار آتش

پھیرنا: لوٹا دینا

جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا

پھیلنا: بکھرنا

پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے
دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں
پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثل غنچہ تھی
جھونکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

پھینک دینا: ڈالنا، گرانا

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

پھینکنا: ڈالنا، گرانا

کرتے ہیں آواز زفیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھنکاتے ہیں
اُس کے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ
مت کہو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذب شوق نے یوسف کو چاہ میں

پئے: واسطے، لیے

آز پابوس میں پئے خورشید
ذروہ اوج ، پایہ منبر
تھا ہم پہ لطف تو پئے افزائش الم
صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث
ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ
کوہ و صحرا میں پئے فرحت پھراتی ہے بہار
میں تو کیا ان کو بھی دیوانہ بناتی ہے بہار
لیکے دل و عقل و دیں پھر پئے غارت ہے عشق
اے اجل آ چک کہیں جان حزیں ہے ہنوز
نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھتے پئے تسخیر اکثر ہم

دھیان آتا ہے تری منہ میں زباں لینے کا
جی ہم اے شوخ پئے سیر عدم لیتے ہیں
کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائق شرح و بیاں نہیں
خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے

پی جانا: نوش کر لینا

زہر ملتا نہیں کہ پی جاؤں
اب کہاں وہ شراب ریحانی

پیچ کی تقریر: الجھی ہوئی گفتگو

کسی کی زلف پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

پیچ وتاب: اضطراب، بے چینی

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ و تاب اپنا سا
کس کی زلفوں کی بو نسیم میں تھی
ہے بلا آج پیچ و تاب ہمیں
تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرت زلف تابدار ہے دل
پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے
دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں

پیچ وتاب: بل

دلربائی زلف جاناں کی نہیں
پیچ و تاب طرۂ شمشاد کیا
دیکھانہ ہے یہ رشک وحسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
لے کے دل بھی کجی نہیں جاتی
زلف کے پیچ و تاب نے مارا
دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلف خم بہ خم کیوں کر کریں

پیچیدہ: مشکل بات جو دقت سے سمجھ میں آسکے

بیاں کرتا ہے بہکانے کا اس بدمست کے عالم
وہ لے کیا سمجھے پیچیدہ ہے تقریر شیشہ کی

پیچھے: آگے کی ضد۔ عقب میں

اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو

پیدا: ظاہر

ہرگز نہ کر سکے مرے خامے سے سرکشی
پیدا سرنگوں سے ہے عجز عیان تیغ

پیدا: دستیاب، میسر

سچ ہے مفلس کو نہیں عشق کی لذت کہ مجھے
زخم دل کے لیے پیدا نہ ہوا مشک تتار

پیدا کرنا: وجود بخشا

کشتہ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

پیدا ہونا: ظاہر ہونا، آشکارا ہونا

نو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہوگیا

پیر چرخ: آسمان، بوجہ قدیم اور پرانے ہونے کو کہتے ہیں۔

بازیچہ کردیا ستم یار وجور چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ وشاب میں

پیر فانی: بہت بوڑھا، مرنے کے قریب پہنچ چکا ہو۔

ترے زمانہ میں صد سالہ پیر فانی سے
زیادہ تر ہیں جوانان فتنہ گر کاہل

پیر مغاں: پیر آتش پرستوں کا پیشوا

شرم کی بات یہ نہیں ہے یہ اثر ہو کیوں کر
نہ میں مومن ہوں نہ تو پیر مغاں اے واعظ
شیخ حرم سے کام نہ پیر مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

پیر مغاں: شراب خانے کا مالک، ساقی

موسم گل میں یہ مست جواں تائب ہوا
روز باران میں کرے، پیر مغاں، استغفار

پیر و مرشد: بزرگ استاد

مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

پیرائش: سجاوٹ

چمن آرا کو رسم پیرائش
اک بہانہ ہے بہر قطع شجر

پیراہن: لباس، کپڑے

پھولے جامہ میں سماتے ہی نہیں
وصل شوخ چست پیراہن میں ہم
چاک پیراہن گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاران لباسی کا قبا ہوتا ہے

پیرہن: لباس، کپڑے

پھر پیرہن کے ہوتے ہیں ٹکڑے برنگِ گل
پھر مجھ کو آگئی کسی گل پیرہن کی یاد

پیرو: پیچھے پیچھے چلنے والا

تیرے حاسد ہوں غول صحرائی
تیرے پیروں ہوں پیشوائے خضر
میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ

پیروی: تقلید، اطاعت

یقیں کہ راہ نمائی ہے پیروی اس کی
نہیں تو سائے سے کیوں بھاگتا دیو مضل

پیری: بڑھاپا

وہ ترا پایہ ہے اے شاہ جوانان بہشت
کہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم
شام پیری میں اس کا وہ عالم
زرد رو جس سے صبح ریعانی
فکر مآل سے ہے و شاہد رہے عزیز
پیری میں موت یاد تھی پیری شباب میں
ناکامیوں سے کام رہا عمر بھر ہمیں
پیری میں یاس ہے جو ہوس تھی شباب میں

پیش: آگے، سامنے

صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

پیش چلنا: قابو چلنا

نظارۂ رخ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا
ہمارا رنگ بھی پیش درود ہجراں سرخ

ذکر بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار

کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی اس سے جس پر آجاتا دل

پیش نظر: نظر کے سامنے

پیشِ نظر ہے کس کا رخ آئینہ گداز
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھائی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو

حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیونکہ نہ ہو رام
اس نرگس جادو کی نگہ پیش نظر ہے

پیشانی: ماتھا، جبین

کس سر پر غرور کو دی ہے
تنگی غم نے چین پیشانی

پیش باز: استقبال کرنیوالا، یہاں آگے نکل جانے والا مراد ہے

بہ فرض گر کرۂ خاک کو کہوں دائر
شکستہ اسپ گلی ہووے پیش باز فروس

پیشتر: پہلے

مزا ہے وصل کا ہجراں سے پیش تر یعنی
گل خزاں زدہ کو کیا بہار سے حاصل

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفا داروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلت تقریر تو کھینچو

پیشکش: نذر، ہدیہ

دیجے تکلیفِ شب ہجر میں کیا اپنے پاس
نقدِ جاں پیش کشِ مرگ کے قابل نہ ہوا

پیشوا: رہنما، ہادی

تیرے حاسد ہوں غول صحرائی
تیرے پیروں ہوں پیشوائے خضر

پیغام: پیام، زبانی بات

میں وہم سے مرتا ہوں وہاں رعب سے اس کے
قاصد کی زباں سے نہیں پیغام نکلتا

یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا

عاشق سے مت بیاں کر قتلِ عدو کا مژدہ
پیغام مرگ ہے یہ بیمار تک نہ پہنچا

کاش آپ وہ آئیں جو سنوں ناز کی باتیں
قاصد سے ادا پانچ پیغام نہ ہوگا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُس کے
کیوں کر لب قاصد سے پیغام ادا ہوتا

اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام
حال دل اسے جتائیں گے ہم

رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہوجائے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

پیغام بر: پیغام لے جانے والا

کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن باد بہاری سے وہ گل گوش ہوا

فریاد بے گناہ کشی جا بجا کروں
گر وہم جاں نثاری پیغام بر نہ ہو

پیغامبر رقیب سے ہوتے ہیں مشورے
سنتا نہیں کسی کی یہ کہنے کی بات ہے

پیغامبری: ایلچی گیری

یہ کون کہے اس سے کی ترکِ وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی

پیغمبر: نبی، یہاں آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ مراد ہیں

مرا جوہر ہو سرتا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا

مسند آرائے محفلِ تقدیس
اولیں جانشینِ پیغمبر

اے مسیحِ دم رواں پرور
زندگی بخشِ دینِ پیغمبر

پیک: قاصد

اگر پڑے مرے پیکِ خیال کا سایہ
گرا دے شاہ سواروں کو رہروے راجل

مجھ سے مدحِ شہ کا، پیکِ خیال گر نہ ہو
شاہ سوار کیا کرے، کس سے ہو اس کی چاکری

پیکاں: تیر کی انی، نیزہ کی نوک

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اس کا کوئی پیکاں ہوگا

کوئی تیر اس کا دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکان کا ٹکڑا نکل آیا

آہن گداز، نالہ مرا دیکھ کر نہ ہو
پیکاں ضمانِ خنجر و خنجر ضمانِ تیغ

پیکانوں: جمع ہے پیکان کی۔ تیر یا نیزہ کی نوک

قتلِ دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ ہوتے ہیں ہر میں بھرتے

پیماں: عہد، وعدہ

شرطِ ایمان ہے پیمانِ خلافت اس کا
وہ مسلمان ہی کیا؟ جس کو ہو اس میں انکار

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شیشہ کی طرح عہد کا پیماں ہوگا

نیند آگئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمان خوابِ پریشاں نہیں رہا

ایسے سے کیا درستی پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگِ حنا کا شکستہ ہو

پیماں شکن: عہد توڑنے والا

بل بے عیاری عدو کے آگے وہ پیماں شکن
وعدۂ وصل آج پھر کرتا تھا اور شرماتے تھا

پینا: نوش کرنا

شبِ وصال میں سب قطرہ قطرہ مے پی لی
رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے

پی ہے مے حضرت مومن نے بھی مضمضہ کو
آفتابے کئی ہنگامِ وضو بھرتے ہیں

خونِ دل پیتے ہیں خوگردۂ محنت اے کاش
ساغرِ دہر میں ساقی مے بیداد بھرے

دردِ سر میری شکایت سے نہیں، یہ تم کو
بزمِ دشمن میں جو مے پی تھی، سو اس کا ہے خمار

پیوند: جوڑ

چارہ جو اور بھی اچھا میں کروں گا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوند گریباں ہوگا

پیے سے: پی لینے سے

جوشِ میخانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنگ ظرف ہیں جو خمِ مے سے سبو بھرتے ہیں

پیہم: متواتر، پے در پے، لگاتار

ذکر میں ایک جور پیہم کے
مبتدا ایک ہے ہزار خبر

نالۂ پیہم سے یاں فرصت نہیں
حضرتِ ناصح کریں ارشاد کیا

پیہم ہے حالتِ جان کی غرض اب تو جان پہ آ بنی
یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

پیہم کچھ ہو پاسِ حشر پرورم دوزخ
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

پیار: جوش محبت جو نہایت تہ دل سے ہو

معشوق سے بھی ہم نے نبھائی برابری
واں لطف کم ہوا تو یہاں پیار کم ہوا

محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھ پہ جب ناصح بیدرد کو پیار آجائے

پیار آنا: مروت آنا

محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھ پہ جب ناصح بیدرد کو پیار آجائے

پیاری: عزیز، پسندیدہ

بے کسی کیوں ہے نعش پر مجمع
کیا ہوئی تو مری پیاری آج

پیاری پیاری صورت: بھولی بھالی صورت

اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم

پیاز: ایک بودار گانٹھ والی جڑ جس میں تہ بہ تہ چھلکے ہوتے ہیں اور کھائی جاتی ہے۔

یہ گل کھلاتی ہیں آب و ہوا کی ترتیبیں
کہ ہے پیاز کو لاف منافع بلبوس

پیالہ: جام، کٹورہ

میں مر گیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالہ میں سم نہ تھا

پیام: خبر، زبانی بات جو کسی سے کہلائی جائے

کیا پیام اور کیا پیام گذار
جس کی ہر بات وعظ عرفانی

دیکھ لو شوق ناتمام مرا
غیر لے جائے ہے پیام مرا

گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے

پیام گزار: پیغام لے جانے والا

کیا پیام اور کیا پیام گزار
جس کی ہر بات وعظ عرفانی

پیل: فیل، ہاتھی

مجھ کو پامال کیا کیوں نہ فزوں ہو عزت
دود افغاں سے ملی پیر فلک کو خرطوم

تاب: برداشت، صبر

گر نہ تھی اے دل اُس کے رنج کی تاب
کیوں شکایت گزار ہونا تھا

بے طاقتی سے مجھ میں نہیں تابِ التفات
بے ہودہ فکر جور وسرِ امتحاں ہے اب

نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح

لائیں نہ تاب حرف بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

اتنی بھی تابِ دوری خورشید طلعتاں
نقصان کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں

پوچھا ہے اس نے کیا مری بے خودی وقلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں

کہاں ہے تابِ نازِ برق اے کاش
جلا دے آتشِ گل آشیاں کو

تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے

تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

بے پردہ پسِ چلون یک بار تم آبیٹھے
بے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

تابِ کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

خلافِ وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یکشبہ ہے یاں جاوداں کے لیے

یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب
ابلیس کو خاک میں ملایا

جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں
نہ تاب لائے دلِ سخت زاہدِ سالوس

وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہرِ عذر کرے نازہائے تاب گسل

تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار

تاب: گرمی

مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے
کہ تابِ مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس

تاب: روشنی، چمک دمک

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
بے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ

تابِ رخسار و تیرہ روزی سے
وہ اگر مہر ہے تو میں ہوں قمر

تاب: طاقت، قدرت، مجال

یہ زلف خم بہ خم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھا منا

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب
ابلیس کو خاک میں ملایا

یاں تاب کسے کہ خاک وخوں میں
بے تابیٔ شوق نے لٹایا

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہمِ دمانِ تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سرِ قہرمانِ تیغ

تاب فرسا: ناقابلِ برداشت، تحمل سے باہر

کہ محرک ہے التفاتِ نہاں
تاب فرسا ہے جذبِ روحانی

تاب کاہ: حوصلہ شکن، ہمت شکن

لذتِ مدح جاں فزا، تلخیٔ ہجو تاب کاہ
شہد ہے یاں تو شہدِ ناب، صبر ہے تو سقوطری

تھا بہت شوق وصل تو نے تو
کمی اے حسن تاب کاہ نہ کی

تاب گسل: ناقابل برداشت، برداشت سے باہر (برداشت کو توڑنے والا)

اب کیجئے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر درگذر نہ ہو
وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہر عذر کرے ناز ہائے تاب گسل

تاب لانا: برداشت کرنا

کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم

تاب وتب: گرمی، حرارت

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خوگر رہ تھا بہ تاب وتپ شعلہ ہائے داغ

تاب وتواں: طاقت

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تاب و تواں نہیں
ہم ہیں اور نزعِ شب ہجر میں جاں ہونے تک
صبر آتا ہے کوئی تاب و تواں ہونے تک

تاب وتواں: صبر وبرداشت

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تاب وتواں نہیں

تابانی: رونق

انوری کے بیان میں ہے کہاں
میری تقریر کی سی تابانی

تاباں: روشن، درخشاں

جو شمع بزم کیوں اس کے روئے تاباں کو
کتان و ماہ بنے نور شعلہ و فانوس
صدر انجم شناس سے تاباں
مہ کامل کی طرح داغ جگر

تابدار: بل دار، خم دار

تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرت زلف تابدار ہے دل
لاکھ شگفتگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی
عقدۂ مو ہے ہر شکن طرۂ تابدار میں

تابش: روشنی، نور

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
ذرۂ خاک در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر
دھوم ہے، تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار
نور خورشید سے ہے جرم قمر کی تابش
مے سے ہو کیوں نہ فزوں؟ حسن رخ ماہ عذار

تابندہ: روشن

تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھا گئے

تاثیر: نتیجہ، پھل، اثر

بحر ارشاد و ہدایت سے تری ہو جاوے
فیض یاب نم تاثیر اگر ابر بہار
آج کہہ دے ترے قاتل کی سزا داور حشر
تو عجب کیا ہے کہ جاتی رہے تاثیر سموم
ہو دل آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
طبع تحسین سے جاتی رہے تاثیر غموم
انسیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم
جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردش ایام نکلتا
ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اُس سرو موزوں کو
زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا
تاثیر بے قراری ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعائے سحری منت تاثیر نہ کھینچ

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ تتی ہے تو تاثیر دعا قرض

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرر بار ہے غلط

یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرر بار ہے غلط

کیا جذب انتظار کی تاثیر بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

گر یہی نالۂ جانکاہ کے ہیں شور و شغب
دم رہا کاہے کو تاثیر فغاں ہونے تک

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہ رسا کی اب
یہ کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر آخر ہم

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم

نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغان آسماں رس میں

تاثیر صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

یہ مایوسی دل و جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہ فسوں تاثیر تو کھینچو

اک آہ ہی کروں کہ ہو شاید اسے تاثیر
فرصت نہیں اب ہے نفس بازپسیں یہ

ہوئی تاثیر آہ و زاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

مجھ کو دعا مرے دل مضطر نے کی ہے
کچھ ہوس اور ہی جھڑکے سے دل مومن کے

پھر تو سرگوشی دشمن میں بھی تاثیر نہ ہو
گر نہ کان اس کے فغاں گہر ارشاد بھرے

کس طرح نہ روئیں ہوں تاثیر سے
دم رکے ہے نالۂ شبگیر سے

ہوں غضب سے اس کے سرگرم فغان شعلہ زن
جل گیا جی احتراق زہرہ کی تاثیر سے

تاثیر دکھانا: اثر ظاہر کرنا

میں دکھاتا تمھیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے

تاثیر کرنا: اثر کرنا

جذب دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ

تاج: شاہی ٹوپی

تاج ظفر ہو زیب دو فرق دوستاں
اعدا کا سر رہے تہہ داماں تیغ

داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل

پھر زیب سر ہے شعلۂ داغ جنوں سے تاج
پھر دور باش نالہ اثر اہتمام ہے

تاج خروس: ایک سرخ پھول کا نام، مرغے کی کلغی کو بھی کہتے

زبان لال کہاں اور مدح تاج خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسر کاؤس

تاج سلطانی: بادشاہی تاج

ہر گدا کی ہے زینت کشکول
رشک ترصیع، تاج سلطانی

تاخیر: ڈھیل، دیر

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جان کی
دونوں کا مدعا کے میں ہے موت کی تاخیر سے

بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

تادم زیست: زندگی بھر

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تادم زیست
فی الحقیقت کہ یہ کام برا ہوتا ہے

تار: ڈورا، سوت

ہر دم رہینِ کشمکشِ دستِ یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں

تار: تاریک، سیاہ

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوالِ شبِ تار سے روشن ہے ہمارا
غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں یعنی چاہیے آنکھوں پہ ہر چراغ
صفائے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں
چراغِ صبح ہے شب ہائے تار آئینہ
آتی ہے بوئے داغِ شبِ تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ
دھوم ہے، تابشِ خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذابِ شبِ تار
طالعِ پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بختِ تیرہ سے مرے، روزِ مہِ انور تار

تار: ڈورا، تاگا

ٹانکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ہاتھ کنواؤں جو ناصح رہے اب تار لگا

تار: سلسلہ، قطار، لڑی

ہم بہا اس کی درفشانی سے
تارِ اشکِ یتیم و سلکِ گوہر

تارک: مانگ، سر کے اوپر کا حصہ

پایہ ترے مدحِ شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارکِ سر پر زبانِ تیغ
مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا

تارِ گریہ: آنسو کی جھڑی

ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

تارِ نظر: استعارہ ہے نگہ کے بار بار آنے جانے سے

دیوانہ نازک ہوں میں فصادِ مژگاں نیشتر
لے فصد میرے ہاتھ کو تارِ نظر سے باندھ کر

تارِ نفس: سانس کے متواتر آنے جانے کو تار سے استعارہ کیا جاتا ہے

ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

تاراج: بربادی، لوٹ

وہم عشقِ لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کھلے
جان کر گل چیں کو تاراجِ چمن کی فکر میں

تاروں: جمع ہے تارہ کی۔ ستارہ

تاروں کے بدلے گن کے شبِ تار کاٹ دی
ایامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ

تاریکی: سیاہی

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شبِ ہجر کی سی تاریکی

تارے: جمع ہے تارہ کی۔ ستارے

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

تازی: زبانِ عربی

اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

تازہ: نیا، جدید

حیرتی عقوبتِ تازہ موکلانِ قبر
بس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری
تجھ کو نصیب دولتِ صحبتِ نوجواں نگار
تجھ کو ہمیشہ عشرتِ تازہ عروسِ دربری
اک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج
سرگرمِ رقص تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم
یاں وصل ہے تلافیِ ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو
ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

یاد آگیا زبس کوئی مہ روے مہر وش
امید داغ تازہ پھر کہن سے ہے

تازہ: سرسبز
کیا کہیں آج ترے کوچے سے گزری تھی نسیم
ویسے ہی تازہ ہیں گل ہاے مکرر مشموم

تازہ کرنا: ہرانا، تجدید کرنا
شور زاغ و زغن ہے شمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی

تازہ ہونا: یاد آجانا
نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغ امید مرحوم

تاش: ایک قسم کا ریشمی زری کا کپڑا
تاش کا ہم دم کفن لانا کہ بس میں مرگیا
چلونوں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر

تا کجا: (کب تک) یہ ایک کلمہ ہے جسے اکتاہٹ کے موقع پر بولتے ہیں
اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

تالو: منھ کے اندر کی چھت
تالو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغل نغمہ سرائی تمام شب
نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی

تان: گانے میں بلند آواز
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

تائب: توبہ کرنے والا
موسم گل میں یہ مست جواں تائب ہوا
روز باران میں کرے، پیر مغاں، استغفار

تاؤ کھانا: غصہ کرنا، غصے کے مارے پیچ و تاب کھانا
غصہ یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
مست افیون میں بھی گر بھی دیکھے کاغذ

تب خالا: چھالا
شورِ اُلفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لب شمشیر پر تبخالہ تھا

تبخالہ خیز: جس کی وجہ سے آبلے پڑ جائیں، آبلے پیدا کرنے والا
تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لب شیریں وہاں ہنوز

تب خالے: جمع ہے تب خالا کی، چھالے
صفحہ جیبوں پر جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

تب وتاب: گرمی، حرارت
کیوں کر نجات آتش ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب وتاب بدن سے ہے

تباہ حال: ذلیل حالت میں
تختۂ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ و قید شش دری

تباہ کرنا: بگاڑنا، برباد کرنا
کردیا خواہش بیداد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار پہ میں ہوں مظلوم

تباہ کرنا: غرق کرنا، ڈبونا
گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

تبدیل: پلٹنا، بدلنا
جلتا ہوں اہل نار کی تبدیل جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ

تبسم: مسکراہٹ
اف ری کثرت اشک و تبسم بل بے ہجوم یاس امید
جی ہے دھڑ کتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

تپ: گرمی، حرارت
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا

پھونکا تپ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخار آتش

بے صبر کو کہاں تپ داغ سے جگر فیض
گل چیں کو کب ہوا شجرِ بارور سے فیض

محفل فروز تھی تپ و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع

اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے

پ: اضطراب، بےقراری

اف ری تپ گرمیِ محبت
اس نام پہ جاں نثار آتش

تپ وتاب: گرمی

محفل فروز تھی تپ و تابِ نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع

تپاں: تڑپنے والا

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
ہے محو گرم پائی برق تپان تیغ

تپش: اضطراب، بےقراری

اس جوش تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا

بنے ہم بے حالت جان کنی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

غم ہجر یار کے ہاتھ سے شب و روز ہوں میں عذاب میں
ہے ہمیشہ ایک نئی تپش ہے مدام ایک نیا قلق

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آبندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق

شمع ساں اپنی تپش ہے تو سنے یا نہ سنے
طے نہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوش جنوں بہار میں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑا ے تپش دل کہ ابھی
روے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چیں ہائے بستر رات کو

پروانہ وار گرم تپش ہیں قلق سے ہم
تم شوخیوں سے شعلۂ بیتاب جستہ ہو

ہم اور یہ بدعت پش دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے بعد فنا ہاتھ

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے

تپش ہا: جمع ہے تپش کی، بےقراری، اضطراب

مانے نہ مانے منع تپش ہائے دل کروں
میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں

تپشوں: جمع ہے تپش کی اضطراب، بےقراری

کام آئی نہ شوخی خموشی
دل کی تپشوں نے جب ستایا

تجاہل: جان بوجھ کر انجان بننا

سبب شادیِ دشمن تو بتادو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم

لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا

تجدد امثال: تصوف کی اصطلاح کے مطابق انسان پر ہر آن فنا و بقا کی کیفیات طاری ہوتی رہتی ہیں، اگر چہ باوجود ان گوناگوں تغیرات کے اصل حقیقت وجد باقی رہتی ہے، شاعر کا مقصود ہے کہ اصل میں ممدوح کے کرم اور غضب کے کرشمے دیکھ

کہ صوفیوں کو فنا اور بقا کی تجلیات جلال و جمال کا قائل ہونا پڑا۔

وداد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے
جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل

تجلی: جلوہ، جھلک

تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار

نقد جاں، اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بن جائے نہ روز بازار

صوفیوں نے ترے چہرے کا جو دیکھا عالم
ہوئے قائل، کہ تجلی کو نہیں ہے تکرار

تجویز: ٹھہرانا، قرار دینا

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

ورم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم
کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس

تجھ بن: تیرے بغیر

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام ہم

تجھ پر: تمھارے حق میں

بگڑے تو کریں گے اور سے صلح
تجھ پر بھی بری بنائیں گے ہم

تجھ پہ: تمھارے مقابلے میں

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مر گیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے

تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے

تجھ سا: تمھارے جیسا

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
ہوئے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

تجھ سے: تم جیسے

مجھ سے ناکس کی ہم نشینی کا
تجھ سے داور کو شوق پنہانی

تجھ سے: تم سے

تو وہ عادل کہ ذکر ''کسریٰ'' میں
عدل کی تجھ سے داد چاہے عمر

مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط
کہ بت پرست کہاں فارق حق و باطل

غرض ایماں سے ضد اُس غارت گردیں کو بوجھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربط دشمن ہو گیا

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا

غصہ بیگانہ وار ہونا تھا
بس کبھی تجھ سے یار ہوتا تھا

ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا

ہوتا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر
تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا

کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس

جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہوں گی نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

اس سیہ بختی پہ رکھیں تجھ سے امید وفا
ایسے سودائی نہیں اے شوخ لیلیٰ فام ہم

اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم

ہوش کیوں جاتے رہے اور دم ہوا کیوں ہو چلا
تجھ سے اے باد صبا آئی یہ کس کی بو نہیں

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کی تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے
ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے

تجھ کو: تم کو

یاں عقل ہے گم کہ بس تجھی کو
پایا ہر شئے میں پر نہ پایا
تجھ کو ہی سزا ہے کبریائی
کرسی کا نہ عرش کا یہ پایا
تجھ کو بھی نہ کہہ سکے ترا مثل
یاں تک نقش دوئی مٹایا
ہے سراپا تو مہر تریاک
تجھ کو کیا نیش مار سے ضرر

تجھ کو دکھلاؤں تماشا، میں جنوں کا اپنے
آرہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار
ہے بجا دیجیے اگر تجھ کو سلیماں سے مثال
کہ مسخر ہے پری اور ہوا ہے محکوم
تجھ کو نصیب دولت صحبت نوجواں نگار
تجھ کو ہمیشہ عشرت تازہ عروس دربری
تجھ کو نصیب بزم میں داد دہی، صلہ دہی
مجھ کو مبارک ایک سو مدح گری، گداگری
اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں مجھ کو
بتا دے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا
تلخ کامی پر مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز
آ مرے جادو سے، اعجازِ مسیحائی ملا
ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہوسکا
روز جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام
مہر عدو بدگماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں
میں ایسا ہوں کہ دوں گا تجھ کو طعنہ بے وفائی کا
بگڑ نا گر نہیں دشمن سے کیوں باتیں بناتا ہے
میرے تغئیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہوجائے
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی

تجھ میں: تیرے اندر

جمع جو تجھ میں عدل و حسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری

تجھے: تجھ کو

میں روح قدس کا ہم زباں ہوں
یہ مرتبہ عجز نے بڑھایا
مومن ہے زمان، عرض احوال
میں نے تجھے بے خرد جتایا
بے زری سے مری تجھے حاصل
کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی
تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون
کھول دوں میں یہ راز پنہانی
تجھے معلوم کیا نہیں ناداں
فرض ہے حج یہ نص قرآنی
دم الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا
کسی کا سوز دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانے ہے اے مہر عالم تاب اپنا سا
مومن تجھے تو وہم ہے مومن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبعِ سلیم کا
خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر
پس قتل آ مری خاطر سے ٹھہر جاتا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاہ
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منھ کو موڑ دیکھ

دکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرام ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گذرے

کس وقت کیا مردمک چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے

ناصح کف افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

وہ جو کہتے ہیں تجھے آگ لگے
مژدۂ وصل سناتے ہیں مجھے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

تحت الثریٰ: زمین کے سب سے نیچے کا طبقہ

فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر
خبر لادے کوئی تحت الثریٰ کی

تحریر: لکھنا

لگے آگ آتش غم کو زبان خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دم تحریر اکثر ہم

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

کام جز الفت نہیں اے کاتب اعمال یاں
فائدہ حرف مکرر کی بھلا تحریر سے

ہوگئی ساری زمیں صرف حروف نو رقم
اک جہاں ویراں ہے میرے نامہ کی تحریر سے

میرے لکھنے کو مٹایا آپ نے اچھا ہوا
تو شگوں ہی مدعا یاں نامہ کی تحریر سے

تحریر: لکیر سرمے کی جو آنکھوں کے اندر کھینچتے ہیں

عبث نالش ہے آہ تیرہ روز چشم جادو کی
وہاں بند ہوں سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو

تحریم: حرمت

احتساب اس کے سے، گو محفل کفار بھی ہو
ذکر تحریم مزا میر کرے موسیقار

تحسین: تعریف، آفریں

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالب زر ہم
تحسین سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

تحمل: برداشت، سہار

جوش قلق نے اس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبع تحمل میں رم نہ تھا

کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

پروردۂ وفا سے ہو کب ترک عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھا ترے تغافل کا

جلوہ دکھلائے تو وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحمل قلق جاں نہیں رہا

تحویل: کسی ستارے کا برج میں آنا، داخل ہونا

بند ہے امید گر اک خوشۂ گندم کی مجھے
''تیز'' مہر تحویل سے ہو برج شرف کی بیزار

تخت: سنگھاسن

کیا پایۂ منت سلیماں
اک بات میں تخت پر بٹھایا

نصیب روز جزا جب کرے نزول جلال
زمیں پہ چرخ سے تخت شہنشہ عادل

داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل

تختہ: چمن، کیاری

میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے

تختہ: کاغذ یا لکڑی کا مربع ٹکڑا جس پر شطرنج کھیلتے ہیں

تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ وقید شش دری

تختہ بند: کساد بازاری

کیسی شکست رونق بازار ہو گئی
ہے تختہ بند دست قلم سے دکان تیغ

تختہ تباہ ہونا: آباد مقام کا ویران ہونا

تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ وقید شش دری

تخلص: شاعر کا وہ مختصر نام جو شعر میں ڈالا جاتا ہے

آج ہوتا "کمال" تو کہتا
اب تخلص سزا ہے نقصانی

تخم: بیج

حاصل نہ ہوا سوا ندامت
کس تخم کو خاک میں ملایا

تخیل: خیال، سوچ، فکر

میری نیرنگی تخیل سے
سیمیا گر ہے روح نفسانی

تدبیر: علاج، چارہ

ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ
وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا اے چارہ ساز و زحمت تدبیر تو کھینچو

تدبیر: منصوبہ، فکر، کوشش

خم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم
مشورہ کیا کیجئے چرخ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسش سبب اجتناب میں
دوستوں لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے
چین ہو خواب عدم میں تو کسی تدبیر سے
میرے بالش کے لیے پر لادو اس کے تیر سے
ہے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے
نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے
بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
کب لگا اے کاسہ گر اس لب سے جام اس خاک کا
کام ہونے کا نہیں پھر فائدہ تدبیر سے
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی

تذکرہ: ذکر، بیان

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا
اب ذرا جان وہی کوے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ

تذکرے: جمع ہے تذکرہ کی، ذکر، بیان، ذکر

کر دیے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جا بجا لوگوں نے

تر: نم، بھیگا

آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو
نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو
اف رے سوز نالۂ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر روے زمیں اس سے سمندر خشک ہو
موج زن ہے ایک دریا ہائے جوش اشک ہائے
آستیں ہو جائے تر داماں تر گر خشک ہو

تر: آلودہ، لتھڑا ہوا

اشک چشم و گریۂ زخم دل اب میں کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں

تربیع: جب دو ستاروں کے درمیان ۱۲ بروج کا ربع یعنی تین برجوں کا فاصلہ ہو تو اسے تربیع کہتے ہیں

ترزبانی: خوش بیانی

سامنے میرے تر زبانی کے
نطق الکن، ’’حدیث سحبانی‘‘

تر کرنا: بھگونا

جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی

ترا: تمہارا، آپ کا

سبحانک یا الٰہ عالم
عالم ترا عجز نے دکھایا
تجھ کو بھی نہ کہہ سکے ترا مثل
یاں تک نقش دوئی مٹایا
ہمیشہ عفو ترا طالب گنہ گاراں
مدام رحم ترا دردمند کا جاسوس
خمیدہ کس لیے نہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس
ترا وہ خوف کہ رک جائے تا گلو آ کر
نہ نکلے معبد ترسا میں نالۂ ناقوس
براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پانو سے محسوس
دیکھ کر گرز خاردار ترا
ہو زرہ فرق خصم پہ مغفر
کچھ تعجب نہیں جو چڑھ جاوے
قلعۂ چرخ پہ ترا لشکر
فتنہ سازوں کو وہم فتنہ نہیں
دل ترا ہے جو کاشف مضمر
زر و سیم نثار کردہ ترا
ہے عروس زمانہ کا زیور
وداد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے
جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل

وہاں صلے میں نعیم جناں کی ہے امید
اگر ہو لطف ترا، میرے حال کے شامل
کیا ترا تیر، مرا تشنہ خوں ہے ظالم
واں سے آتا ہے کیے باز دہان سوفار
راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار
وہ ترا پایہ ہے اے شاہ جوانان بہشت
کہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم

وہ ترا پایہ ہے اے شاہ جوانان بہشت
کہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم
گر کہے، ’’یرحمک اللہ‘‘، ترا خصم لئیم
عطسہ زن پھر نہ ہو زنہار دماغ مزکوم
تا گہاں نعش پہ عاشق کی دم نوحہ گری
کوئی مذکور ترا کرنے ستمگار لگا
پچھتایا کیوں مرا واں رات دن رہنا ہم پہر نہ
بتا تو کیا ترا میں گردش ایام لیتا تھا
خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ
مجھ کو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا
کیا گلے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آ جاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا
مفت اول سخن میں عاشق نے جان دے دی
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پہنچا
درد شانہ سے ترا محو نزاکت خوش ہے
کہ میں ہم دوش ہوں گو غیر بھی ہم دوش ہوا
اثر حسن و عشق تھا بے مثل
میں ترا تو مرا عدیل ہوا
قبر میں چھوٹے عذاب دل بیتاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ
تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ
لب پہ دم آیا و لے نالہ نہیں ہے ہنوز
نغمۂ غم بھی ترا پردہ نشیں ہے ہنوز

بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم
دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درمان خستہ ہو
دیکھیں غم درونہ پہ کب تک نظر نہ ہوں
میرا شگافِ سینہ ترا چاک در نہ ہو
جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ
وا رہیں حشر تلک بہر دعا گولب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے
برا ہو ترا محرم راز تونے
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے

تراشنا: کاٹنا، کترنا
غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخواں کیوں ہو گئے قط گیر سے

تربت: مزار، قبر
کونسا گذرا یہاں سے شہسوار نازنیں
سبزۂ تربت مرا پامالِ توسن ہو گیا
جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ
گر نگاہِ ناز کو مشق ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگس تربت قلم کیوں کر کریں
جلا جاتا ہوں سوز رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمع تربت ہو
تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے
داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے
موئے ہیں حسرت دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت کی

پانو تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے

تربیتیں: جمع ہے تربیت کی، پرورش، پرداخت
یہ گل کھلاتی ہیں آب و ہوا کی تربیتیں
کہ ہے پیاز کو لاف منافع ملبوس

تربیع: جب دوستاروں کے درمیان ۱۲ بروج کا ربع یعنی تین برجوں کا فاصلہ ہوتو اسے تربیع کہتے ہیں۔
خون کے میرے ارادے سے ہوا "ذابح سعد"
قتل پر میرے کمر باندھے ہے یہ شکل جبار

ترجمان: شارح، مترجم
جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمان تیغ
ترجمانِ التماس شوق ہے تغییر رنگ
جوں زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

ترجیح: فوقیت، فضیلت
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حسن و جاں ربا ہے عشق
مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

ترحم: مہربانی، ترس
ذکر میں انتقام حق کے ترے
مترادف ترحم و کیفر

تر زبانی: خوش بیانی
سامنے میرے تر زبانی کے
نطق الکن،، حدیث سحبانی ،،

ترسا: عیسائی، نصرانی
کفر ہے بے گلرخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا
ترسا صنم پہ مرگئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجاز اثر سے فیض
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

ترسانا: للچانا، خواہش دلانا

اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا
تو نے کہیں سکھلایا قابو سے نکل جانا

ترسنا: خواہش مند ہونا

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے

وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اس کو رنج و الم نہ ہوتا

ترصیع: زیور کو جواہر سے جڑاؤ کرنا

ہر گدا کی ہے زینت کشکول
رشک ترصیع، تاج سلطانی

ترقی: بلندی

عبث ترقی فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے

موافقوں کو بہشت و ترقی درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل

ترقی: اضافہ

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

ترقی معکوس: الٹی ترقی

ہوئی ہے سقف فلک مانع قد افرازی
وگرنہ بید کہاں اور ترقی معکوس

کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ
کروں میں جان کے کیوں کر ترقی معکوس

ترک: چھوڑنا، دست برداری

وہ بد شعار و طرح دار دل ربا جس سے
امید وصل خطا، ترک آرزو مشکل

چشم ستارہ گو سحر، الوان زحل سے سرمہ سا
دشنہ ترک چرخ سے، تیز نگاہ مشتری

دل کو تعلق ہے ترک محبت کے بعد بھی
اب آسماں کو شیوۂ بیداد آ گیا

بے اعتبار ہو گئے ہم ترک عشق سے
از بس کہ پاس وعدہ و پیماں نہیں رہا

خاک اٹھیں گے خاک سے جو یوں ہی
ترک آرام و خواب نے مارا

ترک صنم بھی کم نہیں سوز جحیم سے
مومن غم مآل کا آغاز دیکھنا

پروردۂ وفا سے ہو کب ترک عاشقی
کیا ناز تھے کہ مجھ سے تحمل نہ ہو سکا

ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترک بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ

حور کی مدح میں کیا ترک صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

شوق مردان کو بھی سامان سفر درکار تھا
سو ہے از خود رفتگی ترک وطن کی فکر میں

اس بت کو ترک دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایت اغوائے دل کروں

سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گلفام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

میں ترک وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کی تجھ سے جو اے دشمن ارباب وفا ہے

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

تری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترک در بت خانہ کریں گے

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے وصل نے کیا کیا امیدوار مجھے

ثواب ترک صنم ہی سہی اے مومن
یہ کیا سبب کہ ستاتے ہو بار بار مجھے

ترک کرنا: دست بردار ہو جانا، چھوڑ دینا

شہرت ظلم و جوَر سے دور میں تیرے کیا عجب
ہفت پدر اگر ہم ترک کریں برادری
مرا: ضعف کی وجہ سے آنکھوں کے آگے جو تارے نظر آتے ہیں
عطر غیروں کو لگا کر جو رلایا اس نے
تر مرے سے ہیں مرے دیدۂ تر میں پھرتے
ری: تیری کا مخفف، تمہاری
آوے تری حمد کا توہم
یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا
تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس
تو وہ سلطاں کہ بارگہ کا تری
پست کا شانہ ہے فلک منظر
گر تری بے رضا کرے گردش
توڑ دے دو لاب چرخ کا محور
گرا دے جب تری تکبیر، قلعۂ اصطخر
تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں بتانِ چگل
منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ
ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ
سبزہ رنگی نے تری قتل کیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم
مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوبارہ حلقوم
دعوت عام تری سب کو بنا دیوے خاص
گر قضا کو نہ ہو پاس صفت فیض عموم
جام مے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے بنے درماں خراش بلعوم
اے سخن سنج نکتہ داں تیری
کس زباں سے کروں ثنا خوانی
دور کرم میں اس کے لعل خشکی لب کا ہے بہا
در یتیم کو کہے چشم یتیم کی تری

رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
شعلۂ دود و عارض روشن و زلف عنبری
مومن تجھے تو وہب ہے مومن ہی وہ نہیں
جو معتقد نہیں تری طبع سلیم کا
صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بدگمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہو گیا
اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا
معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح
کرم جو غیر پہ دیکھا لہو اتر آیا
نہ پوچھ کیوں تری آنکھیں ہیں بن کے ناداں سرخ
کیا ٹھہرے دل بوالہوساں میں تری الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں ارباب ہنر بند
شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند
اے سوزش سینہ مجھے وہ سینہ دکھا دے
کھولے تری گرمی سے وہ گھبرا کے تکمہ بند
وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگ گل خامہ دے اور نرگس شہلا کاغذ
جوش گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار
کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کجروی اے آسماں نہ چھوڑ
مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص
تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض
یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیر نالہ ہائے شرر بار ہے غلط
اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترک بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ
سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ
اے سوز گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشانِ شمع
کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
بے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ
عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیر اکثر ہم
خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
بیزار جان سے جو نہ ہوتے تو مانگتے
شاہد شکایتوں پہ تری مدعی سے ہم
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے بے خدا نہ کرتے ہم
آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم
برباد نہ جائے گی کدورت
کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم
دھیان آتا ہے تری منہ میں زباں لینے کا
تب ہم اے شوخ پے سیر عدم لیتے ہیں
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں
وہم آتا ہے فغانِ ہجر کوئے یار کا
صورِ اسرافیل ہے قمری تری کوکو ہمیں
ہے جلوہ ریزِ نورِ نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں
ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں
اے اجل کاش الٹ جائیں شبِ ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں ہے مرا راز داں نہیں
میں جانتا ہوں نعش پہ آنے کا مدعا
آسودگی پسند تری شوخیاں نہیں
جی اٹھے اور وہی رنج و محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری خوگر میں نہیں
سن سن کے نا درست تری خو بگاڑ دی
ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو
منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے
آہ دورِ چرخ کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے
ذکرِ اشکِ غیر میں رنگینیاں
بوئے خوں آئی تری گفتار سے
تری دوری میں بھی کیا جوے جاں کس پاس جاتا ہے
کہ جس نے کمال پرستانِ پانداز میں پڑا ہے
تری دل گرمیاں آخر جلا رہویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوزِ غیرت کی
کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعثِ گرمی ہو تری مجلس کے
ہے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھئے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے
کیوں نہ ٹپکے آب جب ٹپکے لہو
برق کشتی ہے تری شمشیر سے
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے
وہم ہے خواری سے دل کو نشۂ ننگ آئینہ
ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے
طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
ہو نہ زیبِ پشتِ آئینہ تری تصویر سے
بزمِ دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے

تری: نمی، رطوبت

بستر گل پہ خواب خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطر لباس سے گلاب جرم دماغ کی تری

تر ہونا: بھیگ جانا

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خوں سے تر آستیں ہو چکی

مرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہو جائے

میں کیا کہ مرگ غیر پہ دامان تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے

روز محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

ترہات لاطائل: بے ہودہ بکواس

خموش تا بہ کجا لاف ہائے بے معنی
خموش تا بہ کجا، ترہات لاطائل

تڑپنا: لوٹنا، بے قرار ہونا، بے چین ہونا

صبح نے تعریف بے صبر و سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

سینہ میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا
پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا پھل جانا

خو ہو گئی ہجراں میں تڑپنے کی شب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا

یہ غیرت وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا
صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آ جائے

تڑپتا ہے بڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے

تڑپنے لوٹنے رونے کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی

عشق مہرو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر
پر منھ سوئے دیر صنم آرا نہ کریں گے

بقدر جوش تڑپنے کو تھا ولے پس قتل
وہ بے قرار ہوئے آ گیا قرار مجھے

اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ
ہو گیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

تساہل: غفلت کرنا، سستی کرنا

عاشق نہ ہو کہیں کہ انہیں قتل غیر میں
مشکل بنی کچھ ایسی تساہل نہ ہو سکا

تسکین: دلاسا، ڈھارس

اف رے سوز عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو لوٹا وہ بھی گلخن ہو گیا

تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض

دیتے ہو تسکیں مرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے

نوید قتل سے بھی ہو دل مضطر کو کیا تسکیں
کہ قدر نیم رقص مرغ بسمل جاز میں پر ہے

آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطراب دل زار کے لیے

اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے

تسلی: دلاسا، تسکین

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب

مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روز جزا کے آنے کی

تسلّی دمِ واپسیں ہوچکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہوچکی
خیالِ اجل سے تسلّی کروں
یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہوچکی

گر گئے تھے تو تسلّی کو مری کہہ جاتے
کہ اب آتے ہوں وہ گو آٹھ پہر میں پھرتے

تسخیر: تابع کرنا، قابو میں لانا، بس میں کرنا

نہ تھی مسجد میں برکت ورنہ وہ بت رام ہو جاتا
گئے مومن فسوں پڑھنے پے تسخیر اکثر ہم

گر ہے دل غیر نقشِ تسخیر
تو تیرے لیے جلائیں گے ہم

دمِ خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم
نگاہِ لطف و غضب سے مثالِ عامل

گالیاں دے کے زمانے کو کروں گا تسخیر
ہیں پسند فلک سفلہ، صفاتِ مذموم

تشبیہ: ایک چیز کو دوسری چیز کے مانند ٹھہرانا

کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار

کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ
کروں میں جان کے کیوں کر ترقیِ معکوس

جو دلوائے کوئی خصمِ لئیم سے تشبیہ
کوئی پلید تو "سقمونیا" نہ ہو مسہل

اس کے کمیں سے، اگر کوہ کو دیجے تشبیہ
بے یقیں شعلۂ جوالہ کو آجائے قرار

توسنِ چرخ سے تشبیہ فرس کا ترے ننگ
کب ہوا ہے نسبتِ سگ در کو ترے عار

کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار

کس سے دیتے ہم کو تشبیہ
گر نہ ہوتا ستارۂ پیشانی

تشبیہ کس سے دوں کہ طرح دار کی مرے
سب سے نرالی وضع ہے سب سے نئی طرح

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لبِ شیریں دہاں ہنوز

دی دلِ سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈتا ہے مسکن آب میں

تشبیہ زبس دیتے ہیں لبہائے بتاں کو
مر جائیں گے پر منتِ عیسیٰ نہ کریں گے

تشبیہ دینا: مثال دینا

ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو دردِ تلخیِ فرہاد آگیا

قبائے گل کو گر اطلس سے دیجے تشبیہ
سیاہ پوش "جعل" ہو درونِ ماتم "سوس"

تشنہ: پیاسا، خواہش مند

کیا ترا تیر، مرا تشنۂ خوں ہے ظالم
واں سے آتا ہے کیے بازِ دہانِ سوفار

گرمیِ شوقِ شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آبِ دمِ خنجر حلقوم

بال و پرِ فرشتۂ موت ہیں یا پرِ خدنگ
وشنۂ دشنۂ قضا، یا ترے تیر کی سری

روزِ محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوضِ کوثر خشک ہو

تشنہ کام: پیاسا

تشنہ کامِ آبِ تیغِ یار ہوں گر مری تو دیکھ
بہرِ تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

لب وہ آبِ حیات جس کے لیے
تشنہ کامِ صد آرزو کوثر

تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھر دیے واں دوں اور سا گر خشک ہو

تصویر سے تری مجھے تسکینِ دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض

تشنہ کامی: پیاسا ہونے کی کیفیت مجازاً محرومی، ناکامی

تشنہ کامیِ وصل کی مت پوچھ
شوقِ تیغِ خوش آب نے [illegible]

یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر

تشنہ لب: نہایت پیاسا، خشک لب
تشنہ لب ایسے ہم گرے مے پر
کہ کبھی سیر عید گاہ نہ کی

تشہیر: شہرت دینا
کہتے ہیں سب یہ رہا آوارہ بعد قتل بھی
ہوگئی کتنی مری نام آوری تشہیر سے

تصدیع: تکلیف
مبارک خفتگان خاک کو تصدیع بیداری
کہ گور تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی

تصور: خیال
تھیں وحشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا پھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم
گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بیتاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے
کس کے ہنسنے کا تصور ہے شب و روز کہ یوں
گدگدی دل میں کوئی آنکھ پہر کرتا ہے
کیوں یار نوحہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو
لب بستگی تصور بوسِ دہن سے ہے
ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
یاں ہاتھ تصور میں مرا زیر کمر ہے
دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے
بہ سانِ ساغر خورشید کاسہ ہائے رؤس

تصور بندھنا: کسی شخص یا شے کی صورت دل میں بندھنا
کیا بلا اس زلف خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں

تصویر: شبیہ، شکل
میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلہ عذار
دیکھ تو صفحۂ قرطاس کی تصویر نہ کھینچ
محو حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبل تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویر لیلیٰ دیکھ کر
تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض
وہاں چھوٹا گلے لگنا کہ شوقِ ہم کناری میں
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم
پابوس یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم
عدو کے گھر میں ہے تصویر شیریں
دکھاؤں کس طرح اس بدگماں کو
سبک روح تجرد بھی کہیں پابند ہوتا ہے
شمیم گل کی نقاشو بھلا تصویر تو کھینچو
بھلا کیا اعتبار اے مومن ایسی پارسائی کا
کہ بیخود ہوگئے تم دیکھ کر تصویر شیشہ کی
دم بدم رنگ ہے تغییر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے
اے صنم مومن ہوں آخر کس طرح
مجھ کو تسکیں ہو تری تصویر سے
طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
ہو نہ زیب پشت آئینہ تری تصویر سے
یاس محو قطع آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بال ہدہد تصویر سے
ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہوں
کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

تصویر بن جانا: متحیر ہو جانا، بت بن جانا، خاموش ہو جانا
تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

تصویر کا عالم: تصویر کی کیفیت
کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا

تصویریں: جمع ہے تصویر کی، شبیہ، شکل
نظر آتی نہیں وہ تصویریں
نقش دیوار کیوں نہ ہو مانی

تظلم: ظلم سے فریاد کرنا

ناز شوخی دیکھنا وقت تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذرِ جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا

تعب: تکلیف، سختی

از بسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا

تعبیر: خواب کا نتیجہ بتانا

بے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے
نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے

تعجب: حیرت، اچنبھا

کچھ تعجب نہیں جو چڑھ جاوے
قلعۂ چرخ پہ ترا لشکر

شمع ساں میں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ہو

تعریف: مدح، توصیف

صبح سے تعریف ہے صبر و سکون غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

تعزیت: صبر دینا، ماتم پرسی کرنا

مری تعزیت میں نہ لا غیر کو
کہاں تک ستم پیشہ کیں ہو چکی

تعزیر: سزا

گر نہ ہوئے کشی و وصل صنم کی تعزیر
تو یقیں آئے مجھے یہ کہ جہاں ہے موہوم

ہوں سزاوار ستم میں نے کیا ہے جرم عشق
بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعزیر سے

عشق اس قاتل کا بعد قتل بھی ہم کو رہا
ہے یہ کیسا جرم جو جاتا نہیں تعزیر سے

تعصب: حمایت، پشتی، مذہبی رعایت

کوشش نے تیری حرف تعصب مٹا دیا
کیوں بیہ خوان دہر نہ ہوں بادخوان تیغ

تعظیم: بڑا جاننا، بزرگ ماننا

غالب کہ سر چڑھ جائے سے اس کو ہو فرض عین
تعظیم تیغ و مکرمت تیغ و شان تیغ

تعلقات: جمع ہے تعلق کی، رابطہ، میل، رشتہ

معشوق وے سے زلد مفلس کو آس ہے
قطع تعلقات کس امید پر نہ ہو

تعلیم: علم پڑھنا، سیکھنا

کی مجھ کو ہاتھ ملنے کی تعلیم ورنہ کیوں
غیروں کو آکے بزم میں وہ عطر مل گیا

ہم بھی تو ناداں ہیں آخر یاں مطلب کے لئے
خضر موسیٰ کو پئے تعلیم دانائی ملا

تعمیر: عمارت بنانا

سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گر گ
غم تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار

کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محراب عبادت ہو

لے گئی جاں یاد رونق ہائے وصل
گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے

سر پٹکتا ہے قلق میں مومن خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

تغافل: جان بوجھ کر غفلت کرنا، بے التفاتی

وہ پر فریب کہ ہو دل نشیں تغافل ناز
ہمیشہ حالت عاشق سے گر رہے غافل

ہر چند اضطراب میں میں نے کمی نہ کی
تو بھی نہ واں تغافل بسیار کم ہوا

کیا رشک غیر تھا کے تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھو ترے تغافل کا

اب تغافل ہے واں مگر [illegible] درد ول
میرے آزار کا نہیں ہوا

ہے بے خودیٔ دائم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیوں کہ مرا ہوتا
ہے گریباں گیرواں ناز تغافل اب تلک
جی جلا یاں سے باعث دیر آمدن کی فکر میں
شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں
مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہو جائے
کہاں تلک گلہ ہائے تغافل قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

تغافل شعار: ایسا محبوب بے التفاتی جس کا شیوہ ہو
اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

تغیر: انقلاب، پلٹناؤ، بدلاؤ
تختۂ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ وقید شش دری
شب ہجر روز وصال کی تری شوخیاں جو نظر میں تھیں
کہوں کیا تغیر حالِ دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق
ترجمان التماسِ شوق ہے تغیر رنگ
جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی
میرے تغیر رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہو جائے
دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے
حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگ عشق
نو بنو جلوہ ملا لو رنگ کی تغیر سے

تغیر آنا: بدلاؤ آنا، تبدیلی واقع ہونا
اے گردش زمانہ کبھی تو تغیر آئے
حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نہ ہو

تف: حرارت، گرمی
ہووئے نہ مقابل تف دل
بھڑکائے کوئی ہزار آتش
ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ

تفتیدہ: گرم، جلتا ہوا
آتش سینۂ تفتیدہ کو کیا میں روؤں
اشک جانب کرۂ آب کی مائل نہ ہوا

تفتہ: سوختہ جلا دینا
مہندی ملے گا پانو سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا

تفرقہ پرداز: جدائی کرانے والا، پھوٹ ڈالنے والا
بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

تفرقہ پرداز: جدا کرانے والا، پھوٹ ڈالنے والا
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

تفریح: سیر، چہل، تازگی
تفریح نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا درِ دلدار نشیمن ہے ہمارا

تقابل: دو ستاروں کے درمیان جب چھ برجوں کا فاصلہ ہو تو اسے تقابل کہتے ہیں
زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا
بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار

تقاضا: خواہش، طلب، تاکید
مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر
جاں دیدوں ہے اس آفت جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں
گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضا نہ کریں گے

تقدیر: نصیب، قسمت

گر کہے کوئی کہ بالفرض مماثل ہے ترا
ذکر کیا پھر کوئی تقدیر کا سمجھے مفہوم

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظِ دفترِ تقدیر اکثر ہم

تقدیر بھی بری مری تدبیر بھی بری
بگڑے وہ پرسشِ سببِ اجتناب میں

مدام اس دل پر میکش کے منہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشہ کی

وہ مٹا دے نامۂ مضمونِ وصل
گر ہو خط کاتبِ تقدیر سے

دوستوں لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
مر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

تقدیس: پاک کرنا، پاکی سے منسوب کرنا، مراد خداوند تعالیٰ کی ذاتِ اقدس۔

وہ غیرِ آسماں تقدیس
جاں سوز مناظر و مرایا
مسند آرائے محفلِ تقدیس
اولیں جانشینِ پیغمبر

تقدیم: مقدم کرنا، پہلے لانا

ظہور میں ہوئی تقدیمِ انبیاء، کہ نہ تھا
ترے وسادۂ دولت پہ احتمالِ جلوس

تقریر: بیان، ذکر

"مومن" اب کر دعا کہ سنتا ہے
تیری تقریر گوشِ دل سے اثر

اس کے احسانِ فراواں کا جو مذکور چلے
کم ہو مستعمل تقریر بجائے "بسیار"

انوری کے بیان میں ہے کہاں
میری تقریر کی سی تابانی

صد شکر وہ کبھی ہوئی تقریر نہ سمجھ
تھی بزمِ زلفِ پریشاں کی شکایت

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

ہے یادِ رطب و یابسِ تقریرِ ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفرِ بحر و بر میں ہم

کسی کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفاداروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم ختمِ تقریر تو کھینچو

بیاں کرتا ہے بہکانے کا اس بدمست کے عالم
ولے کیا سمجھے پیچیدہ ہے تقریر شیشہ کی

یوں بنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے

کیوں کہ پوچھے حالِ تنگی عاشقِ دلگیر سے
ہو گئے ہیں بند لب شیریں تقریر سے

وہم مے خواری سے دل کو نشۂ بنگ آ گیا
ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے

ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے
اس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دمِ شمشیر سے

تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

تقصیر: خطا، قصور، کمی

بے حجابی کا گلہ کیجئے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم

سوائے محتسب اس کے کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزاوارِ شکستن کون سی تقصیر شیشہ کی

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا گنتی
مسلمانو ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

واقعی سجدۂ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

مار ڈالا ہم کو جور گردشِ ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روزِ حشر کی تقصیر سے
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی

تقطیع: علم عروض کی اصلاح میں شعر کو بحر کے وزن کے مطابق کرنا ،ٹکڑے ٹکڑے کرنا

بوسہ دے تیرے دمِ تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلامِ منظوم

تقوی: پرہیزگاری ،خدا کا خوف

مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا

تقیہ: ڈرنا ،ڈر کر اپنا مذہب ظاہر نہ کرنا ،وہ راز جو دل میں رکھا جائے اور کسی کے خوف سے ظاہر نہ کیا جائے ،وہ کام جس کے کرنے کو دل نہ چاہتا ہو مگر کسی کے خوف سے کیا جائے ،دل میں عداوت ہو مگر بظاہر دوستی ظاہر کی جائے۔

وہ نکتہ داں کہ ،،تقیے ،،کو اصل دیں کہے تا
دمِ شکایتِ عاشق نہ ہو جفا سے خجل

تکبیر: اللہ اکبر کہنا

گرا دے جب تری تکبیر ،قلعۂ اصطخر
تو کیا عجب ہے کہ کلمہ پڑھیں بتانِ چگل

تکرار: اعادہ ،دہرانا

صوفیوں نے ترے چہرے کا جو دیکھا عالم
ہوئے قائل ،کہ تجلی کو نہیں ہے تکرار
ہر غنچہ لب سے عشق کا اظہار ہے غلط
اس مبحث صحیح کی تکرار ہے غلط

تکرار: بحث

وعدہ کر کے وہ نہ آئے نامہ بر
تو نے پوچھا ہووے گا تکرار سے

تکلیف: رنج ،دکھ ،مصیبت

دعوۂ تکلیف سے جلاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

دیتے تکلیف شبِ ہجر میں کیا اپنے پاس
نقدِ جاں پیش کشِ مرگ کے قابل نہ ہوا
تکلیف سے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگِ حنا ہاتھ

تکلیف اٹھانا: مصیبت برداشت کرنا

مرجاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجر میں
تکلیف کیسی کیسی اٹھائی تمام شب

تکلیف دینا: کسی کام کو کہنا ،کسی کام کی درخواست کرنا

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

تکنا: دیکھنا ،بغور دیکھنا

دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا
کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف
دم بدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
اگر نہ دیکھتے وہ پیاری پیاری صورت آہ
تو ایک ایک کے منہ کو تکا نہ کرتے ہم
آن بیٹھا کون کوٹھے پر جو یوں حیران سے
خاک پر چپکے پڑے تکتے ہیں سوئے بام ہم
امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

تکیہ زن: سہارا لینے والا

تیرے احباب رہیں تکیہ زنِ مسندِ عیش
تیرے حساد رہیں آوارۂ دشتِ ادبار

تگ و دو: تلاش ،جستجو

یہ سبک رو کہ بیان تگ و دو میں اس کے
منہ سے مفتوح نکلتے ہیں حروفِ مضموم
اس تگ و دو کو کیا کہیں چرخ رس ایک جست میں
نیم قدم پہ رہ گئی ،طائری و تگاوری

تگاپو: دوڑ دھوپ

مومن سوئے حرم ہے تگاپوئے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں

تل: وہ نقطہ سیاہ جو جسم کے کسی حصے پر ہو

مری بیاض پہ وہ انتخاب کے نقطے
سپند جس پہ ہوئے گردن بتاں کے تل
ہیں مشابہ بہت اس دست کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزائے رقوم

تلاش: جستجو، کھوج

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہو سکا

تلافی: بدل

یاں وصل ہے تلافی ہجراں میں اے فلک
کیوں سوچتا ہے تازہ ستم انتقام کو
اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

تلخ: ناگوار، کڑوا

شکوہ حرف تلخ کا یا شور بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں
غیروں سے شکر لب سخن تلخ بھی ترا
ہر چند باطل ہو گوارا نہ کریں گے
ہر چند کہ قول ناصحوں کا
کچھ تلخ نہ تھا ولے نہ بھایا

تلخ کام تر: بہت زیادہ ناگوار مقصد والا

کیا شاد شاد ہوں کہ وہ ہے تلخ کام تر
میری جو شورشوں نے عدو کو مزا دیا

تلخ کامی: ناکامی، مطلب کی بات کا دشوار ہونا

تلخ کامی نصیب اعدا حیف
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا
تلخ کامی پر مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز
مرے چارہ سے، اعجاز مسیحائی ہو

شربت مرگ آب حسرت شور بختی زہر غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارا ہو گئے
کس کو ہے ذوق تلخ کامی لیک
جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا
کس ملاحت سرشت کو چاہا
تلخ کامی پہ با مزا ہے عشق

تلخ کام: جس کا حلق کڑواہٹ سے مانوس ہو

بادہ کش ایسے تلخ کام کہ ہے
کف مار سیہ، مئے احمر
کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق ہیں تھے لائق دشنام ہم
تلخ کام عشق، شیریں لب جئے تو کیا ہوا
شور بختی سے مزہ ہی زندگی کا جائے ہے
مزہ یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزہ ہوئے وہ
میں تلخ کام رہا لذت زباں کے لیے

تلخ کامیوں: تلخ ہے تلخ کامی، مطلب کی بات کا دشوار ہونا، ناکا

کیا تلخ کامیوں نے لب زخم سی دیے
وہ شور اشتیاق نمکداں نہیں رہا

تلخی: کڑواہٹ

جو دیوے تلخی خصم لئیم سے تشبیہ
کوئی بلید تو "تھمونیں"، نہ ہو مسبّل
لذت مدح جاں فزا، تلخی ہجو تاب وہ
شہد ہے یاں تو شہد ناب، صبر ہے تو سقوطری
بہر حسود جام زہر، ساغر مے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار تلخی بادہ شعر کی
ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو درد تلخی فرہاد سے دیا
اے ہمدم آج تلخی ہجراں سے دم نہیں
کرتا ہے دیکھیو جام ہلاہل کو تھام منہ
کیا پوچھتا ہے تلخی الفت میں پند کو
لیکن تو مذاق ہیں کہ تو جان ہے

اس تلخی حسرت پر کیا چاشنیِ الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

شیریں پہ طعن تلخی فرہاد کس لیے
مجھ کو بھی کچھ مزا نہ ملا تیری چاہ میں

تلخی خسرو ہو شیریں کام شادی مرگ کیا
جاں کنی ہے انتقام کوہ کن کی فکر میں

شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکرخواب نہیں

زہر نوش غم شیریں نے کہا خسرو سے
تلخی مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

کیوں کہ پوچھے حال تلخی عاشق دل گیر سے
ہو گئے ہیں بند لب شیرینیِ تقریر سے

تلک: تک کا قدیم، اس کا جدید لفظ تک ہے

ہم بزمی ماہ وش نے گا ہے
جوں بدر سحر تلک جگایا

خدا کے واسطے گرم دعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

کب تلک شکوۂ جفائے فلک
تا کجا طعنۂ قمر جاکر

جب تلک گردش سپہر سے ہے
انتساب حدوث نیکی و شر

جب تلک فتویٰ برجیس نہ ہو کیا مقدور؟
کہ کوئی کام کرے، یہ فلک ناہموار

کف رنگیں نے کیا، خون خیال رنگیں
دست دربار کی شاکی ہے زبان دربار

بس بس آہنگ دعا نجی ممدوح کہ ہے
متصل عرش معلی سے نزول آثار

حسادسر سے پانو تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ

"مرحبا یا بن علیؓ" کی چلی آتی ہے صدا
اب تلک روضہ رضواں سے ازبے فیض قدوم

جب تلک ذلت و عزت طرب و غم ہوں خلق
گوشہ گیر انجمن افروز کمین و معدوم

کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا

نام اُلفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا

ہو گیا سن کر نویدِ وصلِ شادی مرگ میں
لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہو گیا

صاف تھا تو جب تلک مجھ سے تو میں بھی صاف تھا
بد گمانی سے تری اب میں بھی بدظن ہو گیا

گھر میں خودرفتگی سے دھوم مچی
کیوں کہ ہو اُس تلک ہرا جانا

مٹی نہ دی مزار تلک آ کے اُس پہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اُس نے ملا دیا

اس رشک گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے
سرسوں ہتھیلی پر نہ جمائے اگر بسنت

ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ

ہجراں کا شکوہ لب تلک آیا نہیں ہنوز
لطفِ وصال غیر نے پایا نہیں ہنوز

ہم قرض پہ نقد دل اسے دیتے ہیں مومن
جس نے نہ کبھی آج تلک لے کے دیا قرض

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط گفتار ہے غلط

کب تلک جلیں یارب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقت جور و ستم نہیں

یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی چھیں شمع روشن آب میں

شبِ فراق میں پہونچی نہ دل سے جان تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتوان نہیں

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

کب جان دے بے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخِ غزالاں کا دستہ ہو

دن رات فکرِ جور میں یوں رنج اٹھاتا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

کب تلک نبھائیے بت ناآشنا کے ساتھ
کیجے وفا کہاں تلک اس بے وفا کے ساتھ

رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا
کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

کہاں تلک دم بخود رہیے نہ ہوں کیجے نہ ہاں کیجے
کہاں تلک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجے

وا رہیں حشر تلک بہرِ دعا گو لبِ زخم
پر ترا حقِ نمک کوئی ادا ہوتا ہے

وہ لعلِ روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوقِ جاں فشاں کے لیے

کہاں تلک گلہ ہائے تغافلِ قاتل
ہم آپ کاٹ لیں آخر یہ سر وبال تو ہے

سوزِ دل آبِ جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کر دے چاک جیبِ جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک

خاک دے آنکھوں کو میری گرد وان کی مجھ سے تو
سب مقدر ہیں ہوائے کوچۂ جاں تلک

اول الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا نہ رکھیو آمدِ ہجراں تلک

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آپہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

طالعِ برگشتہ اے شوقِ شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجر یہ اں تلک

نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منھ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک

شوقِ بزمِ احمد و ذوقِ شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اُس مہندیٔ دوراں تلک

کب تلک اعتکافِ بت خانہ
کب تلک کنجِ دیر و رہبانی

مجھ تلک پہنچے ہیں اب وجد سے
ورثۂ نکتہ ہائے لقمانی

جب تلک باعثِ نشاط و ملال
ہے وصال و فراقِ جانانی

تلوا کھجانا: کوبا میں خارش ہونا

آیا نہ کبھی خیالِ حج کا
تلوا سو بار گر کھجایا

سوئے صحرا لے چلے اس کو سے میری نعش ہائے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا مرا کھجائے تھا

تلوار: شمشیر، تیغ

یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار اگا

ہوتے ہیں قتل غیر اب ادھر ہے نگاہِ لطف
ارماں مرے نکلتے ہیں تلوار کی طرح

ہے گیا قبول سجدۂ شہیدانِ عشق کا
ہوں خوش سر جھکاتے ہی تلوار کی طرف

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم

تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر
چھوڑ دیویں پرستش آذر
اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے
زرد تر چہرہ عاشق سے ہو رنگ رخ یار
ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ
مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کر دیا تیغ گریباں نے دوبارہ حلقوم

تلوار کرنا: تلوار سے کسی کے ساتھ لڑنا، شجاعت رکھنا، تلوار مارنا
ور دِ زباں ہیں اس نگہ سرگیں کے وصف
تلوار کر رہے ہیں صفاہانیوں میں ہم

تلووں سے لگنا: بے قرار ہونا، مضطرب ہونا
غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے

تلووں سے ملنا: پیروں تلے ملنا، پیس ڈالنا
چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

تماشا: وہ چیز جس کو تعجب یا شوق سے دیکھیں
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہو گیا
پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہو گیا
کفر ہے بے گلرخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا
دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا
کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر
کاٹ لینے دو گلا تم شوق سے گھر جائیو
لیک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر
نہ ٹھہرے بس آئینہ کو دیکھ کر
وہ اتنا کہ دیکھیں تماشائے غش

ہے شام انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح اِدھر ہم اُدھر چراغ
مانے نہ مانے منع تپش ہائے دل کروں
میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروں
آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں
غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں

تماشا دکھلانا: سیر دکھانا، لطف دکھانا
تجھ کو دکھلاؤں تماشا، میں جنوں کا اپنے
آ رہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار

تماشائی: تماشا دیکھنے والا
ہے جنوں ایسے کے آگے ٹھہرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا
دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

تماشے دکھانا: فتنہ کھڑا کرنا
ہاتھ اُٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل

تمام: پورا، کل
زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سرخ
یہاں ہے چاک گریباں تو واں بھی چستی سے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
کرتے وفا امید وفا پر تمام عمر
پر کیا کریں کہ اس کو سر امتحاں نہیں
کیے ہیں طول امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظم جہاں کے ہیں کاروبار مجھے
میرے گوہر تمام ناسفتہ
میرے یاقوت سب بدخشانی
ساکن بحر و بر تمام، رام نہ ہوں تو کیا کریں
تیغ میں یہ نہنگی اور طبع میں ہے غضنفری

تمام شب: پوری رات

تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

رنگیں ہے خونِ سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب

تالو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغلِ نغمہ سرائی تمام شب

یک بار دیکھتے ہی مجھے غش جو آگیا
بھولے تھے وہ بھی ہوش ربائی تمام شب

مر جاتے کیوں نہ صبح کے ہوتے ہی ہجر میں
تکلیف کیسی کیسی اٹھائی تمام شب

گرمِ جوابِ شکوۂ جورِ عدو رہا
اُس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب

کہتا ہے مہروش تمہیں کیوں غیر گر نہیں
دن بھر ہمیشہ وصل جدائی تمام شب

دھر پانو آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب

مومن میں اپنے نالوں کے صدقے کہ کہتے ہیں
اُس کو بھی آج نیند نہ آئی تمام شب

تمام ہونا: ختم ہونا

کہنا پڑا مجھے پئے الزام پند گو
وہ ماجرا جو لائقِ شرح و بیاں نہیں

پھر تیغ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوے بوسہ کا لب پر مقام ہے

اک بات میں تمام ہے یہاں کارِ مدعی
کس کی بلا ہو یورشِ امتحانِ تیغ

تمکین: طاقت، برداشت کی قوت

کس سے تمکیں سے [illegible] تیغ شہ

ہے یقیں شعلہ جوالہ کو آجائے قرار
تمکیں کو تیری دیکھئے گر کوہ سے مثال
روئیں تنوں سے اٹھے نہ بارِ گرانِ تیغ

تمنا: خواہش، آرزو

جستجو ہے وصلِ دل بر کی تمنا کس لئے
کیا دلِ گم گشتہ اے ہنگامہ آرائی ملا

بوسے دمِ غضب لئے الٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خونِ تمنا ہوگیا

وصلِ شیریں کی تمنا کوہکن کو کیا کہوں
صحبتِ شاہاں سے اربابِ ہنر رکتے ہیں آپ

مرتا ہوں کس عذاب سے ہے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

وہ نہیں آتے نہ آویں مرگِ ناکام تو آ
یاں لبِ شوق و تمنا مرحبا کہنے کو ہیں

دیکھنا اس دہنِ تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

شب وہ جو سو رہے مرے پاس آکے خواب میں
جاگے تھے بختِ خفتہ تمنا کے خواب میں

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے

رکھ لیویں گے پتھر مگر ان سنگ دلوں کو
چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے

وہ ترا پایہ ہے اے شاہِ جوانانِ بہشت
کہ ہوئی حرمتِ پیری کی تمنا محروم

تموج: لہریں اٹھنا، پانی کا موجیں مارنا

کون ڈوبا تجھ آکر غرق دریاے [illegible]
کیوں سدا شورِ تموج ہے بے شیون آب [illegible]

تمیز: شناخت، پہچان

ہے ہے تمیزِ عشق و ہوس آپ تک نہیں
وہ پوچھتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ [illegible]

جو شمس، شمسۂ قصر اس کا ہو تو ہندسہ داں
کریں نہ مدخل ظل سے تمیز مخرج ظل
قدر ہنر کو چاہئے عقل و تمیز و درک و فہم
دست کشادہ، دل فراخ منعمی و تونگری

تمہارا: آپ کا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے
پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
نہ مانوں گا نصیحت پر نہ سنتا میں تو کیا کرتا
کہ ہر ہر بات میں ناصح تمہارا نام لیتا تھا
غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص
جب گھر میں نہ ہو تم تو رہیں کوچے میں ہم کیوں
شکوہ جو تمہارا تو ہمارا بھی بجا ہے
پری لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے
بے وفا، بوالہوس اور آپ ستمگر، سچ ہے
نہ تمہارا کوئی عاشق نہ ہمارا کوئی یار

تمہاری: تم سب کی، آپ کی

کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا
ہو نہ بیتاب ادا تمہاری آج
ناز کرتی ہے بے قراری آج
تمہاری کدورت سے ہوش آ گیا
کیا بوئے گل نے مداوائے غش
ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطر نا مہرباں کو
سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان گئی
زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریکِ قتل ہو مردوں کو انفعال تو ہے

تمہارے: آپ کے، تم سب کے

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہوئے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا
کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے
پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا
تمہارے دشنہ کے دستِ خشہ نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ
جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
کیا یہ مطلب ہے کہ برعکس وفا ہوگی جفا
جو تمہارے عہد نامہ میں خط معکوس ہے
سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان گئی

تن: جسم، بدن

یک دل و گونہ گونہ زخم یک تن و فوج فوج خصم
یک جگر و ہزار نیش، یک سر و صد گراں سری
لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا
بن ترے اے شعلہ رو آتشکدہ وتن ہو گیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
پہنا ہے کس کا جامہ گلدوز غیر نے
کیوں تنگ ہو گئی مرے تن پر قبائے داغ
نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر، دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
گر ہو وہ دست حنائی عکس افگن خواب میں
ہو وہ مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں
جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو

ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یارو نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھیے کیا ہوتا ہے

تن آسانی: آرام طلبی

کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم

یاد ایام عشرت فانی
نہ وہ ہم ہیں نہ وہ تن آسانی
تیرے حساد و رنج گونا گوں
تیرے احباب اور تن آسانی

تن کاہیدہ: دبلا بدن، نحیف جسم

تن کاہیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں

نہ چھوٹے کیوں تن کاہیدہ سے پسینہ ہائے
طرف سے غیر کی جب نذر عطر خس گذرے

تنبیہ: ملامت، تہدید، سزا

محتسب یہ ستم غریبوں پر
کبھی تنبیہ بادشاہ نہ کی

تند بار: تیز برسنے والا

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
بے محو رم پائی برق تپان تیغ

تند خو: جو معمولی باتوں میں ناخوش اور بے دماغ ہو

اے تند خو آ جا نہیں تیغا کمر سے باندھ کر
کن مدتوں سے ہم کفن پھرتے ہیں سر سے باندھ کر

وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہر عذر کرے ناز ہائے تاب کسی

تنفر: نفرت، بے زاری

ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانب وفا دیکھیں

تنک ظرف: اوچھا، کم حوصلہ، پیٹ کا ہلکا

حوض میخانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنک ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں

تنکے چننا: بدحواس ہو جانا، جنونی ہو جانا

چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ہے

تنگ: فراخ کی ضد۔ چھوٹا

جہان تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بنی بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشت عدم نہ ہوتا

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں یعنی چاہیے آنکھوں پہر چراغ

گیند کیا چرخ، ترے حکم کے چوگاں کے لیے
لامکاں کیوں نہ پر تنگ بہت ہے مضمار

مانع سعی دل پسند اس کو
ملک عالم کی تنگ میدانی

غم نہ سما سکا مرا، بس کہ جہان تنگ میں
چرخ میں یہ محدبی آگئی اور مقعری

تنگ آ کر: تنگ ہو کر

کون ڈوبا تنگ آ کر غرق دریائے الم
کیوں سدا شور تموج سے ہے شیون آب میں

تنگ آنا: عاجز آنا

بعد مدت اس کو سے یوں پھرے ہے تنگ آ کر
جائے جائے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا

کون ڈوبا تنگ آ کر غرق دریائے الم
کیوں سدا شور تموج سے ہے شیون آب میں

صحبت میں ایک رات کی وہ تنگ آ گئے
طول امل سے قصہ مرا مختصر نہ ہو

وہ رند خم کدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
جو تنگ آ کے حریفان بادہ خوار مجھے

اس وسعت کلام سے جی تنگ آ گیا
ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا

تنگ تر: زیادہ چھوٹا، زیادہ سمٹا ہوا

میری وحشت کے لیے صحرائے قیس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے
جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

تنگ دل: بخیل، کم ظرف

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

تنگ دہانی: غنچہ دہن ہونے کی صفت، چھوٹے منہ والا ہونے کی صفت

ہاں تنگ دہانی کا نہ کرنے کے لیے بات
ہے عذر پر ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تنگ ہونا: چھوٹا ہونا، فراخ نہ ہونا

تھا ہم پہ لطف تو پئے افزائش الم
صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث

تنگی: دقت و دشواری

گلہ ہے گردشِ چشمِ سیہ کا تیرے وحشی کو
کہ تنگی سے سدا ہے فلک لکھتا زمیں پر ہے

تنگی: فراخی کے خلاف

تنگی وہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہو سکا

تنگی: مصیبت، سختی

کس سر پُر غرور کو دی ہے
تنگیٔ غم نے چینِ پیشانی

تنگیوں: جمع ہے تنگی کی، مفلسی محتاج

یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا
تنگیوں سے لباسِ عریانی

تنویر: روشنی، چمک دمک

صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں
دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے
ہے منور تر شبِ غم مہر عالم گیر سے

تنہا: اکیلا، جدا

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا پلے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

تنہائی: علاحدگی، اکیلا رہنا

کنجِ قفس میں بیٹھ کے گا ہے روتے ہیں تنہائی پر
یاد سیرِ موسمِ گل سے گا ہے جی بہلاتے ہیں

توابع: جمع ہے تابع کی۔ مطیع، فرماں بردار، ماتحت

تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد
ترے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم

توبہ: افسوس، پچھتاوا، ندامت

توبہ کہاں کدورتِ باطن کے ہوش تھے
غش ہو گیا میں رنگِ مئے ناب دیکھ کر
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامۂ بہار و ہجومِ سحاب میں
توبہ گنہ عشق سے فرمائے ہے واعظ
یہ بھی کہیں دل دے کے گنہگار ہوا ہے
توبہ ہے کہ ہم عشق بتوں کا نہ کریں گے
وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے
توڑا نہ وفا کے سلسلے کو
توبہ ہی پہ زور آزمایا

توحید: ایک خدا کو ماننا، شرک کی ضد

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برق جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیٔ اہلِ ضلالت کا

تودہ خاک: خاک کی کثرت

ہے تودہ تودہ خاک سبک دوش ہو گئے
سر پہ جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا

توڑ دینا: جدا کرنا، علاحدہ کرنا

توڑ دیں سبحہ زاہد کے لیے یوں ہندو
ہیں اسی واسطے، گویا کہ پہنتے زنار

توڑنا: شکستہ کرنا، ٹکڑے کرنا

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

سر پٹکنے نے مرے سنگ در اس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کا ہے کو آباد رہا

آئینہ رنگ غم نے توڑا
کیوں کر اسے منہ دکھائیں گے ہم

وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دم مردن
تو توڑ دے کمر کوہسار آئینہ

توڑنا: رد کرنا، منسوخ کرنا، منقطع کرنا

توڑا مومن نہ پیمان الست
ہیں مسلم عاشقی کے فن میں ہم

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

توڑا نہ وفا کے سلسلے کو
توبہ ہی پہ زور آزمایا

توڑنا: (نماز کے ساتھ) نماز کے سلسلے کو قطع کرنا

نیت ہی تھی توڑنے کی گویا
گر اس نے نماز میں ہنسایا

توڑنا: انقطاع کرنا، قطع تعلق کرنا

مومن نہ توڑ رشتۂ زنار برہمن
مت کرو وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

توسن: گھوڑا

کون گذرا یہاں سے شہسوار نازنیں
سبزۂ تربت مرا وہاں توسن ہو گیا

دیتے نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

[illegible] اس کے توسن چالاک
[illegible]

روز نبرد گرچہ ہو خصم جہان کے زیر ران
توسن برترین فلک، تو بھی محال جاں بری

توقع: امید، بھروسا، آسرا

روز محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا

کس توقع پہ امید وصل اب
طاقت صبر و شکیبائی نہیں

تن کا بیہودہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں

مر گئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا
کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

توقیر: وقعت، عظمت

تری دل گرمیاں آخر جلا رہوں کی نہ یہ دل
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوز غیرت کی

توکل: خدا پر بھروسا کرنا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش رزق
غم پہ حرام خوار توکل نہ ہو سکا

تونگری: مالداری

قدر ہنر کو چاہئے عقل و تمیز و درک و فہم
دست گشادہ، دل فراخ، مفلسی و تونگری

تونے: تم نے

مجھ کو بھی بچا لے جیسے تو نے
یوسف کو کنوئیں سے بچایا

چشم کو تیری امتزاج روح فزا کر دیا
گریہ مستی و نشۂ روح و گلاب [illegible]

رحم فلک و رحم سے [illegible]
تو نے کرم اے ستم گر [illegible]

غرض ایماں سے خدا کی خدمت [illegible]
تجھ سے [illegible] مومن خدا سمجھے [illegible] تو نے [illegible]

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربط دشمن ہو گیا
شکوہ کرتا ہے بے نیازی کا
تو نے مومن بتوں کو کیا جانا
تو نے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جور بتاں دل سے فراموش ہوا
ہوتے ہیں پائمال گل اے بادِ نو بہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح
جا سکتے نہیں جاتے ہیں اُس کو میں جو ناصح
نچھٹ جائیں گے قصہ سے کیا تو نے اگر بند
یہ اہتمام جور ہے کیا تو نے اے فلک
انداز غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز
مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس
تو نے تو وہاں لگائی مہندی
یاں دل میں لگی نگار آتش
سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشۂ دم قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض
سمجھ کے اور ہی کچھ مرچلا میں ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی
دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشم تر آگ
کس واسطے اے شمع زباں کاٹتے ہیں لوگ
کیا تو نے بھی کی تھی شبِ ہجراں کی شکایت
آرزوئے نظارہ تھی تو نے
اتنی ہی بات پر چھپایا منھ

...ہم: شک
آوے تری حمد کا تو ہم
یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا

...تہ کر: تہ کر کے
ستم ہے شدت گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشم خوں فشاں پر لا کہ تہ کر

تہ خاک: زمین کے نیچے مراد قبر
بے کسی نے نہ دیا ہائے تہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا

تہ خاک آنا: مٹی کے نیچے آنا، مراد مر جانا، دفن ہو جانا
زلزلے آتے ہیں جب سے میں تہہ خاک آیا
چین دیتے نہیں اب تک بھی مجھے طالع شوم

تہ و بالا کرنا: الٹ پلٹ کرنا، زیر و زبر کرنا
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں

تہ کی بات: گُر کی بات، اصل بات
اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور
میں نے کیا تہہ کی بات پہچانی

تہمت: الزام، بہتان
گیند کیا چرخ، ترے حکم کے چوگاں کے لیے
لا مکاں کیوں نہ پر تنگ بہت ہے مضمار

تہہ: نیچے
تاج ظفر ہو زیب وہ فرق دوستاں
اعدا کا سر رہے تہہ بار گران تیغ
نمود حسن خط یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہہ سبز ہو نمایاں سرخ
کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

تہہ دل سے: خلوص دل کے ساتھ
دل بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق تہ دل سے جلاتے کیوں ہو

تھام لینا: پکڑ لینا
بزم مے میں بس ایک میں محروم
آپ کے اجتناب نے مارا
اے ناصحو آ ہی گیا وہ فتنۂ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو

تھامنا: پکڑنا، سنبھالنا
اے آرزوئے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا امر اے قاتل کو تھامنا

تاثیر بے قراری ناکام آفریں
ہے کام اُن سے شوخ شمائل کو تھامنا

دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا

مضطر ہوں کس کا طرز سخن سے سمجھ گیا
اب ذکر کیا ہے سامع عاقل کو تھامنا

ہو صرصر فغاں سے نہ کیوں گرد و مضطرب
مشکل ہوا ہے پردۂ محمل کو تھامنا

سیکھے ہیں مجھ سے نالۂ نہ آسماں شکن
صیاد اب قفس میں عنادل کو تھامنا

یہ زلف خم بہ خم نہ ہو کیا تاب غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھامنا

اے ہمدم آہ تلخی ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جام ہلاہل کو تھامنا

سیماب وار مر گئے ضبط قلق سے ہم
کیا قہر ہے طبیعت مائل کو تھامنا

آغوش گور ہوگئی آخر لہو لہان
آساں نہیں ہے آپ کے بسمل کو تھامنا

سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

باقی ہے شوق چاک گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

مت مانگیو اماں بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا

سامنے سے جب وہ شوخ دل ربا آجائے ہے
تھامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پانو پڑوں کس کس کے

تھکانا: ماندہ کرنا، عاجز کرنا

اتنا مرے گندہ بیچہ
وہ [illegible] کے شعر کو تھکایا

تھکنا: ماندہ ہونا، عاجز ہونا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے

جفا سے تھک گئے تو بھی نہ پوچھا
کہ تو نے کس توقع پر وفا کی

پھرنے سے شام وعدہ تھکے یہ کہ سو رہے
آرام شکوۂ ستم اضطراب تھا

میں احوال دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے

تھم جانا: رک جانا، ٹھہر جانا

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشک روان شمع

بیاں کرتا ہے ہکلانے کا اس بدمست کے عالم
وہ کیا سمجھے پیچیدہ ہے تقریر شیشہ کی

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی کب تھم جائے ہے
دیدۂ پر نم بھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

تھمانا: اٹکانا، ٹھہرانا

کیوں کر نہ ہو تیری آس تو نے
افلاک کو بے ستوں تھمایا

تھمنا: ٹھہرنا، رک جانا

شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

تھمنا: (قلق کے ساتھ) تکلیف میں کمی ہونا

شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

تھمنا: (دل کے ساتھ) صبر کرنا

ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

تھوڑا: کم، خفیف، ادنیٰ، ذرا سا

کچھ کہن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

تھوڑی: زیادہ کی ضد کم کچھ خفیف

ہوئی تاثیر گر تھوڑی سی بھی اُس سرو موزوں کو
زمیں کیا آسماں پر نالۂ موزوں نہ ٹھہرے گا

تیہ بیمانی: حیرانی اور سرگردانی کا جنگل

پر کروں کیا کہ بن نہیں آتی
ورنہ میں اور تیہ بیمانی

تیر: ایک قسم کے آلۂ جنگ کا نام جو کمان میں رکھ کر چھوڑا جائے۔

زخم نو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینہ کا روزن ہوگیا

ہماری جان شب تجھ بن دل نا کام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا

نہ گیا تیر نالۂ سوے رقیب
مرغ عرشی شکار ہوتا تھا

اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ

کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم

سر زور آزمائی جذب دل کو آج ہی دیکھو
کھنچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو

تیربار: تیر برسانے والے

واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

تیر باراں: برسنے والے تیر

تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا
جانتے ہیں کہ شہب بہر شیاطیں ہے رجوم

تیر باران فاقہ نے مارا
یک چکی تھی کلاہ بارانی

تیرنا: پیرنا، پانی کی سطح کے اوپر آجانا

تشنۂ کام آب تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

تیروں: جمع ہے تیر کی، ایک قسم کے آلہ جنگ کا نام جو کمان میں رکھ کر چھوڑا جائے۔

باقی نہیں کدورت شوق ستم کی ہرگز
کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ہو

تیرہ: تاریک

حیرتی عقوبت تازہ موکلان قہر
بس کہ مرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری

تیرہ اختری: نصیب کا سیاہ ہونا، بدقسمتی، بدنصیبی

صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری
کثرت دود سے سیاہ، شعلہ شمع خاوری

تیرہ باطن: سیاہ باطن، بد باطن

لب رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر

تیرہ بخت: بدنصیب، بدقسمت

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے و لے
کچھ کم نہیں غبار دل آسماں ہنوز

تیرہ بخت: سیاہ قسمت والا، بدنصیب

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے و لے
کچھ کم نہیں غبار دل آسماں ہنوز

گر جانتے کہ ہے شب ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرت زلف تابدار ہے دل

تیرہ خاکداں: سیاہ دنیا

جب تک اس تیرہ خاک دان میں ہے
کوئی گم کردہ رہ، کوئی رہبر

تیرہ روز: بدنصیب، بدقسمت

شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے
اب غیر اس گلی میں نہیں پھرتے شام کو

بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے کہ میں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں
نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہا اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکان نہیں
سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو
تیرے سمند ناز کی بیجا شرارتیں
کرتی ہیں آگ نالۂ اندیشہ گام کو
بوالہوس روئے میرے گریہ پہ اب
منھ کہاں تیرے مسکرانے کو
کہے ہے دیکھ کے رخسار یار آئینہ
کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ
سارے ہیں مگر تیرے نو بنو جلوے
کہ بن گیا ہے طلسم بہار آئینہ
آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ
تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے
ناخن غم سے دل فگاری کی
تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے
سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے
تڑپتا ہے پڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے
وہ سر جو کل تیرے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے
جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی
یہ نیم جان و فم ہجر ہے وہی انصاف

جو تیرے دھیان میں اے مرگ داورس گذرے
جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
دنیا ہی سے گیا میں جو ہیں ناز سے کہا
اب بھی گمان بد نہ گئے تیرے یا گئے
قصر جاہ و جلال میں تیرے
فخر کیواں ہے پاسبانی در
دور نصفت میں تیرے، فتنے کا
پاس "اصحاب کہف" کے بستر
نرد بازوں کو عہد میں تیرے
شش جہت جیسے مہرۂ ششدر
ذکر میں انتقام حق کے ترے
مترادف ترحم و کیفر
خوف و عصمت سے تیرے آئے جو پاس
شمع پروانے کے جلادے پر
تیرے احباب نیک بخت مدام
تیرے اعدا ہمیشہ فال اختر
تیرے حاسد ہوں غول صحرائی
تیرے پیرو ہوں پیشوائے خضر
رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ہوا
کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہوگیا فاعل
سائلوں کا ترے کوچے میں دم فیض ہجوم
جیسے گلزار میں ہنگام سحر جوش ہزار
دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا، خاطر حاسد کا غبار
حسرت ہے تیرے بوسۂ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ
دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو
ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میان تیغ
آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جہیں ترے خوں کردگان تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سر قہرمان تیغ
تیرے عدو گر اپنا گلا آپ کاٹ دیں
کام آئے کوشش و کشش رائگان تیغ
نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروئے دل ربا پہ خم جاں ستان تیغ
کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
وردِ زباں ہے غلغلہ الامان تیغ
سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جا بجا
رنگین کس طرح سے نہ ہو داستان تیغ
ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقت جنگ
بانگ شکست تیغ ہے شور و فغان تیغ
کوئی کرے نہ گرمی روز نشور میں
بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبان تیغ
لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیان تیغ
پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد بیم نہان تیغ
جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمان تیغ
پایہ ترے مدیح شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارک سر پر زبان تیغ
رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ
کیا ترے مرکب چالاک کی لکھی تھی ثنا
لیک کاغذ پہ نہ ٹھہرے کلمات مرقوم
تیرے اعدا کو سمجھ ہو تو کریں جان پہ رحم
آدمی تو نہیں یہ، پر ہیں جہول اور ظلوم
بوسہ دے ترے دم تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم
تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا
جانتے ہیں کہ شہب بہر شیاطیں ہے رجوم
آج کہہ دے ترے قاتل کی سزا داور حشر
تو عجب کیا ہے کہ جاتی رہے تاثیر سموم
مدد غیب پہ کی، لشکر مغلوب سے صلح
کہ مسلمان نہ ہوں معتقد طالع شوم
نہ مقابل ہو ترے قصد کے عزم افلاک
نہ برابر ہو ترے حکم کے احکام نجوم
ہو دل آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
طبع تحسین سے جاتی رہے تاثیر غموم
جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی
خانقاہِ فقرا بارگہ قیصر روم
امنیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم
ہیں مخاصم ترے بدبخت پہ کم بخت نہیں
یعنی کثرت سے ہے قسمت میں تیمم اور زقوم
"مرحبا یا بن علی" کی چلی آتی ہے صدا
اب تلک روضۂ رضواں سے، زہے فیض قدوم
دعوت عام تری سب کو بنا دیوے خاص
گر قضا کو نہ ہو پاس صفت فیض عموم
"ختم اللہ" مورد ہے زبس قلب سیاہ
تیرے دشمن کو ہے خوں تابہ رحیق مختوم
دوستوں کو نہیں ڈر وسوسۂ شیطاں کا
ہیں جو دشمن متصدی شعار مذموم
جام سے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے پئے درماں خراش بلعوم
ترے ایام میں باقی نہ رہا بس کہ فساد
چشمۂ خضر میں ہیں انہار عروق مجذوم
بدیٔ خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری
کردی انصاف الٰہی نے یہ امت مرحوم
گر کہے، یہ "رحمک اللہ"، ترا خصم لئیم
عطسہ زن پھر نہ ہو زنہار دماغ مزکوم

تا سحر شام عبادت تری شب بیداری
شارح "آیت کرسی" "یس" "حی القیوم"
مومن آہنگ دعا ختم سخن کا ہے یہ وقت
آپ تو آپ ہیں دانائے قوانین و رسوم
جب تلک ذلت و عزت طرب و غم ہوں خلق
گوشہ گیر انجمن افروز یمین و معدوم
تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد
ترے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم

تیرے اوصاف کے صحیفے میں
صنعت کارنامۂ مانی
گل جبینی پہ تیری قرباں ہوا
نو بہار ریاض رضوانی
برومندی آرزوئے حصول
کشت مطلب کی تیرے دہقانی
آستانے پہ تیرے چرخ نہم
ہو نہ جائے بلند بنیانی
سمجھے ہے درجۂ شرف کیواں
قصر رفعت کی تیرے دربانی
شعلہ شمع بزم کو تیرے
دعوئ حسن ماہ کنعانی
داغ ہے تیرے جام عشرت سے
گل داماں کی پاک دامانی
تیرے دشمن کے واسطے عاشق
زلف جاناں سے لے پریشانی
پھر طواف حرم میں ہو مشغول
تیرے صدقے شروط ایمانی
بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی
تیرے حساد و رنج گوناگوں
تیرے احباب اور تن آسانی

جور پہ تیرے جاں نثار، غارتیان دین و دل
وصل سے تیرے کامیاب لب شکران عسکری

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ہے
قتل اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا
تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم
سر فروشوں کا ترے کوچہ میں بازار لگا
نہ کانوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بستر گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا
غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ہے ایک تو
کیوں ترے دل میں میری یاد آنے کا چرچا گیا
کیوں جور متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریف کشمکش دم بہ دم نہ تھا
بن ترے اے شعلہ رو آتشکدہ تن ہو گیا
شمع قد پر میرے پروانہ برہمن ہو گیا
اس حال کو پہنچے ترے غصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھا ترے تغافل کا
لاش کس کی ہے یہ عدو سے نہ پوچھ
میں ہوں کشتہ ترے تجاہل کا

کیا باب اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت
لگتی ہے گالیاں بھی ترے منہ سے کیا بھلی
قربان تیرے پھر مجھے کہہ لے اسی طرح
سب نوشتے ترے اغیار کو دکھلا دوں گا
جانتا ہے تو مرے پاس ہے کیا کیا کاغذ
پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر
اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر
یہ غیرت وفا کا اثر ہے کہ بوالہوس
بسمل تڑپتے ہیں ترے بسمل کے آس پاس

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی
کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے مجھ کو صدائے درا کے آنے کی
کلفت ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے

کیوں نہ کا ئیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

کہہ غزل اک اور بھی مومن کہ ہے
شوق اس بت کو ترے اشعار سے
اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے
اف رے گرمی محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے
قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برے سے ہیں بر میں پھرتے
وہ سر جو کل تیرے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے
تڑپنے لوٹنے رونے کا کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی
سرگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے
غم خط میں ترے مرجائیں تو کچھ کیا ہے عجب
زہر کو لو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے
سد راہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے
لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تیغ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے
دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے
جاں بلب ہوں خبر وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے
اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ نگہ جانب در ہے

تیز: کند کا ضد، دھار دار

چشم ستارۂ سحر، لون زحل سے سرمہ سا
دشنۂ ترک چرخ سے، تیز نگاہ مشتری

تیز تر: زیادہ تیز

ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ

تیز رو: تیز رفتار، برق رفتار

کس قدر تیز رو ہے سوے صنم
نامہ بر میرا جبرئیل ہوا

تیز کرنا: دھار نکالنا

سرگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

تیزی: کند کی ضد، کاٹ

ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجیے، تیزی خنجر

جس جائے خطبہ خواں ہو مری تیزی زباں
واں جانے فرض سجدۂ منبر فسان تیغ
پھر جوش آگیا دم خوں ناب ریز کو
پھر تیزی زباں پہ ہے قرباں زبان، تیغ
یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا

تیشہ: بسولا، ہتھوڑا

تیشہ کچھ دشنۂ شیریں نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

تیغ: تلوار، شمشیر

آئینے نے بھی اس زمانے میں
تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر

کیا دور اس کے دست کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریز ہو مژہ خوں فشان تیغ

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
ہے محو گرم پائی برق تپان تیغ

وہ آنچ تیری تیغ میں جل جائے مثل طور
گر تو صنم کدے پہ کرے امتحان تیغ

کہتے ہیں دیکھ کر ترے دشمن ہلال عید
کھاوے سوائے زخم کے کیا میہمان تیغ

جوہر ترے مخالف مجروح میں نہیں
کوئی، مگر یہی کہ وہ ہے قدردان تیغ

حسرت ہے تیرے بوسۂ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ

دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو
ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میان تیغ

کوشش نے تیری حرف تعصب مٹا دیا
کیوں بید خوان دہر نہ ہوں باد خوان تیغ

تمکین کو تیری دیجے گر کوہ سے مثال
روئیں تنوں سے اٹھے نہ بار گران تیغ

آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جئیں ترے خوں کردگان تیغ

منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ

کیا سرکشی کی تاب کسی سخت کوش کو
جھکتا ہے تیرے آگے سر قہرمان تیغ

تیرے عدو گر اپنا گلا آپ کاٹ لیں
کام آئے کوشش و کشش رائگان تیغ

نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروئے دل ربا پہ خم جاں ستان تیغ

کیا بات تیرے پنجۂ آہن فشار کی
ورد زباں ہے غلغلہ الامان تیغ

سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جابجا
رنگین کس طرح سے نہ ہو داستان تیغ

ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقت جنگ
بانگ شکست تیغ ہے شور و فغان تیغ

کوئی کرے نہ گرمی روز نشور میں
بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبان تیغ

وہ دست زور، مظہر سر پنجۂ خدا
وہ تیغ باعث شرف دودمان تیغ

لرزاں تھے مثل بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیان تیغ

پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد بیم نہان تیغ

جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمان تیغ

یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان
سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کے نشان تیغ

پایہ ترے مدیح شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارک سر پر زبان تیغ

ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوت قلبی فسان تیغ

سیف و قلم ہیں دونوں ستوں کاخ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہان تیغ

رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ

غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہے
سرگرم جلوہ فصل بہار و خزان تیغ

زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگی جاودان تیغ

گرم دعائے شاہ ہو، "مومن"، کہ کب سے ہے
آمیں سرا زبان اجابت فشان تیغ

روز نبرد حادثہ ریز شکست و فتح
جب تک کہ ہے نشیب و فراز جہان تیغ

تاج ظفر ہو زیب دہ فرق دوستاں
اعدا کا سر رہے تہہ بار گران تیغ

بوسہ دے ترے دم تیغ کو تو آ جاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم

ساکن بحر و بر تمام، رام نہ ہوں تو کیا کریں
تیغ میں ہے نہنگی اور طبع میں ہے غضنفری

خندۂ برق تیغ میں، گرمیٔ مہر تیر ماہ
گریۂ زخم تیر میں جوش سحاب آذری

نہ دے تیغ زباں کیوں کر شکست رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوج خجالت کا

مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دل صد پارہ اصحاب نفاق و اہل بدعت کا

تشنہ کامی وصال کی مت پوچھ
شوق تیغ خوش آب نے مارا

وہ صید ناتواں ہیں کہ اس اضطراب پہ
اچھلے نہ آب تیغ کی طغیانیوں میں ہم

تیری تیغ و دشنہ کے کیوں لب پہ چھالے پڑ گئے
گرم خوئی کا مری کیا ماجرا کہنے کو ہیں

ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

تشنہ کام آب تیغ یار ہوں گرمی تو دیکھ
بہر تسکیں تیرتا ہوں تا بہ گردن آب میں

بار گردن تو نہیں تیغ ستم گار آخر
جاں نثاروں سر مشتاق جھکاتے کیوں ہو

ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو حیرت ہو
ہم جوہر سے جوہر تیغ کا جب دست حسرت ہو

گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے

گر حسن گلو سوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

تیغ: چھوٹی تلوار

اے تند خو آپ کیوں تیغ کمر سے باندھتے ہو
کن مدتوں سے ہم غش پڑتے ہیں کمر سے باندھتے

ثابت: صداقت کو پہنچنا

ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر کرو رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

دست قاصد کاٹے کیوں ثابت ہے کیا
دزدی مضموں مرے طومار سے

ثابت قدم: عہد پر قائم، بات پر مضبوط

کیا خوش ہوں کوئے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں

ثابت کرنا: ثبوت دینا

وہ دور ہیں کہ خدا یا کرے "بدا" ثابت
نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قابل

ثابت ہونا: تحقیق ہونا، صداقت کو پہنچنا

عشق میں ناصح بھی ہے کیا مدعی
جرم ثابت ہو گیا انکار سے

ثبات: سکون و قرار

پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے

ثبت ہو جانا: نقش ہو جانا، لگ جانا، چپک جانا

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے ید بیضا کلیم کا

ہوائے جنبش اوراق سے ہیں مضطر نقش
لغات ورد کہ ہیں ثبت صفحۂ قرطاس

ثعبانی: اژدہا ہو جانا

[illegible] رخ دیکھے اس کا
تو عصا بھول جائے ثعبانی

ثمرہ: نتیجہ، انجام

غلط کہ ثمرہ دیکھی تھی دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں ثمر سے [illegible]

ثمر: پھل

حصولِ سوزِ دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

ثنا: تعریف ستائش

نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا

ثنا خوان: تعریف کرنے والا

ہوئی بلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردیں میں غنچہ کا منہ اتنا سا نکل آیا

ثنا خوانی: تعریف، ستائش

اے سخن سنج نکتہ داں تیری
کس زباں سے کروں ثنا خوانی

ثنا گستر: تعریف کرنے والا، مدح وستائش کرنے والا

اک امیر سخن شناس نہیں
لاکھ ہیں شاعر ثنا گستر

ثواب: نیک کام کی جزا

مومن کو آرزوے ثوابِ جہاد ہے
کفار کاش آکے سنیں داستانِ تیغ

جلتا ہوں ہجرِ شاہد و یادِ شراب میں
شوقِ ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

ناصح ہے عیب جو ہے وہ دل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخنِ ناصواب میں

ثوابِ ترکِ صنم سچ سہی ولے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

ثوابت: وہ ستارے جو گردش نہیں کرتے

ثوابت ہیں سیار مثلِ شرر
مری آہ گرمی نشیں ہو چکی

میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار

ثور: دوسرا برج آسمان کا جو گائے کی شکل کا ہے۔ بیل

میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار

ج

جا: جگہ

جاے تھی تیری مرے دل میں سو ہے
غیر سے کیوں شکوۂ بے جا کیا

جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جاے لبیک صدا ہائے صنم کرتے ہیں

ہے تری جاے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھیئے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

شگفتہ تر ہے چمن، روضہ ہاے جنت سے
ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس

جس جاے خطبہ خواں ہو مری تیزی زباں
واں جانے فرضِ سجدۂ منبر فسانِ تیغ

ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جاے ننگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانئے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

میں اور وہ کوچہ لے گیا کس جاے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جاے دل کروں

اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغِ خلد ہے
کس جاے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

جا: بجاے، بعوض

جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جاے لبیک صدا ہائے صنم کرتے ہیں

جاے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے
منہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوکِ تیر سے

تھا شور "فداک" "جاے لبیک"
اس دشمنِ دیں نے گر بلایا

جاے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ
کاہ گرمی ہے نازِ ریحانی

جا: موقع، محل

غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق
ہے غضب گر نخل کوئی پھول پھل کر خشک ہو

جا بہ جا: جگہ جگہ

سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جا بہ جا
رنگین کس طرح سے نہ ہو داستان تیغ

فریاد بے گناہ کشی جا بہ جا کروں
گر وہم جاں نثاری پیغام بر نہ ہو

جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک
پونچھے ہوں گے دامن کہسار سے

جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی

جا پکڑنا: سکونت اختیار کرنا

کوئے دشمن میں جا پکڑتا کیوں
کیا مجھے شرمسار ہونا تھا

جا پھرنا: جا کر پلٹ آنا

ہے عہد کہ پھر جا نہ پھریں کوئے بتاں میں
پھر جائیں اب اس عہد سے ایسا نہ کریں گے

جاتی رہنا: باقی نہ رہنا

آج کہہ دے ترے قاتل کی سزا داور حشر
تو عجب کیا ہے کہ جاتی رہے تاثیر سموم

ہو دل آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
حق تحسین سے جاتی رہے تاثیر غموم

مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا

آشنا سے ہو گئے بیگانگی جاتی رہی
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

جاتی رہنا: ختم ہونا

آشنا سے ہو گئے بیگانگی جاتی رہی
ہو گئی کس آشتی دشمن سے یاری آپ کی

صد افسوس جاتی رہی وصل کی شب
ذرا ٹھہر اے بے وفا کہتے کہتے

جا چکنا: جانے کا کام انجام دینا (یہاں اظہار بے زاری معنوں میں لایا گیا ہے)

جا چک خدا کے واسطے اے موسم بہار
خاک عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

جادو: سحر، منتر

میں کیوں کہ مطرب مہر وش کو رام کروں
چلے نہ زہرہ پہ زنہار جادوئے بابل

یہ معجزہ مرے سحر حلال کا ہے کہ کفر
ہر ایک مذہب و ملت میں جادوئے بابل

سحر حلال سے مرے جادوئے سامری خجل
حور کہیم اوج فکر، نور خدا فسوں گری

تیغ کا کیں پہ مجھے تجھ کو لب شیریں پہ ناز
ہے مرے جادو سے اعجاز مسیحائی ملا

سرمہ تسخیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

آئینہ میں ہو نہ موم جادو
سوئے نہیں اب وہ تا سحر رات

دیکھ نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے
جادو کو کیا نرگس جادو نے نظر بند

سرمہ ہیں اس چشم جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

یہ کس کی چشم فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسم جادوئے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

عبث نالش ہے آ دیدۂ دزد چشم جادو کی
وہیں بند ہوں سرمہ کی [illegible]

اے فسونگر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھپنے نہ جائے سرمۂ تسخیر سے
حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیونکہ نہ ہو رام
اس نرگسِ جادو کی نگہ پیشِ نظر ہے

جادو کا پتلا: انسان یا حیوان کی صورت جو ساحر لوگ سحر کا عمل کرنے کے واسطے بناتے ہیں جس پر افسوں کرنا منظور ہوتا ہے ساحر اس کی صورت کا آٹے کا بت بنا کر اس پر جادو پڑھتے ہیں

سُرمۂ تسخیر سے ہم خود مسحر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

جادہ: وہ سیدھی راہ جو جنگل میں لوگوں کی آمد و رفت سے بن جاتی ہے۔

السلام اے روشِ آموزِ طریقِ اسلام
السلام اے خضرِ جادۂ جنت مزدوم

جاری: رواں

مرے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا
سراپا بس کہ محو شوخیِ قاتل ہوں محشر تک
مرے زخموں سے جاری ہی رہے گا خوں نہ ٹھہرے گا
ترسا صنم پہ مرگئے ہم آہ جب نہیں
جاری مسیح کے لب اعجاز اثر سے فیض
جا بجا نہریں ہیں جاری میں نے اشک
پونچھے ہوں گے دامنِ کہسار سے
فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے

جا رہ: جا کر رہ جا

نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہا اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکان نہیں

جا سکنا: جانے کی طاقت رکھنا

جا سکتے نہیں جاتے ہیں اُس کو میں جو ناصح
چھٹ جائیں گے قفس سے کیا تو نے اگر بند
دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

جاسوس: مخبر، بھیدی

اس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ
صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس

جاسوس چھوڑنا: کسی کے پیچھے جاسوس لگانا

اس طبع نازنیں کو کہاں تاب انفعال
جاسوس میرے واسطے اے بدگماں نہ چھوڑ

جا کے: پہنچ کے

ہو جاں بھی جا کے کچھ تو مداوائے دل کروں
کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے ہائے دل کروں
جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں
صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجھلا کے خواب میں
اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

جا کے: روانہ ہو کر، ختم ہو کر

سمجھ کے اور ہی کچھ مرچلا میں ناصح
کہا جو تو نے نہیں جان جا کے آنے کی

جاگنا: بیدار ہونا

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا
کیوں کہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آہوئے نیم خواب میں نرگسِ نیم باز میں
نیرنگِ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں
اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

جالینوس: یونان کے ایک حکیم کا نام جو فنِ طبابت میں تمام حکمائے یونان پر سبقت لے گیا تھا

جو ہوں معالج مبتلوں تو قابض ارواح
کرے دعائے رواج طریق جالینوس

جام: ساغر، پیالہ

ہم سے دشمن نے ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار

گل ہوا ہم سے پھر غنچہ کے تھا صورت جام
دیکھ کر باغ میں مستانہ صبا کی رفتار

جام مے گر کوئی پی جائے تری نبض کے بعد
زہر کھاوے پئے درماں خراش بلعوم

داغ ہے تیرے جام عشرت سے
گل داماں کی پاک دامانی

جب نہ رہی شمع تو کیا خلد میں گر ملے بہ فرض
قصر زبرجد و مے لعل و جام گوہری

بہر حسود جام زہر، ساغر مے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار طبع نازکی بادہ شکری

میں اس کی بزم مے میں زہر پی کیوں کر نہ مر جاتا
کہ میرے سامنے اس لب کے بوسے جام لیتا تھا

اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشم میگوں کی
کف ساقی میں جام بادۂ گلگوں نہ ٹھہرے گا

دیکھنا کثرت بادہ نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا

ہے ہم آغوشی ہجراں سے دم نہیں
کرتا ہے دیکھ جام ہلاہل کو تشنہ من

کیا قہر ہے کہ اب تک کوئی رو دے آنسو پی کے یوں
مجلس غیر کے میرے آگے تم دست عدو سے جام لو

جو ناوقت ہے کچھ کے وہی عیش ہو نصیب
ہم ہیں وہ مست ناز ہے اور دور جام ہے

اب کا ہے کو مرا اس لب سے جام اس خوف کا
جام ہونے کو نہیں کچھ فائدہ تدبیر سے

منہ تک لیا پہ ساقی کو غم ہے
قسمت سے دور اب جام نہ ہو

جام جم: وہ پیالہ جو جمشید بادشاہ کی خواہش سے حکمائے یونان نے بنایا تھا جس سے از روئے نجوم آئندہ کا حال معلوم ہو جاتا تھا

اس نے جو دل کو منہ نہ لگایا وہ غم ہے
یہ جام جم ہوا قدح مل نہ ہو سکا

معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
مرا دل وہ غم ہے یہ جام جم نہیں

جام نمرود: جام پیالہ کو کہتے ہیں اور سات کی تعداد کو بھی منقول ہے کہ حکمائے نمرود کے لئے سات طلسم تیار کئے تھے ان میں ایک حوض بھی تھا نمرود اور اس کے دربار میں اس شراب اور دوسری چیزیں جام بھر کر ڈالتے تھے، اور بعد کو وہی چیز نکل آتی تھی

جام نمرود کا فسانہ نہیں
چارہ فرمائیے علاج سحر

جام مرنا: مر کھپ جانا

اس کوچے میں جا مریں گے مدعائے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

جاموس: بھینسا

سنتے ہے دور عدالت میں اس کے شیر عریں
شباں کی ضرب سے جاتے ناش جاموس

جامہ: کپڑا، پوشاک

یہ جامہ پارہ پارہ تڑپنے سے ہو گیا
صبح شب فراق ہے تو بدگماں نہ ہو

شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں لیکن
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

چاک پیراہن گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامۂ یاران لوٹی کا قبا ہوتا ہے

مرا ہوں عشق میں گل پیرہن کے الزام ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامہ شہیداں سرخ

ہوا اس بہار کی یعقوب کو ہوا گم ہے
شمیم جامہ یوسف بھی نہ ہو محسوس

جامہ در: جامہ پھاڑنے والا

ہے تو ہی بے وفا نہیں ورنہ تو دیکھے
گل جامہ در ہیں گو رعنوں سے کس لیے

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہو گیا

جامہ دریدہ: پھٹے ہوئے کپڑوں والا

تو وہ سوار یکہ تاز عرصۂ رزم گاہ میں
جامہ دریدہ جس کے ساتھ قطرہ زنی سے صفدری

جامہ زیب: ایسا شخص جس پر ہر قسم کا لباس اچھا معلوم ہو

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جور دیکھ

جامۂ صبر: لباس صبر

ایک ہی جلوۂ مہرو میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتاں ہو گا

جامہ میں پھولا نہ سمانا: فرط خوشی سے آپے میں نہ رہنا

پھولے جامہ میں سماتے ہی نہیں
وصل شوخ چست پیراہن میں ہم

جامہ میں پھولا نہ سمانا: نہایت خوش ہونا، فرط خوشی سے آپے میں نہ رہنا۔

جان: روح، زندگی

دشمن جان عاشقاں دیدار
گر نگہ تیغ ہے مژہ خنجر

ملک دل، سریر جاں خرگاہ
شاہ دیں تاج معدلت کشور

دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل
کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل

وہ بے وفا کہ مکر جائے جاں شکستن تک
کرے جو وعدۂ روز جزا دم بسمل

وہ جنگ جو کہ اگر سپے رشک دشمن بھی
تو بے حیائی کے طعنے ہو جان کے قاتل

پرسش گور کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے، جو دشمن جاں تھا اسے جانا دلدار

نقد جاں، اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر نہیں بن جائے نہ روز بازار

دائم، اس جان کے دشمن سے جدا ہی رکھا
تھا سپہر ستم ایجاد، کہاں کا مرا یار

یاں کی لاکھوں خلشیں واں کی ہزاروں فکریں
ایک جان اس پہ یہ ہنگامۂ آلام و غموم

جراحت ذرا اک جاں دے کہ جس کی ہر جراحت ہو
نمکداں شور اُلفت ہو مزا آوے عیادت کا

ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہو گا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہو گا

درد بے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

دیت میں روز جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

ہماری جان شب تجھ بن دل نا کام لیتا تھا
خدنگ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا

نقد جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف
خون فرہاد سر گردن فرہاد رہا

کوئی کیا کرے آپ ہرجائی ہو تم
نہیں میری جاں شکوہ بیجا کسی کا

کیا بہر عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دل محزوں نہ ٹھہرے گا

خدنگ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

لب میگوں پہ جان دیتے ہیں
ہمیں شوق شراب نے مارا

دیتے تکلیف شب ہجر میں کیا اپنے پاس
نقد جاں پیش کش مرگ کے قابل نہ ہوا

سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برق خرمن ہو گیا

پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوئے بوسہ کا لب پہ مقام ہے

لے گئی جاں یادِ رونق ہائے وصل
گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

دعا بلا تھی شبِ غم سکونِ جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگِ ناگہاں کے لیے

بھلا ہوا کہ وفا آزما ستم سے موئے
ہمیں بھی دینی تھی جاں اس کے امتحاں کے لیے

تیرے اعدا کو بھی ہو تو کریں جان پہ رحم
آدمی تو نہیں ہے، پر ہیں جہول اور ظلوم

جانِ مومن پہ گونہ گونہ ستم
کافر اتنی بھی نامسلمانی

تو وہ بہارِ حسن باغ جس پہ کرے نثار جاں
لالہ رخی سہی قدی، گل بدنی سمن بری

شاد شاد آئے عیادت کو دمِ آخر تم
ایسے بیدرد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار

جان: روح، زندگی کنایتاً محبوب

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادیِ مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

جان پر آ بننا: جان پر آفت ہونا، جان پر صدمہ ہونا

بنے ہم بے حالت جان کی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

جان پر بنانا: حد درجہ مصیبت و مشقت میں مبتلا کرنا

رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا
کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوقِ آرائش دل ہے بدگماں اپنا

جان پر بننا: جان خطرے میں پڑنا، مصیبت واقع ہونا

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

صد حیف سینہ سوز و فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو

جان پہ آفت آنا: مصیبت میں گرفتار ہونا

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

جان پہ کھیلنا: ایسے کام کی جرأت کرنا جس میں خوف و ہلاکت ہو

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعی عاشقِ جاں باز تو دیکھو

جان پر کھیلنا: جان کو جوکھم میں ڈالنا

گر نہ کھیلیں جان پر جی ہار دیں
عشق بازی سیکھتے اغیار سے

جان پھڑکنا: بےتابی ہونا

جلا جگر تپِ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

جان توڑنا: رشتۂ جاں کا توڑنا

توڑنا جان کا ہو جائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

جان جانا: مرجانا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اس کوچے میں گر آخرِ شب

مانعِ قتل کیوں ہوا دشمن
جان ہی جائے گی ہماری آج

مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفسِ نارسا کے ساتھ

جو بے حجاب نہ ہوگے تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اس نے حیا کے آنے کی

تری دوری میں بھی کیا جائے جاں اس پاس جانا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے

جاں گئی پر نہ گئی جورکشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

نے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

جان جلانا: رنج دینا، بے حد غصہ دلانا

کیا ہو تمیں بتاتے ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

گرم جواب شکوۂ جورِ عدو رہا
اس شعلہ خو نے جان جلائی تمام شب

جان جلنا: ایذا ہونا، رنج ہونا

جلتی ہے جان آتشِ خس پوش دیکھ کر
چلمن سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

جان جہاں: دنیا کی روح، معشوق

وحسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اس جانِ جہاں کو اک نظر دکھلا دیا

جانِ جہاں کو دل دیا دشمنِ جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری

جان چرانا: کام سے بھاگنا

کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روزِ وفا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار

جان چلنا: جان نکلنا

چلی ہے جان نہیں تو کوئی نکالو راہ
تم اپنے پاس تک اس مبتلا کے آنے کی

وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پانو پڑوں کس کس کے

جاں دادہ: مقتول، شہید، قربان

ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں
جاں دادۂ شوخِ بیوفا ہوں

جان دینا: مرجانا

اور پڑھتا ہوں ایک وہ مطلع
جان دے جس پہ ہر سخن گستر

زانوئے بت پہ جان دی دیکھا [illegible]
مومن انجام و اختتام مرا [illegible]

مفت اول سخن میں عاشق نے جان دے د[illegible]
قاصد ترا بیان اقرار تک نہ پ[illegible]

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی [illegible]
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آگیا [illegible]

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں د[illegible]
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں [illegible]

جاں دیدہ ول ہے اس آفتِ جاں سے معاملہ [illegible]
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں [illegible]

کب جان دے ہے بکل ابرو نہ جب تلک [illegible]
خنجر کا تیرے شاخِ غزالاں کا دستہ [illegible]

دل کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس [illegible]
گر بنے تو دل چھناوں یار سے [illegible]

یہ مال ہیں کہ جان دیں دیتے ہیں دم تمہیں [illegible]
اغیار بوالہوس کی یہی کائنات [illegible]

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی [illegible]
ہم نے بھی جان دی پہ آہ نہ کی [illegible]

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں [illegible]
میں اور آپ کی سودا گری زیاں کے لیے

جان دہی: جان بخشی

اب ذرا جان دہی کوے بتاں کی بھی [illegible]
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ [illegible]

لذت بغیر جان دہی مژدگاں محال [illegible]
آب بقا فسردۂ دامان [illegible] نہ ہو [illegible]

اعجاز جاں دہی ہے ہمارے کلام کو [illegible]
زندہ کیا ہے ہم نے مسیح کے نام کو [illegible]

جان سے جانا: مرجانا

پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا [illegible]
ہم جان سے عناں بہ عنانِ صدا گئے [illegible]

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں [illegible]
کاش وہ دل میں بھی آ بیٹھے [illegible]

جان سے گذرنا: مرجانا، فنا ہو جانا

اب کھینچئے آہ تاب تسلّی ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر در گذر نہ ہو

جان کر: آگاہ ہو کر، واقف ہو کر

کیا رشک غیر تھا کے تحمّل نہ ہو سکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا
مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر
وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا

جان کنی: موت کے وقت سانس کا اکھڑنا، جان نکلنے کی کیفیت

پنے ہم بے حالت جان کنی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق
خسرو و عیش وصل یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں
جانکنی خسرو ہو شیریں کام شادی مرگ کیا
جان کنی ہے انتقامِ کوہ کن کی فکر میں
بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تک رائگاں نہیں
ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جان کنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

جان کو رونا: بد دعا دینا، کسی بدخواہ یا دشمن سے تکلیف اٹھا کر سے کوسنا

روتے ہیں تیری جان کو ظالم
ایک میں کیا کہ سارے اہل ہنر
گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں

جان کے: واقف ہو کے

گرم میں ہوں اے نیساں سے کس طرح تشبیہ
کروں میں جان کے کیوں کر ترقی معکوس

جان کھانا: فضول گوئی سے پریشان کرنا

کہتا ہے بات بات پہ کیوں جان کھا گئے
گویا کہ پک گیا ہے کلیجہ ندیم کا

کیا پوچھتا ہے تلخی اُلفت میں پند گو
ایسی تو لذتیں ہیں کہ تو جان کھا گیا
کھا گیا جاں آکہ دوں اس کو نکال
میں نہیں خوش صحبت غمخوار سے
جاں نہ کھا وصل عدو سچ ہی سہی پر کیا کروں
جب گلہ کرتا ہوں ہمدم وہ قسم کھا جائے ہے

جان کھپانا: بہت مشقت اٹھانا

اللہ غم بتاں میں یک چند
بے فائدہ جان کو کھپایا

جان کھو بیٹھنا: جان دے دینا، مرجانا

کھا کھا کے زخم سوئے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم

جان کھونا: جان دینا، مرجانا

کشتہ ناز بتاں روز ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

جان لب پر آ جانا: قریب مرگ ہونا

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تک اور تم نہ آئے یاں تک
بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جان مضطر رات کو
مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ
لبوں پہ جان ہے ایسی بھی کیا ہے بے دردی
نہ قرض دیتے ہو بوسہ نہ مستعار مجھے

جان لب پر آنا: قریب مرگ ہونا، عالم نزع میں ہونا

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تک اور تم نہ آئے یاں تک
بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جان مضطر رات کو

جان لوٹنا: کسی چیز کی بہت زیادہ خواہش ہونا

جان لوٹتی ہے پھر کہ وہی عیش ہو نصیب
ہم ہیں وہ مست ناز ہے اور دور جام ہے

جانا: روانہ ہونا، رخصت ہونا

نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغِ امید مرحوم

جائیں وحشت میں سوے صحرا کیوں
کم نہیں اپنے گھر کی ویرانی

حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منہ دکھانا چھوڑ دے

جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

یاد آیا سوے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موج دریا دیکھ کر

زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھنے ہم
عدم میں جاتے ہیں گو پانو کا نشان نہیں

سوتے سے اٹھ کر آئیں ہیں یارب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعاے سحر نہ ہو

دیکھیے انجام کیا ہو مومن صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوے کلیسا جائے ہے

غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خوابِ عدم میں شبِ ہجراں ہوں گے

صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں
دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

جانانی: محبوبہ کی طرف منسوب

جب تلک باعث نشاط و ملال
ہے وصال و فراقِ جانانی

جاناں: محبوب، معشوق

تیرے دشمن کے واسطے عاشق
زلفِ جاناں سے لے پریشانی

محو مجھ سا دمِ نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہوگا

دلربائی زلفِ جاناں کی نہیں
پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا

اُسے خو پڑ گئی ہے بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ، وہ جوش، وہ طغیاں نہیں رہا

چشمِ بے اعتبارِ جاناں میں
کیا مرا اعتبار ہوتا تھا

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

گماں قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور
سیاہ مستیِ مئے سے ہے چشمِ جاناں سرخ

خاک دے آنکھوں کو میری گردِ واں کی مجھ سے تو
سب مقدر ہیں ہواے کوچۂ جاناں تلک

وصلِ جاناں کہاں سواے خیال
ہم ہیں مایوس امید وار ہے دل

نہ کیوں نثار ہو جاں فرطِ کینِ جاناں پر
کہ اس کو میرے سوا اور کا دھیان نہیں

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں

ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے

جانب: رخ، سمت

کعبے سے جانبِ بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

لے چلا جوشِ جنوں جانبِ صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

آتشِ سینۂ تفسیدہ کو کیا میں روؤں
اشک جانب کرۂ آب کی مائل نہ ہوا

گر پھر بھی اشک آئیں تا جانوں کہ عشق ہے
حقہ کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانبِ غیر دیکھنا کب تک

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانبِ وفا دیکھیں

اضطرابِ شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانبِ چلمن نظارہ دم بدم کیوں کر کریں

ہے دوستی تو جانبِ دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ

محو وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلہ سے منھ جانبِ در کرتا ہے

اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ لگی جانبِ در ہے

دیکھے نرگس حسد سے جانبِ گل
خوردہ بیں ہو گئے ہیں اہلِ نظر

جانبازی: دلیری

بوالہوس اور لافِ جاں بازی
کھیل ہی کیا سمجھ لیا ہے عشق

جانستان: جان لینے والا، جان لیوا

نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروے دل ربا پہ تم جانستان تیغ

جانشین: خلیفہ، قائم مقام

مسند آرائے محفلِ تقدیس
وصی و جانشینِ پیغمبر

جانکاہ: جان گھلانے والے، جاں لیوا

گر یہی نالۂ جانکاہ کے ہیں شور و شغب
دم رہا کا ہے کو تاثیرِ فغاں ہونے تک

عذابِ ایزدی جان کاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکرِ ستم ہائے بتاں کیجے

جاننا: سمجھنا

بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا بس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا

سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے
جانا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم

جانا حرام ہجرِ بتاں میں تو کیا گناہ
پیرِ مغاں شراب ہے، شیشے میں سم نہیں

اب شور ہے مثال جو دی اس خرام کو
یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو

پرسش کو ہر کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے، جو دشمنِ جاں تھا اسے جانا دلدار

جاننا: قائل ہو جانا

جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

گر پھر بھی اشک آئیں تا جانوں کہ عشق ہے
حقہ کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

جانیں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقہ کف نامہ بر میں ہم

جاننا: واقف ہونا، علم رکھنا

کسی کا سوزِ دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانتا ہے اے مہرِ عالم تاب پنہاں

تو نے رسوا کیا مجھے اب تک
کوئی بھی جانتا تھا نام مرا

آج کل تم جھوٹ ہے ایک باتوں میں ہم آ جاتے ہیں
اس سے ہو جو تم کو نہ جانے آپ کے فرماتے ہیں

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں

واعظ کبھی ملا نہیں کوے صنم سے میں
کیا جانوں کیا ہے مرتبہ عرشِ عظیم کا

گر جانتے کہ ہے شبِ ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل

وہم عشق لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کھلے
جان کر گل چیں کو تاراج چمن کی فکر میں

اے دل آ جانے دے اس زلفِ مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے

یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب و جاں گداز
خفیہ شمال میں سموم، باد صبا میں، صرصری

جانیں: جمع ہے جان کی۔ روح، زندگی

خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے

جانے دو: معاف کرو، صرفِ نظر کرو

کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکرِ جفا کا
جانے دو کہ بے جا ہے پشیماں کی شکایت

جانے دینا: جانے کی اجازت دینا

جانے دے چارہ گر شبِ ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حالِ تباہ میں

جاں باز: جان پر کھیل جانے والا

اربابِ ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعیِ عاشقِ جاں باز تو دیکھو

جاں بازیاں: جمع ہے جاں بازی۔ دلیری

نئی کچھ نہیں اپنی جاں بازیاں
یہی کھیل ہم کو لڑکپن سے ہے

جاں بخش: زندگی عطا کرنے والا

نالۂ گرم نے دل بر کو بنایا دلدار
معجزِ عشق سے جاں بخش ہوئی بادِ سموم

مر گئے اس کے لبِ جاں بخش پر
ہم نے علاج آپ ہی اپنا کیا

جاں بر: صحیح سلامت، محفوظ

خاص وہ پایہ دل آشوبی
جس کا بیمارِ غم نہ ہو جاں بر

جاں بری: سلامتی، جان بچا لے جانے کی کیفیت

روز نبرد گرچہ ہو خصمِ جہاں کے زیرِ ران
توسنِ برتریں فلک، تو بھی محال جاں بری

لاف زنی پس مدیح، رسمِ قدیم کیا کروں
اس غمِ تازہ سے نہیں مجھ کو امید جاں بری

جاں بلب: مرنے کے قریب

ہوں جاں بلب بتانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو

اجل جاں بلب اس کے شیون سے ہے
یہ تا دم مرے زود کشتن سے ہے

جاں بلب ہوں خبرِ وصل سنا دے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

جاں ربا: جان لینے والا

ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حسن و جاں ربا ہے عشق

جاں سوز: جان جلانے والا

وہ غیرِ آسمانِ تقدیس
جاں سوز مناظر و مرایا
آتش لعل شعلۂ جاں سوز
آبِ نیساں ہے ایک بد گوہر

جان عذاب میں پڑنا: مصیبت میں مبتلا ہونا

تاثیرِ صبر میں نہ اثر اضطراب میں
بے چارگی سے جان پڑی کس عذاب میں

جاں فزا: حیات بخش، مجازاً مسرت میں اضافہ کرنے والا

مومن یہ عالم اس صنم جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں

مومن کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا

لذت مدح جاں فزا، تلخی ہجو تاب کاہ
شہد ہے یاں تو شہد ناب، صبر ہے تو سقوطری

جاں فزائی: جان بڑھانے کا عمل، خوشی بڑھانے کا عمل

جاں فزائی مرے سخن کی دیکھ
سم گنے خضر، آب حیوانی

جاں فشاں: جان نچھاور کرنے والا

وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لیے

جاں گداز: جان گھلانے والا

یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب و جاں گداز
خفیہ شمال میں سموم، باد صبا میں، صرصری

جاں نثار: جان فدا کرنے والا

جور پہ تیرے جاں نثار، غارتیان دین و دل
وصل سے تیرے کامیاب لب شکران عسکری

ہیں جاں نثار کہیے تو مر جائیں ہم ابھی
یہ کام بوالہوس سے کبھی عمر بھر نہ ہو

مرگ شامِ وصال حرماں ہائے
صبح دم جاں نثار ہوتا تھا

اف ری تپ گرمی محبت
اس نام پہ جاں نثار آتش

جاں نثاری: جان فدا کرنے کا عمل

قتل دشمن کا ہے ارادہ اسے
یہ سزا اپنی جاں نثاری کی

فریاد بے گناہ کشی جا بجا کروں
گر وہم جاں نثاری پیغام بر نہ ہو

جاوداں: ہمیشہ، سدا

صبر بعد آسائش اس قلق پہ مشکل تھا
عیشِ جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا

مومن بہشت و عشق حقیقی تمھیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

وہی ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مرجائیے کچھ کھا کے عیش جاوداں کیجیے

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یکشبہ ہے یاس جاوداں کے لیے

زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگی جاودان تیغ

جاوے: جائے کی قدیم شکل

میدان کشت و خوں میں مرا دست نے سوار
جاوے عناں کشیدہ تو ہو ہم عنان تیغ

وصل میں بھی دل سے غم جاوے کہاں
کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے

جائز: درست، مطابق شرع

مومن آ کیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرتِ حرمت صہبا و مزا میر نہ کھینچ

جائزہ: انعام، صلہ

مدح خوانی کا مری جائزہ شاہی بھی نہیں
وائے حرماں کہ ہیں بے جائزہ ایسے اشعار

لعل لب اس کے درفشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں دونوں میں ہے برابری

جائیو: جاؤ کی قدیم شکل

کاٹ لینے دو گلا تم شوق سے گھر جائیو
لیک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر

جاے بجاے: جگہ جگہ

چھپ بھی گئے تو راہ بند جاے بجاے لامکاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبد چرخ چنبری

جاہ: رتبہ، مرتبہ، عزت

عشق میں کام کچھ نہیں آتا
گر نہ کی حرص مال و جاہ نہ کی

جوش طراوت مشام، وجہ عطاس عز و جاہ
لطف نسیم مشک بیز، خلق شمیم عنبری

جاہ کیوانی: آسمان جیسا جاہ و جلال۔ کیوان = نام
زحل کا جو ساتویں آسمان پر ہے اور مجازاً ساتویں آ

کیوان کہتے ہیں

اول اس در پہ سجدہ ریزی کر
تا ملے مفت جاہ کیوانی

جاہ وجلال: شان وشوکت

قصر جاہ و جلال میں تیرے
فخر کیواں ہے پاسبانی در

جاہل: بے علم

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

جاہل کشی: جاہل کو مار ڈالنے کا عمل

میری بدیہہ سنجی کی جاہل کشی کو دیکھ
نظروں سے گر پڑا ستم ناگہانِ تیغ

جاہل نواز: جاہلوں کو بخشنے والا

سروران سپہر مرتبہ ہیں
بس کہ جاہل نواز و دوں پرور

جاے جاے: جگہ جگہ

بعد مدت اُس کو سے یوں پھرے بہ تنگ آکر
جاے جاے پھرتے ہیں پوچھتے مکاں اپنا
کردئے اپنے آنے جانے کے
تذکرے جاے جاے لوگوں نے

جبار: ستاروں کی ایک شکل ہے جو کمر باندھے ہوئے انسان سے مشابہت رکھتی ہے

خون کے میرے ارادے سے ہوا "ذابح سعد"
قتل پر میرے کمر باندھے ہے شکل جبار

جبان: بزدل

روز نبرد گرچہ ہو خصم جبان کے زیر ران
توسن برترین فلک، تو بھی مجال جاں بری

جبر: وہ فلسفہ جس کی رو سے انسان اپنے اعمال وافعال میں مجبور اور بے بس سمجھا جاتا ہے

دھیان میں مومن آگئی مبحث جبر و اختیار
قابوے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

جبرئیل: چار مقرب فرشتوں میں سے ایک مشہور فرشتے کا نام جو رسولوں کو خدا کے احکام پہنچایا کرتے تھے

کس قدر تیز رو ہے سوے صنم
نامہ بر میرا جبرئیل ہوا

جبیں: پیشانی، ماتھا

جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظِ دفتر تقدیر اکثر ہم
چاک سرا پردہ سے جھانکتے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغل جبیں ہے ہنوز

جبیں پہ بل پڑنا: چہرے سے آثار رنج وملال ظاہر ہونا

بوسے دم غضب لیے اُلٹی سمجھ تو دیکھ
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہوا

جبیں سائی: منت سماجت، پیشانی رگڑنا

چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی ملا

جبہہ: پیشانی ماتھا

جبہہ خورشید سے فروزاں تر
جبہہ سے دل زیادہ نورانی

جبھی: اسی لیے

وداد وخشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے
جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل
پی ہے سے حضرت مومن نے جبھی مضمضہ کو
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں

جبھی تک: اسی وقت تک

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
چھڑکے ہے لون زخم پہ وہ کیوں نہ ہوں غمیں
الماس کی تھی آس جبھی تک الم نہ تھا

جتانا: خبردار کرنا، ہوشیار کرنا، بتانا

بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام
حال دل اسے جتائیں گے ہم

ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مومن بے زمان، عرضِ احوال
میں نے تجھے بے خرد جتایا

جتنا: جس قدر، جو کچھ

ہے ظلم کرم جتنا تھا فرق پڑا کتنا
مشکل ہے مزاج اتنا اک بار بدل جانا

آب و ہوائے ملکِ محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں

کیا کیجئے کہ طاقتِ نظارہ ہی نہیں
جتنے وہ بے حجاب ہیں ہم شرمسار ہیں

حسنِ روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے ماہ رو
یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے

نہ دینا بوسہ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے

جحیم: دوزخ

ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا

یاد آئی کافروں کو مری آہ سرد کی
کیوں کر نہ کانپنے لگے شعلہ جحیم کا

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصالِ حور
مومن عجب بہشت ہے دیرِ مغاں نہ چھوڑ

الامیں نہ تاب حرف بتاں کافران عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

کچھ آپ زنی کرتے نہیں تو
[illegible] جحیم [illegible]

جدا: الگ، علاحدہ

[illegible] اس جان کے دشمن سے جدا ہی رکھا
[illegible]

[illegible] وصل [illegible]
[illegible] جدا جدا مری [illegible]

ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یاروں نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

حالِ دلِ یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

جدا ہونا: الگ ہونا، دور ہونا

ربط اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

جدائی: فراق، محبوب سے دوری

مہِ نو بن گئے ہم طولِ شبہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھئے وہ حسنِ روز افزوں نہ ٹھہرے گا

تھی وصل میں بھی فکرِ جدائی تمام شب
وہ آئے تو بھی نیند نہ آئی تمام شب

مر بھی گئے جدائی میں پر دوستی کی یہ
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

داغِ جدائی در دنداں [illegible] زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع [illegible] شمع

چشم [illegible] نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خوابِ وصل کیا دیکھیں

نہ کی ہم سے شبِ جدائی کی
تھی ہی طاقت آزمائی کی

از بس جنوں جدائی گل و چمن سے ہے
دل چاک چاک غنچہ مرغِ چمن سے ہے

جدید: نیا، تازہ

ہے فرق لفظ جدید [illegible]
[illegible]

جدھر: جس جگہ، جہاں، جیسے

[illegible]
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ [illegible]

[illegible]
[illegible] دل نے [illegible]

جذب: کھنچاؤ، کشش

یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

اے جذبِ دل نہ تھم کہ نہ ٹھہرا وہ شعلہ رو
آیا تو گرم گرم و لیکن چلا گیا

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

اے جذبِ دل وہ شوخ ستمگر تو یک طرف
پیغام لے کے بھی کوئی آیا نہیں ہنوز

کیا جذبِ انتظار کی تاثیرِ بے وفا
منکر نہ ہو تو پہلے ہی اقرار ہے غلط

جا میں اثر جب اے رقمِ جذبِ اشتیاق
دیکھیں زمامِ ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

مت کیجو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں

سر زور آزمائی جذبِ دل کو آج ہی دیکھو
کھنچے گا ہاتھ سینے سے تم اپنا تیر تو کھینچو

جذبِ دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

کہ محرک ہے التفات نہاں
تاب فرسا ہے جذبِ روحانی

جذبہ: کھنچاؤ، کشش

تیری چتون کمندِ دلکش کا
دم بھرے جذبۂ دمِ اژدر

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

بر میں عدو کی سوئے بغل سے مری اُٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہوا

شب وعدہ جذبۂ شوق سے ہوئی کشمکش یہ ستم ہوا
کہ وہ آتے آتے جو تھم گئے تو کسی طرح نہ تھما قلق

پھر اب کی لا ترے قربان جاؤں جذبۂ دل
گئے ہیں یاں سے وہ سوگندھ کھا کے آنے کی

جراح: علاج کی غرض سے چیر پھاڑ کرنے والا، زخم کرنے والا

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخمِ جگر سے باندھ کر

جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمانِ تیغ

جراحت: زخم، گھاؤ

جراحت زار اک جاں دے کہ جس کی ہر جراحت ہو
نمکداں شورِ اُلفت ہو مزا آوے عیادت کا

صد مژدۂ جراحتِ منکر حسود کو
کرتا ہوں رزم گاہ میں، میں امتحانِ تیغ

جرأت آزما: دلیری آزمانے والا، بہادری کی آزمائش کرنے والا

ہوش میں آ تو مجھ میں جان نہیں
غفلتِ جرأت آزماں کب تک

جرأت: ہمت، حوصلہ

تھے بے گناہ جرأتِ پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلّاد آ گیا

جرس: گھنٹا، جو قافلے والے کوچ کے وقت بجاتے ہیں

ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کے جوں نالۂ جرس گذرے

جرم: قصور، خطا

وہ شوخ بے سبب آزار و بے گنہ خوں ریز
کہ جرم قاتلِ "عثمان" کا نہ ہو قائل

نورِ خورشید سے ہے جرمِ قمر کی تابش
مے سے ہو، کیوں نہ فزوں؟ حسنِ رخِ ماہ عذار

بسترِ گل پہ خوابِ خوش، سرخوشی نشاطِ خواب
عطر لباس سے گلاب جرمِ دماغ کی تری

کیا قہرِ طعنِ بوالہوس بے ادب ہوا
جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہوا

جرم معلوم ہے زلیخا کا
طعنۂ دستِ نارسا کب تک

ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

عشق میں ناصح بھی ہے کیا مدعی
جرم ثابت ہو گیا انکار سے

قتل اس نے جرمِ صبرِ جفا پر کیا مجھے
یہ ہی سزا تھی ایسے گنہ گار کے لیے

ہوں سزاوارِ ستم میں نے کیا ہے جرمِ عشق
بوالہوس ہیں بیگنہ پھر کیوں ڈریں تعزیر سے

عشق اس قاتل کا بعد قتل بھی ہم کو رہا
ہے یہ کیسا جرم جو جاتا نہیں تعزیر سے

جریر: عرب کا ایک مشہور شاعر

کفر حکایتِ غرور، اس کے بغیر یہ محال
تا متنبی و جریر عار ہے مجھ کو ہمسری

جزا: بدلہ چکائے جانے کا دن، قیامت کا دن

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

دعوۂ تکلیف سے جلاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حالِ سپہرِ تفرقہ انداز دیکھنا

جز: سوائے

سینہ صافوں کو سنگِ مروارید
نہ ملے جز سرشکِ دیدۂ تر

لرزاں تھے مثلِ بید ترے رعب سے جو ہاتھ
بچاں باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زبانِ تیغ

کام جز الفت نہیں اے کاتبِ اعمال یاں
فائدہ حرفِ مکرر کی بجا تحریر سے

سقفِ رنگیں وہ زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم زرنی

حصولِ سوزِ دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ

بس کہ اک پردہ نشیں کے عشق میں ہے گفتگو
بات بھی کرتے نہیں جز صنعتِ ایہام ہم

جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں

جزا: عوض

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں

جزو: کسی چیز کا حصہ، پارہ، ٹکڑا

شبہ کیا عصمتِ لختِ جگرِ احمد میں
جب مسلّم ہو کہ معصوم ہے جزوِ معصوم

چرخ سے جنگ اور ایک جزوِ ضعیف چرخ یہ
طالعِ دوں خراب ہو آپ کرے جو یاوری

ہے جزوِ ضعیف، جو ہر عقل
عرفاں کے جو غور نے گھٹایا

جس طرح: جیسے

خمیدہ شاخ سے یوں رنگِ گل ٹپکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعلِ منکوس

اسے خو پڑ گئی ہے بے طرح زانو سے جدائی کی
یہ سر تکیے پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

جست: قلانچ، کود

اس تنگ دو کو کیا کہیں چرخ زن ایک جست میں
نیم قدم پہ رہ گئی طائری و تکاوری

جستجو: تلاش، ڈھونڈھنا

جستجو ہے وصلِ دل بر کی تمنا کس سے
کیا دل گم گشتہ اے ہنگامہ آرائی ہو

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دلِ ناکامیاب میں

جسم: بدن، تن

نیم جلوہ کو بھی وہ کہتے ہیں اب بے پردگی
جسم کا بیہودہ یہ کس کا صرفِ پیرہن ہوئے

دیکھئے پسِ مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا
پہنچے تری نزاکت و گرمی کو کیا مجال
ہر چند موم جسم ہے اور شعلہ جانِ شمع

جسم زار: کمزور بدن

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جان جسم زار سے

جعل: گبریلا، ایک سیاہ رنگ کے بھونرے کی مانند پردار کیڑے کا نام جو گوبر کو جمع کرتا اور خوشبو یا پھول کی بو سے مرجاتا ہے

قبائے گل کو گر اطلس نے دیجیے تشبیہ
سیاہ پوش ''جعل'' ہو درون ماتم ''سوس''

جفا: ظلم، ستم

جفا کو آئے مری دل شکستگی پہ رحم
بلا کرے مرے احوال زار پہ افسوس
کب تلک شکوۂ جفائے فلک
تا کجا طعنۂ قمر چاکر
خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
وہ نکتہ داں کہ ،، تقیے ،، کو اصل دیں کہے تا
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے خجل
ناز شوخی دیکھنا وقت تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذر جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا
اب اذن انتقام جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا
ستم آزار و ظلم و جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
کیوں طعنہ سمجھ کر ہے گلہ شکر جفا کا
جانے دو کہ بے جا ہے پشیماں کی شکایت
اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا
نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کردیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر

امتحاں کے لئے جفا کب تک
التفاتِ ستم نما کب تک
لطف سے ہوتی ہے کیا کیا بے قراری بن جفا
تیری بد خوئی نے ظالم کردیا بد خو ہمیں
سب جفا جو اس ستم گر کے سوا کہنے کو ہیں
جن کو چرخ و مرگ کہتے ہیں سنا کہنے کو ہیں
ہائے قسمت کہ ہوئی مجھ پہ جفا اور فزوں
ان دنوں غیر پہ گر لطف وہ کم کرتے ہیں
کیا شکوہ جفائے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں
قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں
جن سے منظور وفا ہے ہو جفا بھی ان پر
مجھ سے کچھ کام نہیں ہے تو ستاتے کیوں ہو
الٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ
کیا یہ مطلب ہے کہ برعکس وفا ہوگی جفا
جو تمہارے عہد نامہ میں خط معکوس ہے
گر نہ ہو شکر جفائے متصل سے دردِ سر
لب پہ کچھ کچھ التماس جان غم مانوس ہے
جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دل ناداں اس الفت اس محبت کی
وفائے غیرت شکر جفا نے کام کیا
کہ اب ہوس سے بھی اعدائے بوالہوس گذرے
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی
قتل اس نے جرم صبر جفا پہ کیا مجھے
یہ ہی سزا تھی ایسے گنہ گار کے لیے
کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک

دل سختیوں سے آئی طبیعت میں نازکی
صبر و تحمل قلق جاں نہیں رہا

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر

بے صبر کو کہاں تپ داغ سے جگر فیض
گل چیں کو کب ہوا شجر بارور سے فیض

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلہ زخم جگر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے
ہے پاش پاش سب جگر اور لخت لخت دل

شکوہ کیا بیدادگری کا کیجئے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخم جگر دکھلاتے ہیں

نہ تن ہی کے ترے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر، دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کیا کبھی سینے جل چکے کیا کبھی دل پگھل چکے
ہوئے کباب اب نہیں آہ جگر گداز میں

یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستان نہیں

دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنۂ انگشت ندامت ہو

اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہوجائے

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پس ذبح بھی ہر دم دم صیاد بھرے

جگر چاک ہونا: روحی صدمہ ہونا

غم بے قدری وحشت سے جگر چاک ہوا
خرق افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار؟

جگر خوں: وہ جس کا کلیجا خون ہوگیا ہو

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پس ذبح بھی ہر دم دم صیاد بھرے

جگر خون ہونا: صدمہ روحی پہنچنا

خسرو عیش وصل یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

جگہ: عوض، بجائے

پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

نوید مالک گلزار کو کہ زر کی جگہ
ہر ایک کاسۂ گل میں ہے گنج دقیانوس

جگہ: موقع، مقام

دیکھئے کس جگہ ڈبوے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق

اف رے گرمی محبت کہ ترے سوختہ جاں
جس جگہ بیٹھ گئے آگ لگا کے اٹھے

سوا امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع سبکی و خری

جل جانا: آگ پکڑ لینا

کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

جل جانا: خاکستر ہونا

جان جہاں کو دل دیا دشمن جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری

جل جانا: رشک کرنا

دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے

جلاد: ظالم بے رحم حاکم کے حکم سے قتل کرنے والا

دعوۂ تکلیف سے جلاد نے
روز جزا قتل پھر اپنا کیا

شور الفت نے کیا کیا بے مزہ جلاد کو
گرم خونی سے لب شمشیر پہ تبخالہ تھا

بے کسی نے نہ دیا بارے تہِ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریۂ جلاد رہا
گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلاد کیا
روزِ جزا خدا بُتِ جلاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحق مومن صواب تھا
آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلاد میں دامن ہے ہمارا
آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع
کب چھوڑتے ہیں اس ستم ایجاد کے قدم
سر ہے ہمارا اور ہیں جلاد کے قدم
کیا مرے قتل پہ حامی کوئی جلاد بھرے
آہ جب دیکھ کے تجھ سا ستم ایجاد بھرے

جلا جانا: مسلسل جلتے جانا

جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے مانندِ پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمعِ تربت ہو
سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمعِ محفل کو جلا جاتا ہے دل

جلا دینا: آگ لگانا خاکستر کر دینا

وہم فغانِ غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دل دار کی طرف
کیسا فلک کہ اخترِ طالع جلا دیے
کیا سرد مہر میرے دمِ شعلہ بار ہیں
برق آہ کو جو میں نے کہا مسکرا دیا
دل گرمیوں نے اُس کا کلیجہ جلا دیا
لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم
کہاں ہے تابِ نازِ برق اے کاش
جلا دے آتشِ گل آشیاں کو
دل اس کی گرمیِ صحبت جلاتی ہے بہار
آتشِ گل سے مرا سینہ جلاتی ہے بہار

جلا رہنا: جلا دینا

تری دل گرمیاں آخر جلا رہویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوزِ غیرت کی

جلا کے خاک کرنا: جلا کر تباہ و برباد کر دینا

بس کہ اس نے جلا کے خاک کیا
سرِ عشاق کا غبار ہے دل

جلا مت: مت جلاؤ

جلا جاتا ہوں سوزِ رشک سے مانندِ پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمعِ تربت ہو

جلانا: آگ لگانا، خاکستر کرنا

خوفِ عصمت سے تیرے آئے جو پاس
شمع پروانے کے جلا دے پر
یہ مے کو نہیں جہاں سوز نے جلایا ہے
کہ مغ نہ کر سکے فرقِ صراحی و فانوس
اس کا مرے دل پہ ایک پرتو
جس شعلے نے طور کو جلایا
گر ہے دل غیر نقشِ تسخیر
تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز
جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ
دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپِ غم سینہ جلا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپِ دل آگ لگاتے کیوں ہو
گر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو
دلِ بیتاب کی اکسیر بناتے نہیں
اس قدر شوق تہ دل سے جلاتے کیوں ہو
اس سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالاتِ خام کو
سنگِ در سے ترے نکلی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو

جلانا: رشک دلانا

پری لوٹنے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

جلانا: ستانا، آزادہ کرنا

جلانے سے بھی تیرے شاکر ہوں میں
گلہ نالۂ آتش افگن سے ہے
شعلہ رو کہتے ہیں اغیار کو وہ
اپنے نزدیک جلاتے ہیں مجھے

جلانا: غصہ دلانا، بھڑکانا

دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم
کیا جانئے کسے جلائیں گے ہم
اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم
یہ شرارتوں کی شکایتیں یہ جلانا غیر کا دیکھیو
کہے مجھ سے وہ ترے ہاتھ سے نہیں چین مجھ کو سوا قلق

جل بجھنا: جل کر خاک ہو جانا

غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے

جلا پذیر ہونا: زنگ آلود چیز کا صاف ہو کر چمک اٹھنا

جلا پذیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فنائے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل

جلد: فوراً، بلاتوقف

تیغ غمزہ کو لگا لے جلد سنگ سرمہ پر
حرف مطلب آرزومند جفا کہنے کو ہیں
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں
نچوز جبدا ے بوالہوس سرکو کہ اب
جھانکتے ہیں روزن دیوار سے
آ چک اے صبح طرب کٹ نہیں سکتی شب غم
جلد جائیں مع اغیار جہنم میں نجوم

جلد: کتاب

گھوے خامہ میں سرمہ مداد دودۂ دل ہے
گر لکھنا ہے وصف خاتمہ جلدِ رسالت کا

جلدی: عجلت، فوراً

آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا
ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جاں کنی
دونوں کا دُم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی

جلسہ: نشست، محفل

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

جلنا: جھلسنا، بھننا

آگ اشکِ گرم کو لگے جی کیا ہی جل گیا
آنسو جو اس نے پونچھے شب اور ہاتھ جل گیا

جلنا: حسد کرنا

اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسانِ شمع
اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا
جلتا ہوں اہل نار کی تبدیلِ جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ
سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ
کیا کیا جلی ہے بزم میں تجھ سے نہ جب پھرے
پروانے شمع شعلہ شمائل کے آس پاس
کل دیکھ کے وہ عذار آتش
کیا کیا ہی جلی ہے یار آتش
لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے
ہے منور تر شب غم مہر عالم گیر سے

جلنا: خاکستر ہونا، سوختہ ہونا

سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبط آہ شعلہ زن کی فکر میں

ترے حسود کی نسبت سے جل رہی ہے نہ کیوں
ہجوم شعلہ سے دوزخ ملے کف افسوس

مخالفوں کو ترے وہ جہاں جہنم ہے
کہ تاب مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس

ذرۂ خاکِ در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر

وہ جلے محفل دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھیڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سو بار

آتش مہر و حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحاب آزار

سائلوں کا ترے کوچے میں ہم فیض ہجوم
جیسے گلزار میں ہنگام سحر جوش ہزار

کب تلک جلیں یارب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں

کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعث گرمی ہو تری مجلس کے

مت کہہ شب وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

جل گیا کیا شجر تربت پہ میری
وہی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں یعنی چاہیے آنکھوں پھر چراغ

ہے شام انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح ادھر ہم ادھر چراغ

اس شعلہ رو نے تا کہ پس مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ

اے پردہ نشیں چہرہ اٹھا دے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت

میرے جلنے پہ جو روئے غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آب اشک آتش پہ روغن ہو گیا

کس کے جلنے کا دھیان آیا ورنہ دو افغاں سے میرے

اگر ہزاروں سپہر جلتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

محفل فروز تھی تپ و تاب نہان شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدان شمع

سوزش پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا ہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل

اس گل کے غم میں پھولتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجر بارور میں ہم

اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوز آتش غم سے جلا نہ کرتے ہم

کیا ابھی سینے جل چکے کیا ابھی دل پک چکے
ہوئے کباب اب کہیں آ و جگر گداز میں

اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوز آتش غم سے جلا نہ کرتے ہم

اف گرمی یاد گرم جوشی
میں آتش مردہ سے جلا ہوں

رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بزم میں
دن کو ہے مجھ پہ وہی صدمہ جو تجھ پہ رات کو

جلتا ہوں ہجر شاہد و یاد شراب میں
شوق ثواب نے مجھے ڈالا عذاب میں

شمع ساں میں سوز گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو چھوڑ دیکھ

جلا جگر تپ غم سے بچھڑ کے جان گئی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

شب وصل عدو کیا کیا جلا ہوں
حقیقت کھل گئی روز جزا کی

جلنا: رشک و حسد ہونا

تھا شب چراغ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک تن بسان شمع

دل میں غیروں سے ہے وہ گرم صحبت
مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر کے

لنا: روشن ہونا

سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمعِ محفل کو جلا جاتا ہے دل

ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بطرزِ دگر چراغ

لنا: غصہ آنا

ہوں غضب سے اس کے سرگرم فغانِ شعلہ زن
جل گیا جی احتراقِ زہرہ کی تاثیر سے

لنا: کوفت ہونا، رنج ہونا

کرلیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر

وصالِ غیر کے طعنوں سے جی جلا اس کا
کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ خود ہوا میں جل

کس قدر ،،حکمتِ اشراق،، سے جی جلتا ہے؟
ہو گئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

لنا: غم میں گھلنا

سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبطِ آہِ شعلہ زن کی فکر میں

لن: سوزش، تپش

زلفیں اٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوزِ دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

سرگرم مدحِ غیر دمِ شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

لوس: بیٹھنا

صفا سے وہ در و دیوارِ باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس

ظہور میں ہوئی تقدیمِ انبیاء کہ نہ تھا
ترے وسادۂ دولت پہ احتمالِ جلوس

لوہ: دکھانا، نمائش کرنا، نظارہ، دیدار

کردیا اس جلوہ نے مجنوں چلو
خاک اڑائیں وادیِ ایمن میں ہم

خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہو جائے غش

ہر جائے ہے تیرا جلوہ لیکن
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا

سینہ سرشارِ مہرِ یزدانی
چشم لبریزِ جلوۂ محشر

غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہے
سرگرمِ جلوہ فصلِ بہار و خزانِ تیغ

سوئے ہزار گوشِ جاں، روئے زمیں پہ زر فشاں
باغ میں جب تک اس طرح، جلوہ کرے گل طری

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہلِ ضلالت کا

ایک ہی جلوۂ مہرو میں ہوا سو ٹکڑے
جامۂ صبر جسے کہتے ہیں کتاں ہو گا

آتی نہیں بلائے شبِ غم نگاہ میں
کس مہروش کا جلوہ نظر میں سما گیا

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوۂ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار

تاش کا ہم دم کفن لاتا کہ بس میں مرگیا
جلوؤں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر

پھر دل ہے داغ مطلعِ خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگِ عشق
نو بنو جلوہ ملا لو رنگ کی تغییر سے

جلوہ افزائی: حسن و رونق کو بڑھانے کا عمل

جلوہ افزائی رخ کے لیے مئے نوش ہوا
میں بھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

جلوہ آرا: جلوہ دکھانے والا

خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

جلوہ دکھلانا: دیدار کرانا

جلوہ دکھلائے تو وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

جلوہ دکھانا: سج دھج دکھانا، دیدار دکھانا

شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا

جلتی ہے جان آتش خس پوش دیکھ کر
چلون سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

جلوہ دکھلائے تو وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصف حور
سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز

اے سوز گریہ آگے تری آب و تاب کے
پانی بھرے ہے جلوۂ آتش فشاں شمع

غیر کو بام پہ آ، جلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ سوچا کہ پڑا ہے کوئی زیر دیوار

جلوہ ریز: جلوہ بکھیرنے والا

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

پھر کچھ صدائے پا سے دل مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

جلوہ زار: جلوہ گاہ

ترے بے فیض سے ہر قطرہ آبیار جنوں
ترے بے نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموں

جلوہ فرما ہونا: نمودار ہونا، ظاہر ہونا

نہ بجلی جلوہ فرما ہے نہ صیاد
نکل کر کیا کریں ہم آشیاں سے

جلوہ گر ہونا: ظاہر ہونا، نمودار ہونا

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
ہے پردہ در جہان میں کہ جلوہ گر بسنت

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

جلوہ گری: جلوہ دکھانے کا عمل، نمودار ہونے کا عمل

بے پردہ پس چلون یک بار تم آ بیٹھے
بے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری اتنی

جلوہ گستر: جلوہ دکھانے والا

یاں جو تو اے مہر وش تھا جلوہ گستر رات کو
تھیٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے منہ پر رات کو

جلوہ نما: جلوہ دکھانے والا

آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کرور دیکھ

جلووں: جلوہ کی جمع۔ دکھاوا، نمائش کرنا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غم پنہاں نہیں رہا

جلوے: جمع ہے جلوہ کی۔ نظارہ

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں

جمال: حسن و خوبی

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
تو دیتی دل کوئی یوسف کو دختر طیموس

فرط جمال سے نہیں گرچہ لباس کا خیال
تو بھی تو کبر و فخر کو ننگ ہے زہرہ معجری

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ

جمع: اکٹھا

سوا امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بینی و خودی

جمع کرنا: اکٹھا کرنا

رونق بزم و عزم رزم و فر جلال و قدر و جاہ
تو نے بعزت کمال جمع کیے، نہ سروری

جمع ہونا: اکٹھا ہونا

کیا دعویٰ ہو جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے گھر پاس

صرصرِ آہ و فغانِ شعلہ زن طوفان اشک
جمع سامان خرابی تھا مرے گھر رات کو

جمع جو تجھ میں عدل وحسن جن سے خرابیاں خراب
مست شرابِ لب شراب، محو پری رخی پری

ملہ: تمام

حضرت مومن اس قدر لاف اگرچہ بجا درست
طول مقال عیب وشعر جملہ عیوب سے بھری

منا: منجمد ہونا

انگلیوں میں خامہ جم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

م: جمشید کا مخفف، ایک بادشاہ کا نام

حکم سے اس کے بے سروساماں
سر جم سے اتار لے افسر

نازہ: مردے کا تابوت

جب تو چلے جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
پھر کون وارثوں کے سنے اذن عام کو

تھی نوحہ زنی دل کی جنازے پہ ضروری
شاید کہ وہ گھبرا کے سر بام نکلتا

مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

نازہ اٹھے: موت آئے (یہ بددعا کے طور پر بولتے ہیں)

یا رب ان کا بھی جنازہ اٹھے
یار اس کو سے اٹھاتے ہیں مجھے

نازے: جنازہ کی جمع۔ لاش کا تابوت

گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہو گیا
پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہو گیا

کہیں ایسا نہ ہو وہ غیرت حور آ جائے
ہے بہت میرے جنازے پہ فرشتوں کا ہجوم

ناں: جمع ہے جنت کی۔ بہشت

بندھا خیال جناں بعد ترک یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے

اب ذرا جانِ دہی کو بے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغِ جناں اے واعظ

جنبش: حرکت، گردش

جوں نکہتِ گل جنبش ہے جی کا نکل جانا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا

ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم
طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبشِ مژگاں نہیں رہا

کیوں الجھتے ہو جنبشِ لب سے
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب

جنبشِ لب کی ترے پوچھنے کو کیفیت
ترے بیمار سے کرتا ہے مسیحا اخلاص

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو
پوچھ مت حال کہ برسے ہیں بر میں پھرتے

جنبشِ نرگسِ جنت نے رلایا مومن
چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

نمو کا معجزہ صل علیہ پھر گندم
ہوائے جنبشِ غربال سے بنے ہے سبوس

ہوائے جنبشِ اوراق سے ہیں عطر فروش
لغات ورد کہ ہیں ثبت صفحۂ قاموس

وہ سخت گیر کہ رہوے نہ طاقتِ جنبش
تو نیم جان غمِ عشق کو کہے کاہل

صرصرِ عاد سے غالب ہے کہ جنبش نہ کرے
وہ ورق جس میں رقم ہوں ترے اوصاف وقار

جنت: باغ، بہشت

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

نہ جاؤں گا کبھی جنت کو میں نہ جاؤں گا
اگر نہ ہووے گا نقشہ تمہارے گھر کا سا

بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس
لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا

مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا
حشر اور ایک بار ہونا تھا

جنت کی ہوس واعظ بے جا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا

جنبش نرگس جنت نے رلایا مومن
چشم کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

گریہ پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دل جنت مقام کو

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو

جا کے جنت میں بھی رہتی ہے ترے در کی ہوس
ورنہ "مرغان اولی اجنحہ" کیوں ہوں طیور

حور و جنت کی بھی امید خدا سے نہ رہی
شور محشر سے نہ ہوں گے مرے طالع بیدار

السلام اے روش آموز طریق اسلام
السلام اے خضر جادۂ جنت ملزوم

جنبش نرگس جنت نے رلایا مومن
چشم کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے

فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنان چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہے

کہیں سے ڈھونڈھ کر لانا بت کافر کو اے مومن
طبیعت سیر جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی

لگی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی

جنس: جماعت

سن کر فسانہ یوسف ترے ایام میں، گرگ
غم تہمت میں ہوئے جنس سے اپنی بے زار

جنس: مال، سودا

قیمت حسن یوسفی، میرے سخن کا رونما
ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، وہ یہ فزائے مشتری

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور نقد ستم کرتے ہیں

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے
تو گراں ہووے گی وہ جنس جو کمیاب نہیں

جنگ: لڑائی، معرکہ

ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقت جنگ
باہم شکست تیغ ہے شور و فغان تیغ

تیری افواج کا میداں میں دم جنگ خروش
بلبلوں کا ہمہ آزار، گلستاں میں ہجوم

روز جنگ اس کے غم جولاں میں
صرصر عاد کی سی طغیانی

چرخ سے جنگ اور ایک جزو ضعیف چرخ یہ
طالع دوں خراب ہو آپ مرے جو یاوری

کس کو ہے ذوق تیغ کاوی لیک
جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا

ہے صلح عدو بے حظ تھی جنگ تو اچھی
جیتا ہے تو آفت ہے مرتا تو بلا ہوتا

دوستو! لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
مر گئے ہی گئے اب تو جنگ ہے تقدیر سے

جنگ جو: لڑاکا، لڑنے والا

تلوار لے کے گھر سے جو نکلا وہ جنگ جو
تاثیر نے لیے مری فریاد کے قدم

وہ جنگ جو کہ اگر ہے رشک دشمن بھی
تو بے حیائی کے طعنے ہوں بن کے قاتل

جنگل: صحرا، دشت

گر علاج جوش وحشت چارہ گر
لا دے اک جنگل مجھے بازار سے

جنوں: دیوانگی، پاگل پن

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں جوشاں
کہ ہو دست عدو سے چاک پردہ چشم حیرت کا

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

لے چلا جوش جنوں جانب صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں گرد و پیش نہ رہا

ہے جنون ایسے کے آگے ٹھیرنا اے بوالہوس
دیکھتے ہی مجھ کو بھاگا جو تماشائی ملا
یہ زلفِ خم بہ خم نہ ہو کیا تابِ غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھا منا
خاک اُڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی
شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہوگیا
دیتا نہیں اِس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
بے تودہ تودہ خاک سبک دوش ہوگئے
سر پہ جنونِ عشق کا احساں نہیں رہا
اے شورِ جنوں ذرے بے زباں بند نہ ہوجائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت
ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہوگیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار
گل داغ جنوں کھلے بھی نہ تھے
آگئی باغ میں خزاں افسوس
قیامت جنوں میں ہوں نازک دماغ
نہ کیوں نکہتِ گل سے آجائے غش
داغِ جنون و سنگ درِ یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل
دلّی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ویرانہ تر میں ہم
جنونِ عشق پری روئے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں
خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں
آئے ہے کچھ اٹی ہوئی بادِ صبا غبار میں
سنگ سودا جنوں میں لیتے ہیں
اپنا ہم مقبرہ بنانے کو
دستِ جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بندِ قبا کے ساتھ

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیروں
چلتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ
شاخِ گل اے جوشِ جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ
کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے
میرے زرد آبلوں سے تختۂ خُمد برگ بے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہوچکی
اٹھا نہ ضعف سے گل داغِ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سماگئے
از بس جنوں جدائی گل پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغِ چمن سے ہے
داغ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے
پھر زیبِ سر ہے شعلۂ داغِ جنوں سے تاج
پھر دور باشِ نالہ اثر اہتمام ہے
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے
جنونِ عشق ازلی کیوں نہ خاک اڑائیں کہ ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لیے
تجھ کو دکھلاؤں تماشا، میں جنوں کا اپنے
آ رہے کوئی پری وش جو ترے قرب و جوار
گاہ کہتا ہے جنوں عشق کو، گہ کفر و حرام
جہل کرنے کو پڑھے تھے مرے ناصح نے علوم

جنوں افزائیاں: واحد جنوں افزائی جنون میں اضافہ کرنے کا عمل

ہائے یادِ مرغِ مجنوں کی جنوں افزائیاں
میرے سر کو سایۂ بالِ ہما منحوس ہے

جنوں زدہ: پاگل، دیوانہ

میری زبان میں وہ بات جس سے ملک سخن پرست
میرے بیان میں وہ سحر جس سے جنوں زدہ پری

جنھیں: جن کو، جن لوگوں کو

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنھیں چاہ کے ارماں ہوں گے

جواب: عوض، بدلہ

میں نے سوچا آپ اپنے خون ناحق کا جواب
نام اس کا سینے پر لکھا ہے نوکِ تیر سے

جواب: سوال کا نقیض، خط کا جواب، پیغام، جواب

روزِ جزا جو قاتلِ دلجو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

کس پہ مرتے ہو آپ پوچھتے ہیں
مجھے فکرِ جواب نے مارا

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

کو تجھی کی جواب میں جوں جوں
اور بھی خط مرا طویل ہوا

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُس کے
کیوں کر لبِ قاصد سے پیغام ادا ہوتا

تجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غمِ غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

نومیدی جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پس قاصد رواں نہیں

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

کہتے ہیں تم کو ہوش نہیں اضطراب میں
سارے گلے تمام ہوئے اک جواب میں

شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگامِ جواب
خوف سے منہ اور زبان ہر سخن ور خشک ہو

گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے

یاس محو قطعِ آز اور شوق بے تاب جواب
باندھتے ہیں نامہ بالِ ہدہدِ تصویر سے

جواب آنا: جواب پہنچنا

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کی میرے
کیمیا یاب سیاہی بنی منقا کاغذ

جواب دینا: دوسرے کی بات سن کر آپ بھی کچھ کہنا۔

روزِ جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے

جواب دینا: کسی کام سے انکار کرنا کہ ہم سے نہ ہو سکے

اب کوئی کیا کرے علاجِ افسوس
موت نے بھی دیا جواب ہمیں

ایک ایک ادا سو سو دیتی ہے جواب اُس کے
کیوں کر لبِ قاصد سے پیغام ادا ہوتا

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

گو آپ نے جواب برا ہی دیا ولے
مجھ سے بیاں نہ کیجیے عدو کے پیام کو

جواد: بہت زیادہ بخشنے والا، سخی

مور کو وہ جواد دے ڈالے
شوکت و حشمتِ سلیمانی

جوان: پیر کا مقابل، مضبوط، قوی

موسمِ گل میں یہ مست جواں تائب ہوا
روز باراں میں کرے، پیرِ مغاں، استغفار

فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشکِ خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے

غم و غصہ سے ہے خلقت مری جوں حنظل مرشت
نہیں کرنے کی وفا عمر جواں ہونے تک

جواں مرد: دلیر، بہادر

ہم جواں مرد محبت بھی سمجھ لیں گے بھلا
اپنی ایذا سے تو ہاتھ اے فلک پیر نہ کھینچ

جوانان: جمع ہے جوان کی۔ پیر کا مقابل، مضبوط، قوی

ترے زمانہ میں صد سالہ پیرِ فانی سے
زیادہ تر ہیں جوانانِ فتنہ گر کابل
وہ ترا پایہ ہے اے شاہِ جوانانِ بہشت
کہ ہوئی حرمتِ پیری کی تمنا محروم

جوانوں: جمع ہے جوان کی۔ پیر کا مقابل، مضبوط، قوی

کام ہوتے ہیں جوانوں کے سپہر پیر سے
لے گیا پشت خم شاید تری شمشیر سے

جوانی: شباب

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

جواہر: جوہر کی جمع۔ قیمتی پتھر

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشقِ خطِ زمرد فام لیتا تھا
رشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے اک غزل
جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

جو چاہیں: جو مرضی ہو

عدو کے وہم سے تکتا ہوں بزمِ عیش میں ہر سو
نہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو چاہیں گماں کیجئے

جود: بخشش، سخاوت

ذکر میں اسکے جودِ پیہم کے
مبتدا ایک ہے ہزار خبر
قلزمِ جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہائے کفِ دست کے، موجِ انہار
''راجہ اجیت سنگھ'' نام، کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام، کارِ جہاں کی ابتری

جور: ظلم، ستم

وہ تند خو کہ اگر جور سے پشیماں ہو
تو بہرِ عذر کرے نازہائے تاب گسل
جور سہوں، وفا کروں، حقِ وفا ادا کروں
یہ نہ کروں تو کیا کروں قہر ہے عشق و بے زری
شہرتِ ظلم و جور سے دور میں تیرے کیا عجب
ہفت پدر اگر بہم ترک کریں برادری
جور پہ تیرے جاں نثار، غارتیانِ دین و دل
وصل سے تیرے کامیاب لبِ شکرانِ عسکری
کرے نہ خانہ خرابی تری ندامتِ جور
کہ آبِ شرم میں ہے جوشِ چشمِ تر کا سا
جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا
لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا
کیوں جورِ متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریفِ کشمکشِ دم بہ دم نہ تھا
قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا
تو نے جو قہرِ خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا
ستم آزار و ظلم و جور و جفا
جو کیا سو بھلا کیا صاحب
پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح
نویدِ اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر
یہ اہتمامِ جور ہے کیا تو نے اے فلک
اندازِ غفلت اس سے اڑایا نہیں ہنوز
ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بیدادِ چرخ
مر گئے مضمونِ جورِ یار جوں سوجھا ہمیں
بزم میں اس کی بیانِ درد و غم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں
ناصح کہاں تلک تری باتیں اٹھا سکوں
سچ ہے کہ مجھ میں طاقتِ جور و ستم نہیں
بازیچہ کر دیا ستمِ یار و جورِ چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں

جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جورِ اجلِ تفرقہ پرداز تو دیکھو

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

ایسی ادا سے بوسہ دو لب کا کہ شادیٔ مرگ ہوں
جور و ستم کا میری جاں لطف و کرم سے کام لو

کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت تمہیں مومن
ابھی سر مشق تو ہو جورِ چرخِ پیر تو کھینچو

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

واقعی سجدہ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جور جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

مار ڈالا ہم کو جورِ گردشِ ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روزِ حشر کی تقصیر سے

جور کشی: ظلم و ستم ڈھانے کا عمل

کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا

لذتِ جور کشی نے مجھے شرمندہ کیا
طعنے کیا کیا اسے اربابِ ستم دیتے ہیں

جاں گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

جوڑ: ٹانکا، گانٹھ

اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جوڑ دیکھ

جوڑ دیکھ: جوڑ کر دیکھ

کیا تم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیکھ

جوش: زیادتی، افراط، زور

تقدیم جود کا وہ جوش کہ پڑی پڑی
آئے خط ہائے کف دست کے موج ابھر

سائلوں کا ترے کوچے میں دمِ فیض ہجوم
جیسے گلزار میں ہنگامِ سحر جوشِ ہزار

جوشِ طراوتِ مشام، وجہ عطاسِ عز و جاہ
لطفِ نسیمِ مشک بیز، خلق شمیم عنبری

اطلس چرخ زیر گرد جوش ہوائے رشک سے
آتشِ سینۂ نجوم، خجلتِ آبِ پیکری

خندۂ برق تیغ میں، گرمیٔ مہر تیر ماہ
گریۂ زخم تیر میں جوشِ سحاب آذری

جوشِ قلق نے اس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبعِ تحمل میں رم نہ تھا

اس کو میں ٹھہرنے نہ دیا جوشِ قلق نے
اغیار سے ہم شکوۂ بے جا نہ کریں گے

اس جوشِ تپش پر ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا ... نہ ہوگا

ٹھہر جا جوشِ تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دلِ زار آ جائے

ہاں جوشِ طپش چھیڑ چلی جائے کہ پرتو
جھنجھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا

گور میں بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے
آپ ہی میں ہم نہیں جب کنجِ تنہائی ملا

یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعائے وصل نہ کی کہ وقت تھا اثر کا سا

جان و دل پہ لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس ہوئے میں شب خونِ تمنا ہو گیا

اب اذنِ انتقامِ جفائے فلک تو دوں
سو بار جوشِ نالہ اجازت طلب ہوا

ہے اول بہار یہ مستوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہار دگر بسنت

نہ بلائیں گے وہ نہ آئیں گے
جوشِ لبیک و مرحبا کب تک

دلی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ویرانہ تر میں ہم

غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرسائے دل کروں

موج زن ہے ایک دریا ہائے جوش اشک ہائے
آستیں ہو جائے تر دامانِ تر گر خشک ہو

گوش نازک پر کسی کے رحم کر
جوش افغاں غل مچانا چھوڑ دے

فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشم ہر جوان و پیر سے

جوش: طغیانی، شورش

کرے نہ خانہ خرابی تری ندامتِ جور
کہ آبِ شرم میں ہے جوش چشمِ تر کا سا

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو گرم نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشکِ شعلۂ جوالہ تھا

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ، وہ جوش، وہ طغیاں نہیں رہا

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاج دل دیوانہ کریں گے

جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

چرخ و آشوب دور میں اس کے
جوش یاجوج و سدّ اسکندر

جوش: ولولہ

اشک واژونہ اثر باعثِ صد جوش ہوا
ہچکیوں سے میں یہ سمجھا کہ فراموش ہوا

جوش آنا: کسی امر کا شوق ہونا، ولولہ ہونا

پھر جوش آ گیا دمِ خوں نابہ ریز کو
پھر تیزیِ زباں پہ ہے قرباں زبان، تیغ

جوشِ جنوں: دیوانگی کا زور

لے چلا جوش جنوں جانبِ صحرا افسوس
جب مرے کوچے میں آکر وہ پری زاد رہا

دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگِ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہو گیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوش جنوں بہار میں

جوں شاخِ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

جوشِ خوں: خون میں حرارت کی زیادتی

خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوش خوں شوقِ شہادت کا

جوشِ گریہ: آنسوؤں کی زیادتی، زور

میرے خامے کے جوش گریہ سے
روئے دیتا ہے ابرِ نیسانی

جوشِ گل: پھولوں کی کثرت

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

جوش میں آنا: ابلنا، طیش میں آنا

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

جوشِ وحشت: دیوانہ پن کی گرم جوشی

جوشِ وحشت ہے پہ ناصح نہ پنہا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم

یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا

جوشِ وحشت نے اٹھایا لاش کو
اپنے پانو سے گئے مدفن میں ہم

کر علاج جوشِ وحشت چارہ گر
لادے اک جنگل مجھے بازار سے

جوشِ وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے

جوع: بھوک

''من وسلوا'' کباب مئے آلود
زاہد اتنے ہیں جوع سے مضطر

جولاں: پرجوش، تیز رفتار

فروغ جلوۂ توحید کو وہ برق جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستی اہل ضلالت کا

جولانی: چستی، پھرتی، امنگ

شوخی یار کی سی چالاکی
نگہ شوق کی سی جولانی

جولانیوں میں آنا: پرجوش ہونا

سرگرم رقصِ تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم

جوں: مانند، مثل

جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

نہ کانٹوں پر کوئی یوں لوٹے جوں میں بسترِ گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

تپش سے خاک میں بھی عاشق مدفوں نہ ٹھہرے گا
کہ گنبد قبر کا جوں گنبد گردوں نہ ٹھہرے گا

جوں نکہت گل جنبش ہے جی کا نکل جاتا
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جاتا

زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں وسعت گلستاں سرخ

ہم دامِ محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار

مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

غم و غصہ سے ہے خلقت مری جوں طفل سرشک
نہیں کرنے کی وفا عمر جواں ہونے تک

اب اور سے لو لگائیں گے ہم
جوں شمع تجھے جلائیں گے ہم

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں چلون کو جو ہم دیتے ہیں

ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بیدادِ چرخ
مر گئے مضمون جور یار جوں سوجھا ہمیں

ترجمان التماس شوق ہے تغییر رنگ
جوں زبانِ شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو

تکلیف سے جوں پنجہ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگ حنا ہاتھ

شاخِ گل اے جوشِ جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

لکھا جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے

عشق مہرو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کے جوں نالہ جرس گذرے

ہم بزمی ماہ وش نے گا ہے
جوں بدر سحر تلک جگایا
نوائے طوطی شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں، اہل مذاق جوں طاؤس

جوں جوں: جس قدر، جہاں تک

کوتہی کی جواب میں جوں جوں
اور بھی خط مرا طویل ہوا
تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریے ووں ووں اور ساگر خشک ہو

جوہر دکھانا: ہنر دکھانا، گن دکھانا

حساد سر سے پانو تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ

جوہرِ عقل: روح القدس

ہے جزو ضعیف، جوہر عقل
عرفاں کے جو غور نے گھٹایا

جوہر: تلوار کی آب و تاب، تلوار یا فولاد کے وہ نقوش جن سے ان کی عمدگی ظاہر ہو

آئینے نے بھی اس زمانے میں
تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر
مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہر پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا
مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دل صد پارہ اصحاب نفاق و اہل بدعت کا

جوہری: جواہر فروش، موتی بیچنے والا

'در و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دکاں چشم گہر بار لگا
لیتے ہوئے گرائے جو بار عطا سے لعل و در
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکان جوہری

جہاد: خدا کی راہ میں جنگ کرنا

مومن کو آرزو ہے ثواب جہاد ہے
کفار کاش آ کے سنیں داستان تیغ
وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن بلاکِ خنجر نازِ بتاں ہے اب
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

جہان سے اٹھنا: مرجانا

اُس کے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے
کیا قیامت ہے دل کا آجانا
بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

جہانِ خراب: اجاڑ دینا

رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص و عام
آباد ایک گھر ہے جہان خراب میں

جہان: دنیا

کہیں جہان میں کائی نظر نہیں آتی
کہ صرف رنگرزاں ہو گئی بجائے "ایوس"
یہ ہے کو نہیں جہاں سوز نے جلایا ہے
کہ مغ نہ کر سکے فرق صراحی و فانوس
مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے
کہ تاب مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس
جب "اولی الفضل منکم" اے حاسد
اس کے حق میں کہے جہاں داور
ہیں ہنر سب، سبب رنج جہاں میں کہ گیاہ
خاصیت سے ہو سزاوار شکنجِ عصار
سیف و قلم ہیں دونوں ستوں کاخ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہان تیغ
روز نبرد حادثہ ریز شکست و فتح
جب تک کہ ہے نشیب و فراز جہان تیغ
گر نہ ہوے کشی و وصل صنم کی تعزیر
تو یقیں آئے مجھے یہ کہ جہاں ہے موہوم
نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغ امید حوم

نہ ملا کچھ نشان آبِ رواں
خاک سارے جہان میں چھانی
کر دے سارے جہان کو سیراب
بحرِ ہمت کی اس کے طغیانی
غم نہ سما سکا مرا، بس کہ جہان تنگ میں
چرخ میں یہ محدبی آگئی اور مقعری
ایک جہاں میں قدرداں سو وہ بہ رغمِ آسماں
آج یہاں ہے کل وہاں واہ کمالِ داوری
چین سے زر عدن سے در کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہان میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری
ایک جہاں گدائے در اور وہ سب جو معتقد
بے طمعی سے شیخِ وقت، جس کا سوال قیصری
نانِ گدا پہ رغبتِ شاہِ جہاں غلط، غلط
با ہمہ برتری دروغ، آرزوئے فروتری
اس کے اٹھتے ہی ہم جہاں سے اٹھے
کیا قیامت ہے دل کا آجانا
جہان تنگ و ہجومِ وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا نہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا
ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت
ہے کس لئے مجھ سے اُسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت
اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
بدنام ہو جہان میں تیری بلا عبث
معشوق اور بھی ہیں بتا دے جہان میں
کرتا ہے کون ظلم کسی پر تری طرح
ہوں جاں بلب بتانِ ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح
باغِ جہاں میں گو ہمہ خوردہ آگیا
دن ہے ابھی بہار پہ فصلِ خزاں ہنوز
دل نارسائے قصد [illegible] داغ

مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض
زلفیں اٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ
مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ کرخت دل
کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل
کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں
مومن یہ عالم اس صنمِ جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں
کوئی دن ہم جہاں میں بیٹھے ہیں
آسماں کے ستم اٹھانے کو
خالی ہوائے فتنہ سے کب ہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو
عزمِ سفر جہاں سے کروں کیا شبِ فراق
میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہ ہو
خرامِ ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برہم
زمیں گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمیں پر ہے
جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے
دیکھا نگاہِ ناز سے کس شوخ چشم نے
پھر مضطرب نظر کو جہاں یم بہ یم ہے
ہو گئی ساری زمین صرفِ حروف و رقم
اک جہاں ویراں ہے میرے نامۂ تحریر سے
کیے ہیں طولِ امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ [illegible] جہاں سے گئے ہیں [illegible] مجھے
جنونِ عشقِ ازلی کیوں نہ خاک اڑائیں ہم
جہاں میں آئے ہیں ویرانی جہاں کے لیے
قیامت مرتے دم آئی نفس سے
جہاں لے کر چلے ہیں ہم ہوس سے

جہاں سے تنگ تر جنت نہ ہو جائے
بہت حسرت بھرا جاتا ہوں یاں سے

جہاں: جیسے، جس جگہ

کیا اُس نے قتل جہاں اِک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا

دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا

جہاں خاک اڑائی وہیں دب رہے
کدورت عبث فکر مدفن سے ہے

جہاں ہو ذکر مری دانش آفرینی کا
سفیہ ہے وہ جو ''بہلول'' کو کہے عاقل

طول امل کی حد نہیں، ساز طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری

جہاں داور: دنیا کا مالک، اللہ تعالی

جب "اولی الفضل منکم" اے حاسد
اس کے حق میں کہے جہاں داور

جہل: نادانی، ناواقفیت

گاہ کہتا ہے جنوں عشق کو، گہ کفر و حرام
جہل کرنے کو پڑھے تھے مرے ناصح نے علوم

سوا مرائے عصر تو ہے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع بہیمی و خری

پامال جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

جہنم: دوزخ

تھی جہنم وہ نگاہ گرم بھی سوے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر

ذرا مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

نچوڑیں گے ہم اپنا دامن تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

مخالفوں کو ترے دو جہاں جہنم ہے
کہ تاب مہر سے جلتے رہے ہیں یاں بھی مجوس

وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن
اُبھی سے ہم تو جہنم میں ہوگئے داخل

موافقوں کو بہشت و ترقی درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل

ننگ ہم صحبتی آخر مرے کام آئے گا
واں نکالیں گے جہنم سے مجھے، اہل دیار

آ چک اے صبح طرب کٹ نہیں سکتی شب غم
جلد جائیں مع اغیار جہنم میں نجوم

جہول: جمع ہے جہل کی۔ نادان، ناواقف

تیرے اعدا کو سمجھ ہو تو کریں جان پہ رحم
آدمی تو نہیں یہ، پر ہیں جہول اور ظلوم

جہد شاہانہ: شاہانہ کوشش

جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی
خانقاہ فقرا بارگہ قیصر روم

جھانکنا: چھپ کر دیکھنا، در و دیوار کے روزن سے دیکھنا

جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردۂ تو بر تو افلاکِ چلمن ہوگیا

آ جھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزن دیوار و در سے باندھ کر

چاک سرا پردہ سے جھانکتے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغل جبیں ہے ہنوز

غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

چمن کو جھانکتے ہیں روزن دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

اس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہائے در یار آنکھ چراتے کیوں ہو

رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزن در رات کو

بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

چھوڑ جلد اے بوالہوس سرکو کہ اب
جھانکتے ہیں روزن دیوار سے

جھپکنا: آنکھوں کا بند ہونا

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر

شب فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشم نیم خواب ہمیں

ہائے بخت خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ
دشمنوں کے طالع بیدار سے

جھڑنا: کسی چیز کا کسی چیز سے گرنا

بال جوشِ تپش چھیڑ چلی جائے کہ پرتو
جھڑ جائیں فرسودہ اگر دام نہ ہوگا

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

ذکر بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار

جھکنا: خمیدہ ہونا، خم ہونا، نیچا ہونا

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشم شرمگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

نہ دینا بوسہ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے

جھگڑا: دنگا، فساد

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

جھلنا: ہوا دینا

اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا

جھنجھلانا: خفا ہونا، غصہ کرنا

صورت دکھایئے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجھلا کے خواب میں

جھنجھلاتے ہو کیا دیجئے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے

ناز شوخی دیکھنا وقتِ تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذر جفا کرتا تھا اور جھنجھلائے تھا

جھنجھوڑنا: بیدار کرنا

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ

جھوٹ: واقعہ کے خلاف، دروغ

فریب وعدہ پہ چھوڑی بتوں نے جھوٹ قسم
سنا زبس کہ زباں سے تری وعید غموس

آپ دیکھا، نہ سنا اور سے پر جھوٹ نہیں
تیری آنکھیں کہے دیتی ہیں نہ کرتا انکار

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بدتمیز
چین بجبین کیوں نہ ہو فرش میں چین ہے ہنوز

آ چکے کل تم جھوٹ ہے ایسی باتوں میں ہم کب آتے ہیں
اس سے کہو جو تم کو نہ جانے آپ کے فرماتے ہیں

دیکھئے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

جھوٹا: دروغ گو، واقعہ کے خلاف بیان کرنے والا

تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے

جھوٹی: وہ شئے جس کھالیا یا پی لیا گیا ہو

جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے
یہ آب تیغ شربت قند و نبات ہے

جھوٹی قسم کھانا: خلاف واقعہ بات پر قسم کھانا

ذرا سمجھو تو جان من وصال غیر پر ہر دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

جھوکا: ہوا کا ریلا

ہم رنگ لاغری سے ہوں گل کی شمیم کا
طوفان باد ہے مجھے جھوکا نسیم کا

جھونکے: جمع جھونکا کی۔ ہوا کا ریلا

پھیلی وہ بو جو ہم میں نہاں مثل غنچہ تھی
جھونکے نسیم کے یہ نیا گل کھلا گئے

جھیلنا: برداشت کرنا، سہنا

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

جبہ سائی: منت سماجت، پیشانی رگڑنا

جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا

خدا جانے: خدا کو معلوم ہے (لاعلمی ظاہر کرنے کے لئے بولتے ہیں)

دوں پرور: کمینوں کی پرورش کرنے والا

سروران سپہر مرتبہ ہیں
بس کہ جاہل نواز و دوں پرور

جی: جان، روح، زندگی

خدنگِ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

کچھ آنکھ بند ہوتے ہی آنکھیں سی کھل گئیں
جی اک بلائے جان تھا اچھا ہوا گیا

کھا گیا جی غم نہاں افسوس
گھل گئی غم کے مارے جاں افسوس

باتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے
کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو
جی ہی کو ہوا بتائیں گے ہم

پھرتے ہیں سو سو سوسے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

اف ری کثرتِ اشک و تجسم بل بے ہجوم یاس و امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

دھیان آتا ہے تری منہ میں زباں لینے کا
جی ہم اے شوخ پنے سیر عدم لیتے ہیں

مرتا ہوں کس عذاب سے بے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے ستم
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

بیزار ہے سوز عشق سے جی
کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں

نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے

پھونکا تپ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخار آتش

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے و لے دل طپاں ہنوز

اس وسعت کلام سے جی تنگ آگیا
ناصح تو میری جان نہ لے دل گیا گیا

آتشِ اُلفت بجھادی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمی صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے
مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا

کیا کہوں جی پہ کیا گذرتی ہے
یہ ستم کس کو آئے گا باور

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کر ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

جی: طبیعت، دل

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ جی میں ہے کہ پڑھوں اور ایک وہ مطلع
جو ہو ہر اک متنفس کی طبع سے مانوس

نکتہ سنجوں سے جی میں ہے پوچھوں
کہ میں شہری ہوں یا بیابانی

جی اٹھنا: جان پڑ جانا، زندہ ہو جانا

پھر کچھ صدائے پا سے دلِ مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے

جی اٹھے اور وہی رنج و محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری ٹھوکر میں نہیں

جی بٹھا دینا: ہمت پست کر دینا

ایسے ستم کیے کہ مرا جی بٹھا دیا
ہر چند سر فلک نے اٹھایا نہیں ہنوز

جی بیٹھنا: دل کا غمگین ہو جانا، مایوس ہونا

حالِ دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

جی ہی مانند نشانِ کفِ پا بیٹھ گیا
پانو کیا کوچے سے اس ہوش ربا کے اٹھے

جی بہلانا: جی خوش کرنا

کنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پر
یادِ سیرِ موسمِ گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں

مو اگل دیکھتے ہی یادِ رخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلایئے جی چلیے سیرِ گلستاں کیجے

جی بہلنا: جی خوش ہونا

بت خانے سے نہ کعبے کو تکلیف دے مجھے
مومن بس اب معاف کہ یاں جی بہل گیا

جی بھرنا: دل سیر ہونا

جوشِ میخانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنگ ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں

جی پھرنا: دل بیزار ہونا

وحشتِ چشمِ پری رو دیکھنا
پھر گیا جی مردمِ نخچیر سے

جی ٹھہرنا: طبیعت کو سکون ملنا

جہان تنگ و ہجومِ وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو وحشتِ عدم نہ ہوتی

جی جانا: جان جانا

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس

غیر کے ہم راہ وہ آتا ہے میں حیران ہوں
کس کے استقبال کو جی تن سے میرا جائے ہے

جی جلا جانا: چھیڑنا، ستانا

جی جلا جاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی

جی طعنِ وصلِ حور سے کیسا جلا دیا
روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا

ذرہ مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

یاں جلایا جی حجابِ شمع رو نے اور بھی
سوزِ پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے

کس کی دل گرمی سے جانے جلا یہ دل کو؟
کہ ہے خاکستر ''بکفن'' مری خاطر کا غبار

جی جلانا: اذیتیں برداشت کرنا

اگر جلاتے نہ اس شعلہ رو کے عشق میں جی
تو سوزِ آتشِ غم سے جلا نہ کرتے ہم

جی چاہنا: مشتاق ہونا، آرزومند ہونا

کیسے گلے رقیب کے کیا طعنِ اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

جی چاہتا ہے پوچھے کوئی کیا ہوا مگر
پھر ایک بات کہنے میں قصہ تمام ہے

جی چرانا: کسی کام سے بچتے رہنا، حیلہ کرنا

''دزد'' چوری سے جی چراتے ہیں
گو نہ ہوئے زرد مقامِ خطر

دزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل
کیا مرنے سے جی چرا گئے ہم

جی چکے: زندہ رہ چکے

گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافر دلجو ہمیں

جی سنسنا جانا: رعب یا خوف سے دل بیٹھ جانا

آہ سحر ہماری فلک سے پھری نہ ہو
کیسی ہوا چلی یہ کہ جی سنسنا گیا

جی سے جانا: جان سے گذر جانا، مرجانا

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے
مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم

جی سے گذرنا: جان سے جانا، مرجانا

جہاں سے شکل کو تیری ترس ترس گذرے
جو تجھ پہ بس نہ چلا اپنے جی سے بس گذرے

جی گرا جانا: دل کا بیٹھا جانا، طبیعت میں سستی اور اضمحلال ہونا

کچھ جی گرا پڑے تھا پر اب تو نے ناز سے
مجھ کو گرا دیا تو مرا جی سنبھل گیا

جی گھبرانا: پریشان ہونا، دل کا بیٹھا جانا

شب غم فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا
دم رکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا

جی لگا رہنا: کسی خاص طور پر سے دھیان لگا رہنا

سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان گئی

جی لگنا: جی بہلنا

کعبے سے جانب بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا
کیا جی لگا ہے تذکرۂ یار میں عبث
ناصح سے مجھ کو آج تلک اجتناب تھا
اس تلخی حسرت پہ کیا چاشنی الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

جی نکلنا: دم نکلنا، مرنا

جوں نکہت گل جنبش ہے جی کا نکل جانا
اے باد صبا میری کروٹ تو بدل جانا

جیب: گریبان

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست مژہ سے چاک پردہ چشم حیرت کا
پھر نہ چھوڑوں گو وہ کر دے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک
جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں
ہے ترے خار جیب کا قصہ
شریان حسود کو نشتر

جیتا: زندہ، حیات

اول الفت ہے یارب وصل ہی میں ہو وصال
ہم کو تو جیتا تو نہ رکھیو آمد ہجراں تلک

جیتے جی: زندہ رہتے ہوئے، زندگی میں

چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیر زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
جیتے جی غیر کو ہو آتش دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے
چرخ نے جیسے جیتے جی، کیں پدری عنایتیں
خاک کرے گی بعد مرگ، ویسی ہی مہر مادری

جیتے رہے: زندہ رہے

بس کہ بن آئے مر گئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں

جیٹھ: ہندی مہینے کا نام جو مئی اور جون کے بیچ میں ہوتا ہے

بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا

جیحوں: ایک مشہور دریا کا نام جو بلخ کے قریب ہے

صفحۂ جیحوں پہ جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

جیسا: جس طرح کا

جیسا مجھے آرام ترے ہاتھ سے آیا
اللہ کرے یوں ہی ترا سینہ مرا ہاتھ
چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم

جیش: لشکر

کہ ہے قدسی گہر، ملک فطرت
جیش منصور میں ہر ایک بشر

جیفہ خوار: مردار خور

ہیں یہ سگان جیفہ خوار، مغز سخن سے بے نصیب
کافر استخواں پرست، طرفہ سگی و کافری

مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

جینا: زندہ رہنا، زندگی بسر کرنا

کوئی اس دور میں جیے کیوں کر
ملک الموت ہے ہر ایک بشر

آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جئیں ترے خوں کردگان تیغ

بے خود تھے، غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا

کیا سناتے ہو کہ ہے ہجر میں جینا مشکل
تم سے بے رحم پہ مرنے سے تو آساں ہوگا

ہوں جاں بلب بتان ستمگر کے ہاتھ سے
کیا سب جہاں میں جیتے ہیں مومن اسی طرح

یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کر ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق

کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق

کون جیتا ہے نگاہوں میں سبک ہونے کو
سخت جانی ہے ترے دل پہ گراں ہونے تک

جس غم میں مر رہے تھے وہ غم ہی نہیں رہا
افسوس مر گئے کہ جینا ہے کیا عبث

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطراب دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

ہیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو

تلخ کام عشق، شیریں لب جئے تو کیا ہوا
شور بختی سے مزہ ہی زندگی کا جائے ہے

جینا امید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانی دشوار کے لیے

بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

چ

چادر: بڑا اور چوڑا دوپٹہ

ہجوم سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سدوس

چار چشم ہونا: دوچار ہونا

نگاہ بانی عصمت سے وہ رواج حیا
کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور ادافیوس

چار طرف: ہر جانب

چارطرف سے غلغلہ "حیّ علی الفلاح" کا
بدظنیوں سے عذر لنگ، شدت ضعف و لاغری

چاروں طرف: ہر سو، ہر جانب

دم بدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں

چارہ: علاج، درماں، تدبیر

جام نمرود کا فسانہ کہیں
چارہ فرما پئے علاج سہر

گر تمہیں صحبت اغیار سے پرہیز نہیں
ہم بھی کچھ چارہ آزار کریں گے ناچار

آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جئیں ترے خوں کردگان تیغ

میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امید حشر، مرگ علاج مضطری

گرم دعائے بازگشت، شکل بشر میں سوئے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری

میری طلاقت لسان، میری فصاحت کلام
چارہ صدرہ آزما از پئے گنگی و کری

آخر نفید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شب ہجراں ہوگا

کیا اچھے ہوگئے کہ بھلوں سے برے ہوئے
یاروں کو فکر چارہ و درماں نہیں رہا

اِس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سِوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سِوا ہوتا

درد بے درماں مرا منت کشِ مرہم نہیں
داغ نو ہے چارۂ داغ کہن کی فکر میں

چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیر زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں

کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ درد نہاں کیجے

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

چارہ جو: معالج، چارہ گر

چارہ جو اور بھی اچھا میں کروں گا ٹکڑے
پردۂ شوخ جو پیوند گریباں ہوگا

چارہ ساز: معالج

گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں
گر دردِ عشق ہے تو امیدِ شفا عبث

توڑنا جان کا ہوجائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

مجنون محو یار ہوں سودے کا میرے کیا علاج
گر چارہ ساز و ہو سکے تو فصد لیلیٰ فام لو

وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا اے چارہ سازو زحمت تدبیر تو کھینچو

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے

چارہ فرما۔ معالج، علاج کرنے والا

ترے بال لاکر سنگھائے کہیں
کہ غش ہو گئے چارہ فرمائے غش

صبر یارب مری وحشت کا پڑے گا کہ نہیں
چارہ فرما بھی کبھی قیدی زنداں ہوں گے

چارہ فرمائی: علاج کا عمل

درد دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں

چارہ گر: علاج کرنے والا، مجازاً محبوب

اے چارہ گرو! قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ورم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم
کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
نظر لطف سے گر چارہ گر عاشق ہو
کرے حیرت سے بدل شرم کو چشم بیمار
چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے
درد بے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا
چارہ گر کعبے میں اس کے آستاں سے لے گئے
ایک بھی میری نہ مانی لاکھ سر پٹکا کیا
ہم چارہ گر کو یوں ہی پنہائیں گے بیڑیاں
قابو میں اپنے گر وہ پری زاد آ گیا
کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کن دنوں میں جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا
زخم نو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینہ کا روزن ہو گیا
ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہان میں ہے جلوہ گر بسنت
ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پئے تدبیر نہ کھینچ
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں
یار تھے یا دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں
جانے دے چارہ گر شب ہجراں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے
کر علاج جوش وحشت چارہ گر
لا دے اک جنگل مجھے بازار سے
میں تو اس زلف کی بو پر غش ہوں
چارہ گر مشک سنگھاتے ہیں مجھے
وصل میں احتمال شادی مرگ
چارہ گر درد بے دوا ہے عشق

چارہ گری: علاج کرنے والا

کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجیے درہم و دینار کو، داغوں کے شمار؟

چاشنی: کسی قدر شیرینی، تھوڑی سی حلاوت

ہیں پاک نظر ہم تو وے ذوق فزا عشق
بے چاشنی بوسہ دشنام نہ ہوگا

چاشنی: مزہ، ذائقہ

اس تلخی حسرت پہ کیا چاشنی الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

چاک: شگاف

لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دل صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگاف در کا سا
ٹانکنے چاک گریباں کو تو ہر بار لگا
ہاتھ کٹواؤں جو تا صبح رہے اب تار لگا
باقی ہے شوق چاک گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا
تنگی وہی رہی دل صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہو سکا
غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں
یہاں ہے چاک گریباں تو واں بھی چستی سے
قبائے شوخ شمائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک ماہ
لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

دیکھیں غم درونہ پہ کب تک نظر نہ ہوں
میرا شگاف سینہ ترا چاک در نہ ہو

آتی ہے بوئے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ

چاک پردہ سے یہ غمزے ہیں تو اے پردہ نشیں
ایک میں کیا کہ سبھی چاک گریباں ہوں گے

چاک سرا پردہ سے جھانکتے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغل جبیں ہے ہنوز

قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں نے کہ آج
خندہ کچھ طرز دگر چاک جگر کرتا ہے

چاک پیراہن گل پر تو نہ پھول اے بلبل
جامہ یاران لباسی کا قبا ہوتا ہے

میں کیا کہ مرگ غیر پہ دامان تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے

چاک جگر: زخم جگر

قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں نے کہ آج
خندہ کچھ طرز دگر چاک جگر کرتا ہے

چاک کرنا: دریدہ کرنا، شگاف کرنا

پھر نہ چھوڑوں گو وہ کردے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے داماں تلک

چاک ہونا: پھٹنا، چر جانا

جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گیا ہاتھ

کس قدر ،،حکمت اشراق،، سے جی جلتا ہے؟
ہو گئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

یا یہ احوال ہے کہ چاک ہوا
تنکیوں سے لباس عریانی

چاک ہونا: شگاف ہونا

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیساں
کہ ہو دست ہوس سے چاک پردہ چشم حیرت کا

ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یاروں نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثل صبح چاک گریبان شام ہے

چاکری: ملازمت، نوکری

مجھ سے مدیح سنج کا، یک خیال گر نہ ہو
شاہ سوار کیا کرے، کس سے ہو اس کی چاکری

چالاک: تیز رفتار

زیر راں اس کے توسن چالاک
رشک اسپ سپہر گردانی

کیا ترے مرکب چالاک کی لکھی تھی ثنا
لیک کاغذ پہ نہ ٹھہرے کلمات مرقوم

چالاکی: ہوشیاری، عیاری

شوخی یار کی سی چالاکی
نگہ شوق کی سی جولانی

چاند: مہتاب

بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہوگیا

ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخر شب

چاندنی: چاند کی روشنی

دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا

چاہ: محبت

چاہتا قاتل کو ہوں روز جزا
چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں

کوئی بات ایسی اگر ہوئی کہ تمھارے جی کو بری لگی
تو بیاں سے پہلے ہی بھولنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

تاب کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

یاں اپنا ان کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز
نہیں چاہ میری اگر اسے نہیں راہ دل میں تو کس لیے
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق

چاہ: کنواں

یہ عشق وہ بد بلا ہے جس نے
ہاروت کو چاہ میں پھنسایا
یوسف مصر تھے تجھی حیف
یوں گرفتار چاہ کنعانی
مت کچھ دیر آنے میں کیا جانے کیا ہے
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں

چاہ کرنا: محبت کرنا

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم

چاہت: محبت، پیار

نامِ اُلفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا
اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پہ خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربط دشمن ہوگیا
سن کے اڑتی سی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

چاہنا: طلب کرنا

نہ چاہوں روزِ جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب بخت امتحان نہیں
ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں
جاں دادۂ شوخِ بیوفا ہوں
تو وہ عادل کہ ذکر ''کسریٰ'' میں
عدل کی تجھ سے داد چاہے عمر

چاہنا: مائل ہونا، رغبت رکھنا

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

چاہنا: خواہش مند ہونا، آرزومند ہونا

تا نہ خلل پڑے کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شبِ دراز میں
چاہنا خلق کو صہبا و صنم سے محروم
ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظِ معلوم
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن و لے
کیا کروں بت خانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

چاہنا: قصد کرنا، ارادہ کرنا

بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

چاہنا: محبت کرنا، پیار کرنا

یاں اپنا ان کی چاہ میں مرنا یقیں ہوا
واں اور ہی کے چاہنے کا ہے گماں ہنوز
کس ملاحت سرشت کو چاہا
تلخ کامی پہ بامزا ہے عشق
چاہتا قاتل کو ہوں روزِ جزا
چاہ کی اب تک مزا پائی نہیں
اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

چاہئیں: واحد چاہئے، موزوں مناسب

ہم قیدیوں کو چاہئیں سونے کی بیڑیاں
اے چارہ گر جہاں میں ہے جلوہ گر بسنت
عدو کے وہم سے تمتا ہوں بزمِ عیش میں ہر سو
نہیں ہے اور کچھ یوں آپ جو چاہیں گماں کیجئے

چاہیے: مطلوب ہے

ہم سمجھتے ہیں آزمانے کو
عذر کچھ چاہیے ستانے کو
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے کہتے ہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے راز داں کے لیے

چاہیے: مناسب، موزوں

ملک ''پرویز'' چاہیے تھا مجھے
اے ''شیریں'' خشم کیا تھا اگر

نئی طرح سے میں کرتا ہوں اب غزل خوانی
عدو بھی چاہئے اس زمزمے کے ہوں قائل

اے صنم! چاہیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تو نے سنا قصۂ شاہ ابرار

چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم

قدر ہنر کو چاہئے عقل و تمیز و درک و فہم
دست کشادہ، دل فراخ منعمی و تونگری

مارا ہے وصلِ غیر کے شکوہ پہ چاہئے
مدفن جدا جدا مری لاشِ دو نیم کا

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے تو ہاتھ جوڑ دیکھ

اس مہر وش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

چبھ جانا: پیوست ہو جانا

میرے سینے پہ قدم زور سے مت رکھ ظالم!
ہاں نہ چبھ جائیں کفِ پا میں کہیں دل کے خار

چبھنا: درد ہونا، کھٹک ہونا

بس نازکیِ ضعف کہ گلگشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پانو میں گل خار کی طرح

چپ لگنا: خاموشی طاری ہونا

مت پوچھ کہ کس واسطے چپ لگ گئی ظالم
بس کیا کہوں میں کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

لگ گئی چپ مجھ کو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا

مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے

بر رنگ صورت بلبل نہیں نوا سنجی
یہ کیا ہوا کہ چپ اے گلستاں بیان گی

اگر نہ لگتی چپ اس بدگماں کی شوخی سے
تو بات بات میں مضطر ہوا نہ کرتے ہم

چپ ہونا: خاموش ہو جانا، جواب نہ دے سکنا

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

کچھ سن کے جو میں چپ ہوں تو تم کہتے ہو بولو
سمجھو تو یہ تھوڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

آواز گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چپ ہیں صورت دیوار کی طرح

وہ حال پوچھے ہے میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں

چپکا: خاموش، ساکت

کیا کہیے نصیبوں کو کہ اغیار کا شکوہ
سن سن کے وہ چپکا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چپکے رہنا: خاموش رہنا

کس کم سخن نے دیکھ مجھے آہ کی کہ پھر
اپنے بھی چپکے رہنے میں بھی کچھ کچھ کلام ہے

چپکے سے: آہستہ سے، خاموشی سے

چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

چتون: طرزِ نگاہ، انداز نگاہ

بگڑتے ہو کیا اب بھی کہتا ہوں میں
عیاں صلح پھر کس کی چتون سے ہے

چرا بیٹھنا: چرا کر بیٹھ جانا

شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

چراغ: وہ ظرف جس میں تیل اور بتی ڈال کر روشن کرتے ہیں

مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا نہ کر چراغ
ظالم جلا ہے میری طرح عمر بھر چراغ

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلہ زخمِ جگر چراغ

وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ

زلفیں اٹھا دو رخ سے کہ دل کی جلن مٹے

بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ
اس مہروش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ
کیا بے تکلف آئے صدا ہائے شمع رو
گر میرے آبِ اشک سے ہو نوحہ گر چراغ
ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بطرزِ دگر چراغ
کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
بے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ
غم خانہ تنگ و تار ہے اور ہم سیاہ روز
جلتے ہیں یعنی چاہیے آٹھوں پہر چراغ
ہے شامِ انتظار تماشائے سوختن
جلتے ہیں تا بصبح ادھر ہم اُدھر چراغ
اس شعلہ رو نے تا کہ پسِ مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ
مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیشِ آفتاب ہو بے نور تر چراغ
کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
مجھ دودِ چراغِ خانہ رہا
داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغِ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہو گیا
ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہو سکا
تھا شب چراغِ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک ہی بسانِ شمع
جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں مرے کباب
مرثیہ ہم اس چراغِ کشتہ کا کہنے کو ہیں
صفائے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں
چراغِ صبح ہے شب ہائے تار آئینہ

چراغ ٹھنڈا کرنا: چراغ بجھانا، چراغ بڑھانا
مت کہہ شبِ وصال کہ ٹھنڈا کر چراغ
ٹھٹھر رہا ہے میری طرح غم سے جل چراغ

چراغ خانہ: گھر کی روشنی، رونقِ خانہ
تھا شب چراغِ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک ہی بسانِ شمع

چراغ گل ہونا: فروغ نہ رہنا، رونق نہ رہنا
نالۂ شب نے یہ ہوا باندھی
ہو گیا گل چراغ بلبل کا

چرچا کرنا: جا بجا ذکر کرنا
آنکھ نہ لگنے سے شب احباب نے
آنکھ کے لگ جانے کا چرچا کیا
غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ہے ایک تو
کیوں ترے دل میں میری یاد آنے کا چرچا کیا

چرچا ہونا: شہرہ ہونا، بات پھیلنا
دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں نہ ہوا
چپکے سے ترے ملنے کا گھر والوں میں تیرے
اس واسطے چرچا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ہٹ گیا ہوگا وہ پردہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہو گیا

چرخ: آسماں
مجھے دونوں جہان سے کھویا
کیا کہوں ظلمِ چرخِ دوّار
آستانے پہ تیرے چرخ نم
ہو نہ جائے بلند بنیاد
چشمِ ستارۂ سحر، لون زحل سے سرمہ سا
رشتۂ ترکِ چرخ سے، تیز نگاہِ مشتری
غم نہ سما سکا مرا، بس کہ جہان تنگ میں
چرخ میں ہے محدبی آگئی اور مقعری
چرخ نے جیسے جیتے جی کیں مری پائمالیاں
خاک کرے گی بعدِ مرگ، ویسی ہی میری خاکساری
چھٹ بھی گئے تو راہ بند ہوئے سے کہاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبدِ چرخِ چنبری

چرخ سے جنگ اور ایک جزو ضعیف چرخ یہ
طالع دوں خراب ہو آپ کرے جو یاوری
رونق لولیانِ بزم ، دیکھ کر اس کی جود سے
خیرہ نگاہ بس کہ ہے لولی چرخ چنبری
اطلس چرخ زیرِ گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری
چرخ سے کم تو کیا ہو وہ خود جو ضرب گرز اٹھائے
حربے سے پہلے سر شکن، بہر عدو پہ یہ مغفری
ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کر دے چرخ
مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا
نالہ اک دم میں اُڑا ڈالے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا
دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا
صورت وہی عظمت وہی گردش وہی کیسے
حیراں [illegible] کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا
گل رنگ[illegible]دا گریۂ خوں سے مر[illegible]من
کیا اب [illegible] نجس چرخ سیہ فام نہ ہوگا
ہرزہ گردی [illegible]ے ہم ذلیل ہوئے
چرخ کا [illegible]تبار ہوتا تھا
ایک دشمن کہ چرخ [illegible]ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقری چرخ و قمر آخر شب
اڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہو گئی خاک خاکساری آج
پھرتا ہے بہر کشتنِ عشاق کو بکو
گردش میں ہے وہ چرخ ستم گار کی طرح
کیا پسند آئی اپنی جور کشی
چرخ کے انتخاب نے مارا
پامال ہم نہ ہوتے فقط جور چرخ سے

آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح
انتظارِ ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوئے چرخ خضراد یکھ کر
ہائے بس مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخِ برسرکیں ہے ہنوز
ہے چرخ سے امید کشائش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانہ وابستہ در سے فیض
دیکھو تو سرد مہری چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ
ہم سے نازک طبع سے کب اٹھ سکے بیداد چرخ
مر گئے مضمون جور یار جوں سوجھا ہمیں
وہم عاشقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں
گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں
فطری ہے پیر چرخ سے اپنا مقابلہ
طفلی سے مجھ کو حسرت بخت جواں نہیں
چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں
بازیچہ کر دیا ستم یار و جور چرخ
طفلی سے غلغلہ ہے مرا شیخ و شاب میں
کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت تمہیں مومن
ابھی سر مشق تو ہو جور چرخ پیر تو کھینچو
آہ دور چرخ کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے
فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنان چرخ کا دعوی زمیں پر ہے
پردہ پوشی ضرور تھی اے چرخ
کیوں شب بوالہوس سیاہ نہ کی
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے بیتاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس

ملا دے گاؤ زمیں گاؤ چرخ سے نیزہ
بٹھادے خاک پہ شیر سپہر کو دوش

طلسم ماہ لکھوں گر پئے زباں بستن
بنائے مہر دہن چرخ نکتۂ جاسوس

واہ اے چرخ تیری نافہمی
مہ اوج کمال فال اختر

چرخ وآشوب دور میں اس کے
جوش یاجوج و سد اسکندر

گر تری بے رضا کرے گردش
ٹوٹے وہ لاب چرخ کا محور

کچھ تعجب نہیں جو چڑھ جاوے
قلعۂ چرخ پہ ترا لشکر

مثال دیتے ہیں روز فراق سے کیا دور
بلا میں ہوں شب یلدا میں چرخ سے نازل

کیا کہوں قصہ طغیانی دریائے سرشک
دیکھ لو آئینہ چرخ ہے زیر زنگار

گرۂ آب ہوگر قطرۂ عمان ہم
صدف چرخ کرے شکوۂ طغیان بحار

توسن چرخ سے تشبیہ فرس کا ترے تنگ
کلب جبار سے نسبت سگ درگو ترے عار

گیند کیا چرخ ترے حکم کے چوگاں کے لیے
او مکاں کیوں نہ پہ تنگ بہت ہے مضمار

پوچھ عرش پہ ہو کیوں نہ غلاف؟ اطلس چرخ
پوشش ساق نبی تیری حیا سے ہے ازار

حق پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بخت تیرہ سے مرے، روز مہ انور تار

حسرت ہے تیرے بوسہ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ

چرخ پیر: آسماں، بوجہ قدیم اور پرانے ہونے کے کہتے ہیں

کہاں اس نوجواں کے ناز کی طاقت تمہیں مومن
ابھی سر مشق تو ہو جور چرخ پیر تو کھینچو

مشورہ کیا کیجئے چرخ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے

اس کے آگے علوم پیر فلک
سبق کودک دبستانی

چرخ چنبری: گھیرا رکھنے والا آسمان

چھپٹ بھی گئے تو راہ بند جائے بجائے الامکاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبد چرخ چنبری

رونق اولیاں بزم دیکھ کر اس کی جود سے
خیرہ نگاہ بس کہ ہے اولی چرخ چنبری

چرخ دورانی: گردش کرنے والا آسمان

مجھے دونوں جہان سے کھو دیا
کیا کہوں ظلم چرخ دورانی

چرخ رس: آسمان تک پہنچنے والا

اس تگ و دو کو کیا کہیں چرخ رس ایک جست میں
نیم قدم پہ رہ گئی طائری و سگاوری

چڑھنا: پہنچنا، اٹھنا

حسرت ہے تیرے بوسہ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ

چڑھ جانا: پہنچ جانا

کچھ تعجب نہیں جو چڑھ جاوے
قلعۂ چرخ پہ ترا لشکر

چسپاں ہونا: مربوط

بوسہ ہائے لب شیریں کے مضمون ہیں نہ کیوں
لفظ سے لفظ مرے شعر کا چسپاں ہوگا

چست: چالاک، پھرتیلا

چھوٹے جوہر میں ہوتے ہی نہیں
بھول شوخ چست یہ کہیں میں ہم

چستی: پھرتی، تیزی

یہاں ہے چاک گریباں تو واں بھی چستی سے
قبائے شوخ شکن کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

چشم: آنکھ، دیدہ

کی گریہ نے کتنی آبیاری
دریا مری چشم سے بہایا

سینہ سرشار مہر یزدانی
چشم لبریز جلوۂ محشر

دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم
نگاہ لطف و غضب سے مثلث عامل

اٹ گئے حوضِ و نہر غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

چشم کا تیری امتزاج روح فزا نظر فزا
گریہ مستی و نگاہ روح و گلاب و عبہری

چشم ستارۂ سحر، لون زحل سے سرمہ سا
دشنۂ ترک چرخ ہے، تیز نگاہ مشتری

باعث بیتابی عالم نگاہ یاس ہے
چشم جادو گر نے یہ سکھلا دیا جادو ہمیں

بے اثر مرے بخت خفتہ پہ کیا کیا
ورنہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے

اے فسونگر چشم جادو پہ نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست ہوس سے چاک پردہ چشم حیرت کا

در و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دکاں چشم گہر بار لگا

اک نگاہ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی
گردش چشم پری رو ساحر بنگالہ تھا

اگر گردش یہی ہے مغبچوں کی چشم میگوں کی
کف ساقی میں جام بادۂ گلگوں نہ ٹھہرے گا

وہ چشم انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھی تو ہم نے آنکھ نہ لگنی بھی خواب تھا

بے تابی کا گلہ کیجیے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تسخیر کے حاصل نہ ہوا

میں مر گیا وہ چشم جو یاد آئی اور یہ
حیران ہیں کہ مے تھی پیالہ میں ہم نہ تھے

کشتہ ہوں اس کی چشم فسوں گر کا اے مسیح
کرتا سمجھ کے دعوی اعجاز دیکھئے

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ تو کشتی کا روزن ہو گیا

ہے مشک بس کہ روتے روتے چشم اے ماہ رو
شب جو اشک آیا سو اک عقد ثریا ہو گیا

وہ عکس زلف چشم عدو میں پڑا نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانب سنبل نہ ہو سکا

آسیب چشم قہر پری طلعتاں نہیں
اے انس اک نظر کہ میں انساں نہیں رہا

چشم غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشم گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ

گماں قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور
سیاہ مستی مئے سے ہے چشم جاناں سرخ

چشم گلشن پر قدم رکھتا ہوا کون آئے گا
عطر فتنہ میں گل نرگس بساتی ہے بہار

میں نہ مانوں گا کہ چشم آبلہ ہے دیدہ تر
یہ نہ دیکھے روئے غیر اپنے کف پہ دیدۂ تر

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز

یک چند اور کاہش غم چشم التفات
میں یار کی نظر میں سمایا نہیں ہنوز

اس رشک مہر و مہ کی نشانی ہے دیدہ
اے چشم اشک بار کہیں پہ نہ [illegible]
دیکھئے [illegible] میں [illegible]
[illegible] چشم [illegible] سرمہ سا [illegible] تھی

سرمہ ہیں اس چشم جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشک چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم

شب فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشم نیم خواب ہمیں

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

غیر کرتے ہیں سبوے مے گلگوں خالی
ساغر چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں

آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشک شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں

یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں

اشک چشم و گریۂ زخم دل اب کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو

عبث نالش ہے آہ تیرہ روز چشم جادو کی
وہاں بند ہوں سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو

رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں کیا پانو ہے کیا ہاتھ

کیا رم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیجیے

سرمہ گیں چشم کی گردش جو نہ بھائی تو
خاک یوں کا ہے کو ہم ڈالتے سر میں پھرتے

سرگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے

جی میں ہے موتیوں کی لڑی اس کو بھیج دوں
اظہار حال چشم گہربار کے لیے

بچ جائے نہ جو چشم سخن گو سے آنکھ
یہ چتون اس شوخ نہ کریں سے

دیکھا نگاہ ناز سے کس شوخ چشم نے
پھر مضطرب نظر کو جہاں نیم کام ہے

وحشت چشم پری رو دیکھنا
پھر گیا جی سرمہ تسخیر سے

فرط ضعف و جوش بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشم ہر جوان دید سے

چشم بیمار: بیمار آنکھ

اس کے ہے روزگار میں یکساں
ابر کو بہمنی و نیسانی

چشم بتاں: حسینوں کی آنکھ

سنگ اسود نہیں ہے چشم بتاں
بوسہ مومن طلب کرے کیا منہ

چشم بد دور: نظر بد دور، نظر بد نہ لگے

روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشم بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص

چشم بصر: چشم بینا، ہوشیار، آنکھ

براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پانو سے محسوس

چشم پرفن: چالاک، یا ہوشیار آنکھ

کھلائے نہ کیوں سرمہ گوسالہ کو
خجل سامری چشم پرفن سے ہے

چشم پوشیاں: آنکھ چرانے کا عمل

ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا

چشم تر: بھیگی ہوئی آنکھ

کرے نہ خندہ خرابی تری ندامت جور
کہ آب شرم میں ہے جوش چشم تر کا سا

دھواں اٹھتا ہے دل سے وقت گریہ
بجھا دی تو نے کیا اے چشم تر آگ

ممنون جوش گریۂ شادی ہوں چشم تر
صبح شب وصال کا گر بند رہتا ہو

آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشم تر طوفاں اٹھانا چھوڑ دے

چشمِ حیرت: وہ آنکھ جو سراپا حیرت بن جائے

نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست ہوس سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

چشمِ خوں بار: خون برسانے والی ، آنکھ، مجازاً بہت آنسو بہانے والی آنکھ

چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

چشمِ خوں فشاں: خون برسانے والی آنکھ، مجازاً بہت زیادہ رونے والی آنکھ

ستم ہے شدت گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشمِ خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحر چشم خوں فشاں سے

چشمِ دریا بار: دریا بہانے والی آنکھ

چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزائے پر طاؤس ہے

چشمِ ستارہ بار: ستارہ برسانے والی (شاعر نے اپنے اشکوں کو انجم سیارہ سے اپنی چشم ستارہ کو برج آبی تشبیہ دی ہے)

قران انجم سیارہ برج آبی میں
ڈبوئے گی مری چشم ستارہ بار مجھے

چشمِ سرمہ سا: سرمئی جیسی آنکھ، مجازاً سیاہ آنکھ

تمہیں شور وفغاں سے میرے کیا کام
خبر لو اپنی چشم سرمہ سا کی

چشمِ سرمہ گیں: حیادار آنکھ، جھکی ہوئی آنکھ

وہ حال پوچھے ہے میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں

چشمِ شرگیں: سرمہ لگی ہوئی آنکھ

پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشم سرمہ سا
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر

چشمِ فسوں ساز: تسخیر کر لینے والی آنکھ

اُرباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعی عاشق جاں باز تو دیکھو

چشمِ فسوں گر: تسخیر لینے والی آنکھ

یہ کس کی چشم فسوں گر نے کی فسوں سازی
طلسم جادوئے بابل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

چشم کو تر کرنا: رونا، آنکھ میں آنسو لانا

دیکھ گریاں مجھے وہ چشم کو تر کرتا ہے
اشک غماز بھی کیا آنکھوں میں گھر کرتا ہے

چشمِ مرجانی: مرجان جیسی آنکھ، مجازاً بہت خوبصورت آنکھ

حسرت لعل سیم تن میں ہوئے
گوہر اشک چشم مرجانی

چشمِ نرگس: نرگس کے پھول جیسی آنکھ

پہنچتے واں تک تو اس پردہ نشیں کو دیکھتے
کاش ہوتے چشم نرگس دیدۂ بادام ہم

چشم نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیر گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر

چشمِ نم: بھیگی ہوئی آنکھ

دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں

چشمِ وا: کھلی ہوئی آنکھ

چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خواب وصل کیا دیکھیں

چشمک: آنکھ سے اشارہ کرنا

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو

کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی

چشمک زنی: آنکھ سے اشارہ کرنے کا عمل

عدو سے بزم میں ہوتی رہی چشمک زنی کیا کیا
نہ دیکھا حال میرا تم بھی کتنے بے مروت ہو

نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروے دل ربا پہ تم جاں ستان تیغ

چشمۂ حیواں: آبِ حیات۔ وہ پانی جس کی نسبت یہ مشہور ہے کہ اس کے پینے سے قیامت تک موت نہیں آتی، اور جس کے اثر سے مردہ جی اٹھتا ہے۔

چشمۂ حیواں بنا اُس کے لبوں کی شرم سے
پانی پانی جس کے اعجازِ مسیحا ہو گیا

چشمۂ خضر: آبِ حیات

ترے ایام میں باقی نہ رہا جس کہ فساد
چشمۂ خضر ہیں انہارِ عروقِ مجذوم

چکر: گردش

چکر میں ہے عقلِ عرشِ اعظم
اس نے بھی مگر تجھے نہ پایا

کہیے گر بادشاہ کو عرش سریر
ہے میری بلا کو ہو چکر

چکھنا: مزہ دینا، لذت اٹھانا

اب تو دل عشق کا مزا چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق

چگل: ترکستان کے ایک شہر کا نام جہاں کے باشندے نہایت خوبصورت ہوتے ہیں۔

امیدِ حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایمان
کہ برہمن ہوں تو [illegible] بتانِ چگل
[illegible]
[illegible] بتانِ چگل

[illegible]

[illegible]
[illegible]

چل دینا: رفو چکر ہو جانا، غائب ہو جانا

آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دلِ حسرت فزا کے ساتھ

چل کے: جا کر

چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

چل نکلنا: بے تکلف ہو جانا، گستاخ ہو جانا (ن)

او چھیڑے ہے نکہت کو گل ہائے شبینہ کی
اب تم سے بھی چل نکلی بادِ سحری آتی

چلا آئے ہے: چلا آتا ہے۔

اس کے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

چلا جانا: چلنے کی طاقت رکھنا

چلا بھی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوقِ رسائی و دوریٔ منزل

چلا جانا: جاری رہنا

ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا
خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آ گیا

چلا جانا: داخل ہو جانا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

چلا جانا: روانہ ہو جانا، مصیبت ہو جانا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادمِ بیت الصنم نہ تھا

اے جذبِ دل نہ تھم کہ نہ ٹھہرا وہ شعلہ رو
آیا تو گرم گرم و لیکن چلا گیا

چلا نہیں جاتا: چل نہیں پاتا، چلنے کی طاقت نہ رکھنا

چلا بھی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوقِ رسائی و دوریٔ منزل

چلا جانا: مر جانا، دنیا سے رخصت ہو جانا

جس نے مقابلہ کیا، بے جگری سے چل دیا
کیا کہئے ایک حملے میں مر چلے تھے دلاوری

چلمن: تیلیوں کا بنا ہوا پردہ

جھانکتے ہیں کیا ملائک اس پری رخسار کو
پردۂ تو بر تو افلاک چلمن ہوگیا

نیم جلوہ کو بھی وہ کہتے ہیں اب بے پردگی
جسم کاہیدہ یہ کس کا صرف چلمن ہوگیا

یہ کاہ رُبا سے بھی ہیں کم اے کشش دل
مذکور کچھ ایسا پس چلمن ہے ہمارا

چلنا: چال، چلنے کا انداز

چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام و شوخی رفتار کے لیے

چلنا: حرکت کرنا، جنبش کرنا

میں اپنے گریبان کے ٹکڑوں کا ہوں پیرو
چلتے ہیں جنوں میں مرے پانو سے سوا ہاتھ

چلنا: درگذر کرنا

ناصح کفِ افسوس نہ مل چل تجھے کیا کام
پامال کریں گے وہ مجھے یا نہ کریں گے

چلنا: کارگر ہونا

اے فسونگر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

چلنا: روانہ ہونا، جانا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آکے مری نعش پہ وہ رو گیا

اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

بدنامیوں کے ڈر سے عبث تم چلے گئے میں
ہوں تیرہ روز میری سحر بھی تو رات ہے

وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پانو پڑوں کس کس کے

چپ تم کہاں میں نے تو [illegible] یہ
فسانہ دل زار کا [illegible] کہتے

قیامت مرتے [illegible] ہوں سے
[illegible] چپ ہیں ہم جہاں سے

بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلد راہ برہمن ہے ہمارا

بت کدہ جنت ہے چلیے بے ہراس
لب پہ مومن ہرچہ بادا باد کیا

مواگل دیکھتے ہی یادرخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجیے

کردیا اس جلوہ نے مجنوں چلو
خاک اڑائیں وادیٔ ایمن میں ہم

چلون: تیلیوں کا پردہ، چق

جلتی ہے جان آتش خس پوش دیکھ کر
چلون سے شعلہ رو کوئی جلوہ دکھا گیا

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرادیا
اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھادیا

اے پردہ نشیں چلون اٹھادے کہ نہ جل جائے
کرتا ہوں میں سوز غم پنہاں کی شکایت

اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ہے پردے کا بھی چھوڑنا عبث

کیا پڑی رہتی ہے اے پردہ نشیں جوں بیمار
بد دعائیں تری چلون کو جو ہم دیتے ہیں

اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلون نظارہ دم بدم کیوں کر کریں

ہر دم رہین کشمکش دست یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں

بے پردہ پس چلون یک بار تم آبیٹھے
بے تاب نظر کس کو کیوں جلوہ گری آتی

یہ پردہ نہ ہو نیش زنبور کا
مشبک مرا سینہ چلون سے ہے

چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے تنگ چھنے کی کیوں دھوم دھام ہے

چلونوں: واحد چلون۔ تیلیوں کا پردہ، چق

تپش کا ہم دم کفن الانا کہ بس میں مرگیا
چلونوں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر

چلیپا: صلیب جس پر عیسائیوں کے عقیدے میں جناب مسیح کو ہلاک کیا گیا تھا۔

گو دار پہ کھنچیں ہمیں دلدار نصاریٰ
پر آرزوے زلف چلیپا نہ کریں گے

چلے آنا: برابر آتے جانا

کہاں لختِ جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر

چلے جانا: چھوڑ جانا

وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

چلہ باندھنا: کسی بزرگ کے مزار یا مقامِ مقدس وغیرہ میں کلاوہ اس نیت سے باندھنا کہ جب اس کی منت پوری ہو جائے گی تو اسے کھول دیا جائے گا۔

باندھواب چارہ گرو چلّے کہ وہ بھی شاید
وصلِ دشمن کے لیے سوے مزار آ جائے

چمک جانا: روشن ہو جانا

اس غیرتِ ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

چمکنا: روشنی دینا

خمیدہ شاخ سے یوں رنگِ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعلِ منکوس

چمن: و . جہاں سبزہ یا پھول یا پھل اور بوئیں، باغ میں وہ خاص مقام جہاں ہواؤں کے طرح طرح کے درخت ہوتے ہیں

... ن نغمۂ بلبل ہے یوں طربِ مانوس
کہ جیسے صبحِ شبِ ہجر، نالہاے خروس
بہار صحنِ چمن میں کیمیاے عیش و نشاط
بہار لالہ و گل سیمیاے عرش و شموس
چمن کی خاک سے گل گونہ اب بناتے ہیں
... تا دمِ رخصت بھی ہو عذارِ عروس
شگفتہ تر ہے چمن، روضہ ہاے جنت سے
ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس

ہواے سیرِ چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظتِ ناموس
جاے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ
گاہ کرتی ہے نازِ ریحانی
کفر ہے بے گلرخ ترسا تماشاے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہو گیا
کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغِ چمن
خندہ زن بادِ بہاری سے وہ گل گوش ہوا
غربت میں گل کھلاے ہے کیا کیا وطن کی یاد
جیسے قفس میں مرغِ چمن کو چمن کی یاد
آمد آمد ہے چمن میں کس سمن اندام کی
سبزۂ خوابیدہ سے مخمل بچھاتی ہے بہار
چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم
کیا کہیں تم سے اے ہمدرو و پوچھومت مرغانِ چمن
کیوں کریاں ایامِ خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے
غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
وہم عشقِ لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کھلے
جان کر گل چیں کو تاراجِ چمن کی فکر میں
بادِ بہار میں ہے کچھ اور عطر ریزی
تم آج کل میں شاید سوئے چمن گئے ہو
بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے
گر ہو سکے راہِ چمن اے رستگان دام لو
یاد ہوائے یار نے کیا کیا نہ گل کھلائے
آئی چمن سے نکہتِ گل جب صبا کے ساتھ
نہ جائے کیوں دل مرغِ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی
نام بد بختی عشاقِ خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آ جائے
جو گریہ تر نہ کر دیتا تو جیسے نالہ کھینچا تھا
چمن میں کوہ میں صحرا میں آتش جا بجا لگتی

نچھر جائے نہ تا چشم صنم آنکھ کے آگے
سیر چمن نرگس شہلا نہ کریں گے

از بس جنوں جدائی گل پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغ چمن سے ہے

داغ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

چمن میں کوئی اس کو سے نہ آیا
گئی برباد سب محنت صبا کی

چمن آرا: چمن کو سجانے والا، باغبان

چمن آرا کو رسم پیرائش
اک بہانہ ہے بہر قطع شجر

چمن زار: وہ جگہ جہاں بکثرت سبزہ اور طرح طرح کے پھول ہوں، باغ

ہوائے سیر چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظت ناموس

اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور
میں نے کیا تبہ کی بات پہچانی

گل بانگ نالہ ہے یہ نیا گل کھلا مگر
گزری نسیم آہ چمن زار کی طرف

اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کر لے
اے نگہ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک

چنار: ایک بڑے درخت کا نام جس کی پتیاں سرخ انسانی پنجہ انسان کے مشابہ ہوتی ہیں۔

سیر کو باغ میں وہ شاخ گل آ جائے اگر
سرو و شمشاد سے قمری نہ کرے فرق چنار

باغ میں اپنے ہر شجر تا بہ چنار و سرو، بید
اول و آخر بہار باد فروش نو بری

چند: کس قدر، کچھ

مومنِ عاشق طبیعت نوجواں ہی مر گیا
عشق طفل چند سالہ دشمن صد سالہ تھا

تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلۂ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا

قدر دانی کا نام ہی نہ رہا
چند ناداں ہوئے ہیں نام آور

چندے: کچھ دن

گر چندے اور یہ ہی رہی یار کی طرح
ہم بھی بنیں گے بوالہوس اغیار کی طرح

چوپانی: پاسبانی

گرگ نے دورِ عدل میں اس کے
سیکھ لی راہ و رسم چوپانی

چوٹی: گندھے ہوئے بال

کہیں سے ڈھونڈھ کر لانا بت کافر کو اے مومن
طبیعت سیر جنت میں نہیں اس کے سوا لگتی

چور: دزد، وہ شخص جو چھپ کر دھوکے سے لوگوں کا مال اڑا لے جاتا ہے۔

غیر نکلا ترے گھر سے گئی اس وہم میں جان
غل ہوئے چور کے اُس کوچے میں گر آخرِ شب

چوگان: گیند کا بلا

راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

چومنا: ادب سے تعظیم دینا

پابوس یار کرتے ہوئے کھینچ دیوے تو
تصویر میری چوم لے بہزاد کے قدم

چونک اٹھنا: دفعتہً گھبرا کر جاگ اٹھنا

اگر نہ آنکھ تغافل شعار سے لگتی
تو بیٹھے بیٹھے یہ یوں چونک اٹھا نہ کرتے ہم

چونک پڑنا: خبردار ہونا، ہوشیار ہونا، خواب سے بیدار ہونا

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں
اک میرا بخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

دادخواہوں کے شور سے دیکھو
چونک پڑتا ہے فتنۂ محشر

ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی

بار بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ

چونک چونک پڑنا: بار بار کیک خواب سے بیدار ہونا۔

رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں

کیوں چونک چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں

چہ چہ کرنا: چہچہانا

بہار باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل

ذرا جس بول لے ہو زمزمہ پرداز چہ چہ کر

چہرہ: صورت، منھ

کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا

اپنے مرنے سے ذرا جان چرا میں کفار

شعلۂ شمع سے فزوں، چہرہ مرا زرد گوں

رنگ شفق سے بیش تر، گریہ مرا معصری

اے زہرہ چہرۂ دشمن منحوس کو نہ دیکھ

نالے بھیں گے خون کے اس فتح باب میں

چہرے: واحد چہرہ۔ صورت، منھ، سامنے کا حصہ

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے

ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ

کرتا ہے سخت ناخن غم رو خراشیاں

دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھانے داغ

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے

آئینہ صد گانہ آئینہ گر کرتا ہے

صوفیوں نے ترے چہرے کا جو دیکھا عالم

بولے تو کیا ہے تجلی کو نہیں ہے تکرار

چھاتی: صدر، سینہ

جذبہ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر

آپ دو بوسے کے دوڑ کے آکے بار لگا

ستم ... ضبط فغاں و آہ چھاتی پر

... پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا

... زخم ... ہیں جو ... نکل ... ہیں

... ہے ... عاشق کی چھاتی ہے ...

چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن

یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں

چھاتی پر پتھر رکھ لینا: دل سخت کر لینا، صبر کر لینا

رکھ لیویں گے پتھر مگر ان سنگ دلوں کو

چھاتی سے لگانے کی تمنا نہ کریں گے

چھاتی سے لگائے رکھنا: بہت پیار سے رکھنا

چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن

یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں

چھالا: آبلہ، پھپھولہ

ستم اے گرمی ضبط فغاں و آہ چھاتی پر

کبھو بس پڑ گیا چھالا کبھو پھوڑا نکل آیا

اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو

تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشم حیرت ہو

چھالے: جمع ہے چھالا کی۔ آبلہ، پھپھولہ

تیری تیغ و دشنہ کے کیوں لب پہ چھالے پڑ گئے

گرم خوئی کا مری کیا ماجرا کہنے کو تھا

چھانا: ہجوم کرنا

واعظ کے ذکر مہر قیامت کو کیا کہوں

عالم شب وصال کے آنکھوں میں چھا گئے

چھایا: سایہ کرنا، چھت بنانا

رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ

کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا

چھپ کر: خفیہ طور سے

کیا اس بت خانے کو فرصت ہو خلوت کدہ

حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

چھپانا: پوشیدہ کرنا، مخفی کرنا

بسکہ اک پردہ نشیں سے دل بیمار لگا

جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا

کھل گیا عشق صنم طرز سخن سے مومن

اب چھپاتے ہو عبث بات بناتے کیوں ہو

سینے کی جگہ آنے لگا خوں

چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو

اب یہ صورت ہے کہ اے پردہ نشیں
تجھ سے احباب چھپاتے ہیں مجھے
اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم
خوف سے تیری عدالت کے لگا کر مسی
سرخی لب کو چھپاتے ہیں بتانِ خوں خوار
خجلت سے آب و تابِ سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرمِ نہانِ تیغ

چھپتے پھرنا: سامنے آنا، آنکھیں چرانا
بے بے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

چھپتے پھرنا: سامنے نہ آنا، آنکھیں چار نہ کرنا
مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا
اور حاصل عشق کے اظہار سے
تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم
بے بے تمیز عشق و ہوس آج تک نہیں
وہ چھپتے پھرتے ہیں مجھے بیتاب دیکھ کر

چھپنا: پردہ کرنا
کھول دو وعدہ کہ تم پردہ نشیں ہو نہ وصال
آپ چھپتے ہو چھپو بات چھپاتے کیوں ہو
اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم
آفتِ جاں ہے کوئی پردہ نشیں
کہ مرے دل میں آ چھپا ہے عشق

چھپنا: پوشیدہ ہونا، ظاہر نہ ہونا
دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
ہاں پردہ اٹھا ورنہ کھلا شوقِ نہانی
اب مجھ سے تو چھپتا نہیں اے پردہ نشیں یہ

فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر
خبر لا دے کوئی تحت الثرا کی
اے مہروش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ہے پردے کا بھی چھوڑنا عبث
خجلت سے آب و تابِ سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرمِ نہانِ تیغ

چھٹ جانا: آزاد ہو جانا، رہا ہو جانا
جا سکتے نہیں جاتے ہیں اُس کو میں جو ناصح
چھٹ جائیں گے قصہ سے کیا تو نے اگر بند

چھٹ جانا: موقوف ہو جانا
اے فسونگر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے

چھٹا لینا: آزاد کرا لینا
مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس
گر بنے تو دل چھٹا لوں یار سے

چھٹنا: آزاد ہونا، رہا ہونا
چھٹ گئے مر کے نیشِ ہجراں سے
کام آیا ہے زخم کاری آج
چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
چھٹ کر کہاں اسیرِ محبت کی زندگی
ناصح یہ بندِ غم نہیں قیدِ حیات ہے

چھڑا دینا: جدا کر دینا
کس صنم کو چھڑا دیا واعظ
لے خدا تجھ سے انتقام مرا

چھڑانا: آزاد کرانا
ہوں خوں گرفتہ یار و شفاعت سے فائدہ
صیدِ اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز
ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے
اس دام سے مجھ کو تو چھڑا دے
داؤد نے جس میں دل پھنسایا

دل زلف سے ہو رہا تو جانوں
زنداں فرنگ سے چھڑایا

چھڑکنا: تھوڑا تھوڑا ڈالنا

غیر چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک
شور الفت میں بھی مزہ نہ رہا
چھڑکے ہے کان ملاحت اون کیا
خود لپٹ جا سینۂ افگار سے

چھلا: کڑا، حلقہ

اُس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے
گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا

چھننا: سوراخ ہونا، چھید ہونا

باقی نہیں کدورت شوق ستم کی ہرگز
کیا اے دل و جگر تم تیروں سے چھن گئے ہو

چھوٹ جانا: صاف ہو جانا

پونچھے آنسو وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

چھوٹا منہ بڑی بات: بڑوں کی عیب گیری، کم رتبہ اور بے حقیقت کا اپنے حوصلے سے زیادہ دعویٰ۔

شب غم کا بیان کیا کیجئے
ہے بڑی بات اور چھوٹا منہ

چھوٹنا: آزاد ہونا، رہا ہونا

مر چکیے کہیں کہ تو غم ہجراں سے چھوٹ جائے
کہتے تو ہیں بھلے کی وہ لیکن بری طرح
چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتار خم گیسوئے صیاد رہا
مرتے ہم غیر چھوٹتے نہ کیا
تو نے الفت کا امتحاں افسوس
کچھ نہ سوجھا حسرت دیدار سے
سہل چھوٹے مردن دشوار سے
قبر میں چھوٹے عذاب دل بیتاب سے ہم
نام جب کھود کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ

نوید اے دل کہ رشک غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہہ کر
صاحب نے اس غلام کو آزاد کر دیا
لو بندگی کہ چھوٹ گئے بندگی سے ہم
وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری
چھٹ بھی گئے تو راہ بند جائے بجائے لامکاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبد چرخ چنبری

چھوٹنا: موقوف ہونا

وہاں چھوٹنا گلے لگنا کہ شوق ہم کناری میں
لگاتے تھے گلے سے غیر کی تصویر اکثر ہم

چھوٹنا: نکلنا، جاری ہونا

نہ چھوٹے کیوں تن کاہیدہ سے پسینہ ہائے
طرف سے غیر کی جب نذر عطر خس گذرے

چھوٹنا: آزاد ہونا، بچ کر نکلنا

جو اس کی زلف کو وہاں اپنے عقدہ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز بھی نہ چھوٹے دل

چھوڑ جانا: [illegible]

اس کو میں نہ چھوڑ جائے مجھ کو
ہر چند عدو کا نقش پا ہوں
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جا پہ مجھ کو چھوڑ گئی موت اس کے ساتھ

چھوڑنا: باقی رکھنا، رہنے دینا

چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
چھوڑا نہ کچھ بھی سینہ میں طغیان اشک نے
اپنی ہی فوج ہو گئی شہر غنیم کا
زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جاں نہ چھوڑ
ہم میں فلک نگہ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دی
دست مژہ سے پنجہ خورشید مروڑ دیا

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

چھوڑنا: ترک کردینا، باز آجانا

فریب وعدہ پہ چھوڑی بتوں نے جھوٹ قسم
سنا زبس کہ زباں سے تری وعید غموس

تیری تلوار کی وہ آنچ کہ گبر
چھوڑ دیویں پرستش آذر

نیک نامی نہ سہی مجھ کو ہے تم سے سروکار
چھوڑ دوں آج وفا گر ہو وفا سے بیزار

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ

چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدر جبیں سائی ملا

اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا

عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ وفغاں نہ چھوڑ

ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بد اے بد زباں نہ چھوڑ

کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کجروی اے آسماں نہ چھوڑ

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ

چل کے کعبے میں سجدہ کر مومن
چھوڑ اس بت کے آستانے کو

ساتھ سونا غیر کے چھوڑا اب تو اے سیمیں بدن
خاک میری ہوگئی نایاب تر اکسیر سے

کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آہ کی

اللہ ری گمرہی بت و بت خانہ چھوڑ کر
مومن چلا ہے کعبے کو اک پارسا کے ساتھ

کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہی گر کبھی
مومن نظر پڑے بت ترسا کے خواب میں

دی دل سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں

دلّی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ویرانہ تر میں ہم

یہی دیں اگر ہے تو چھوڑو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثال قبلہ نما قلق

غیروں سے اس نے ہرگز چھوڑی نہ ہاتھا پائی
جب تک اجل کا صدمہ دو چار تک نہ پہنچا

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منھ دکھانا چھوڑ دے

گوش نازک پر کسی کے رحم کر
جوش افغاں غل مچانا چھوڑ دے

داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے

پردہ کی کچھ حد بھی آئے پردہ نشیں
کھل کے مل بس منھ چھپانا چھوڑ دے

ہوں وہ مجنوں گر میں زنداں میں رہوں
فصل گل گلشن میں آنا چھوڑ دے

لب پہ حرف آرزو کا خوں ہوا
رنگ پاں کا منھ لگانا چھوڑ دے

ہم نہیں اٹھنے کے تیری بزم سے
پاس غیروں کا بٹھانا چھوڑ دے

اس دہن کو غنچہ اے دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرانا چھوڑ دے

وصل میں بھی دل سے غم جاوے کہاں
کیا کوئی اپنا ٹھکانا چھوڑ دے

آہ میری کب دعائے نوح تھی

چشم تر طوفاں اٹھانا چھوڑ دے
ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے
گر ہے مومن روزۂ وصل بتاں
تو غم فرقت بھی کھانا چھوڑ دے

چھوڑنا: دست بردار ہونا

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوے بتاں نہ چھوڑ
جس کوچہ میں گذار صبا کا نہ ہو سکے
اے عندلیب اس کے لیے گلستاں نہ چھوڑ

چھوڑنا: علاحدہ کرنا، آزاد کرنا

دامن قاتل کو وقت قتل کیوں کر چھوڑ دے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں
کب چھوڑتے ہیں اس ستم ایجاد کے قدم
سر ہے ہمارا اور ہیں جلاد کے قدم
اگر مرضی یہی ٹھہری کہ تجھ کو چھوڑ دوں مجھ کو
بتا دے اور کوئی غیرتِ مہتاب اپنا سا
کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں

چیچک: سیتلا، ماتا، ایک بیماری جس میں جسم پر دانے نکل آتے ہیں

کرتا ہے سخت ناخن غم رو خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ

چیرنا: شگاف کرنا، پھاڑنا

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ
چمن کو جھانکتے ہیں روزن دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم
اٹھی رگ سینے کو چیر کے دل نکال لے
مار سیاہ زلف سے ہو نہ سکے یہ دہری

چیرہ: ایک قسم کی منقش پگڑی

یہ کس کے زرد چیرہ کا دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آنکھوں پھر بسنت

چیز: شئے، سامان

یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھئے دلدار کا

چین: آرام، سکون، راحت

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین
وگرنہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس
زلزلے آتے ہیں جب سے میں تہ خاک آیا
چین دیتے نہیں اب تک بھی مجھے طالع شوم
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھکو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
بے کسی نے نہ دیا بارے تہ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا
دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوش جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
خو ہو گئی ہجراں میں تڑپنے کی شب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا
نہ جائے واں بنے ہے نہ بن جائے چین ہے
کیا کیجئے ہمیں تو ہے مشکل سبھی طرح
نہ تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
یہ شرارتوں کی شکایتیں یہ جلانا غیر کا دیکھیے
کہے مجھ سے وہ ترے ہاتھ سے نہیں چین مجھ کو سوا تلق
پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم
عزم سفر جہاں سے کروں کیا شب فراق
میں جانتا ہوں چین کہاں تو جہاں نہ ہو
نہ کام زور سے نکلا نہ عجز کام آیا
بس اب تو چین دے اے شوق ہرزہ کار مجھے

چین: شکن، بل

تیری چین کمند کشش کا
دم بھرے جذبۂ دم اژدر
ان کو گمان ہے گلہ چین زلف کا
خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

چین: ماتھے کی شکن

کس سر پر غرور کو دی ہے
تنگی غم نے چین پیشانی

چین: ایک ملک کا نام

چین سے زرعدن سے درکان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہاں میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری

ہائے سبک عنانیاں، واہ گراں رکابیاں
گاہ غزال چین ہے وہ، گاہ پلنگ بربری

چین آنا: قرار ہونا

چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطرابِ دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو

چین جبین: ماتھے کی شکن

چینِ جبیں بلاؤ نگاہ غضب ستم
کرتی ہے قتل اُس بتِ خوں خوار کی طرح

چین جبیں کو دیکھ کے دل بستہ تر ہوا
کیسی کشود کار کشاد نقاب میں

چین بہ جبین ہونا: تیوری پر بل پڑنا

جھوٹ نہیں تیرے پاس بیٹھتے ہیں بد تمیز
چین بجبین کیوں نہ ہو فرش میں چین ہے ہنوز

چین لینا: دم لینا، ستانا

شوئ بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا

چھیڑنا: اشتعال دلانا

ہے طعن سے مدح شام ہجراں
میں کیسی بلا کو چھیڑتا ہوں

چھیڑنا: ستانا، رنجیدہ کرنا

کس ادا سے، مجھے کہتا ہے کہ حیوان ہو تم
چھیڑنے کو جو کہا میں نے اسے گل رخسار

وہ جلے محفل دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھیڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سو بار

گر میں کم بخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص

اس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل پھینکے عندلیب گرفتار کی طرف

کہے ہے چھیڑنے کو میرے گرسب ہوں مرے بس میں
نہ دوں ملنے کسی معشوق اور عاشق کو آپس میں

دکھادوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
بلادوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

کیوں چھیڑتے ہو مجھ کو برا ہونے لگا کیوں
ہے غیر کا نامہ نہ مرا خط جبیں یہ

چھیڑنا: گدگدانا، گدگدی کرنا

ہاں جوشِ تپش چھیڑ چلی جائے کہ پرتو
جھڑ جائیں فرسودہ اگر دام نہ ہوگا

ہائے ری چھیڑ رات سُن سُن کے
حال میرا کہا کہ کیا صاحب

ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم

چھیڑنا: ہاتھ لگانا

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستاں نہیں

چھیننا: زبردستی لے لینا

دشنہ چھین لے گا کیا ہم نشیں شب فرقت
آپ جب نہیں اپنے کون میری جاں اپنا

دام عاشق ہے دل دہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی

محتسب نے خم مے چھین لیا یا قسمت
ایسے کمبخت کے ہاتھ آئے ہمارا مقسوم

حاتم: عرب کے قبیلہ طے کے ایک نہایت سخی سردار کا نام

وفور بذل و کرم یوں پکارے کہتا ہے
کہاں ہے ”معن“ کریم اور حاتم باذل

حاتم و معن پائمال اس کے صف نعال میں
صدر نشین بزم کام بخشی و فیض گستری

حاجت: ضرورت

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجت اسباب نہیں

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے

حادثہ: واقعہ، مصیبت

بجلی گری فغاں سے مری آسمان پر
جو حادثہ کبھی نہ ہوا تھا سو اب ہوا

روز نبرد حادثہ ریز شکست و فتح
جب تک کہ ہے نشیب و فراز جہان تیغ

حاسد: حسد کرنے والا

جب ”اولی الفضل منکم“ اے حامد
اس کے حق میں کہے جہاں داور

تیرے حاسد ہوں غول صحرائی
تیرے پیرو ہوں پیشوائے خضر

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا، خاطر حاسد کا غبار

آگ اور بڑھ دو مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسان شمع

حاسدان: واحد حسد۔ حسد کرنے والا

ایک سے ایک کامیاب سینۂ حاسداں کباب
ایک طرف شراب ناب، ایک طرف گزک جگری

حاصل: آمدنی، پیداوار

یک شنبہ چرخ بزم کا، نیمہ خراج، نیم روز
بخشش بفتہ حاصل و فائدہ ہفت کشوری

حاصل: نتیجہ

جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بیداد کیا

ناز بیجا سے ہوا شرم کے حاصل نہ ہوا
غیر پر ظلم کیے میرے مقابل نہ ہوا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

مجھ سے وہ چھپتے پھریں اس کے سوا
اور حاصل عشق کے اظہار سے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ

مزا ہے وصل کا ہجراں سے پیش تر لینی
گل خزاں زدہ کو کیا بہار سے حاصل

اس سے افزوں ہے شوق اس در کا
جس سے حاصل ہو یہ بہ آسانی

حاصل کرنا: بہم پہنچانا، پانا

کیا مسلماں ہوئے کہ اے مومن
حاصل اس بت سے شرم ساری کی

حاصل ہونا: ہاتھ لگنا، بہم پہنچنا

ناز بیجا سے ہوا شرم کے حاصل نہ ہوا
غیر پر ظلم کیے میرے مقابل نہ ہوا

حاصل نہ ہوا ہوا ندامت
کس تخم کو خاک میں ملایا

بے زری سے مری تجھے حاصل
کچھ نہ ہوگا بجز پشیمانی

حاضر ہے: خدمت میں پیش ہونے کے لیے تیار ہے

اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو

حاکم: آقا، مالک

تو واحد بے نظیر و ہمتا
تو حاکم و خالق برایا

حال: حالت، کیفیت

وہ رفعت حال دے کہ جس نے
منصور کو دار پر چڑھایا

مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون تیرے سوا خدایا

وہ نہ لی جس نے حال کی میرے
عمداً کیا کہ بھول کر بھی خبر

وہاں صلے میں نعیم جناں کی ہے امید
اگر ہو لطف ترا، میرے حال کے شامل

مصرع زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا، حالِ پریشاں منظوم

سبزہ رنگی نے تری قتل کیا ہے ظالم
یاد آتا ہے مجھے حال امام مسموم

یعنی اس حال پر فزوں تر ہیں
آرزو ہائے نفس شیطانی

کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری

تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ و قید شش دری

اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلاب حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری

لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا
فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا

یہ ناتواں ہوں کہ ہوں اور نظر نہیں آتا
مرا بھی حال ہوا تیری ہی کمر کا سا

جنوں کے جوش سے بیگانہ وار ہیں احباب
ہمارا حال وطن میں ہوا سفر کا سا

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہوگا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہوگا

رحم فلک اور مرے حال پر
تو نے کرم اے ستم آرا کیا

وہ حالِ زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اسی پہ ہوں
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا

بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا

پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعدِ رسوائی ملا

اس حال کو پہنچے ترے غصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

کس طرح معلوم ہو حالِ دلِ گم گشتہ ہائے
جو کبوتر لے گیا واں نامہ عنقا ہوگیا

پوچھنا حالِ یار ہے منظور
میں نے ناصح کا مدعا جانا

حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خطِ جبیں کیا منادیا

حال دل یار کو لکھوں کیوں کر
ہاتھ دل سے جدا نہیں ہوتا

دیکھئے پس مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا

کیا جانئے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُسنے خط پڑھ کے نامہ بر سے

کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

بائے ری چھیڑ رات سُن سُن کے

حال میرا کہا کہ کیا صاحب

روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں

آنکھیں سی کھل گئیں ہیں ذر نایاب دیکھ کر

دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں

لے لیا منھ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

ناصح رقیب سے ہے بد آموز تر کہیں

پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز

شب ہجر روزِ وصال کی شوخیاں جو نظر میں تھیں

کہوں کیا تغیر حالِ دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آ گئی

حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

لکھتے ہیں اک پری کو کچھ آوارگی کا حال

باندھیں گے نامہ طائرِ مجنوں کے پر میں ہم

پیشِ نظر ہے کس کا رخِ آئینہ گدار

روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام

حالِ دل اسے جتائیں گے ہم

کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گلِ عذار

خارِ مژہ میں اب خلش دم بدم نہیں

پوچھا ہے اس نے کیا مری بے خودی قلق کا حال

ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا

بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

نہ پوچھئے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں

مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں

کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال

اندوہ وورد روز مصیبت کے یاد ہیں

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش

وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

بدنام میرے گریۂ رسوا سے ہو چکے

اب عذر کیا رہا نگہ بے حجاب میں

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر

مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجیو جو تم

اے خوگرانِ غربت سوئے وطن گئے ہو

غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی

جل بجھیں گے اب کہ حال مشعلِ منکوس ہے

یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا

حالِ دل گر پوچھئے دلدار کا

حالِ دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے

سر اُٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے ہے

رشکِ دشمن نے بنا دی جان پر اے بے وفا

کب تلک کوئی نہ بگڑے حال بگڑا جائے ہے

قلق دل سے ہے جنبش ترے پیکانوں کو

پوچھ مت حال کہ برے سے ہیں بر میں پھرتے

گلہ کیا کیجئے اس بدگماں عیار پرفن کا

کہ عرض حال سے جس کو شکایت ہو شکایت کی

بے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر

دیکھئے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال

بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل

کہ جس کی ذلت وخواری سے تم کو شان ہی

وہ اضطراب کہاں ضعف سے مگر اب بھی

ہو آؤں حضرتِ عیسیٰ تک اتنا حال تو ہے

یوں بنا کر حالِ دل کہنا نہ تھا

بات بگڑی میری ہی تقریر سے

فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ

اشک خوں جاری ہیں چشم ہر جوان و پیر سے

ہم حال کہیں جائیں گے سنیے کہ نہ سنیے
اتنا ہی تو یاں صحبت ناصح کا اثر ہے

کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسش حال داد خواہ نہ کی

سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے

کہا ہے غیر نے تم سے مرا حال
کہے دیتی ہے بے باکی ادا کی

حال پوچھنا: کیفیت دریافت کرنا

وہ حال پوچھے ہے میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں

پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں

کیوں نہ کامیں لب اطبا مر گیا
حال پوچھا تھا ترے بیمار سے

پھر کس ستم شعار نے پوچھا ہے میرا حال
پھر ناصحوں کو کیوں خطر انتقام ہے

کیوں کہ پوچھے حال تلخی عاشق دل گیر سے
ہوگئے ہیں بند لب شیریں تقریر سے

حال پہنچنا: حالت خراب ہونا (بیشتر اشارے کے ساتھ اس معنی میں مستعمل ہے)

اس حال کو پہنچے ترے غصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

سینے سے گھبرا کے آخر جان لب پر آگئی
حال پہنچا یاں تلک اور تم نہ آئے یاں تلک

حال تباہ: خراب حالت

جانے دے چارہ گر شب ہجراں میں مت بلا
وہ کیوں شریک ہو مرے حال تباہ میں

حال دکھلانا: حالت سے باخبر کرنا

حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منہ دکھانا چھوڑ دے

حال دکھلانا: کیفیت بیان کرنا

حال دکھلاتا ہوں شاید شرم سے
غیر اس کو منہ دکھانا چھوڑ دے

حال زار: تباہ حالت

دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع ناساز دیکھنا

وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا

حال زبوں: بری حالت، خراب حالت

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حال زبوں نے رولا دیا

حال کرنا: کیفیت بنا دینا

دل کا کیا حال کرے دیکھیے یہ گرمی حسن
ٹھہرتا آئینۂ یار میں سیماب نہیں

مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دل ناکامیاب میں

حال کو پہنچا دینا: حال خراب کر دینا

دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں

حال متغیر: حالت دگرگوں

مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دل مونس کے

حالت: کیفیت

وہ پر فریب کہ ہو دل نشیں تغافل ناز
ہمیشہ حالت عاشق سے گر رہے غافل

ہوگئی دو روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا

یہی حالت رہی آنکھوں پہ پھر تجھ بن کے دم الٹے
سحر تک شام سے دل صبح سے تا شام لیتا تھا

مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا

بنے ہم بے حالت جان کنی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذاب مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

دیکھ حالت مری کہیں کافر
نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق

حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

عجب حالت ہے سودے میں تری زلف مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیر اکثر ہم

وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی

تری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے

یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
ہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے

حالت نزع: جاں کنی کا عالم۔ دم توڑنے کی کیفیت

حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں

حامل: اٹھانے والا

دعا پہ ختم سخن کر کہ شور آمیں سے
نہ بٹھائیں گے مردوں کو عرش کے حامل

حامل دفتر مدح سے یوں
مجھے پہنچی تھی عمر ازعانی

حامل دفتر: کاغذوں کی کتاب اٹھانے والا۔ مراد وہ بزرگ ہیں جو ممدوح کی طرف مومن کو حاضری دربار کی دعوت لے کر آئے تھے اور جن کی معرفت شاعر نے یہ معذرت کا قصیدہ روانہ کیا تھا۔ (ض)

حامل دفتر مدح سے یوں
مجھے پہنچی تھی عمر ازعانی

حائل: مانع، بیچ میں آنے والا

یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم
کہ روز پردۂ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

حائل ہونا: مانع ہونا، رکاوٹ بننا

جو سیکھے فتنہ گری، رنج عشق سے "یاجوج"
نہ ہو سکے کبھی "سد سکندری" حائل

بے حجابی کا گلہ کیجے تو کہتا ہے ترے
پردۂ چشم کی تقصیر کہ حائل نہ ہوا

حباب: پانی کا بلبلہ

صفحۂ جیحوں پہ جو کبھی ہم سوزش دل لکھواتے ہیں
سارے حباب لب دریا تبخالے سے بن جاتے ہیں

کیسی حیرت ہے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں

اس ستم گر سے مگر آنکھ لڑی ہے کہ حباب
کیسے کیسے گھڑے پانی لب جو بھرتے ہیں

حبذا حبذا: کلمہ تحسین و آفریں

پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی
حبذا حبذا کہیں سن کر

حجاب: پردہ، اوٹ

جو میری نثر کے دیکھے لآلی منثور
اٹھا لے مسند حشمت حجاب سے کاؤس

دوری اپنی نہیں ہے مانع فیض
مہر کو کیا حجاب ظلمانی

خون کیوں کر مرا کھلے کہ مجھے
اک سراپا حجاب نے مارا

یاں جلایا تری حجاب شمع رونے اور بھی
سوز پروانہ کو مانع پردۂ فانوس ہے

حجاب چرخ بلا ہے ہوا کرے حجاب
فغاں اثر کے لیے اور اثر فغاں کے لیے

حجاب: شرم، لحاظ، حیا

بے پردہ غیر سے نہ ہوا ہوگا شب کہ صبح
آنکھوں میں شرم تھی نہ نظر میں حجاب تھا

حجاب آنا: شرم محسوس ہونا

بس کہ پردہ نشیں پہ مرتے ہیں
موت سے آئے ہے حجاب ہمیں

حجت: دلیل، برہان

ہووے نہ میری حجت قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعوئ برش زبان تیغ

حجرالاسود: سنگ سیاہ جو کعبہ کی دیوار میں لگا ہوا ہے۔

بوسہ صنم کی آنکھ کا لیتے ہی جان دی
مومن کو یاد کیا حجرالاسود آگیا

حج: لغوی معنی ارادہ کرنا۔ اصطلاحی وقت مقررہ پر بیت اللہ کی زیارت کرنا۔

آیا نہ کبھی خیال حج کا
تلوا سو بار گر کھجایا
تجھے معلوم کیا نہیں ناداں
فرض ہے حج بہ نص قرآنی

حد: انتہا

کرم اس کا ہو اگر پایہ فزائے اعداد
ذروہ عرش کو بھی صفر گنے حد شمار
طول امل کی حد نہیں، ساز طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری
کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجئے

حد سے زیادہ: حد سے سوا، نہایت

کلام حد سے زیادہ سزا نہیں مومن
مباد طعنۂ طول مقال دے مبطل

حدوث: پیدائش

جب تلک گردش سپہر سے ہے
انتساب حدوث نیکی و شر

حدیث سحبانی: سحبان کی فصاحت و بلاغت پر گفتگو

سامنے میرے تر زبانی کے
نطق الکن، ''حدیث سحبانی''

حدیث صنعانی: صنعان کے ایک بزرگ کا نام جو سفر حج کے درمیان میں غرور نفس سے گمراہ ہو کر راہ راست سے پھر گئے مگر آخرت میں ہدایت غیبی پھر دستگیر ہوئی۔ صنعان کی کہانی

فکر انجام سد راہ ہوئی
سن چکا ہوں ''حدیث صنعانی''

حذر: پرہیز، بچاؤ

گر تصور سے ہوں ہم بزم تو بیتاب رہے
کس قدر وہ مرے ملنے سے حذر کرتا ہے
ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
اے صنم! چاہیے مومن کی فراست سے حذر
کیا نہیں تو نے سنا قصۂ شاہ ابرار
رغبت وصل پہ حذر یار کو ہائے ہائے ہے
ناکسی آفت قرار نے ہوس ستم گری

حذر آنا: کراہیت آنا، دوری محسوس ہونا

ذکر انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر

حراست: نگہبانی

امنیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم

حرام: ناجائز، خلاف شرع

گاہ کہتا ہے جنوں عشق کو، کہ کفر و حرام
جہل کرنے کو پڑھے تھے مرے ناصح نے علوم
مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبان بیہدہ سائل کو تھامنا
خواب عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں

جانا حرام ہجرِ بتاں میں تو کیا گناہ
پیرِ مغاں شراب ہے، شیشے میں سم نہیں
پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

حرام خور: حرام کھانے والا

ہجرِ بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاشِ زہر
غم پہ حرام خوار توکّل نہ ہو سکا

حربہ: لڑائی کا ہتھیار

چرخ سے م تو کیا ہو وہ خود جو ضرب گرز اٹھائے
حربے سے پہلے سر شکن، بہر عدو یہ مغفری

حرص: لالچ، خواہش

عشق میں کام کچھ نہیں آتا
گر نہ کی حرصِ مال و جاہ نہ کی

حرف: بات، سخن

کوشش نے تیری حرفِ تعصب مٹا دیا
کیوں بید خوان دہر نہ ہوں باد خوانِ تیغ

م تریں خانہ زاد طعنہ زن
طرزِ حرف ملامت مادر

ذکر اغیار سے ہوا معلوم
حرفِ ناصح برا نہیں ہوتا

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حال زبوں نے رُلا دیا

شکوہ حرفِ تیغ کا یا شورِ بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں

تیغِ غمزہ کو لگے جلد سنگِ سرمہ پہ
حرفِ مطلب آرزو مند جفا کہنے کو ہیں

دے دیا کیجئے بوسہ طلبِ اول پہ
سچ کہا تم نے مزا حرفِ مکرر میں نہیں

کام جز الفت نہیں اے کاتبِ اعمال یاں
فائدہ حرفِ مکرر کی بھلا تحریر سے

حرف: شبہ

بے حرف کامیابی دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار بے غلط

حرف: لفظ

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیوں کر کریں

گو کہ ہم صفحۂ ہستی پہ تھے اک حرفِ غلط
لیک اٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اٹھے

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمانِ تیغ

حرفِ بے نمک: بے مزہ بات

بزمِ دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جانِ مضطر رات کو

حرکات: واحد حرکت۔ جنبش، گردش

ہوں وہ نباض جس کے ناخن میں
حرکات عروق شریانی

حرکت: جنبش، گردش

ہر حرکت محرک شوق و مہیج ہوس
قل قل شیشہ قاہ قاہ مطربِ طرفہ زیوری

حرماں: مایوسی

آخر ہمید ہی سے چارۂ حرماں ہوگا
مرگ کی آس پہ جینا شبِ ہجراں ہوگا

بیکاریِ اُمید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبارِ حسرت و حرماں نہیں رہا

گلۂ چرخ عبث شکوۂ جاناں بے جا
یاس و حرماں کو مرے حاجتِ اسباب نہیں

حرماں: محرومی

مدح خوانی کا مری جائزہ شاہی بھی نہیں
وائے حرماں کہ ہیں بے جائزہ ایسے اشعار

مرگ شامِ وصال حرماں ہائے
صبح دم جاں نثار ہونا تھا

کرتے ہیں عدو وصل میں حرماں کی شکایت
تھی بارے موثر غمِ ہجراں کی شکایت

آزردۂ حرمانِ ملاقات ہے گیا
یعنی کہ منہ ہی نہ ملنے کی سزا ہے

حرم: احاطہ جو گرداگرد خانہ کعبہ کے ہے، جہاں آدمی اور جانور کو مارنا حرام ہے۔

دربان کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجئے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچۂ حرم نہ تھا
لبیک حرم ہم ہیں نہ ناقوس کیسا
پھر شیخ و برہمن میں ہے کیوں غلغلہ اپنا
دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حصول
رہنا حرم میں مومنِ مکّار کی طرح

حرم: کعبہ

کہ نہیں کیوں خیال طوف حرم
مومن اور اتنی نامسلمانی
پھر طواف حرم میں ہو مشغول
تیرے صدقے شروط ایمانی
مومن سوے حرم ہے تگاپوے فکر کیوں
کیا اس زمیں میں قافیہ بیت الصنم نہیں
دل کھول کے مل لیجئے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوے حرم عزم سفر ہے

حرمت: عزت، عظمت

وہ ترا پایہ ہے اے شاہ جوانان بہشت
کہ ہوئی حرمت پیری کی تمنا محروم

حرمت: ناجائز اور خلاف شرع ہونا

مومن آکیش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرت حرمتِ صہبا و مزا میر نہ کھینچ

حروف: جمع ہے حرف کی۔ لفظ

ہوگئی ساری زمین صرف حروف نو رقم
اک جہاں ویراں ہے میرے نامہ کی تحریر سے
یہ سبک رو کہ بیان تنگ و دو میں اس کے
منہ سے مفتوح نکلتے ہیں حروف مضموم

حریر: ریشمی کپڑا

ہے احتساب ترا مانع لباس حریر
نہ پھینک دیوے کہیں چرخ اطلس ملبوس
قماش دیکھ کے رنگینیٔ سخن کا مرے
حریرِ لالہ و گل شرم سے ہوا مدروس

حریف: مدمقابل

لگی نہیں ہے یہ چپ لذت ستم سے کہ میں
حریف کشمکش نالہ و فغاں نہ ہوا
کیوں جور متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریف کشمکش دم بہ دم نہ تھا
کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

حریفان: حریف کی جمع۔ دشمن، بدخواہ

وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
بتنگ آکے حریفانِ بادہ خوار مجھے

حزن: غم واندوہ، رنج والم

حزن و ملال میں ہے دل آزردگی کا وہم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

حزیں: غمگین

دشنامِ یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
لے کے دل وعقل ودیں پھر پڑے غارت ہے عشق
اے اجل آچک کہیں جانِ حزیں ہے ہنوز
خیال اجل سے تسلی کروں
یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی

حساب: علم ریاضی

غم بے قدری ہئیت سے جگر چاک ہوا
خرق افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار؟

حساب: گنتی۔ شمار

دمِ حساب رہا روزحشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
کھولا جو دفتر گلہ اپنا زیاں کیا
گذری شب وصال ستم کے حساب میں
بے اختیار یار میں سود و زیاں مگر
فاضل تھے ہم جہاں سے قضا کے حساب میں

اگر حساب وفا امتحاں کے بعد نہ ہو
قبول عذر ستم ہائے بے شمار مجھے
حساب دفتر احساں کا اس کے مشکل و سہل
کہ بے شمار ہے گو ہے فقط مد فاضل

حساد: حاسد کی جمع۔ حسد کرنے والا
جل رہے ہیں پس مردن بھی نہیں کیوں گریاں؟
تیرے حساد کے احوال پہ ہے شمع مزار
تیرے احباب رہیں تکیہ زن مسند عیش
تیرے حساد ہوں آوارۂ دشت ادبار
حساد سر سے پانو تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ
تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد
تیرے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم
تیرے حساد رنج گونا گوں
تیرے احباب اور تن آسانی

حسد: کینہ، بدخواہی
رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افیوں
دیے ہیں میرے حسد نے زبس ہزاروں داغ
روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
دیکھے نرگس حسد سے جانب گل
خوردہ بین ہوگئے ہیں اہل نظر
سوئیں زیب وہ صدر خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلک اطلس، خوار
تیری عقوبت تازہ موکلان قہر
جس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری
دیکھا نہ ہے یہ رشک و حسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
گو حسد سے ڈوبا بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اس جان جہاں کو اک نظر دکھلا دیا
مومن حسد سے کرتے ہیں سامان جہاد کا
ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم

حسرت: شوق، تمنا، آرزو، ارمان
ہوا ہے کون سی ایسی مگر "مدینے"
دم مسیح کو ہے جس کی حسرت پابو
جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کرو
نہ تاب لائے دل سخت زاہد سالو
ہے جب تلک گل و برقسمت نہال و
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت و بو
نشیان "عطارد" آسا کو
نور خورشید سوز حسرت زر
کام آئے نہ نغمۂ شیریں
طوطیوں کو ہے حسرت شکر
تم اور حسرت ناز، آہ کیا علاج کروں
میں نیم جاں نہ رہا امتحان کے قابل
وہ شوخ برق عناں خاک میں ملا دیے
اگر ہو حسرت دنبالہ گردی محمل
ہے یہی حسرت دیدار تو مرنا مشکل
دم شماری کی مری، عمر ہے تا روز شمار
دل ہی میں حسرت نفس خوں چکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امان تیغ
حسرت ہے تیرے بوسۂ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشان تیغ
دیکھ تو حسرت دیدار پس مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکتے در و دیوار لگا
صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دم آغاز سحر آخر شب
حسرت بوسہ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخم دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے ہیں
فطری ہے پیر چرخ سے اپنا مقابلہ
شغلی سے مجھ کو حسرت بخت جواں نہیں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کر دیا
حسرت بھی اب نہیں دل ناکامیاب میں

کچھ نہ سوجھا حسرت دیدار سے
سہل چھوٹے مردن دشوار سے

موئے ہیں حسرت دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت کی

کشتۂ حسرت دیدار ہیں یارب کس کے
نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے

نہ جاؤں کیوں کہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیال حسرت مرغان ہم قفس گذرے

دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اس کو حسرت دیدار کے لیے

حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیونکہ نہ ہو رام
اس نرگس جادو کی نگہ پیش نظر ہے

نہ سیر گل نہ قدح نوشی اس کے ساتھ ہوئی
غم خزاں ہے نہ کچھ حسرت بہار مجھے

موئے آغاز الفت میں ہم افسوس
اسے بھی رہ گئی حسرت جفا کی

نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحر چشم خوں فشاں سے

بہار سبز پا کے پانو نوئیں
کہ درد بے حد حسرت سے چھوئیں

ہم ہیں اور حسرت مے گل گوں
خوں پلاتا ہے قہر یزدانی

دست گہر فشاں سے وہ نامہ اگر کرے رقم
دام ہما ہو حسرت مرتبۂ کبوتری

حسرت لعل سیم تن میں ہوے
گوہر اشک چشم مرجانی

نازک اندام سے لگی ہے آنکھ
حسرت فرش خواب نے مارا

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ

حسرت: کسی چیز کے نہ ملنے کا افسوس

نمک تھا بخت شور فکر خوان مدح شیریں یہ
کہ دندان طمع نے خوں [illegible] ہے بہت حسرت کا

شربت مرگ آب حسرت شور بختی زہر غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارہ ہو گیا

بیکاری امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبار حسرت و حرماں نہیں رہا

اس تلخی حسرت پر کیا چاشنی الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا
حسرت سے رہ دیا طرف آب دیکھ کر

اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کرلے
اے نگہ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک

وہم عاشق سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں

ہم کچھ تو بد تھے جب نہ کیا یار نے پسند
اے حسرت اس قدر غلطی انتخاب میں

اے گردش زمانہ کبھی تو تغیر آئے
حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نہ ہو

اپنی حسرت کا کچھ علاج نہیں
یار ہو بخت یا فلک یاور

حسرت زدہ: کسی چیز کے نہ ملنے کے افسوس میں مبتلا

عدم آباد سے آتا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے

حسرت فزا: افسوس کو بڑھاوا دینے والا

آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ

حسرت کش: آرزومند: آرزو کرنے والا

اُمید وعدۂ دیدار حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کش بتاں نہ ہوا

حسرت کشی: حسرت کھینچنا، آرزو کرنا

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو
فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی

حسرت کھینچنا: آرزو کرنا

مومن آلائش محبت میں کہ ہے سب جائز
حسرت حرمت صہبا و مزا میر نہ کھینچ

حسرتوں: حسرت کی جمع۔ شوق، آرزو

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ جان
حسرتوں سے پس دیوار صنم دیتے ہیں

حسرتیں: جمع ہے حسرت کی۔ افسوس، پشیمانی

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں باب نہیں

حسرتیں: حسرت کی جمع۔ شوق آرزو

اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں

حسرتیں آنا: خواہش آنا

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا جیسے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

حسرتیں آنا: دل میں ارمان و آرزو کا سر اٹھانا

کیوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا جیسے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر

حسرتیں جانا: دل سے ارمان و آرزو کا نکلنا

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

حسن: جمال، خوبصورتی

نہ کوئی مایہ دار حسن اتنا
نہ کوئی مجھ سا عاشق بے زر

رواج حسن عمل تیرے دور میں یہ ہوا
کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہو گیا فاعل

نور خورشید سے ہے جرم قمر کی تابش
مے سے ہو، کیوں نہ فزوں؟ حسن رخ ماہ عذار

تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن و عشق یہ کیوں کر نہ پڑے خلق میں دھوم

شعلہ شمع بزم کو تیرے
دعوی حسن ماہ کنعانی

عشق عیاں کا کیا بیاں حسن ہنر ربا نہاں
قمری نالہ کش زباں میری دل صنوبری

تو وہ بہار حسن باغ جس پہ کرے نثار جاں
لالہ رخی سہی قدی، گل بدنی سمن بری

جمع جو تجھ میں عدل و حسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری

حیرت حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانہ آئینہ بھی ویراں ہوگا

گریۂ غم حور گہے عشق بتاں اے مومن
میں سدا سوختہ حسن خدا داد رہا

مہ نو بن گئے ہم طول شبہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھئے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھہرے

جوش عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشک خونی سے مرے منھ زرد اس کا ہو گیا

اثر حسن و عشق تھا بے مثل
میں ترا تو مرا عدیل ہوا

اس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانئے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ ادھر رکتے ہیں آ

اے مہر وش یہ حسن تو ہرگز نہ چھپ سکے
چلون تو کیا ہے پردے کا بھی چھوڑنا عبث

نمود حسن خط یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہ سبزہ ہو نمایاں سرخ

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشک روان شمع

ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حسن و جاں ربا ہے عشق

آپ مجھ سے نباہیں گے سچ ہے
با وفا حسن بے وفا ہے عشق

ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آجاوے

کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک
اس منہ پہ اس سے دعویٰ حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں
کچھ شور محبت کی تو لذت ہی نہ پوچھو
ہے آپ کے بھی حسن سے کتنا نمکیں یہ
دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ
حسن روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے ماہ رو
یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے
کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مرگیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے
حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے
حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگ عشق
نوبنو جلوہ ملالو رنگ کی تغییر سے
جل گئے اختر یہ کس کے حسن کی تنویر سے
ہے منور تر شب غم مہر عالم گیر سے
تھا بہت شوق وصل تو نے تو
کمی اے حسن تاب کاہ نہ کی

حسن ابن علی: حسن جو بیٹے ہیں حضرت علی کے
افضل الناس حسن ابن علیؑ سبط نبیؐ
سید و سرور و مولا و مطاع و مخدوم

حسن انجام: خاتمے کی خوبی
حسن انجام کا مومن مرے بارے ہے خیال
یعنی کہتا ہے وہ کافر کہ تو مارا جائے

حسن جہاں سوز: اپنی محبت میں دنیا کو جلانے والا حسن
دعوے حسن جہاں سوز اس قدر
پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں

حسن عالم سوز: دنیا کو جلا دینے والی خوبصورتی
پری لوٹنے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

حسن عمل: عمل کی خوبی
ابر باراندۂ دانش، گہر فیض کمال
قلزم حسن عمل، منبع دریائے علوم

حسن گلوسوز: حسن شیریں، حسن صبیح
گر حسن گلو سوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دم تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

حسن یوسفی: حضرت یوسف جیسی خوبصورتی
قیمت حسن یوسفی، میرے سخن کا رونما
ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، مایہ فزائے مشتری

حسود: حاسد کی جمع۔ حسد کرنے والا
ترے حسود کی نسبت کی جل رہی ہے نہ کیوں
ہجوم شعلہ سے دوزخ ملے کف افسوس
ہے ترے خار جیب کا قصہ
شریان حسود کو نشتر
میرے معاندوں حسود، ہرزہ ستائے رفتگاں
باجی خویش و بے خبر مست پہ لب کف آوری
بہر حسود جام زہر، ساغرے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار طبع تلخی بادہ شکری
مردوں کو تجھ پہ دیتے ہیں ترجیح جو حسود
مومن یہ جان لے کہ سگ جیفہ خوار ہیں

حسین: نبی کریم ﷺ کے نواسے جناب حسین ابن علیؑ
دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے
محب حسینؓ کا اور دل رکھے شمر کا سا

حشر: قیامت، روز حساب
آج کہہ دے ترے قاتل کی سزا داور حشر
تو عجب کیا ہے کہ جاتی رہے تاثیر سموم
میرے یہ بخت ہائے بخت، ایسے نصیب یا نصیب
چارۂ یاس امید حشر، مرگ علاج مضطری
عنایت کر مجھے آشوب گاہ حشر غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شور قیامت کا
گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہو گا

حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا
دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
شہر میں ہے شہرہ کس قدِ قیامت زا کا کیوں
جلوہ گاہِ حشر ہر ہر کوے و برزن ہوگیا
مجھے جنت میں وہ صنم نہ ملا
حشر اور ایک بار ہوتا تھا
اے روزِ حشر کچھ شبِ ہجراں بھی کم نہیں
بد نام ہو جہان میں تیری بلا عبث
ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ
یاں تلک تو ہوں سیہ کار کوئی پڑھ نہ سکا
حشر میں جب مرے اعمال کا کھولا کاغذ
مار ڈالا ہم کو جور گردشِ ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے
وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پہ ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے
کیا یوں ہی جائے گی مری فریاد سرزنش
واعظ کو روز حشر امید نجات ہے
اے حشر جلد کر تہ و بالا جہان کو
یوں کچھ نہ ہو امید تو ہے انقلاب میں
ہاں مان کہا بیچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جان اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض

حشر برپا کرنا: کہرام مچنا، ہنگامہ ہونا
صور تھی منقار مرغِ صبح پہلو سے مرے
وہ قیامت قد جو اٹھا حشر برپا ہوگیا

حشم: نوکر، چاکر، سپاہی وغیرہ
ملک ''پرویز'' چاہیے تھا مجھے
اسے ''شیریں'' حشم کیا تھا اگر

حشمت: شان وشوکت
جو میری نثر کے دیکھے آلی منشور
اٹھ لے مسند حشمت حجاب سے کاؤس
اس کے دروازے کے گدا کی زکات
ملک ''خاقان'' وحشمت ''قیصر''
مور کو وہ جواد دے ڈالے
شوکت و حشمتِ سلیمانی
اس کے ادیم حشمت و مائدۂ جلال پر
خستہ ذباب کی طنین، طنطنۂ سکندری

حصار باندھنا: حلقہ باندھنا
میں آہ زبانہ کش جو کھینچوں
باندھے ابھی حصار آتش

حصار: احاطہ، چاردیواری
خوف سے تیری عدالت کے لگا کرمسی
سرخیٔ لب کو چھپاتے ہیں بتان خوں خوار

حصول: حاصل ہونا
دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حصول
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح
حصولِ سوز دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ
بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں
کیا جب التفات اس نے ذرا سا
پڑی ہم کو حصول مدعا کی
فغاں کے دل بر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بے کار و سعی بے حاصل
گر حصول زر مسکوک کی سمجھوں میں دلیل
ناخن شیر سے ہو سینۂ خورشید، فگار
ہیں ہنر سب، سبب رنج جہاں میں کہ گیہ
خاصیت سے ہو مزا وار شکنج عصار
گرم دعائے بازگشت، شکل بشر میں سوے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری
برومندی آرزوے حصول
کشت مطلب کی تیرے دہقانی

نہ ہوا بس کہ مریضوں سے حصول الارغ
کر دیا مجھ کو، مری چارہ گری نے بیمار

حضرت: تعظیم و عزت کا لقب۔ کبھی کبھی طنز کے کے لیے بھی استعمال کرتے ہیں۔

حضرت مومن اس قدر لاف اگرچہ ہے درست
طول مقال عیب و شعر جملہ عیوب سے بھری

شرف مدینے کو جس سے ہے ہو نہ ہو وہ ہو
جسے بتاتے ہیں محبوب حضرت قدوس

ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا

جایئے پھر اُس کے کوے دل کشا میں کس لیے
حضرت دل سینے میں آنکھوں پھیر رکتے ہیں آپ

گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں
گر دردِ عشق ہے تو امیدِ شفا عبث

پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانہ اور ملا
حضرت مومن لب تمہیں ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو

دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درماں خستہ ہو

منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے

بیمار اجل چارہ کو گر حضرت عیسیٰ
اچھا بھی کریں گے تو کچھ اچھا نہ کریں گے

کیوں برا کہتے ہو بھلا ناصح
میں نے حضرت سے کیا برائی کی
بھولے حضرت نصیحت اے ناصح
ہے کسی کی تو یاد گاری آج

کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لیے کیوں آج ہے در بند

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرتِ مومن تمہیں دعوئ دیں ہے ہنوز

پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

ہوش گئے یاں دل سے پہلے ہوے سمجھو تو سمجھیں بات
یہ تو سمجھئے حضرت ناصح آپ کسے سمجھاتے ہیں

کیا کسی بت کے دل میں جگہ کی کوئی ٹھکانہ اور ملا
حضرت مومن اب تمہیں کچھ ہم مسجد میں کم پاتے ہیں

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ جان
حسرتوں سے پسِ دیوار صنم دیتے ہیں

درِ بتخانہ و عشقِ بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آگئی اک بار کیا طبعِ مقدس میں

کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

پی ہے مے حضرت مومن نے جبھی مضمضہ کو
آفتابے کئی ہنگام وضو بھرتے ہیں

ہو گئے نام بتاں سنتے ہی مومن بے قرار
ہم نہ کہتے تھے کہ حضرت پارسا کہنے کو ہیں

کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو

اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آگئے

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاکِ حضرت کا

حفظ: محافظت

سیاہ چشموں کو مشکل نگاہ دزدیدہ
یہ اس کے حفظ سے ہے ملک معدلت محروس

حفاظت: پاسبانی، محافظت

ہوائے سیر چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظت ناموس

حضیض: نشیب، پستی

میں وہ شہ سریر فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری

حق: راستی

ذکر میں انتقام حق کے ترے
مترادف ترحم و کیفر

وہ کج ادا، صنم خود پسند، کافر کیش
کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل

مثال عدل میں نوشیرواں کو تجھ سے غلط
کہ بت پرست کہاں فارق حق و باطل

منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ

حق: نسبت، بابت

کفر ہے بے گلرخ ترسا تماشائے چمن
گلشن اپنے حق میں اے مومن کلیسا ہوگیا

جب "اولی الفضل منکم" اے حاسد
اس کے حق میں کہے جہاں داور

حق ادا کرنا: فرض ادا کرنا

حق نا جور سہوں، وفا کروں، حق وفا ادا کروں
یہ نہ کروں تو کیا کروں قہر ہے عشق و بے زری

حق تو یہ ہے: سچ بات یہ ہے

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

حق شناس: ناشکر گزار، ناقدری کرنے والا، استحقاق کے خلاف عمل کرنے والا۔

وہ فتنہ گر، بت حق ناشناس، ناانصاف
جو فرض عین گنے، کین داور عادل

حقیقت کھل جانا: اصل حال کھل جانا، پوشیدہ امر کا ظاہر ہوجانا

شب وصل عدو کیا کیا جلا ہوں
حقیقت کھل گئی روز جزا کی

حکایت: قصہ، کہانی

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر

بیر رومہ کی حکایت میں کہا رضواں نے
سلسبیل اس کے ہے دریا ہے سخاوت کا کنار

حکایت غرور: کفر کی باتیں

کفر حکایت غرور، اس کے بغیر یہ محال
تا متنبی و جریر عار ہے مجھ کو ہم سری

حکایتیں: حکایت کی جمع

وہ نئے گلے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

حکم: فرمان

حکم سے اس کے بے سر و ساماں
سر جم سے اتار لے افسر

یہ کیا غضب ہے کہ تم کو تو ربط غیر سے اور
مجھے یہ حکم کہ زنہار تو کسی سے نہ مل

راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

نہ مقابل ہو ترے قصد کے عزم افلاک
نہ برابر ہو ترے حکم کے احکام نجوم

میں روش دان حکیم برجیسی
میں ادا فہم سیر کیوانی

حکما: حکیم کی جمع۔ عقل مند، ہوشیار، علم وحکمت جاننے والا

صد "ارسطو" کہے سے مانے برا
حکما کو سنا جو ہے کافر

حکمتِ اشراق: حکمائے قدیم کا وہ طریقہ جس میں تصفیہ قلب کے ذریعہ روشن ضمیری اور معرفت حاصل کی جاتی ہے۔

کس قدر، "حکمت اشراق"، سے جی جلتا ہے؟
ہوگئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

حکومت: فرمانروائی

امیر لشکر اسلام کا محکوم ہوں یعنی
ارادہ ہے مرا فوج ملائک پر حکومت کا

حکیم: علم و حکمت جاننے والا، فلسفی، دانشور

حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر
کرے معارضہ سر دفتر عقول و نفوس
مظہر شان الٰہی ہے یہاں تک کہ حکیم
متزلزل ہے دم بحث وجوب اور لزوم
فکر الزام حکیم و متکلم ہو اسے
تو مجسم نظر آجائیں نکات موہوم
وہ خرد مند ہوں کہے ہے مجھے
عقل اول حکیم لاثانی

حکیم ربانی: واد انا جس کی دانائی عطیہ الٰہی ہو

دیکھ اشراق اس کا افلاطون
کہے خذا حکیم ربانی

حلق تر ہونا: پیاس بجھنا

روز محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

حلقوم: حلق، گلو

گرمی شوق شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آب دم خنجر حلقوم
مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کردیا تنگ گریباں نے دوبارہ حلقوم

حلقہ زنجیر: زنجیر کا گول کنڈا

اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

حلقہ: گھیرا، دائرہ

وقت جوش بحر گریہ میں جو گرم نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشک شعلۂ جوالہ تھا
مٹنے نہ اتری گلے سے جو اس بن
مجھ کو یاروں نے پارسا جانا
تمہارے دشنہ کے دستِ نظہ نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ
ہر حلقۂ دام آرزو نے
طوق لعنت مجھے پہنایا

حلقہ: مجمع مجلس، مجلس کا دور

دیکھ کر یہ مجمع اُمڈا کیسا ہی ابر اشک آہ
حلقۂ اغیار اس کے گرد مہ کا ہالہ تھا
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

حمد: خدا کی تعریف، خدا کی عظمت و بڑائی کا بیان کرنا

کیا صعب گذار ہے رہ حمد
جبرئیل کا پانو لڑکھڑایا
آوے تری حمد کا تو ہم
یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا

حملہ: وار

پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد بیم نہان تیغ
حملۂ شیر گیر سے اس کے
نعرۂ زن ضیغم نیستانی
جس نے مقابلہ کیا، بے جگری سے چل دیا
کیا کھلے ایک حملے میں گرچہ کھلے دلاوری

حمیم: گرم پانی

ہیں مخاصم ترے بدبخت پہ کم بخت نہیں
یعنی کثرت سے ہے قسمت میں حمیم اور زقوم

حنا: مہندی

شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ہے
قتل اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا
نہ کرتے اس کی برنگ حنا جو پابوسی
تو شکل برگ حنا یوں پسا نہ کرتے ہم
ایسے سے کیا درستی پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

تکلیف سے جوں پنجۂ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگِ حنا ہاتھ
مت کرو کنگھی نہ یہ وزدِ حنا
دل چرائے طرۂ طرار سے
کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دستِ عدو سے پانو میں تھی شب حنا لگتی
حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے
چشمِ خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

حواس: ہوش، اوسان

پوچھا ہے اس نے کیا مری بے خودی وقلق کا حال
ہوش نہیں حواس میں تاب نہیں قرار میں
حکیم وہ ہوں کہ جاتے رہیں حواس اگر
کرے معارضہ سر دفترِ عقول و نفوس

حور: بہشتی عورتیں

امید حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتانِ چگل
حور و جنت کی بھی امید خدا سے نہ رہی
شورِ محشر سے نہ ہوں گے مرے طالع بیدار
کہیں ایسا نہ ہو وہ غیرتِ حور آجائے
ہے بہت میرے جنازے پہ فرشتوں کا ہجوم
کہ غمِ حور گیے عشقِ بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسنِ خدا داد رہا
ذکرِ شراب و حور کلامِ خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا
جی طعنِ وصلِ حور سے کیسا جلا دیا
روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا
واعظ ہمارے سامنے کرتا ہے وصفِ حور
سمجھا ہے اس نے جلوہ دکھایا نہیں ہنوز
حور کی مدح میں یہ ترکِ صنم کا مذکور

یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ
اہلِ جنت سے کرو دلبری حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ
اس بت کے لیے میں ہوسِ حور گذرا
اس عشقِ خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشقِ حور کی
جو آپ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

حورِ بہشتی: جنت کی وہ خوبصورت لڑکیاں جو نیک لوگوں کی بیویاں ہوں گی

امید حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتانِ چگل
حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکا[یت]

حورِعین: سفید رنگ، سیاہ بال اور بڑی بڑ[ی آنکھو]ں والی عورت

عطرِ مشامِ حورِعیں نے فلک نو آفریں
اودخنہ و بخور سے عنبر و بان مجمری

حوراں: حور کی جمع۔ بہشتی عورتیں

حورانِ بہشتی کو بتوں کا سا نہ پایا
مومن مجھے کیوں کر نہ ہو ایماں کی شکایت

حوروں: حور کی جمع۔ بہشتی عورتیں

حوروں کی ثنا خوانی واعظ یونہیں کب مانی
لے آکے بے نادانی باتوں میں بہل جانا
جو ملیں تجھ سے بصد شوق وہ کیا ہوں گی نہ کر
بس مرے سامنے حوروں کا بیاں اے واعظ

حوریں: حور کی جمع۔ بہشتی عورتیں

حوریں نہیں مومن کے نصیبوں میں جو ہوتیں
بت خانے ہی سے کیوں یہ بد انجام نکلتا
ہاں تو کیوں کر نہ کرے ترکِ بتاں اے واعظ
ایسی حوریں تری قسمت میں کہاں اے واعظ
پڑی لوٹے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسنِ عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

حوصلہ: جرأت، ہمت

ضبط فغاں گو کہ اثر تھا کیا
حوصلہ کیسا کیا نہ کیا کیا کیا

کیا کیا نہ کہے غیر کی گر بات نہ پوچھو
یہ حوصلہ میرا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

قابو میں نہیں ہے دل کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا

بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوش حوصلہ فرسائے دل کروں

آوے تری حمد کا تو ہم
یہ حوصلہ میں کہاں سے لایا

حوصلہ سوز: ہمت کو پست کر دینے والا

وہ شمع انجمن ناز ہائے حوصلہ سوز
جو سمجھے خواری مشتاق رونق محفل

حوض: پانی جمع کرنے کی جگہ جو زمین میں بنائی جاتی ہے۔

اٹ گئے حوض و نہر غیر از چشم
ایک قطرہ کہیں نہیں پانی

شمع پر کچھ نہیں موقوف کہ سارے ظالم
پانی آگے ترے اے عربدہ جو بھرتے ہیں

حوض کوثر: بہشت کی ایک نہر کا نام

روز محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

حی القیوم: حیؔ اور قیوم اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہیں۔
حیؔ = وہ ذات جو ہمیشہ سے زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گی۔
قیوم = وہ ذات جس کے سہارے ہر چیز قائم ہے۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ شام عبادت میں صبح تک ممدوح کی شب بیداری (احیاء شب) دراصل مذکورہ بالا عبادت کی عملی تفسیر ہے۔

تا سحر شام عبادت تری شب بیداری
شارح "آیت کرسی" "یس" حسنی القیوم"

حی علی الفلاح: بہبودی اور فیروزی کی طرف آؤ، اذان کے کلمات کا ایک حصہ۔

چار طرف سے غلغلہ "حیّ علی الفلاح" کا
بدظنیوں سے عذر لنگ، شدت ضعف و لاغری

حیا: شرم، لحاظ

مگر رقیبوں نے سر اٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

دیکھا نہ کسی کی طرف ایمائے حیا سے
جادو کو کیا نرگس جادو نے نظر بند

ہر دم عرق عرق نگہ بے حجاب ہے
کس نے نگاہ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے

جو بے حجاب نہ ہو گے تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اس نے حیا کے آنے کی

نگاہ بانیِ عصمت سے وہ رواج حیا
کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور ادا فیوس

پایہ عرش پہ ہو کیوں نہ غلاف؟ اطلس چرخ
پوشش ساق نبی تیری حیا سے ہے ازار

حیا ٹپکنا: شرم ظاہر ہونا

آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو

حیات: زندگی، جان

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

حیا فن: حیادار، باغیرت

بے حجابانہ یہ رویا کون مجلس میں کہ ہے
غرق جوں آئینہ وہ شوخ حیا فن آب میں

حیران: دنگ، ہکا بکا

دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے

مجھ کو حیراں دیکھ کے حیران رہ جاتے ہو کیوں
ایسی محو یاس ہے امید واری آپ کی

حیران رہ جانا: حیرت میں پڑ جانا

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آ گیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں

حیران رہ جانا: ہکا بکا رہ جانا، دنگ رہ جانا

کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آ گیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں
عشق مہرو میں تڑپتے ہو نہیں تو کس لیے
جوں کتاں ہر شب قبا ٹکڑے ہے ساری آپ کی

حیران رہنا: دنگ رہنا

پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

حیران کرنا: متحیر کرنا

موسم گل میں یہ مست جواں تائب ہوا
روز باران میں کرے، پیر مغاں، استغفار
کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

حیران ہونا: دنگ رہ جانا

محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہو گا
روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں سی کھل گئیں ہیں دُرِ نایاب دیکھ کر
ثابت ہے جرمِ شکوہ نہ ظاہر گناہِ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم
اتنی کدورت اشک میں حیراں ہوں کیا کہوں
دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں
داغِ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے
پونچھے آنسوؤں وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے
تابِ نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

میں مر گیا وہ چشم جو یاد آئی اور یار
حیران ہیں کہ مے تھی پیالہ میں سم نہ تھا
صورت وہی عظمت وہی گردش وہی کیسے
حیراں ہیں کہ یہ چرخ ہے یا آبلہ اپنا
قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویرِ لیلیٰ دیکھ کر
دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے
سیف وقلم ہیں دونوں ستوں کاخِ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہان تیغ
پنبۂ داغ دل کو حیراں ہوں
نہ رہا خرقۂ زمستانی

حیرانی: پریشانی، تعجب

آئینہ ہے صفا سے دل میرا
کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی

حیرانیوں: واحد حیرانی۔ حیرت زدہ ہونے کی کیفیت پریشانی، تعجب

حیرت: اچنبھا، تعجب، حیرانی

نظر لطف سے گر چارہ گر عاشق ہو
کرے حیرت سے بدل شرم کو چشم بیمار
حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
کیسی حیرت سے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں
مری فریاد سن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے
قیامت آ گئی کیوں کر یہ غل کیساز میں پر ہے

حیرت حسن: وہ حیرت جو حسن جمال دیکھ کر طاری ہو جائے

حیرت حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا
حیرت حسن سے یہ شکل بنی
کہ وہ آئینہ دکھاتے ہیں مجھے

حیرت زدہ: بھونچکا، حیران

مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

جب وہ حیرت زدہ چہرے پہ نظر کرتا ہے
آئینہ صد گلۂ آئینہ گر کرتا ہے

حیرت فزا: حیرت طاری کر دینے والا

حیرت فزا ہے حسن بہت کیا عجب اگر
تھم جائے تیری بزم میں اشکِ روان شمع

حیرت کا پتلا: سرتاسر حیرانی، مجسم حیرانی

کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا

حیرتیِ عقوبتِ تازہ: نئے عذاب دیکھ کر حیران ہونے والا

حیرتی عقوبت تازہ موکلان قہر
بس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روان انوری

حیف: افسوس، دریغ

ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار
حیف خورشید زیرِ خاکستر

حیف صد حیف، اگر غیر کے دم میں آئے
میں اسی بات پہ مرتا تھا، کہ تم ہو عیار

کر دیا گردشِ سپہر نے حیف
برج خاکی مسیر کیوانی

یوسف مصر نکتہ سنجی حیف
یوں گرفتار چاہ کنعانی

طول امل کی حد نہیں، ساز طرب کہاں سے آئے
بادشہی جہاں ہو کم، حیف وہاں قلندری

تلخ کامی نصیب اعدا حیف
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا

نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف
خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

خاک میں حیف یہ شراب ملے
محتسب بادہ خوار ہوتا تھا

ہر گز نہ رام وہ صنمِ سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

صد حیف سینہ سوز و فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو

مومن اس ذہن بے خطا پر حیف
فکر آمرزش گناہ نہ کی

حیلہ: بہانہ، فریب

حیلۂ بے خودی سے ہے مومن
توڑنا ہم کو شیشہ مل کا

حیوان: ذی روح جانور

کس ادا سے، مجھے کہتا ہے کہ حیوان ہو تم
چھیڑنے کو جو کہا میں نے اسے گل رخسار

خ

خاتم رسالت: نبوت ورسالت کے سلسلے کو ختم کرنے والا۔
مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔

معاندو جو کہا ،،خاتم رسالت،، نے
کہ میرے بعد نبوت کے تھا "عمر" قابل

خاتم مرسلیں: سلسلۂ رسالت کا خاتمہ کرنے والے یہ لقب ہے حضرت محمد ﷺ کا ہے جن پر رسالت ونبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔

وہ خاتم مرسلیں محمدؐ
جس نے ہمیں شرک سے بچایا

خاتمہ: ختم رسالت کی ذات اقدس حضور ﷺ کا وصف لکھنا مقصود ہے

گلوے خامہ میں سرمہ مداد دودۂ دل ہے
مگر لکھنا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا

خادم: خدمت کرنے والا

مومن چلا گیا تو چلا جائے اے بتو
آخر قدیم خادم بیت الصنم نہ تھا

خاک وخوں میں لٹانا: برباد کرنا، مٹا دینا، فنا کردینا

یاں تاب کسے کہ خاک وخوں میں
بے تابی شوق نے لٹایا

خار: کانٹا

ہے ترے خار جیب کا قصہ
شریان حسود کو نشتر

"فردوسی" ایک خار جنان بیان تھا
گل ریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غم ہجر
یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا

نکہت رس عدو کا جو چاہے سو کہے اب
[illegible] بہار مجھ تک میں یار تک نہ پہنچے

بس نازکی ضعف کہ گلگشت باغ میں
چبھتے ہیں میرے پانو میں گل خار کی طرح

زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سرخ

ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم

ان ناتوانیوں پہ بھی تھے خار راہ غیر
کیوں کر نکالے جاتے نہ اس کی گلی سے ہم

کس بوالہوس کے حال پہ رویا وہ گل عذار
خار مژہ میں اب خلش دم بدم نہیں

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوش جنوں بہار میں

بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں

خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں

داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پانو وہی خار مغیلاں ہوں گے

خارا شگاف: پتھر کو توڑنے والا

تیر خارا شگاف سے اس کے
لعل جو ہے سو لعل پیکانی

خارا: سنگ سخت (ض)

زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں وسعتِ گلستاں سرخ

خاردار: کانٹے دار

دیکھ کر گرز خاردار ترا
ہو زرہ فرق خصم پہ مغفر

خار ماہی: زمین کی مچھلی کا کانٹا، اس شعر میں ماہی سے مراد یعنی وہ مچھلی جس کو یہ خیال تھا کہ زمین اس کی پیٹھ پر رکھی ہے۔

بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خار ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یارب پانو وقت کا

خار وخس: کانٹا اور تنکا
خار وخس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

خاص: عمدہ، چیدہ، منتخب
کیا فتنۂ محشر کو قدِ یار سے نسبت
بے خاص کشی ولولۂ عام نہ ہوگا

خاص: مخصوص، عام کا نقیض
خاص وہ مایۂ دل آشوبی
جس کا بیمارِ غم نہ ہو جاں بر
دعوتِ عام تری سب کو بنا دیوے خاص
گر قضا کو نہ ہو پاس صفتِ فیضِ عموم
پامال کیجئے شوق سے پر بزمِ خاص میں
اتنا تو ہو کہ خاک میری در بدر نہ ہو

خاص وعام: چھوٹے بڑے، امیر وغریب، تمام سب
رہتے ہیں جمع کوچۂ جاناں میں خاص وعام
آباد ایک گھر ہے جہانِ خراب میں
''راجہ اجیت سنگھ'' نام، کام روائے خاص وعام
جود سے جس کے بے نظام، کارِ جہاں کی ابتری

خاصیت: اثر، تاثیر
ہیں ہنر سب، سببِ رنجِ جہاں میں کہ گیاہ
خاصیت سے ہو سزاوارِ شکنجِ عصار

خاطر: طبیعت، مزاج
روزِ محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد کیا

خاطر: مروت، لحاظ
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو
وفا سکھلا رہے گا دل ہمارا
تمہاری خاطرِ نا مہرباں کو

خاطر: واسطے، غرض سے
پس قتل آ مری خاطر سے ٹھہر جاتا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

خاطر حاسد کا غبار حاسد کے دل کا غبار، یہ کنایہ ہے کدورت اور کینہ سے۔ اس شعر کی شرح کرتے ہوئے پروفیسر ضیا احمد بدایونی کہتے ہیں: ''آپ کے دل روشن نے حاسد کو حیرت زدہ کر دیا گویا اس حیرت کی وجہ اس کا دل آئینہ ہو گیا اور اس کے غبارِ خاطر میں یہ خاصیت پیدا ہو گئی کہ وہ اس آئینہ کے صیقل کا کام دے سکے، یعنی دل حاسد کی حیرت کو ترقی دے''۔
دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا، خاطرِ حاسد کا غبار

خاطر میں نہ لانا: خیال میں نہ لانا، دھیان میں نہ لانا

خاقان: سلطان، بادشاہ، پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا، اب ہر بادشاہ پر اطلاق ہوتا ہے
اس کے دروازے کے گدا کی زکات
ملک ''خاقان'' وحشمت ''قیصر''

خاقانی: سلطانی، بادشاہت (خاقان پہلے چین اور ترکستان کے بادشاہ کا لقب ہوا کرتا تھا اب ہر بادشاہ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے)
یا ظروف وساط سے مجھے تھا
دعویٰ قیصری و خاقانی

خاقانی: فارسی کا ایک مشہور شاعر نام افضل الدین بدیل علی ابن خاقانی، ان کو خاقانی شیروانی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے ۵۲۰ھ ہجری میں شیروان میں پیدا ہوئے۔ ایران کے صف اول کے قصیدہ گو شاعروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کی وفات ۵۹۵ھ میں تبریز میں ہوئی۔
میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں
جس کے در کا گدا ہے خاقانی

خاک: کچھ نہیں، نفی کے معنی میں
تصویر سے تری مجھے تسکین دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آب گہر سے فیض

خاک دے آنکھوں کو میری گرد وان کی مجھ سے تو
سب مکدر ہیں ہوائے کوچۂ جاناں تلک
شب فرقت میں خاک جھپکے آنکھ
یاد ہے چشمِ نیم خواب ہمیں
حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں
بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

خاک: مٹی، زمین

چمن کی خاک سے گل گونہ اب بناتے ہیں
شگفتہ تا دم رخصت بھی ہو عذار عروس
زبان لال کہاں اور مدح تاج خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسر کاؤس
ملا دے گاؤ زمیں گاؤ چرخ سے نیزہ
بٹھا دے خاک پہ شیر سپہر کو دبوس
ذرۂ خاک در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر
بے سبب قتل ہے، آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے، مری خاک مزار
دست یاقوت فشاں دھووے لب جو وہ اگر
کوہ سیلاں پہ پھینسے خاک فضائے گلزار
در نایاب تو کیا خاک سے بھی منہ نہ بھرے
جس کے در پر میں کروں، لولوے شاداب نثار
خاک میں رشک آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی
میری نسبت سے خاک ہند کو ہے
رونق سرمۂ صفاہانی
چرخ نے جیسے جیتے جی، کیں پدری عنایتیں
خاک کرے گی بعد مرگ، ویسی ہی مہر مادری
گرم دعائے بازگشت، شکل بشر میں سوئے خاک
بہر حصول زیور، و چارۂ رشک زیوری

مل جائے گر یہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک
گل کی تھی کیوں کہ پانو وہ نازک پھسل گیا
طپش سے خاک میں بھی عاشق مدفوں نہ ٹھہرے گا
کہ گنبد قبر کا جوں گنبد گردوں نہ ٹھہرے گا
چھوڑ بت خانہ کو مومن سجدہ کعبے میں نہ کر
خاک میں ظالم نہ یوں قدرِ جبیں سائی ملا
تھا میں برنگِ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہو گیا مجھے آرام جب ہوا
خاک تو مرغ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھئے اب آن کر کیا خاک اڑاتی بہار
خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار
کرلیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر
وہ سوختہ جگر ہوں کہ پیمانہ و سبو
بنتے نہیں ہیں خاک سے میری مگر چراغ
نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحن بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں
پانی کے بدلے برسے گی آج آگ ابر سے
اٹھتے ہماری خاک سے بھی کچھ بخار ہیں
ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تاب وتواں نہیں
کسی کے ابروئے خوش خم کا کشتہ ہوں تعجب کیا
جو میری خاک سے تعمیر محرابِ عبادت ہو
تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریئے وہ وں وہ وں اور سا گر خشک
دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلس ماہی کے گل شمع شبستاں ہوں گے
داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے
میرے زرد آہوں سے تختۂ خصد برگ ہے دشت

ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے
گرائے اشک پہ تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے
کب لگائے کا مہ پر اس لب سے جام اس خاک کا
کام ہونے کا نہیں پھر فائدہ تدبیر سے
ساتھ سونا غیر کے چھوڑا اب تو اے سیمیں بدن
خاک میری ہوگئی نایاب تر اکسیر سے
بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے
یہ کیا طاقت کہ اب بھی محتسب پامال کر ڈالے
ملا تو خاک میں پر ہے وہی توقیر شیشہ کی
سرگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو
جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز
خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیان
اس کے صحنِ خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ کر

خاک: کیوں کر، کس طرح، کس لئے

عمر ساری تو کٹی عشقِ بتاں میں مومن
آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

خاک: مٹی، راکھ

شاید کبھی وہ میکش بدمست منہ لگائے
خاک اپنی کاش دردِ تہِ خم نشستہ ہو

خاک: مٹی، قبر

مت آئیو میری خاک پر تو
برسے ہے سرِ مزار آتش
گذرے ہیں میری خاک سے غیروں کے ساتھ وہ
فتنہ اٹھا ہے گرد پسِ کارواں نہیں
اللہ رے سوزِ آتشِ غم بعد مرگ بھی
اٹھتے ہیں میری خاک سے شعلے ہوا کے ساتھ

تیری پابوسی سے اپنی خاک بھی مایوس ہے
نقش پا پر نقش پا ظالم کفِ افسوس ہے
وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اٹھے
ہوئے ہم کیا سبک خواب گراں کیا
جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز
کیوں نہ گلے کا ہار ہو شوقِ اجل پروئے ہیں
پھول عدو کی خاک کے اس نے گلے کے ہار میں

خاک اڑانا: تباہ و برباد کرنا

خاک تو مرغِ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھئے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ہے بہار
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی

خاک اڑانا: دھول اڑانا

جہاں خاک اڑائی وہیں دب رہے
کدورت عبث فکرِ مدفن سے ہے

خاک اڑانا: رسوا کرنا

وادی میں جو اپنی آئیں گے ہم
کیا قیس کی خاک اڑائیں گے ہم
برباد نہ جائے گی کدورت
کیا کیا تری خاک اڑائیں گے ہم
بوئے گل سے ہو مکدر کس کی بو آئی ہے یاد
خاک اڑانے کیوں لگی بادِ بہاری آپ کی
خاک اڑاتا ہے پشتِ آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر

خاک اڑانا: مارا مارا پھرنا

کر دیا اس جلوہ نے مجنوں چلو
خاک اڑائیں وادیِ ایمن میں ہم
خاک اڑائی گل نے یہ کس کے جنونِ عشق میں
آئے ہے کچھ انی ہوئی بادِ صبا غبار میں

خاک اڑانا: نیست و نابود کرنا

خاک اُڑائی میں نے کیا طرزِ جنونِ قیس کی
شہ جہاں آباد سارا نجد کا بن ہو گیا

خاک آلودہ: خاک سے پیوستہ

نسیم مصر کا دم پیر کنعاں کا ہے کو بھرتا
اگر کوچہ میں تیرے خاک آلودہ ہوا لگتی

خاک بیز: وہ شخص جو اپنے مطلب کے واسطے بڑی کوشش اور محنت کرے وہ شخص جو بطمع زر را کھ دھوتا ہو

زہے فریب صفا خاک بیز ہے گل چیں
پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس

خاک پا: عاجز، مسکین

تری غلامی کی دولت سے خاک پاے بادل
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

خاک پر گرانا: حوصلہ پست کر دینا، عاجز کر دینا

مرغان دراز اجنحہ کو
اس اوج نے خاک پر گرایا

خاک پر لٹانا: برباد کرنا، تباہ کرنا

دل گرمی شوق شعلہ رو نے
کیا کیا مجھے خاک پر لٹایا

خاک چاٹ کر کہنا: عجز و انکسار ظاہر کر کے کچھ کہنا، دعوے کی بات عجز کے ساتھ ظاہر کرنا

کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک آئیں ہوں گو خاک
پر اب تو زمیں بوس کلیسا نہ کریں گے

خاک چھانتے پھرنا: آوارہ گردی کرنا

اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم

خاک چھاننا: بہت ڈھونڈنا، تلاش کرنا

نہ ملا کچھ نشان آب رواں
خاک سارے جہان میں چھانی

خاک ڈالنا: رسوا کرنا، ذلیل کرنا

سرمہ ہیں اس چشم جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

خاک کر دینا: جلا کر راکھ کر دینا

ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کر دے چرخ
مرا سرود ہے گل خندۂ شرر کا سا

خاک میں مل جانا: برباد ہو جانا، تباہ ہو جانا

مل جائے گر یہ خاک میں اس نے وہاں کی خاک
گل کی تھی کیوں کہ پانو وہ نازک پھسل گیا

خاک میں مل جانا: مرنے کے بعد زمین میں دفن ہونا

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجش جاناں کی شکایت

خاک میں مل جائے: مر جائے، گڑ جائے

ہائے پس مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخ برسر کیں ہے ہنوز

خاک میں ملا دینا: برباد کر دینا، تباہ کر دینا

وہ شوخ برق عناں خاک میں ملا دیوے
اگر ہو حسرت دنبالہ گردی محمل
مٹی نہ دی مزار تلک آکے اس پہ بھی
کہتے ہیں لوگ خاک میں اس نے ملا دیا

خاک میں ملانا: برباد کرنا، تباہ کرنا

یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب
ابلیس کو خاک میں ملایا
حاصل نہ ہوا سوا ندامت
کس تخم کو خاک میں ملایا
خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس
دیکھیے خاک میں ملاتی ہے
نگہ چشم سرمہ سا کب تک
بخت سیاہ اے منعمو آخر ملائے خاک میں
یک چند ملک ہند لو یا سرزمین شام لو
عدو اس اوج پرشاکی ہے شاید غصہ آ جاوے
ملا دے خاک میں یہ تو نجمی شکر آسماں کیجیے

خاک میں ملانا: روندنا، پامال کرنا

سرگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو

خاک میں ملنا: مٹ جانا

ہے یقیں یہ کہ خاک ہی میں ملے
آرزوے وصال تمکیں بر

خاک میں ملنا: تلف ہونا، ضائع ہونا

ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون و علوم
خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس

خاک میں حیف یہ شراب ملے
محتسب بادہ خوار ہونا تھا

خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

خاک نشیں: بے سروساماں، نادار، قلاش

بلند پایہ عمر، جس کے قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں، شاہ آسماں منزل

فیل نشیں بنادیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب، لاف وگزاف برتری

خاک نہیں: بالکل نہیں

فیل نشیں بنادیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب، لاف وگزاف برتری

خاک وخون میں تڑپنا: بے تاب ہونا

تڑپتا ہے بڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے

خاک وخوں میں لٹانا: تباہ وبرباد کرنا

یاں تاب کسے کہ خاک وخوں میں
بے تابی شوق نے لٹایا

خاک ہوجانا: ختم ہوجانا، مٹ جانا

اُڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہوگئی خاک خاکساری آج

خاک ہونا: گل کر مٹی ہوجانا، بوسیدہ ہونا

خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا
اُس کے در کا غبار ہوتا تھا

کہتے ہیں یہ ہم چاٹ کے خاک اس میں ہوں گو خاک
پر اب تو زمیں بوس کلیسا نہ کریں گے

نہ پائے یار کے بوسے نہ آستاں کے لیے
عبث میں خاک ہوا سیل آسماں کے لیے

خاک ہونا: وجود کا ختم ہوجانا

تھا میں برنگِ شعلۂ جوالہ بے قرار
جی خاک ہوگیا مجھے آرام جب ہوا

خاکروب: جھاڑو دینے والا، بھنگی

لیتے ہوئے گرائے جو بارعطا سے لعل ودر
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکان جوہری

خاکساری: عجز، تواضع

خاکساری پسند، عرش مقام
آدمی صورت و فرشتہ سیر

اُڑ گیا چرخ پر غبار اپنا
ہوگئی خاک خاکساری آج

خاکستر: راکھ، مٹی

ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار
حیف خورشید زیر خاکستر

کس کی دل گرمی بے جانے جلایا دل کو؟
کہ ہے خاکستر ''گلخن'' مری خاطر کا غبار

خال: وہ قدرتی سیاہ تل جو جسم پر ہوتا ہے

گیسو وخال وخط اپنا دین وایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کردیا ہندو ہمیں

خالق: پیدا کرنے والا، خدا

تو واحد بے نظیر و ہمتا
تو حاکم و خالق برایا

نہ ہو خالق ہے مگر بے اثر باعث خلق
نہ وہ رازق ہے و لے قاسم رزق مقسوم

کردیا خالق دو عالم نے
امتیاز ریاض رضوانی

خالی: تہی، جس میں کچھ نہ ہو

عجب نہیں ہے گل رنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس

پاکے الزام دست خالی سے
فلسفی پیٹتا ہے اپنا سر

اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی
کیا امید بر سیمیں و زرِ دست افشار

وہ ہے خالی تو یہ خالی یہ بھرے تو وہ بھرے
کاسۂ عمرِ عدو حلقۂ آغوش ہوا

وحشت سے میری سارے احبا چلے گئے
آنا ہے گر تو آؤ کہ خالی مکاں ہے اب

غیر کرتے ہیں سبوے مے گلگوں خالی
ساغرِ چشم میں ہم دل کا لہو بھرتے ہیں

خالی ہوائے فتنہ سے گا ہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

کلفتِ ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے

خام: ناتجربہ کار، نادان

اغیار سے بے فائدہ ہے گرمیٔ صحبت
کاہے کو جلے گا جو کوئی خام نہ ہوگا

خامشی: سکوت

ہجو گوئی نہیں ہمارا کام
ایسی باتوں سے خامشی بہتر

خامل: گوشہ نشین

یہ جوشِ خانۂ کفار کی خرابی کا
کہ خود گرائے کلیسا کو راہب خامل

خاموش: چپ، ساکت

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں
قافیہ کیا تنگ ہے وصفِ دہن کی فکر میں

خاموش ہونا: چپ ہونا ساکت ہونا

آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

خامہ: قلم، کلک

ہرگز نہ کر سکے مرے خامے سے سرکشی
پیدا سرنگوں سے ہے عجز عیان تیغ

پابوس گر کرے مرے خامے کا بند ہوں
شیرینیٔ سخن سے لب خوش بیان تیغ

میرے خامے کے جوشِ گریہ سے
روئے دیتا ہے ابرِ نیسانی

گلوے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے
مگر لکھنا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا

لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

انگلیوں میں خامہ تھم کر رہ گیا
نامہ ہائے شوق کی تحریر سے

وصف لکھوں میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگسِ شہلا کاغذ

خانہ: گھر

غیر آکر قریبِ خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محوِ دودِ چراغِ خانہ رہا

جہانِ تنگ و ہجومِ وحشت غرض کہ دم پر بری بنی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ
خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیا
اس کے صحنِ خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ

ہے چرخ سے امید کشایش عبث ہم
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض

اٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر
بنے میرے غبارِ ناتواں سے

یہ جوشِ خانۂ کفار کی خرابی کا
کہ خود گرائے کلیسا کو راہب خامل

خانہ آئینہ: شیش محل

حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا

خانہ خراب: آوارہ گرد، ہرجائی بدوضع

یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب و جاں گداز
خفیہ شمال میں سموم، بادِ صبا میں، صرصری

خانہ خراب: وہ شخص جس کا گھر بار سب تباہ ہو گیا ہو

سر پٹکتا ہے قلق میں مومن خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

خانہ خرابی: خانہ ویرانی، بربادی

کرے نہ خانہ خرابی تری ندامت جور
کہ آب شرم میں ہے جوش چشمِ تر کا سا

خانہ زاد: نوکروں، غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد پر اس کا اطلاق ہوتا ہے

تریں خانہ زاد طعنہ زن
طرز حرف ملامت مادر

خانہ زنجیر: حلقہ، زنجیر

میری وحشت کے لیے صحرائے قیس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے

جوش وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے

خانقاہ: درویشوں اور مشائخ کے رہنے کی جگہ

جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی
خانقاہِ فقرا بارگہ قیصر روم

مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں

خانماں خراب: تباہ، برباد

مجھ خانماں خراب کا لکھا کہ جان کر
وہ نامہ غیر کا مرے گھر میں گرا گیا

ہوں خانماں خراب ستم سے زیادہ تر
ایسا نہ ہو کہ اب بھی ترے دل میں گھر نہ ہو

خاور: آفتاب

زہرہ پیرایہ گر کیا تھا اسے
مجھے لازم تھی شاہی خاور

خبر: انتہا، آخر

ذکر میں اس کے جود پیہم کے
مبتدا ایک ہے ہزار خبر

خبر: آگاہی، واقفیت

کیا سوز رشک کی دل اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

کس کی خبر اب آنے کی ہے کس لیے ہے یہ بیتابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے آتے ہیں اور جاتے ہیں

ایسے سے قدر و مہر و وفا کی امید کیا
جس کو ہنوز اپنے ستم کی خبر نہ ہو

جاں بلب ہوں خبر وصل سنادے قاصد
لب ہلانے میں ترے کام مرا ہوتا ہے

خبر بھی ہے: الزام دینے کو کہتے ہیں، یعنی تم نہیں جانتے

بے ہوش ہے عاشق پہ یہ مست سے کمتر
تم مجھ کو تو کہتے ہو کچھ اپنی بھی خبر ہے

خبر کرنا: آگاہ کرنا

کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

خبر لانا: اطلاع دینا، معلوم کرنا

تو خبر لا کیا کہا قاصد سے چھپتے پھرتے ہیں
ہمدم اس پردہ نشیں کو بھیج کر پیغام ہم

فلک کے ہاتھ سے میں جا چھپوں گر
خبر لادے کوئی تحت الثرا کی

خبر لینا: حال دریافت کرنا، پوچھنا

تمہیں شور وفغاں سے میرے کیا کام
خبر لو اپنی چشم سرمہ سا کی

وہ نہ لی جس نے حال کی میرے
عمداً کیا کہ بھول کر بھی خبر

خبر لینا: دست گیری کرنا، مدد کرنا

خبر لو مری تم کہاں تک رہے
یہ حالت کہ غش پر چلا آئے غش

خبر نہیں: کچھ حال معلوم نہیں

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

کیا جلوے یاد آئے کہ اپنی خبر نہیں
بے بادہ مست ہوں میں شب ماہتاب میں

خبر ہو جانا: اطلاع ہو جانا، معلوم ہو جانا

مانع ظلم ہے تغافل یار
بخت بد کو خبر نہ ہو جائے

خبر ہونا: اطلاع ہونا، معلوم ہونا

ہو گئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں نگار ہے دل
تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ
خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اس بیوفا کے آنے کی

ختم: انجام، انتہا

مومن آہنگ دعا ختم سخن کا ہے یہ وقت
آپ تو آپ ہیں دانائے قوانین و رسوم

ختم کرنا: تمام کرنا، انجام کو پہنچانا

دعا پہ ختم سخن کر کہ شور آمیں سے
اٹھا بٹھائیں گے مردوں کو عرش کے حامل
مومن اب ختم کر دعا پہ سخن
تا کجا لاف ہائے طولانی

ختم ہونا: تمام ہونا، مکمل ہونا، انجام کو پہنچنا

بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری
ختم سخن دعا پہ ہو، تا نہ اثر میں ہو کلام
آپ پہ قصہ مختصر ختم ہوئی سخن وری
کیا کہوں اس کے دست ہمت کی
میں گہرباری و زرافشانی

خجل: شرمندہ

خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل
وصال غیر کے طعنوں سے جی جلا اس کا
کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ خود ہوا میں خجل
وہ نکتہ داں کہ ،،تقیے،، کو اصل دیں کہے تا
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے خجل
سحر حلال سے مرے جادوے سامری خجل
طور کلیم اوج فکر، نور خدا فسوں گری
کیا خجل ہوں اب علاج بیقراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا
گل رنگ ہوا گریۂ خوں سے مرا دامن
کیا اب بھی خجل چرخ سیہ فام نہ ہوگا
کھلائے نہ کیوں سرمہ گوسالہ کو
خجل سامری چشم پرفن سے ہے

خجالت: شرمندگی

نہ دے تیغ زباں کیوں کر شکستِ رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوج خجالت کا
ہوئی خجالت سے نفرت افزوں گلے کیے خوب آخریں
وہ کاش اک دم ٹھہر کے آتے کہ میرے لب پر بھی دم نہ ہ

خجالت کھینچنا: شرمندگی اٹھانا، شرمندگی برداشت کرنا

کسی کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

خجلت: خجالت، شرمندگی

خجلت سے آب و تاب سخن کی ہے آب آب
کیوں کر چھپے چھپائے سے شرم نہان تیغ
اطلس چرخ زیر گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری
تھے بے گناہ جرأت پابوس تھی ضرور
کیا کرتے وہم خجلت جلاد آ گیا
شب غم موئے شمع کو دیکھ کر
ہمیں خجلت اس شوخ بدظن سے ہے

خجلت کھینچنا: شرمندگی اٹھانا، شرمندگی برداشت کرنا

اثر ہوتا ہے کب ہم سے وفا داروں کو اے ناصح
فغاں سے پیشتر تم خجلت تقریر تو کھینچو

خدا: اللہ

ملے ہیں خاک میں کیا کیا مرے فنون وعلوم
خدا کسی کو نہ دے ایسے طالع منکوس

وہ دور ہیں کہ خدا پر کرے ،،بدا،، ثابت
نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قابل

تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار

کیا ہو؟ گر اس کے ستم روز جزا بھی نہ کھلیں
میں نے واعظ سے سنا ہے کہ "خدا ہے ستار"

زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا
بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار

وہ دست زور، مظہر سر پنجۂ خدا
وہ تیغ باعث شرف دودمان تیغ

ہم ہیں اور عشق حقیقی کہ بجز ذات خدا
نہیں پایا کہیں دنیا میں وفا کا مفہوم

چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم

بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

یاں کے ہوئے نہ واں کے ہم جیسے فقیر بت پرست
بندگی خدا تو ہو گر نہ ہو صاحب افسری

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بد گماں نہ ہوا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

بے کسی نے نہ دیا بارے تہِ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا

روزِ جزا خدا بُتِ جلاد کو ملا
گویا کہ خون ناحق مومن صواب تھا

تو نے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جور بتاں دل سے فراموش ہوا

کیوں سنے عرضِ مضطر اے مومن
صنم آخر خدا نہیں ہوتا

ہم بندگیِ بت سے ہوتے نہ کبھی کافر
ہر جائے گر اے مومن موجود خدا ہوتا

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرتِ مومن تمہیں دعویٰ دیں ہے ہنوز

پئے ہم ہے حالت جان کنی غرض اب تو جان پر آبنی
یہ عذابِ مرگ ہے یا تپش یہ خدا کا قہر ہے یا قلق

مر چلے اب تو اس صنم سے ملیں
مومن اندیشۂ خدا کب تک

پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو بے خدا نہ کرتے ہم

مومن ان کا تو نہ تھا ملنے میں آخر اختیار
یہ شکایت بھی خدا سے ہے بتوں سے کیا ہمیں

ہوگئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

پیہم سجود پائے صنم پردم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

مومن نہ سہی بوسہ یا سجدہ کریں گے
وہ بت ہے جو اوروں کا تو اپنا بھی خدا ہے

کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کی زکاۃ ہے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا

یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے
ہو نہ بیتاب غمِ ہجر بتاں میں مومن
دیکھو دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

خدا کی بے نیازی ہائے مومن
ہم ایماں لائے تھے ناز بتاں سے

خدا جانے: خدا کو معلوم ہے (لاعلمی کے لیے)
میرے کوچے میں عدو مضطر و ناشاد رہا
شب خدا جانے کہاں وہ ستم ایجاد رہا

خدا خدا کرنا: دنیاداری چھوڑ کر خدا کی عبادت میں مشغول ہوجانا
نام عشقِ بتاں نہ لو مومن
کیجئے بس خدا خدا صاحب

خدا سمجھے: خدا اس سزا دے، خدا اس کا بدلہ لے
عرض ایماں سے ضد اُس غارت گردیں کو بڑھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا

خدا سے ڈر: خدا کا خوف کر، جھوٹ نہ بولو، بہتان نہ لو، سختی نہ کرو ظلم نہ کرو، وغیرہ کے مقام پر بولتے ہیں
خدا سے ڈر بت بیدرد ہے یہ کیا انصاف
کہ تو جفا سے نہ ہو، اور وفا سے ہوں میں خجل

خدا کرے: کلمۂ دعا، آرزو ظاہر کرنے کو کہتے ہیں
خدا کرے ملک الموت ان سے پہلے آئے
بہت سی لینی ہیں جانیں پئے نثار مجھے

خداداد: خدا کا دیا ہوا
گر غم حور گیے عشق بتاں اے مومن
میں سدا سوختۂ حسن خدا داد رہا

خدا کا گھر: اللہ کا گھر، مراد مسجد
نکل کے دیر سے مسجد میں جا رہا اے مومن
خدا کا گھر تو ہے تیرے اگر مکان نہیں

خدا خیر کرے: خطرے اور اندیشے کے مقام پر زبان سے یہ کلمہ کہتے ہیں
مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

خدا کے واسطے: خدا کے نام، خدا کے لیے
مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوئے بتاں نہ چھوڑ

جا چک خدا کے واسطے اے موسمِ بہار
خاکِ عدو پہ پھول وہ لایا نہیں ہنوز

عذاب ایزدی جاں کاہ ہے مانا بس اب مومن
خدا کے واسطے ذکر ستم ہائے بتاں کیجئے

خدالگتی: حق و انصاف کی بات
تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

خداوند: مالک
آئی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار
لے جاؤ منکروں کے لیے ارمغان تیغ

خدائی: خداوندی، خدا کی شان
خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہوجائے غش

مومن آؤ تمہیں بھی دکھلا دوں
سیر بتخانہ میں خدائی کی

خدایا: اے خدا، یاالٰہی
جب بندہ ہے ترا تو رہا کون
پھر لائق بندگی خدایا

مومن کہے کس سے حال آخر
ہے کون تیرے سوا خدایا

خدم: جمع ہے خادم کی، خدمت گار
اس قدر اعتبار پر، اس قدر انقلاب حال
یعنی ترے خدم کے ہیں طالع و بخت سنجری

خدمت: چاکری کرنا
جو میری نثر کے دیکھے لآلی منثور
اٹھا لے مسند حشمت حجاب سے کاؤس

خدنگ: ایک قسم کا چھوٹا تیر
لگے خدنگ جب اس نالۂ سحر کا سا
فلک کا حال نہ ہو کیا مرے جگر کا سا

ہماری جان شب تجھ بن دلِ نا کام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا
خدنگِ یار کے ہمراہ نکلی جان سینے سے
یہی ارمان اِک مدت سے جی میں تھا نکل آیا

خراب: تباہ و برباد
عشق نے یہ کیا خراب ہمیں
کہ ہے اپنے سے اجتناب ہمیں

خراب: ویران، برباد
محتسب آپ کے آنے سے ہوئے دیر خراب
قصد کعبے کا نہ کیجئے گا بہ ایں یمن قدوم
تیرے احباب مطاع اور توابع رہیں شاد
ترے حساد خراب اور ترے اعدا مغموم
چرخ سے جنگ اور ایک جزو ضعیف چرخ یہ
طالع دوں خراب ہو آپ کرے جو یاوری
جمع جو تجھ میں عدل وحسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری
عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اُسی پہ ہوں
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا
بے سیر دشت بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اُس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا
کردیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
ہوں خانماں خراب ستم سے زیادہ تر
ایسا نہ ہو کہ اب بھی ترے دل میں گھر نہ ہو
مومن یہ عالم اس صنم جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں

خراب کرنا: بگاڑنا، برباد کرنا
سن سن کے نا درست تری خو بگاڑ دی
ہم نے خراب آپ کیا اپنے کام کو
کیے ہیں طول امل نے تمام کام خراب
ہمیشہ نظم جہاں کے ہیں کاروبار مجھے

خراب و پریشاں: خستہ حال، پریشاں حال
اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آجاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم

خرابی: تباہی، بربادی
ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں
نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعت بتوس
دم خرابی و تسخیر تیرا گوشۂ چشم
نگاہ لطف وغضب سے مثلث عامل

خرابی: ویرانی و بربادی
صرصر آہ و فغانِ شعلہ زن طوفان اشک
جمع سامان خرابی تھا مرے گھر رات کو
یہ جوش خانۂ کفار کی خرابی کا
کہ خود گرائے کلیسا کو راہب خامل

خرابیاں: جمع ہے خرابی کی، تباہی، بربادی
جمع جو تجھ میں عدل وحسن جن سے خرابیاں خراب
مست شراب لب شراب، محو پری رخی پری

خراج: زمین کا محصول
یک شنبہ چرخ بزم کا، نیمہ خراج، نیم روز
بخشش ہفتہ حاصل و فائدہ ہفت کشوری

خراش: رگڑ، چھیلن
جام مے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے ہے درمان خراش بلعوم
غلط کہ صانع کو ہو گوارہ خراشِ انگشت ہائے نازک
جواب خط کی امید رکھتے جو قولِ جَفَّ القَلَم نہ ہوتا

خرام: نرم رفتار، خوش رفتار
کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق
اب شور ہے مثال جو دی اس خرام کو
یوں کون جانتا تھا قیامت کے نام کو
چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام و شوخی رفتار کے لیے

خرام ناز: ناز و ادا کے ساتھ چلنا

خرام ناز نے کس کے جہاں کو کر دیا برہم
زمیں گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمیں پر ہے

دکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرام ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گذرے

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کشش دلِ عاشقاں کی اس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرامِ ناز اک قدم نہ ہوتا

ہر ذرہ میری خاک کا برباد ہو چکا
بس اے خرامِ ناز کہ تاب و تواں نہیں

خرچ: صرف، صرف کرنے کی چیز

آمد سے فزوں خرچ ہے اے شورِ محبت
بخیوں کا مرے زخم سے کیوں کر ہو ادا قرض

یک شنبہ چرخ بزم کا، نیمہ خراج،، نیم روز
بخشش ہفتہ حاصل و فائدۂ ہفت کشوری

خرد: ذہن عقل

معلوم خرد کی نکتہ یابی
یاں علم نے عقل کو گنوایا

آ کے اس بزم میں دکھاؤں گا
شعلہ ہائے خرد کی نیرانی

نہ دے تیغ زباں کیوں کر شکستِ رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوجِ خجالت کا

خورد سالہ: کم عمر

اس کو ہو رستمِ زماں کا خطاب
جو کرے قتل خورد سالہ پسر

خردمند: عقل مند، دانش مند،

وہ خرد مند ہوں کہے ہے مجھے
"عقلِ اول" حکیم لاثانی

خردِ مجسم: سراپا عقل

ہے خردِ مجسم و نکتہ نواز قدرداں
دیکھیے نگاہ غور سے تو مری نکتہ پروری

خرطوم: سونڈ، آدھ کے دھوئیں کو خرطوم پیل سے تشبیہ دی گئی ہے

مجھ کو پامال کیا کیوں نہ فزوں ہو عزت
دودِ افغاں سے ملی پیر فلک کو خرطوم

خرقۂ زمستانی: جاڑے کا لباس

پنبۂ داغ دل کو حیراں ہوں
نہ رہا خرقۂ زمستانی

خرگاہ: بڑا خیمہ، سلاطین اور امرا کا خیمہ

ملک دل، سریرِ جاں خرگاہ
شاہ دیں تاج معدلت کشور

خرمن: کھلیان، انبار

اے ابر تند بار ظفر، خرمن عدو
ہے محو گرم پائی برق تپان تیغ

فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیِ اہل ضلالت کا

داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہو گیا

اُف رے سوزِ عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو لوٹا وہ بھی گلخن ہو گیا

دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

خروش: شور، غل، غوغا

تیری افواج کا میداں میں دم جنگ خروش
بلبلوں کا "مہ آزار" گلستاں میں ہجوم

خریدار: گاہک، مول لینے والا، (مجازاً خواہاں، خواہش م…

تو کسی کا بھی خریدار نہیں پر ظالم
سر فروشوں کا ترے کوچہ میں بازار لگا

اپنے سودے کی نہ پوچھو کہ خریدار کے ساتھ
جنس میں تو ہے دل اور بیع سلم کرتے ہیں

سرفروشوں کے اگر آپ خریدار ہوئے
تو گراں ہوئے گی وہ جنس جو کمیاب نہیں

یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

خری: گدھا ہونے کی صفت یعنی حماقت و بے وقوفی

سو امرائے عصر تو بے خرد اور جہل دوست
بخل کے ساتھ ہر جگہ جمع ہیں ہی و خری

خریداری: مول لینا (مجازاً حاصل کرنا، لینا)

دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا

خز: ایک قسم کا ریشمی کپڑا، ایک قسم کا پوستیں

گل پیرہنوں کی آرزو نے
اکثر خز و پرنیاں پنہایا

خزاں: پت جھڑ، فصل خریف

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہے
سرگرم جلوہ فصل بہار و خزان تیغ

اس چمن زار کو خزاں تھی ضرور
میں نے کیا تجھ کی بات پہچانی

خاک تو مرغ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھئے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ہے بہار

ہے خزاں میں بھی وہی جوشِ جنوں کیا ہوگیا
اب کہیں پاس اپنے ہم کو ہی بلاتی ہے بہار

کیا کہیں تم سے اے ہمدردو پوچھو مت مرغان چمن
کیوں کریاں ایام خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں

نام بد بختی عشاق خزاں ہے بلبل
تو اگر نکلے چمن سے تو بہار آجائے

نہ سیر گل نہ قدح نوشی اس کے ساتھ ہوئی
غم خزاں ہے نہ کچھ حسرت بہار مجھے

خزاں آنا: خزاں کا موسم آنا، بے رونقی کا ظہور ہونا

گل داغ جنوں کھلے بھی نہ تھے
آ گئی باغ میں خزاں افسوس

خزاں زدہ: بے رونق، خزاں کا مارا ہوا

مزا ہے وصل کا ہجراں سے پیش تر یعنی
گل خزاں زدہ کو کیا بہار سے حاصل

خزانہ: روپیہ، مال و دولت

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

خستہ: بیمار، شکستہ

عجب ہوا ہے کہ فیض ہوا سے ہوتا ہے
شکم میں "خستہ" کے نشو و نمائے اصل السوس

دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درمان خستہ ہو

خستہ ذباب: عاجز مکھی

اس کے ادیم حشمت و مائدۂ جلال پر
خستہ ذباب کی طنیں، طنطنۂ سکندری

خسرو: بادشاہ، صاحب شوکت

تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

ملک معنی کا شہریار کہے
دیکھے "خسرو" مری قلم رانی

شوخ بازاری تھی شیریں بھی مگر
ورنہ فرق خسرو و فرہاد کیا

خسرو و عیش وصل یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں

تلخی خسرو ہو شیریں کام شادی مرگ کیا
جان کنی ہے انتقامِ کوہ کن کی فکر میں

زہر نوش غم شیریں نے کہا خسرو سے
تلخی مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

خسف: چاند گرہن

اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی

خسوف: چاند گرہن

رہے نہ بیم خسوف اور احتمال ہبوط
جو اس کی رائے سے ہو مستفضی مہ کامل

خشک: تر کی ضد

نالے سے میرے گرم خشک، زہرہ و ماہ کا مزاج
گریے سے میرے سرد و تر طبع بروج آذری

خشک ہونا: سوکھنا، رطوبت جذب کرنا

پوچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو
نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو

اف رے سوز نالہ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر روے زمیں اس سے سمندر خشک ہو

سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو

موج زن ہے ایک دریا ہاے جوش اشک ہاے
آستیں ہوجائے تر دامانِ تر گر خشک ہو

شمع ساں میں سوزِ گریہ سے سراپا جل گیا
ہے تعجب گر شجر پانی کے اندر خشک ہو

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گہہ تھم جائے ہے
دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

روز محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوض کوثر خشک ہو

گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

تشنہ کامِ عشق ہوں گر خاک سے میری بنے
آب جوں جوں بھریے ووں ووں اور ساگر خشک ہو

رونے کی جا ہے اگر ہو بعد ملنے کے فراق
ہے غضب گر نخل کوئی پھولِ پھل کر خشک ہو

شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منھ اور زبانِ ہر سخن ور خشک ہو

گرمیِ التفات سے تیری
خشک ہو عاصیوں کا دامن تر

خشکیِ لب: پیاس کی شدت

دور کرم میں اس کے لعل خشکی لب کا ہے بہا
دُرِ یتیم کو بکے چشم یتیم کی تری

خشم: غصہ، خفگی

وداد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے
جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل

خضر: ایک مشہور پیغمبر کا نام

تیرے حاسد ہوں غول صحرائی
تیرے پیروں ہوں پیشواے خضر

زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگیِ جاودان تیغ

السلام اے روش آموز طریق اسلام
السلام اے خضر جادۂ جنت ملزوم

جاں فزائی مرے سخن کی دیکھ
سم گنے خضر آب حیوانی

ہم بھی تو ناداں ہیں آخر یاسِ مطلب کے لئے
خضر موسیٰ کو پئے تعلیمِ دانائی ملا

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آب زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ

خضر رہ: رہنما، رہبر

ہے مجھے بھی خیال طوف حرم
خضر رہ گر ہو فضل رحمانی

خضرا: سبز مجازاً نیل گوں

انتظارِ ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوے چرخ خضرا دیکھ کر

خط: تحریر

وہ مٹادے نامۂ مضمون وصل
گر ہو خط کاتب تقدیر سے

خط: لکیر، نشان

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چیں کو ہے وہم و گمان تیغ

خط: نامہ مکتوب

مرے خط میں شکایت اُس کے شہباز نظر کی ہے
پرو بالِ کبوتر ایک اک لکھ دوں نہ ٹھہرے گا

سخت کم بختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

راز نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا

کوتہی کی جواب میں جوں جوں
اور بھی خط مرا طویل ہوا

ا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُسنے خط پڑھ کے نامہ بر سے
لبا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

اُس کے کوچے سے چلا آئے ہے اُڑتا کاغذ
پھاڑ کر پھینک دیا کیا مرے خط کا کاغذ

ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ

خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اُسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر

اب انہیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

لگے آگ آتشِ غم کو زبانِ خامہ شعلہ ہے
جلادیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

کترا ہے جو گوشۂ سر خط
مطلب ہے کہ سر اڑائیں گے ہم

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

لکھو سلام غیر کے خط میں غلام کو
بندے کا بس سلام ہے ایسے سلام کو

لکھا جو اس کو خط میں بلانوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے

غیر کے خط لکھنے کو تم نے تراشی ہے قلم
ورنہ میرے استخواں کیوں ہو گئے قط گیر سے

خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے

خط: نیا سبزہ جو انسان کے چہروں میں لبوں سے شروع ہو کر رخساروں کے گرد ظاہر ہوتا ہے۔

نمودِ حسن خطِ یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہِ سبز ہو نمایاں سرخ

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

گیسو و خال و خط اپنا دین و ایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کردیا ہندو ہمیں

چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزائے پر طاؤس ہے

غم خط میں ترے مرجائیں تو کچھ کیا ہے عجب
زہر کو لو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشق خطِ زمرد فام لیتا تھا

خط آزادی: آزادی کا پروانہ، وہ تحریر جس کے ذریعہ کسی غلام کو آزادی ملے

کیوں لگے دینے خطِ آزادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب

خط بیاض صبح: صبح کے طلوع ہونے کے وقت افق پر نمودار ہونے والی روشنی کی لکیر

خط بیاض صبح وہ، شعلہ دم اژدر سپید
عکس سے جس کے آب ہو، آئینۂ سکندری

خط ترسائی: عیسائیوں کی تحریر جو بہت پرپیچ ہوتی ہے (خ ض)

مرگئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پر اعجاز رقم دیتے ہیں

خط جبیں: نوشتۂ تقدیر

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آبِ حیا نے خطِ جبیں کیا مٹادیا

کیوں چھیڑتے ہو مجھ کو برا ہونے لگا کیوں
ہے غیر کا نامہ نہ مرا خط جبیں یہ

خط غلامی لکھ دینا: اقرار نامہ اس امر کا لکھ دینا کہ تمہاری غلامی اور خدمت کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا

خطِ غلامی لکھدے غیرت تو بھی گلہ کیا لکھئے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

خط نصف النہار: ایک فرضی خط جو زمین پر سے گذر کر قطبین کو ملاتا ہے خط استوا پر ان لکیروں کا درمیانی فاصلہ ۶۹ میل کا ہوتا ہے۔ شعر کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کا

دشمن آسمان کو ڈھال کی جگہ کام میں لائے تو خط نصف جائے (باوجود خط موہوم ہونے کے) محسوس ہونے لگے گویا آسمان کی ڈھال میں بھی بال پڑ جائے۔ (ض)

خط نصف النہار ہو محسوس
گر فلک کو عدو بنائے سپر

خط مسطر: مسطر کی لکیر (مسطر وہ کاغذ جس پر سطریں بنانے کے لئے جدول کھینچ دیتے ہیں۔

لکھے، گر ہے ترا مثل بالفرض
صفحے سے محو ہو خط مسطر

خط معکوس: وہ تحریر جو الٹی لکھی جائے۔

کیا یہ مطلب ہے کہ برعکس وفا ہو گی جفا
جو تمہارے عہد نامہ میں خط معکوس ہے

خط ہائے شعاعی: آفتاب کی کرنیں۔ شاعر نے اس شعر میں آفتاب کو قاصد کے کف دست اور خط شعاع (آفتاب کی کرن) کو تحریر سے مشابہت دی ہے۔

یہ دست بریدہ میرے قاصد کا نہ ہووے
ہے مہر کا خط ہائے شعاعی سے بھرا ہاتھ

خط ہائے: کف دست، ہتھیلی کی لکیریں

قلزم جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہائے کف دست کے، موج انہار

خطا: قصور، غلطی

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سر نشتر فصاد بھرے

وہ بد شعار و طرح دار دل ربا جس سے
امید وصل خطا ، ترک آرزو مشکل

یہ فیض دیکھ کے اپنی خطا سے ہو آگاہ
گر اعتراض کرے کوئی حاسد جاہل

خطاب: کلام، گفتگو

ہے نامہ خطاب "یا عبادی"
اس نے تو کچھ آسرا بندھایا

خطاب: تعریفی لقب

اس کو ہو رستم زماں کا خطاب
جو کرے قتل خورد سالہ پسر

روز جزا جو قاتل دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پر اعجاز رقم دیتے ہیں

خطبہ خواں: مصروف تقریر ہونا، تقریر کرنا

جس جا ہے خطبہ خواں ہو مری تیزی زباں
واں جانے فرض سجدۂ منبر فسان تیغ

خطرناک: خوفناک

سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک
دین و دل و عقل کو لٹایا

خطوں: خط کی جمع۔ نامہ، مکتوب

کیا جواب آئے کہ کثرت سے خطوں کی میرے
کیمیا یاب سیاہی بنی عنقا کاغذ

خطیب: خطبہ دینے والا، تقریر کرنے والا

میں وہ شہ سریر فضل، جس کے خطیب کے لیے
اوج و حضیض آسماں پست و بلند منبری

خفا: ناراض، برہم

میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

تم بھی رہنے لگے خفا صاحب
کہیں سایہ مرا پڑا صاحب

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

خفا کرنا: ناراض کرنا، برہم کرنا

گلے لگتا ہے دم بدم مجھ کو
طوق گردن نے کیا خفا جانا

کردیا مومن اس صنم کو خفا
کیا کیا ہائے ہائے لوگوں نے

خفا ہونا: ناراض ہونا، برہم ہونا

یارانِ نو کے واسطے مجھ سے خفا ہوئے
تم کو نہیں ہے پاس نیازِ قدیم کا

کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جواب نہیں
سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہُوا

نارسائی سے دم رکے تو رکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

ہوتا تھا وصال اک شب قسمت میں بلا سے گر
تو مجھ سے خفا ہوتا میں تجھ سے خفا ہوتا

تھا ہم پہ لطف تو پئے افزائش الم
صد شکر غیر ہو گئے اُس سے خفا عبث

ہوئے تم کیوں خفا تاثیر سے آہِ رسا کی اب
کیا کرتے تھے یہ تو پہلے ہی تقصیر اکثر ہم

بیزار ہے سوز عشق سے جی
کس شعلہ مزاج سے خفا ہوں

چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہم دم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے

ہوکے آزردہ پشیماں ہوں کہ میں جس سے کہوں
وہی کہوے کوئی ایسے سے خفا ہوتا ہے

جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بدخوئیوں سے یار کی ہوکر خفا گئے

آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

بزم میں اس کی بیانِ دردوغم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں

خفتگان: غافل

رشکِ فغاں کی ہائے رقیب آفریناں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

خفتگانِ خاک: مٹی میں سونے والے مرحومین، دفن شدہ لوگ

جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

مبارک خفتگانِ خاک کو تصدیعِ بیداری
کہ گورِ تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی

خفتہ: غافل،

مجمعِ بسترِ مخمل شبِ غم یاد آیا
طالعِ خفتہ کا کیا خواب پریشاں ہوگا

خفتہ فتنہ: پوشیدہ فتنہ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ

خفیہ: چھپا ہوا، پوشیدہ، درپردہ

یاد ہوا ہے کوئی یار، خانہ خراب وجاں گداز
خفیہ شمال میں سموم، بادِ صبا میں، صرصری

خلاف: برعکس، برخلاف

اول اس در پہ سجدہ ریزی کر
تا ملے مفت جاہ کیوانی
کیوں کہ ہو عذر بے زری مقبول
ہے خلاف قیاس بربانی

خلاف: توڑ دینا، خلاف ورزی کرنا

خلاف وعدۂ فردا کی ہم کو تاب کہاں
امید یکشبہ ہے پاس جاوداں کے لیے

خلافت: آنحضرت ﷺ کی جانشینی

شہ سریر خلافت، مہ سپہر کمال
محیط ابر نوال و سحاب دریا دل

سوئمیں زیب وہ صدرِ خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلک اطلس، خوار

شرط ایمان ہے پیمان خلافت اس کا
وہ مسلمان ہی کیا؟ جس کو ہو اس میں انکار

خلافت راشد: درست جانشینی، برحق جانشینی

یہی خلافت راشد کی اس کو بس ہے دلیل
یہی امامت برحق کی اس کو بس ہے سجل

خلخ: ترکستان کا ایک حسن خیز شہر

وہ بدگماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا

خلد: بہشت، جنت

کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار
جب نہ رہی طمع تو کیا خلد میں گر ملے پہ فرش
قصر زبرجد و مے لعلی وجام گوہری
مر گیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن میں ولے خلد میں داخل نہ ہوا
واعظ بتوں کو خلد میں لے جائیں گے کہیں
ہے وعدہ کافروں سے عذاب الیم کا
اُس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات
مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوے بتاں نہ چھوڑ
اس کی گلی کہاں یہ تو کچھ باغ خلد ہے
کس جاے مجھ کو چھوڑ گئی موت لا کے ساتھ

خلد بریں: فردوس، اعلیٰ

بوسہ جو دیا ذقن کا گویا
سیب خلد بریں کا کھلایا

خلش: کھٹک

ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اس کا کوئی پیکاں ہو گا
کیا خلش تھی رات دل میں آرزوے قتل کی
ناخنِ شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا
فریاد نالہ ہاے عزابار پہ انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں
خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں

خلشیں: جمع ہے خلش کی۔ کھٹک، تردد، فکر، اندیشہ

یاں کی لاکھوں خلشیں واں کی ہزاروں فکریں
ایک جان اب پہ یہ ہنگامۂ آلام و غموم

خلف: نائب، جانشیں

بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری

خلق: اخلاق

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر

جوشِ طراوت مشام، وجہ عطاس عز و جاہ
لطف نسیم مشک بیز، خلق شمیم عنبری
لطف سے اس کے زمیں غیرت باغ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکان عطار

خلق: مخلوق، لوگ

ہوائے سیر چمن زار کی وہ مستی ہے
کہ خلق کو ہوئی مشکل حفاظت ناموس
وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس
چاہتا خلق کو صہبا و صنم سے محروم
ایسی نیت پہ بہشت آپ کو واعظ معلوم
تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن و عشق پہ کیوں کر نہ پڑے خلق میں دھوم
نہ ہو خالق ہے مگر ہے اثر باعث خلق
نہ وہ رازق ہے ولے قاسم رزق مقسوم
بدی خلق سے افزوں سے تھی نہ کوئی تیری
کردی انصاف الٰہی نے یہ امت مرحوم
منقوش دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا
کیوں کر نہ غم ہو خلق کو مومن کہ مرگ کا
تھا سب کو اس کی ذات سراپا ہنر سے فیض
ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

خلقت: پیدائش

کیا ابتداے حسن میں میں تجھ پہ مر گیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے
غم و غصہ سے ہے خلقت مری جوں حنظل و شہد
نہیں کرنے کی وفا عمر جواں ہونے تک

خلل: بیماری، دکھ، روگ

چھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موے پر خلل گیا
جب نخیس سانس کی تگی دم ہی نکل گیا
کس کو بھلا خلل یرقان کا ہے اے طبیب
پھولی ہے باغ عشق کی یاں آن کر بسنت

خلل آنا: بگاڑ آنا

ظالم وہ بے وفا ہے عدو جس کے رشک سے
اتنا کچھ آگیا خلل اپنے نباہ میں
ان نالہ ہاے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں
نہ ہو وہ بات کہ جس سے وفا میں آئے خلل
کہیں نہ کیجیو ناصح سے شرمسار مجھے

خلل پذیر: بگاڑ کو قبول کرنا

خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس

خلل پذیر ہونا: بگاڑ یا خرابی کو قبول کر لینا، خراب ہو جانا

خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس

خلل پڑنا: رخنہ آنا: رکاوٹ پڑنا

تا نہ خلل پڑے کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں

خلوت: تنہائی

اُس حسن پہ خلوت میں جو حال کیا کم تھا
کیا جانئے کیا کرتا گر تو مری جا ہوتا
اب شوق سے تم محفل اغیار میں بیٹھو
یاں گوشۂ خلوت میں عجب لطف اٹھا ہے
گرائے اشک پر تاثیر کیوں خلوت میں اے آنکھو
کوئی یوں خاک میں ایسے گہر کو بھی ملاتا ہے

خم: مٹکا، پیپہ، شراب کا پیالہ وغیرہ

پہلوئے خم میں نہ جائے یہ خمار اے ساقی
ہوں میں خمیازہ کش حسرت آغوش و کنار
حوض میخانہ پیے سے بھی مرا جی نہ بھرا
کیا تنگ ظرف ہیں جو خم سے سبو بھرتے ہیں
لکھا جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے
پس شکستن خم زجر محتسب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے
مجھ سے میکش کی طرف محتسب آتا ہے تو آئے
ایک قطرہ بھی سبو و خم و ساغر میں نہیں

خم: پیچ وتاب

چھوٹنا دام شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتار خم گیسوے صیاد رہا
وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خم زنجیر کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا
نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروے دل ربا پہ خم جاں ستان تیغ

خم: جھکاؤ

مگر رقیبوں نے سر اُٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

خم بخم: پیچ در پیچ

پانو تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا
دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودا ے زلفِ خم بہ خم کیوں کر کریں

خم صہبا: مذکر، شراب کا مٹکا

منہ میں کیسا خم صہبا کے بھر آیا پانی
تیرے لب سے جو لب ساغر سرشار لگا

خم ہونا: جھک جانا

سیدھا نہ کر دیا ہو مرے ذوق قتل نے
قاتل کے آگے گردن اغیار خم نہیں

خمار: وہ اثر جو آنکھوں پر کم سونے یا سونے سے ہوتا ہے

شکست رنگ پہ مستی میں ہنستے ہیں ہم بھی

دکھائیں گے انہیں وقت خمار آئینہ
دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں

اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ
شب وصال میں سب قطرہ قطرہ مے پی لی
رہا نہ وسوسۂ چارۂ خمار مجھے

درد سر میری شکایت سے نہیں، یہ تم کو
بزم دشمن میں جو مے پی تھی، سو اس کا ہے خمار

پہلوئے غم میں نہ جائے یہ خمار اے ساقی
ہوں میں خمیازہ کش حسرت آغوش و کنار

واہ قسمت کہ نہ دے خردۂ گل بھی گل چیں
زمزمے مرغ گلستاں کے سے، کھینچوں میں ہزار

رطل گراں دم صبوح، مست مے شبینہ روح
ہر بسر امتیاز طبع، رنج خمار سرسری

خمکدہ کش: مئے خانہ کا مئے خانہ پی جانے والا

وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
تنگ آکے حریفان بادہ خوار مجھے

خموش: چپ ہوجا، ساکت ہوجا

خموش تا بہ کجا لافہائے بے معنی
خموش تا بہ کجا، ترّہات لاطائل

خموشی: سکوت

گر وہاں بھی یہ خموشی اثر افغاں ہو گا
حشر میں کون مرے حال کا پرساں ہو گا

ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو

کام آئی نہ شوخی خموشی
دل کی تپشوں نے جب ستایا

خمیازہ: پشیمانی، افسوس

اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ

خمیازہ کش ہونا: رنج اٹھانا، پشیمان ہونا

پہلوئے غم میں نہ جائے یہ خمار اے ساقی
ہوں میں خمیازہ کش حسرت آغوش و کنار

خمیدہ: جھکی ہوئی

خمیدہ شاخ سے یوں رنگ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعل منکوس

خمیدہ کس لیے نُہ آسماں بنے تھے بھلا
نہ تھا ازل سے جو مد نظر ترا پابوس

خنجر: ایک قسم کا چھرا، کٹار

دشمن جان عاشقاں دیدار
گر نگہ تیغ ہے مژہ خنجر

ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجئے، تیزی خنجر

آہن گداز، نالہ مرا دیکھ کر نہ ہو
پیکاں ضمان خنجر و خنجر ضمان تیغ

گرمی شوق شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آب دم خنجر حلقوم

خنجر جاں شگاف میں اس کے
ابروئے یار کی سی بزّانی

گر ترے خنجر مژگاں نے کیا قتل مجھے
غیر کیا کیا ملک الموت کے قرباں ہوگا

اُس روانی سے ذرا خنجر بیداد رہا
بارے اک دم اثر نالہ و فریاد رہا

یوں لب خنجر کے بوسے متصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں کام میرا ہو گیا

آفریں دل میں رہی خنجر دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا

وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن ہلاک خنجر ناز بتاں ہے اب

طالع برگشتہ اے شوق شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجر بزاں تلک

خنجر تو نہ توڑ سخت جانی
پھر کس کو گلے لگائیں گے ہم

شکوہ کیا بیداد گری کا کیجئے اس سے دیکھو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخم جگر دکھلاتے

قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں
کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو

خندہ: ہنسی

خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار
رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آب گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے
قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں نے کہ آج
خندہ کچھ طرزِ دگر چاک جگر کرتا ہے
میں کیا کہ مرگ غیر پہ داماں تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے

خنداں: خوش، مسرور

نسبتِ عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی
ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا

خندۂ دنداں نما: ایسی ہنسی جس میں دانت نظر آئیں

رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آب گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے

خندہ زن: (کسی سے) کسی کی طرف ہنس کر متوجہ ہونا

کیا یہ پیغام بر غیر ہے اے مرغ چمن
خندہ زن باد بہاری سے وہ گل گوش ہوا

خندۂ برق تیغ: تلوار کی چمک

خندۂ برق تیغ میں، گرمیٔ مہر تیر ماہ
گریۂ زخم تیر میں جوشِ سحاب آذری

خندۂ قلقل: وہ آواز جو شیشے سے شراب نکالنے میں ہوتی ہے۔

حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا

خندۂ گل: پھول کی ہنسی مراد پھول کھلنا

حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا

صدا نکلتی ہے مل کر ہوا سے کیا ہو فرق
کہ بانگ خندۂ گل ہے کہ نالۂ ناقوس

خو: عادت

خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح
ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بد اے بد زباں نہ چھوڑ
پھونک دے آتش دل داغ مرے
اس کی خود یاد دلاتے ہیں مجھے

خو پڑنا: عادت پڑنا

اُسے خو پڑ گئی بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا

خو ہونا: عادت پڑنا

خو ہو گئی ہجراں میں تڑپنے کی شب وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا
تم کو خو ہو گئی برائی کی
درگذر کیجیے بھلا کب تک
قطرہ ہائے اشک گنتے ہو اگر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہو گئی اختر شماری آپ کی
نہیں یا صنم مومن اب کفر سے
کہ خو ہو گئی ہے سدا کہتے کہتے
برا انجام ہے آغاز بد کا
جفا کی ہو گئی خو امتحاں سے

خواب: تصور، خیال

وہ چشم انتظار کہاں باز بعد مرگ
دیکھا تو ہم نے آنکھ نہ لگنا بھی خواب تھا

خواب: سونا

تھی کمیں میں غارتِ ہوسِ دہن ہنگامِ خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا
پھر دوری بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

خواب: نیند

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین
وگرنہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس

بالش سنگ و خواب واویلا
بار خاطر ہوئی گراں جانی

بسترِ گل پہ خواب خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطر لباس سے گلاب جرم دماغ کی تری

خاک آنکھیں لگے خاک سے جو یوں ہی
ترکِ آرام و خواب نے مارا

تھی کمیں میں غارتِ بوسِ دہن ہنگام خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا

تھی خار راہ تیری مژگاں کی یاد پہر شب
تا صبح خواب چشم بیدار تک نہ پہنچا

گئے وہ خواب سے اُٹھ غیر کے گھر آخر شب
اپنے نالے نے دکھایا یہ اثر آخر شب

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں

تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں

ہے اعتماد مرے بخت خفتہ پہ کیا کیا
وگر نہ خواب کہاں چشم پاسباں کے لیے

خواب: وہ بات جو انسان نیند میں دیکھے

دیدۂ منتظر آتا نہیں شاید تجھ تک
کہ مرے خواب کا بھی کوئی نگہباں ہوگا

نازک اندام سے لگی ہے آنکھ
حسرتِ فرش خواب نے مارا

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا

دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخر شب

شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

جاتے تھے صبح رہ گئے بیتاب دیکھ کر
طالع ہمارے چونک پڑے خواب دیکھ کر

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش
تو اک صورتِ خواب دکھلائے غش

خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم

گر خواب میں بھی ادھر کو دیکھا
آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم

گر خواب میں آن کر جگایا
سوتے مردے جگائیں گے ہم

چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خواب وصل کیا دیکھیں

تا نہ خلل پڑے کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کہ اپنی شب دراز میں

صورت دکھائیے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجھلا کے خواب میں

شب وہ جو سو رہے مرے پاس آ کے خواب میں
جاگے تھے بخت خفتہ تمنا کے خواب میں

آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں

کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں

وہ ہے بغل میں تو بھی تو یاں نیند اڑ گئی
یہ سوچ ہے گیا نہ ہو اعدا کے خواب میں

سو رہتے پائے ناقہ زبان وداع گر
طالع نہ ہوتے قیس کے لیلا کے خواب میں

ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

نیرنگ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں
رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں
کیوں چونک چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں
اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں
سو جاؤں روتے روتے تو کیا جس کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آ کے خواب میں
کیا کفر ہے کہ چھوڑ دے سونا ہی گر کبھی
مومن نظر پڑے بت ترسا کے خواب میں
گر ہو وہ دست حنائی عکس افگن خواب میں
ہووے مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں
خیال خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے
دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے
ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے
وہ کہاں ساتھ سلاتے ہیں مجھے
خواب کیا کیا نظر آتے ہیں مجھے
ہے فسانہ ساتھ سوئے کب کسی تدبیر سے
نیند آتی ہے ہمارے خواب کی تعبیر سے
کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی
ان کو بے تابی ہے کیوں اس خواب بے تعبیر سے
آنکھوں کو بند کر کے وہیں کھول دے گر آئے
یوسف کسی کے محو تماشا کے خواب میں
کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں
دی تسلی بھی تو ایسی کہ تسلی نہ ہوئی
خواب میں تو مرے آئے وہ مگر آخرِ شب

خوابِ بے ترتیب: بے نتیجہ خواب

کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی
ان کو بے تابی ہے کیوں اس خواب بے تعبیر سے

خوابِ پریشاں: وحشت ناک خواب

نیند آ گئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمانِ خوابِ پریشاں نہیں رہا

خوابِ عدم: موت کی نیند، مراد موت ہے

خوابِ عدم حرام ہے یاں انتظار میں
کیا سو گئے اجل تری بیداد کے قدم
ہے شب فرقت میں مرگ افسانہ خوں بے فائدہ
نام آرام آ گیا خواب عدم کیوں کر کریں
ہے کس کا انتظار کہ خواب عدم سے بھی
ہر بار چونک پڑتے ہیں آواز پا کے ساتھ
تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے
ہم تو کل خواب عدم میں شب ہجراں ہوں گے
مزہ خواب عدم کا بے ستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی
چین ہو خواب عدم میں تو کسی تدبیر سے
میرے بالش کے لیے پر لا دو اس کے تیر سے
ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم
طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا
شامِ فراق خوابِ عدم کا ہے انتظار
آنکھیں لگی ہیں دولت بیدار کی طرف

خواب کا پریشان ہونا: نیند اچاٹ ہو جانا، نیند اڑ جانا

مجمع بستر مخمل شب غم یاد آیا
طالعِ خفتہ کا کیا خوابِ پریشاں ہوگا

خوابِ خوش: اچھا خواب

بستر گل پہ خوابِ خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطر لباس سے گلاب جرم دماغ کی تری

خوابِ گراں: گہری نیند

وہ آیا خاک پر تو بھی نہ اٹھے
ہوئے ہم کیا سبک خواب گراں کیا

خوار: رسوا، بے اعتبار

سو ہیں زیب دہ صدر خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلک اطلس، خوار

نیک خواہ اور خوبیِ دارین
بد سگال اب سے خوار تا محشر

خوار ہونا: رسوا ہونا، ذلیل ہونا

کیوں نہ ہوتے عزیز غیر تمہیں
میری قسمت میں خوار ہونا تھا

ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار
حیف خورشید زیرِ خاکستر

خواری: رسوائی، پریشانی، تباہی

وہ شمعِ انجمن ناز ہائے حوصلہ سوز
جو سمجھے خواری مشتاق رونقِ محفل

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان لگی

خواص و عوارض: وہ چیزیں جو دوسرے کی وجہ سے قائم ہوں

صفات آئے جو آئینۂ ہوا میں نظر
لگا خواص و عوارض کو اعتبار نفوس

خوان: سینی، کشتی، چنگیر، طباق، تھال، طشت

شعرا کو بہ آرزوئے شعیر
خوانِ عیسیٰ ہے نیم خوردۂ خر

نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدحِ شیریں پر
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دستِ حسرت کا

خوانِ نعمت: نعمت کا تھال، سینی

کہیں نیرنگیِ زماں سے فزوں
خوانِ نعمت کی اس کی الوانی

خوانِ نوال: بخشش کا طباق، عطا کا تھال

اس کے خوانِ نوال سے بہ مثل
آز اشعث کی کند دندانی

خواہاں: چاہنے والا، خواہش مند

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم
تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

خواہش: آرزو، تمنا

کردیا خواہشِ بیداد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار یہ میں ہوں مظلوم

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

خواہشِ مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا
تو ٹھنڈی سانسیں ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

زرد رخ رنگ طلائی کے ہوئے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہشِ زر میں پھرتے

پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہشِ پیامِ اجل کا پیام ہے

خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے

خوب: اچھی طرح، طنز کے موقع پر بولتے ہیں

سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ کو
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت ہو

گر نصیحت گر میں ہیچ ہوں سادہ لوح
تو نبھے گی خوب اس عیار سے

خوب: جی بھر کے

کہاں لختِ جگر ہیں سیلِ گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر

شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دلِ زار سنا کے اٹھے

خوب: عمدہ، اچھا

اگرچہ شعر مومن بھی نہایت خوب کہتا ہے
کہاں ہے لیک معنی بند مضموں یاب اپنا سا

خوب آیا تھا: بڑا آیا تھا، طنز کے مقام پر بولتے ہیں

سن کے وصف اس پہ مر گیا ہم دم
خوب آیا تھا غم بنانے کو

خوب رو: حسین، خوبصورت

ناچار دیں کے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوئے بد اے بد زباں نہ چھوڑ

خوبی: اچھائی، عمدگی

منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا

دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجئے یہ خوبی اپنی قسمت کی

خوبی: بھلائی، فلاح

نیک خواہ اور خوبی دارین
بد سگال اب سے خوار تا محشر

خوبیاں: واحد خوبی۔ بھلائی، بڑائی

کیا گنے خوبیاں کوئی اس کی
اک سخاوت شمار سے باہر

خود: بذاتِ خاص، آپ

عجب نہیں ہے گل رنگ کی ہوس سے اگر
خود آکے شیشۂ خالی میں ہو پری محبوس

وصالِ غیر کے طعنوں سے جی جلا اس کا
کہاں وہ گرمیِ صحبت کہ خود ہوا میں خجل

یہ جوشِ خانۂ کفار کی خرابی کا
کہ خود گرائے کلیسا کو راہبِ خامل

سن کر افسانۂ یوسف، ترے ایام میں، گرگ
غم تہمت میں، ہوئے جنس سے اپنی بے زار

چرخ سے کم تو کیا ہو وہ خود جو ضربِ گرز اٹھائے
حرب سے پہلے سرشکن، بہرِ عدو یہ مغفری

قبائے گل کو کر اطلس سے دیکھئے تشبیہ
سیاہ پوش "جعل" ہو درونِ ماتم "سوس"

سرمۂ سنجیر سے ہم خود مسخر کیوں نہ ہوں
آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہوگیا

عشقِ بت میں خود اب تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

اُٹھ جا کہاں تلک کوئی باتیں اُٹھائے گا
ناصح تو خود غلط تری گفتار ہے غلط

ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم

خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے

ہو اور کو تو ہدایت جو خود ہوں آوارہ
یہ عمر کاش کے جوں نالۂ جرس گذرے

کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں

خود آرا: اپنے کو سجانے والا، خود کو سنوارنے والا مراد معشوق، محبوب

گو جنازے پر عدو کے وہ خود آرا ہوگیا
پر ہمارا بھی تو مرجانا تماشا ہوگیا

مردہ و حیراں میں کیا شبہہ پڑا دیکھنا
محوِ خود آرا ترا آئینہ میں ہے ہنوز

خود بخود: از خود، اپنے آپ

مجھ پہ شمشیرِ نگہ خود بخود آپڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں آپ

خود پسند: دوسروں کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے کو باوقعت سمجھے والا

وہ کج ادا، صنم خود پسند، کافر کیش
کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل

خود کام: خود غرض، بے مروت

فغاں کے دل بر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصولِ کار ہے بے کار و سعی بے حاصل

آئینہ کا بوسہ لے تو عکسِ لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خود کام ہم

خود کامی: خود غرضی

ہائے وہ لاف ہائے خود کامی
غیر ہر کام میں دخیل ہوا

خود بینی: غرور، تکبر

کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی

خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
سمجھ تو ،مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیز گار آئینہ

خودرفتگی: بے خودی، مدہوشی

یادِ کاکل میں بھی خود رفتگی اپنی نہ گئی
جوشِ وحشت سے میں پابند سلاسل نہ ہوا
گھر میں خودرفتگی سے دھوم مچی
کیوں کہ ہو اُس تلک برا جانا
یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا
خودرفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آ گیا
شوق مردن کو بھی سامان سفر درکار تھا
سو ہے از خود رفتگی ترک وطن کی فکر میں
خیال زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
کیوں رم جاتا نہ کے بدلے ہے از خودرفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی
خود رفتگی میں چین وہ پایا کہ کیا کہوں
غربت جو مجھ سے پوچھو تو بہتر وطن سے ہے

خوردہ بیں: عیب جو نکتہ چینی، باریک بیں

دیکھے نرگس حسد سے جانب گل
خوردہ بیں ہو گئے ہیں اہل نظر
عیب جو، خوردہ بیں کا یہ احوال
دوپہر کو فلک نہ آئے نظر

خوردۂ زر: سونے کا ٹکڑا

لکھیے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر
ذرہ پائے رواج خوردہ زر

خوردۂ گل: پھول کی جھڑی، پھول کا ریزہ

واہ قسمت کہ نہ دے خوردۂ گل بھی گل چیں
زمزمے مرغ گلستاں کے سے، کھنچوں میں ہزار

خورشید: آفتاب، سورج

دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے
بہ سان ساغر خورشید کاسہ ہائے رؤس
ہزار داغ ہو پروائے آفتاب کسے
پرستش گل خورشید میں ہے گرم مجوس
یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعائے بدر طوس
ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار
حیف خورشید زیر خاکستر
ہوں خوشہ سے بسان مغاں
عید خورشید روز شہریور
آز پابوس میں پے خورشید
ذروہ اوج ، پایۂ منبر
دھوم ہے، تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار
نور خورشید سے ہے جرم قمر کی تابش
مے سے ہو، کیوں نہ فزوں؟ حسن رخ ماہ عذار
اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار
در دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار
گر حصول زر مسکوک کی سمجھوں میں دلیل
ناخن شیر سے ہو سینۂ خورشید، فگار
ملے ہو غیر سے بے پردہ تم انکار کے بعد
جلوہ خورشید کا سا تھا کچھ اُدھر آخرِ شب
کرتے جو مجھے یاد شب وصل عدو تم
کیا صبح کہ خورشید نہ تا شام نکلتا

خوش: شاد، خرم

تجھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ

خوش انجام: اچھے خاتمے والا

اس بت کے لیے میں ہوس حور سے گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو

خوش بیاں: اچھی گفتگو کرنے والا

پابوس گر کرے مرے خامے کا بند ہوں
شیرینی سخن سے لب خوش بیان تیغ

خوش بیاں: خوش تقریر، شیریں گفتار

پابوس گر کرے مرے خامے کا بند ہوں
شیرینیِ سخن سے لب خوش بیان تیغ

خوش قداں: اچھے قد و قامت والے

ہائے وہ رقص خوش قداں جس کے
صدقے انداز سرو بستانی

خوش نگہی:

کیا ہوگئی خود بینی اب غیر سے چشمک ہے
یا خوش نگہی وہ کچھ یا بد نظری اتنی

خوش نویسوں: خوش نویس کی جمع، کاتب، خوشخط

بن دنداں سے کھائے نال قلم
خوش نویسوں میں ہے جو سر دفتر

خوش ہونا: شاد ہونا

میں اپنی کشتیِ طوفاں رسیدہ سے خوش ہوں
کہ بحر عشق میں کام نہنگ ہے ساحل
روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مر گئے
اب تو خوش ہو بے وفا تیرا ہی لے کہنا کیا
میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس
تن کاہیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں
کیا خوش ہوں کوے غیر میں گر نقش پا نہ ہو
وہ شوخ جانتا ہوں کہ ثابت قدم نہیں
ہیں غیر مرے نکلنے سے خوش
گویا کہ میں ان کا مدعا ہوں
میں کینے سے بھی خوش ہوں کہ سب یہ تو کہتے ہیں
اس فتنہ گر کو لاگ ہے اس مبتلا کے ساتھ
اجل سے خوش ہوں کسی طرح ہو وصال تو ہے
نہ آئے نعش پہ وہ پر یہ احتمال تو ہے
میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

درد شانہ سے ترا محو نزاکت خوش ہے
کہ میں ہم دوش ہوں گو غیر بھی ہم دوش ہوا
ہجو ملیح غیر سمجھ کر مزے اٹھائے
خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دل فگار ہیں

خوشبو: معطر

ان کو گمان ہے گلۂ چین زلف کا
خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

خوشی: سرور، انبساط

وصال کو ہم ترس رہے تھے جو اب ہوا تو مزا نہ پایا
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اُس کو رنج والم نہ ہوتا
کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت
کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق
اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں
خوشی نہ ہو مجھے کیوں کر قضا کے آنے کی
خبر ہے لاش پہ اس بیوفا کے آنے کی
شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

خوشہ: گچھا

ہوس خوشہ سے بسان مغاں
عید خورشید روز شہریور

خوشہ: گیہوں کی بالی

بند ہے امید گر اک خوشہ گندم کی مجھے
"تیز" مہر تحویل سے ہو برج شرف کی بیزار

خوف: ڈر، اندیشہ

ترا وہ خوف کہ رک جائے تا گلو آ کر
نہ نکلے معبد ترسا میں نالۂ ناقوس
خوف و عصمت سے تیرے آئے جو پاس
شمع پروانے کے جلادے پر

یہ خوف ہے کہ اگر کیجیے ذکر خوں ریزی
عدوے منقبض الطبع کو ترے ہو سل
خوف سے تیری عدالت کے لگا کر مسّی
سرخی لب کو چھپاتے ہیں بتان خوں خوار
یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان
سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کے نشان تیغ
ناصح کو جو چاہوں تو ابھی ٹھیک بنا دوں
پر خوف خدا کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
دم بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخم بدن سے خون کا دریا نکل آیا
نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ہے خوف
پر کیا علاج طاقتِ ضبط فغاں نہیں
شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منہ اور زبانِ ہر سخن ور خشک ہو

خوکردۂ محنت: رنج والم کا عادی

خون دل پیتے ہیں خوکردۂ محنت اے کاش
ساغر دہر میں ساقی سے بیداد بھرے

خوگر: عادی

طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا
نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کردیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر

خوگران: جمع ہے خوگر کی، عادی

کیا حال ہے عدم کا کہلا تو بھیجو جو تم
اے خوگرانِ غربت سوے وطن گئے ہو

خون: لہو

گر اس بہار کی یعقوب کو ہوا لگ جائے
شمیم جامۂ یوسف کبھی نہ ہو محسوس
ربط سے زخم ہاے اعدا کے
قطرۂ خوں ہو مشک بار دگر
حساد سر سے پانو تک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بیان تیغ

آب حیات چارہ کرے یا دم مسیح
ممکن نہیں جبیں ترے خوں کردگان تیغ
خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا
روتے تو رحم آتا سو اُس کے رو برو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا
العطش زن سپہر و یارو عدو
بے گناہ خوں مرا سبیل ہوا
رنگیں ہے خونِ سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب
ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ
ہے سرخ پٹکا اور خونِ غیر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر میرے کمر نکلے ہو گھر سے باندھ کر
اور ہی رنگ آج ہے عارضِ گل عذار کا
خون دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں
خسرو و عیش وصل یار جانکنی اور کوہ کن
اپنا جگر تو خوں ہوا عشق کے امتیاز میں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں
پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو
گل بانگ کس کا مشورۂ قتل ہو گیا
کچھ آج بوئے خوں ہے وہاں کی ہوا کے ساتھ
داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے
تڑپتا ہے پڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے
کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دست عدو سے پانو میں تھی شب حنا لگتی
تیشہ کچھ دشنۂ شیریں یہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

چارہ گر اس کی خطا کیا مرے تن میں نہ رہا
خون اتنا کہ سرِ نشترِ فصاد بھرے

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خوں سے تر آستیں ہو چکی

اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاجِ دلِ دیوانہ کریں گے

فرطِ ضعف و جوشِ بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشمِ ہر جوان و پیر سے

جائے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے
منھ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوکِ تیر سے

حنا کے رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے

خون: قتل

خون کے میرے ارادے سے ہوا "مذابح سعد"
قتل پر میرے کمر باندھے ہے شکلِ جبار

مت پوچھ مجھ سے خونِ عنادل کا ماجرا
ہر گل زمینِ شعر پہ ہے آسمان تیغ

روزِ جزا جو قاتلِ دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

روزِ جزا خدا بُتِ جلّاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحق مومن صواب تھا

خون کیوں کر مرا کھلے کہ مجھے
اک سراپا حجاب نے مارا

جوابِ خونِ ناحق میرا ایسا کیا دیا تو نے
کہ ظالم رہ گئے منہ لے کے سب احباب اپنا سا

روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام
مہرِ عدو بد گماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

میں نے سوچا آپ اپنے خونِ ناحق کا جواب
نام اس کا سینے پر لکھا ہے نوکِ تیر سے

گر بہائے خونِ عاشق ہے وصال
انتقامِ زحمتِ جلّاد کیا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ میرے خون کا دعوا کیا

خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ
مجھ کو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

پونچھے آنسوں وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

گر سامنے اس کے بھی گرے اشک تو دل سے
کیوں روزِ جزا خون کا دعوی نہ کریں گے

خوں بار: خون برسانے والا

روتے تو رحم آتا سو اُس کے رو برو تو
اک قطرۂ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح

دیکھ اشکِ لالہ گون رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے

چشمِ خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

خون بہا: وہ رقم جو مقتول کے وارث بعوض خون لیں، دیت

خون بہا قاتلِ بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں

ہوں بے گناہ و لے خوں بہا معاف کیا
کہ وارثوں سے کہیں ملتفت نہ ہو قاتل

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دمِ قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

خون پلانا: غم مسلط کرنا

ہم ہیں اور حسرت ہے گل گوں
خوں پلاتا ہے قہرِ یزدانی

خون جگر پلانا: غم واندوہ میں مبتلا کرنا
کس کو خون جگر پلائے گا
ساغر مئے کو کیوں لگایا منہ

خون چکاں: خون ٹپکانے والا
دل ہی میں حسرت نفس خوں چکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امان تیغ
پڑھتا ہوں اور مطلع رنگیں کہ سن جسے
سرگرم آفریں ہو لب خوں چکان تیغ
رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ

خون چھپانا: قتل کو پوشیدہ رکھنا
خوں چھپانے کو مری لاش سے کہتا ہے وہ شوخ
مجھ کو یہ غم ہے کہ میں کیوں ترا قاتل نہ ہوا

خون خشک ہونا: ڈر جانا، سہم جانا، چپ ہو جانا
گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

خون خشک ہونا: خوف یا رنج سے دبلا ہونا
گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

خون رونا: اتنا رونا کہ آنسو کی جگہ خون نکلے
موئے ہیں حسرت دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت ہو

خون ریز: خون بہانے والا
وہ شوخ بے سبب آزار و بے گنہ، خوں ریز
کہ جرم قاتل ''عثمان'' کا نہ ہو قائل

خون ریزی: کشت و خون، قتل و خون کا عمل
رستمی کا عوض افلاک سے لوں گا پس مرگ
قتل عاشق ہے یہ خوں ریزی سہراب نہیں
یہ خوف ہے کہ اگر کیجیے ذکر خوں ریزی
عدوئے منقبض الطبع کو ترے ہو سل

خون کرنا: قتل کرنا
کف رنگیں نے کیا، خون خیالِ رنگیں
دست دربار کی شاکی ہے زبان دربار

ہیں گدا پر غرور شیرویہ
بے گنہ جو کیا ہے خون پدر
نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدحِ شیریں پر
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا
شفیع بے گناہاں ہے نزاکت اس کلائی کی
بھلا خوں تو کروگے پہلے تم شمشیر تو کھینچو
مرا خون کیا بار گردن ہوا
کہ بے تاب وہ درد گردن سے ہے

خون کے نالے بہنا: خونریزی ہونا
اے زہرہ چیرِ دشمن منحوس کو نہ دیکھ
نالے بہیں گے خون کے اس فتح باب میں

خون گرفتہ: اجل گرفتہ، اجل رسیدہ جس کی موت نزدیک آ پہنچی ہو
ہوں خوں گرفتہ یارو شفاعت سے فائدہ
صید اجل کسی نے چھڑایا نہیں ہنوز

خون گشتہ: مارا ہوا، جان سے گیا ہوا، معدوم
سرشکِ اعتراف عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا

خون ہونا: قتل ہونا
مجھے وہ تیغِ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دلِ صد پارہ اصحابِ نفاق و اہلِ بدعت کا
اِک نئی آرزو کا خون ہوا
ہم ہیں اور تازہ سوگواری آج
نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پر
ہمیشہ اک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
لب پہ حرف آرزو کا خوں ہوا
رنگ یاس کا منہ لگا تا چھوڑ دے
جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اس بلوے میں شب خون تمنا ہو گیا

خونخوار: ظالم، جلاد، خوفناک
خوف سے تیری عدالت کے لگا کرستی
سرخی لب کو چھپاتے ہیں بتان خوں خوار

چینِ جبیں بلاؤ نگاہ غضب ستم
کرتی ہے قتل اُس بتِ خوں خوار کی طرح

خوناب: خون کے آنسو

گہہ ساقیِ سرخ لب کے غم نے
خوں ناب دل و جگر پلایا
لب رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر
ختم اللہ مورد ہے زبس قلب سیاہ
تیرے دشمن کو ہے خونِ نابہ رحیق مختوم
بہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا در ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوناب اپنا سا

خونابہ ریز: خون کے آنسو گرانے والا

پُر جوش آ گیا دم خوں نابہ ریز کو
پھر تیزیِ زباں پہ ہے قرباں زبان، تیغ

خونابہ نوشی: خون کے آنسو پینے کا عمل

کیوں بنی خونابہ نوشی بادہ خواری آپ کی
کس لیے ہے بے خودی غفلت شعاری آپ کی

خونیں: خوں آلودہ، سرخ

سرایتیں ہیں یہ طوفانِ اشکِ خونیں کی
کہ ایک ایک شجر ہے برنگِ مرجاں سرخ
غریقِ گریۂ خونیں رہا نہ کر مومن
لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ
گلگوں قبا پہن کے کیا قتل غیر کو
کیا آئی اپنے کشتۂ خونیں کفن کی یاد
گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

خوں سر گردن رہنا: کسی کے قتل کا گناہ سر پر ہونا

نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق حیف
خونِ فرہاد سرِ گردنِ فرہاد رہا

خوں فشاں: خوں بار، خون برسانے والا

ستم ہے شدت گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشم خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر
نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحر چشم خوں فشاں سے
کیا دور اس کے دست کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریز ہو مژہ خوں فشان تیغ

خیال: دھیان

بے جرم پائمال عدو کو کیا کیا
مجھ کو خیال بھی ترے سر کی قسم نہیں

خیال: رائے، تجویز

کیا کیا شکن دیے ہیں دلِ زار کو مگر
اُس کے خیال میں ورقِ انتخاب تھا

خیال: وہم و گمان

اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہمِ ربط دشمن ہو گیا
وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں سے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری

خیال: تصور، دھیان

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین
وگرنہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس
اگر پڑے مرے پیک خیال کا سایہ
گرا دے شاہ سواروں کو رہروے راجل
مجھ سے مدیح سنج کا، پیک خیال گر نہ ہو
شاہ سوار کیا کرے، کس سے ہو اس کی چاکری
اس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا
مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقولِ درد
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز
وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی میں
مزے اڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ انداز رم نہ ہوتا
چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزاے پر طاؤس ہے
بس کہ ہے یار کی کمر کا خیال
شعر کی سوجھتی ہے باریکی

گر نہ ہو دل میں خیالِ نگہ خواب آلود
درد کیا کیا اثرِ خفتہ جگا کے اٹھے

دل ہوا خون خیالِ ناخنِ یار
تو نے اچھی گرہ کشائی کی

بندھا خیالِ جناں بعد ترکِ یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے

اے دل آ جانے دے اس زلفِ مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے

خیالِ اجل سے تسلی کروں
یہ طاقت بھی جانِ حزیں ہو چکی

ذرا تھم اے دلِ مضطر کہ فکرِ وصل کروں
شبِ قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

خیالِ خواب راحت ہے علاج اس بدگمانی کا
وہ کافر گور میں مومن مرا شانہ ہلاتا ہے

کیا رلاتی ہے مجھے فکرِ خیالِ دشمن
وصل میں جب وہ ادھر منہ کے نظر کرتا ہے

خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی

کرتے ہیں اپنے زخمِ جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیالِ جنبشِ مژگاں نہیں رہا

خیال: فکر، پروا

فرطِ جمال سے نہیں گرچہ لباس کا خیال
تو بھی تو بکرِ فکر کو، تنگ ہے زہرہ معجری

میں ایک سخت جان ہوں گردوں سے پوچھ لو
تم کو خیال ہے مرے آزار کا عبث

پھر دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

سودا ہے مجھ کو گرمیِ بازارِ عشق کا
اس کا کہاں خیال کہ اپنا ضرر نہ ہو

خیال: منصوبہ، ارادہ

کہ نہیں کیوں خیالِ طوفِ حرم
مومن اور اتنی نامسلمانی

ہے مجھے بھی خیالِ طوفِ حرم
خضرِ رہ گر ہو فضلِ رحمانی

آیا نہ کبھی خیالِ حج کا
تلوا سو بار گر کھجایا

خیال آ بندھنا: تصور بندھنا، کسی بات کا خیال جم جانا

نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق

خیال آنا: تصور میں آنا

آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم

کون سے سوختہ اختر کا خیال آتا ہے
سرمہ جب دیتے ہو تم اشک بہاتے کیوں ہو

دم کبک خیالِ شکوۂ قاتل گر آ جائے
لبِ زخمِ جگر میں دشنۂ انگشتِ ندامت ہو

پھر آ گیا ہے کون سے بیباک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس و نام ہے

دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جا سکے کب یار کے مسکن میں ہم

خیال بندھنا: کسی چیز کی صورت دل میں جم جانا

بندھا خیالِ جناں بعد ترکِ یار مجھے
کیا ہے یاس نے کیا کیا امیدوار مجھے

خیالِ خام: بےہودہ خیال، وہ خیال جس کے پورا ہونے کی امید نہ ہو

آتشیں خو سے آرزوئے وصال
پک گیا اب خیالِ خام مرا

خیالِ رنگیں: دل پسند تصور، خوش آیند تصور

کفِ رنگیں نے کیا، خونِ خیالِ رنگیں
دستِ دربار کی شاکی ہے زبانِ دربار

خیال گذرنا: کچھ یاد آنا

سدِ راہ ایسی نہیں غیرتِ یادِ اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے

نہ جاؤں کیوں کہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیال حسرت مرغان ہم قفس گذرے

خیالات: جمع ہے خیال کی، افکار
پھر وہ وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں آہو ہیں نظر میں پھرتے

خیالات خام: جمع ہے خیال خام کی۔ بے ہودہ خیال، وہ خیال جس کے پورے ہونے کی امید نہ ہو
اس سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالات خام کو

خیر ہے: کلمہ تعجب
ہائے صنم ہائے صنم لب پہ کیوں؟
خیر ہے مومن تمہیں کیا ہو گیا
پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا
کیوں اُلجھتے ہو جنبشِ لب سے
خیر ہے میں نے کیا کہا صاحب
خیر ہے کس نے کہا شور قیامت تم کو
نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو
مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منہ آپ کا صاحب خدا کا نام لو

خیر مقدم: وہ کلمہ جو کسی بزرگ یا عالی مرتبہ کے آنے کے وقت کہا جاتا ہے۔
غنچہ ہائے آرزوئے مومن اب کھلنے کو ہیں
خیر مقدم گلشنِ ایماں میں آتی ہے بہار

خیر نہیں: سلامتی نہیں، عافیت نہیں
کشادِ دل پہ باندھی ہے کمر آج
نہیں خیر آپ کے بند قبا کی

خیرہ چشمی: بے حیائی، بے غیرتی
کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا

خم واژوں فلک: اوندھے آسمان کا خم (یعنی وہ اوندھا آسمان جو مٹکے کی طرح ہے)
خم واژوں فلک، سبوے تہی
دور بگذشتہ، گردش ساغر

د

داخل ہونا: اندر جانا، پہنچ جانا
وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن
ابھی سے ہم تو جہنم میں ہو گئے داخل
مر گیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن میں و لے خلد میں داخل نہ ہوا

داد چاہنا: تحسین چاہنا، تعریف چاہنا
تو وہ عادل کہ ذکر "کسریٰ" میں
عدل کی تجھ سے داد چاہے عمر
نہ چاہوں روز جزا داد یہ ستم دیکھو
کب آزماتے ہیں جب وقت امتحان نہیں

دادخواہ: مظلوم، فریادی
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز
کہہ دے اگر ہو شک سخنِ دادخواہ میں
کون ایسا کہ اس سے پوچھے کیوں
پرسش حال داد خواہ نہ کی

دادخواہوں: واحد دادخواہ، مظلوم، فریادی
دادخواہوں کے شور سے دیکھو
چونک پڑتا ہے فتنۂ محشر

داد دینا: کسی کے ہنر یا کمال کی تعریف کرنا
شہا کسی نے نہ دی یاں مرے ہنر کی داد
کہ نکتہ فہم نہ تھا ایک سرور باذل
کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں

داد دہی: کسی کے ہنر یا کمال کی تعریف کرنے کا عمل
تجھ کو نصیب بزم میں داد دہی، صلہ دہی
مجھ کو مبارک ایک سو مدح گری، گدا گری

دادرس: فریاد سننے والا
یہ نیم جان و غم ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں اے مرگ دادرس گذرے

دار: سولی

وہ رفعت حال دے کہ جس نے
منصور کو دار پر چڑھایا

گو دار پہ کھینچیں ہمیں دلدار نصاریٰ
پر آرزوے زلف چلیپا نہ کریں گے

دار پہ چڑھانا: سولی دینا، پھانسی دینا

وہ رفعت حال دے کہ جس نے
منصور کو دار پر چڑھایا

دارین: دو مقام، مراد دنیا و آخرت

نیک خواہ اور خوبی دارین
بدسگال اب سے خوار تا محشر

داستان: طویل قصہ

''فردوسی'' ایک خار جنان بیان تھا
گلریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

مومن کو آرزوے ثواب جہاد ہے
کفار کاش آکے سنیں داستان تیغ

سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جا بہ جا
رنگین کس طرح سے نہ ہو داستان تیغ

داغ: الزام

داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے

پونچھے آنسوں وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے

داغ: جلنے کا نشان

کیوں کر دے فلک دام عدو کو درم داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

پھونک دے آتش دل داغ مرے
اس کی خود یاد دلاتے ہیں مجھے

داغ: دھبا، نشان

رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افیوں

ہے جب تلک گل و برقسمت نہال و شجر
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت و بوس

کرتا ہے سخت ناخن غم رو خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ

اس رشک مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشم اشک بار کہیں پہ نہ جائے داغ

دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل

چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزاے پر طاؤس ہے

اس لب نازک کو برگ گل سے دیتے ہی مثال
ہونٹ برگ لالہ تھے اور نیل داغ لالہ تھا

داغ ہے تیرے جام عشرت سے
گل داماں کی پاک دامانی

داغ: رشک و حسد

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہین داغ عدو کا رہے دل مایوس

داغ: زخم

صدر انجم شناس سے تاباں
مہ کامل کی طرح داغ جگر

داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

داغ: صدمہ

داغ جدائی در دنداں و روے و زلف
ہے اشک شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع

داغ: زخم

پنبۂ داغ دل کو حیراں ہوں
نہ رہا خرقۂ زمستانی

اے فلک دل کو داغ کرتی ہے
زر خورشید کی درخشانی

داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گے
تھا چراغ خانہ ہم کو برق خرمن ہوگ

ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہوگیا
ہوتا ہے آہ صبح سے داغ اور شعلہ زن
کیسا چراغ تھا یہ کبھی گل نہ ہوسکا
یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہ کامل کے آس پاس
گن گن کے دیے داغ فلک نے مجھے گویا
آتا تھا یہ اس پر زر نایاب مرا قرض
گلشن میں لالہ مَیں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دلنشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ
کیا کہیے گرمیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوالہ جائے داغ

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ
دیکھو تو سرد مہری چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ
دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خوگروہ تھا بہ تاب وتپ شعلہ ہائے داغ
رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ
تاروں کے بدلے گن کے شب تار کاٹ دی
ایامِ ہجر میں مرے کیا کام آئے داغ
جلتا ہوں اہل نار کی تبدیلِ جلد سے
مومن غضب ہے آتش لذت فزائے داغ
حصولِ سوز دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ
داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج وتخت دل
وہم عشق لالہ رو سے داغ دل کیا کیا کھلے
جان کر گل چیں کو تاراج چمن کی فکر میں
زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھنے ہم

عدم میں جاتے ہیں گو پانو کا نشاں نہیں
یہ گل ہیں داغ جگر کے انہیں سمجھ کر چھیڑ
یہ باغ سینۂ عاشق ہے گلستاں نہیں
کھاتا ہوں بدن پہ عشق میں داغ
اعمال کی اپنے خود جزا ہوں
آتی ہے بوے داغ شب تار ہجر میں
سینہ بھی چاک ہو نہ گیا ہو قبا کے ساتھ
مشامِ غیر میں پہنچے ہے نکہت گل داغ
یہ بے سبب نہیں بندی ہوا کے آنے کی
سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سرو داغ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت وبیاباں ہوں گے
مرے داغ یاد آئے گل دیکھ کر
کہ بیزار وہ سحر گلشن سے ہے
یاد آگیا زبس کوئی مہ روے مہر وش
امید داغ تازہ سپہر کہن سے ہے
داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے
پھر سینہ سوز داغ غم شعلہ فام ہے
پھر گرم جوشی دل و سودائے خام ہے
داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے

داغ: زخم کا نشان

دیے ہیں میرے حسد نے زبس ہزاروں داغ
روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن
یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں

داغ افزا: جھلسانے والا، جلانے والا

سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں

داغ افزا: داغ کو بڑھانے والا

سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں
چشم دریا بار ہے کس کے خیال خط میں جو
فلس ماہی داغ افزائے پر طاؤس ہے

داغ بہ جانا: نشان صاف ہو جانا، نشان مٹ جانا

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشمِ اشک بار کہیں بہ نہ جائے داغ

داغ پہ داغ کھانا: صدمہ پہ صدمہ اٹھانا

دل دے کے اک اور لالہ رو کو
ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم
کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

داغ تازہ ہونا: بھولے ہوئے صدمہ کا یاد آ جانا اور اس کی وجہ سے رنج ہونا، زخم ہرا ہونا

نوجواں جب کوئی جاتا ہے جہاں سے ناشاد
تازہ ہوتا ہے مجھے داغ امید حِرماں

داغ داغ ہونا: بہت زیادہ رنج اٹھانا، صدمہ اٹھانا

اُس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے
گل کھانے کو رقیب کا چھلّا منگا دیا

داغ دینا: کوئی چیز گرم کر کے اس کا نشان جسم پر ڈالنا

خوں بہا قاتل بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں

داغ کھانا: رشک کرنا

جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار

داغ ہا: جمع ہے داغ کی۔ نشان

آتشِ اُلفت بجھا دی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمیٔ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

داغ ہونا: رشک ہونا

ہزار داغ ہو پروانے آفتاب کے
پرستشِ گلِ خورشید میں ہے گرم مجوس

داغ ہونا: مبتلائے رشک ہونا

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ
پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے

داغوں: داغ کی جمع۔ زخم

غم بے قدری ،،بخیت،، سے جگر چاک ہوا
خرق افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار؟
چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

دام: جال، پھندا

اس دام سے مجھ کو تو چھڑا دے
داؤد نے جس میں دل پھنسایا
دست گہر فشاں سے وہ نامہ اگر کرے رقم
دام ہما ہو حسرت مرتبۂ کبوتری
ہر حلقۂ دام آرزو نے
طوق لعنت مجھے پنہایا
چھوٹنا دامِ شکستہ سے بھی آسان نہیں
میں گرفتارِ خمِ گیسوئے صیاد رہا
ہاں جوشِ طپش چھیڑ چلی جائے کہ پرتو
جھڑ جائیں گے فرسودہ اگر دام نہ ہوگا
ہم دام محبت میں اِدھر چھوٹے اُدھر بند
پرواز بھی کی آہ تو جوں طائر پر بند
ہر ستم صیاد کا کیا التفات آمیز تھا
بند کرنے کو قفس میں دام سے چھوڑا ہمیں
بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے
گر ہو سکے راہ چمن اے رستگان دام لو
نہ جاؤں کیوں کہ سوئے دام آشیاں سے جب
خیالِ حسرت مرغانِ ہم قفس گذرے
مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھتے ہے تار سبحہ کے زنار کے لیے

دام عاشق ہے دل دہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی

دام میں آنا: جال میں آنا، گرفتار ہونا

آئے غزال چشم سدا میرے دام میں
صیاد ہی رہا میں گرفتار کم ہوا
اگر نہ دام میں زلف سیہ کے آجاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم
اُلجھا ہے پانو یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

دامن: انگرکھے یا قبا کا وہ حصہ جو نیچے لٹکتا رہتا ہے، گریبان کا مقابل کسی چیز کا کنارا۔

ایک ہی جنبش میں تھی صد راحتِ خوابِ عدم
طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا
آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلّاد میں دامن ہے ہمارا
گل رنگ ہوا گریۂ خوں سے مرا دامن
کیا اب بھی خجل چرخ سیہ فام نہ ہوگا
دامن اُس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
روزِ جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز
کیوں کر مجھے گناہِ زلیخا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز
ناتواں تھے پر نہ چھوڑا مثلِ خار
خود الجھ کر رہ گئے دامن میں ہم
درازدستی یہ کس بے ادب نے کی دمِ قتل
تمام دامن قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
دامن قاتل کو وقتِ قتل کیوں کر چھوڑ دے
بے کسی سے جان تھی اپنی کفن کی فکر میں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب میں کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں
پونچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو
ہنگام وداع آہ گلا کاٹ رہے تھے
کیا کھینچتے دامن کو ترے کام میں تھا ہاتھ
داغ خوں سے وہ مرے حیراں ہوا
دامن الجھا ہے گل بے خار سے
پونچھے آنسوں وارثوں کے کیا کروں اب ہائے ہائے
داغ میرے خون کا دامن سے چھوٹا جائے ہے
تیشہ کچھ دشنہ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

دامن تر: بھیگا ہوا دامن (اکثر شرابیوں کے دامن شراب سے تر رہتے ہیں)

گرمی التفات سے تیری
خشک ہو عاصیوں کا دامن تر
نچوڑیں گے ہم اپنا دامنِ تر
جہنم میں ہے اے واعظ اگر آگ

دامن اٹھانا: دامن سمیٹنا

ہے ایک خلق کا خوں سر پہ اشک خوں کے مرے
سکھائی طرز اسے دامن اٹھا کے آنے کی

داماں: دامن، گریبان کا مقابل، کسی چیز کا کنارا

داغ ہے تیرے جام عشرت سے
گل داماں کی پاک دامانی
خدایا ہاتھ اُٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا
عدو نے دیکھے کہاں اشکِ چشمِ گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ
ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تلک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ
پھر نہ چھوڑوں گو وہ کردے چاک جیب جاں تلک
ہاتھ پہنچا چاہیے اس شوخ کے، داماں تلک
رشک دامانِ جواہر اور لکھی ہے اک غزل

جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

داماں تر: دامن تر کی جمع۔ بھیگا ہوا دامن

موج زن ہے ایک دریا بارے جوشِ اشک بارے
آستیں ہوجائے تر داماں تر گر خشک ہو

داماں تر ہونا: دامن کا آنسوؤں سے بھیگ جانا

لذت بغیر جان دہی مردگاں محال
آب بقا فسردۂ داماں تر نہ ہو

مرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں داماں تر نہ ہوجائے

میں کیا کہ مرگ غیر پہ داماں تر نہ ہو
وہ اشک ریز خندۂ چاک کفن سے ہے

دامن تر ہونا: گناہ گار ہونا (اکثر شرابیوں کے دامن شراب سے تر رہتے ہیں)

دامن گیر: دامن پکڑنے والا

ہم یقینی جوشِ وحشت سے فلک پر پہنچتے
خار دامن گیر پر عیسیٰ کی سوزن ہوگیا

دانا: واقف، باخبر

مومن آہنگ دعا ختم سخن کا ہے یہ وقت
آپ تو آپ ہیں دانائے قوانین و رسوم

میرے سینے کے صفحے میں ہے رقم
علم دانا دلانِ یونانی

دانائی: عقل، دانش، سمجھ بوجھ

ہم بھی تو ناداں ہیں آخر پاس مطلب کے لئے
خضر موسیٰ کو ہے تعلیم دانائی ملا

ناصح نادان یہ دانائی نہیں
دل کو سمجھاؤں میں سودائی نہیں

دانش: عقل، دانائی، سمجھ بوجھ

ابر بارندۂ دانش، گہر فیض کمال
قلزم حسن عمل، منبع دریائے علوم

مہر افلاک عقل و دانش ہوں
فطرتی ہے مری درخشانی

دانش آفرینی: مراد سوجھ بوجھ، دانش مندی

جہاں ہو ذکر مری دانش آفرینی کا
سفیہ ہے وہ جو ''بہلول'' کو کہے عاقل

دانشوری: دانش مندی، عقل، فہم

شاعری اپنی ہوئی نیرنگی دانشوری
جو سخن ہے سو طلسمِ راز بطلیموس ہے

دانۂ فلفل: مرچ کا دانہ

مثال دوں جو زرہ پوشیِ خصم سے
ہزار پارہ ہو بے صدمہ دانۂ فلفل

داور: حاکم

وہ فتنہ گر، بت حق ناشناس، نا انصاف
جو فرض عین گنے، کین داور عادل

مجھ سے ناکس کی ہم نشینی کا
تجھ سے داور کو شوق پنہانی

داوری: حکومت، انصاف

ایک جہاں میں قدرداں سو وہ بہ رغم آسماں
آج یہاں ہے کل وہاں واہ کمال داوری

دائر: حرکت والا، پھرنے والا

بہ فرض گر کرۂ خاک کو کہوں دائر
شکستہ اسپ گلی ہووے پیش تاز فرس

دائم: ہمیشہ، مسلسل

دائم، اس جان کے دشمن سے جدا ہی رکھا
تھا سپہر ستم ایجاد، کہاں کا مرا یار

ہے بے خودیٔ دائم کیا شکوہ تغافل کا
جب میں نہ ہوا اپنا وہ کیوں کہ مرا ہوتا

داؤ میں آنا: فریب سے قابو میں آنا

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح

دب رہے: دفن ہوگئے

جہاں خاک اڑائی وہیں دب رہے
کدورت عبث فکر مدفن سے ہے

دبانا: عاجز کرنا، تنگ کرنا

جاں گئی پر نہ گئی جور کشی
بعد مردن بھی دباتے ہیں مجھے

دبنا: دفن ہونا

جلے کیا کیا شجر تربت پہ میری
دبی تھی لاش کے بدلے مگر آگ

دبیر فلک: ستارۂ عطارد یہ ستارہ مشہور دوسرے آسمان پر ہے علم اور عالم اس سے متعلق ہیں

بخشش بیشمار سے مشکل
ہے دبیر فلک کو دیوانی
شاعر بے نظیر ہوں، سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمونۂ معجزہ پیمبری

دخان: دھواں

زحل پرست جو میری عزیمت منظوم
پڑھے تو نخلخہ مشک ہو دخان مقل
داغ جدائی در دنداں و روے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع
اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخانِ شمع

دخترِ طیموس: زلیخا مراد ہے۔

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
تو دیتی دل کوئی یوسف کو دخترِ طیموس

دخل: داخلہ

صبا نکہت یار لائی کہاں سے
نہیں دخل اُس کو میں اصلاً کسی کا

دخیل: کسی کے کام میں مداخلت کرنے والا، مجاز، بار یاب متصرف قابض

ہائے وہ لاف ہائے خود کامی
غیر ہر کام میں دخیل ہوا

در: دروازہ، دہلیز

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس
قصر جاہ و جلال میں تیرے
فخر کیواں ہے پاسبانی در
جا کے جنت میں بھی رہتی ہے ترے در کی ہوس
ورنہ "مرغان اولی اجنحہ" کیوں ہوں طیار
در نایاب تو کیا خاک سے بھی منہ نہ بھرے
جس کے در پر میں کروں، لولوے شاداب نثار
اول اس در پہ سجدہ ریزی کر
تا ملے مفت جاہ کیوانی
اس سے افزوں ہے شوق اس در کا
جس سے حاصل ہو یہ یہ آسانی
بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی
میں وہ سرمایۂ بلاغت ہوں
جس کے در کا گدا ہے خاقانی
ایک جہاں گدائے در اور وہ سب جو معتقد
بے طمعی سے شیخ وقت، جس کا سوال قیصری
بوسہ روا بہ ہر طریق، سجدہ و فرق ہر فریق
سنگ در اس کا اک صنم، رشک بتان آذری
ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جائے تنگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری
لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگاف در کا سا
خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا
دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا
سر پٹکنے نے برے سنگِ در اس کا توڑا
یہی سودا ہے تو گھر کا ہے کو آباد رہا
دلِ بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
ہوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

ہل جاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر
زنجیر در یار ہے یا سلسلہ اپنا
تفریح نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا درِ دلدار نشیمن ہے ہمارا
خاک ہوتا نہ میں تو کیا کرتا
اُس کے در کا غبار ہونا تھا
جو آپ در سے اٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی
اگر چہ یہ سرنوشت میں تھا تمہارے سر کی قسم نہ ہوتا
کیا حضرتِ مومن کہیں کعبے کو سدھارے
سنسان ہے گھر کس لیے کیوں آج ہے در بند
کر لیا خاک آپ کو اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر
چاک سراپردہ سے جھانکتے تھے وہ ایک دن
سجدۂ محراب در شغل جبیں ہے ہنوز
ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گورِ عنادل کے آس پاس
ہے چرخ سے امید کشایش عبث ہمیں
کس کو ہوا ہے خانۂ وابستہ در سے فیض
داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل
تھیں دشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا چھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم
کرتے ہیں آواز زفیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھنکاتے ہیں
در بتخانہ و عشق بتاں اور آپ اے مومن
یہ حضرت آ گئی اک بار کیا طبع مقدس میں
غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں
نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پہ
ہمیشہ اک نئے ہکل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
رخنۂ در سے غیر پاس دکھا کے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

اس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہائے در یار آنکھ چراتے کیوں ہو
رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزن در رات کو
دیکھیں غم درونہ پہ کب تک نظر نہ ہوں
میرا شگافِ سینہ ترا چاک در نہ ہو
محو وعدہ ہے کسی بت کا تو مومن کہ نماز
پھیر کر قبلہ سے منھ جانبِ در کرتا ہے
واقعی سجدہ در ایسی ہی تقصیر ہے اب
جورِ جو بندہ پہ ہوتا ہے بجا ہوتا ہے
مومن وہ غزل کہتے ہیں اب جس سے یہ مضموں
کھل جائے کہ ترک در بت خانہ کریں گے
پھر پردہ در ہے کس کی وہ انگلی ہلال سی
جو مثل صبح چاک گریبان شام ہے
جوش وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے
اب بھی نہیں جاتی ترے آجانے کی امید
گو پھر گئیں آنکھیں پہ لگی جانب در ہے

دُر: موتی، جواہر

ذرۂ خاک در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر

در منثور مرے، زینت صد صدر ہوے
لیک بزم امرا میں، نہ ملا مجھ کو بار
چھین سے زر عدن سے در کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہاں میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری
لیتے ہوئے گرائے جو بار عطا سے لعل و در
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکان جوہری
دُر و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دکاں چشم گہر بار لگا

درد: دکھ، تکلیف

کہیں تو کیا کہیں اور ہن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ درد نہاں کیجئے

در دولت: معزز کا مکان، بادشاہ یا رئیس کے مکان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار
در دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار

در کار ہونا: ضرورت ہونا، حاجت ہونا

منکر تری امامت حق کے ہیں گرم جنگ
درکار ہے وضو کو جو آب روان تیغ
شوق مردن کو بھی سامان سفر درکار تھا
سو ہے از خود رفتگی ترک وطن کی فکر میں

در گذر: معافی، چشم پوشی

تم کو خو ہوگئی برائی کی
درگذر کیجئے بھلا کب تک
اب کیجئے آہ تاب گسل ہر جفا کے ساتھ
جب جان سے گذر گئے پھر درگذر نہ ہو
کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل درگذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجئے

درماں: علاج، دوا

جام سے گر کوئی پی جائے تری نہی کے بعد
زہر کھاوے بنے درماں خراش بلعوم
درد بے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا
اے چارہ گرو! قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطرِ گریباں نہیں رہا
دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درمان خستہ ہو
نالہ ہائے بوالہوس نے کھو دیا آزار شوق
لو ہم اچھے ہوگئے درمان بے تاثیر سے

دُرِ یتیم: بڑا آبدار موتی جو تنہا سیپی میں ہو، بیش بہا موتی

دور کرم میں اس کے لعل خشکی لب کا ہے بہا
در یتیم کو کہے چشم یتیم کی تری

درا: گھنٹہ، جرس

کہاں ہے ناقہ ترے کان بجتے ہیں مجنوں
قسم ہے مجھ کو صدائے درا کے آنے کی

دراز: لانبا، طویل

الجھا ہے پانو یار کا زلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا
تھا روز نخستیں غم شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا
دامن اُس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا
تا نہ خلل پڑے کہیں آپ کے خواب ناز میں
ہم نہیں چاہتے کمی اپنی شب دراز میں
دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں
کاہے سے فرق آگیا گردش روزگار میں
عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمان ہجر کے امید وار ہیں

دراز دستی: ظلم، زیادتی

درازدستی یہ کس بے ادب نے کی دم قتل
تمام دامن قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

درازی: طوالت

نفرت تھی اِس قدر کہ نہ ٹھہرے وہ صبح دم
پاسِ درازیِ شب کا کل نہ ہوسکا

دُر اشک: موتیوں جیسے آنسو مراد آنسو

کر چکے سلک در اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منہ دیکھیو تو بھرتے ہیں

دُر افشانی: موتی بکھیرنے کا عمل

کیا کہوں اس کے دست ہمت کی
میں گہر باری و در افشانی

دُرِ آبلہ: چھالوں کے موتی مراد چھالے

مومن اس شعلہ زبانی کی کہاں قدر مگر
منہ در آبلہ سے گرمی فریاد بھرے

دُربار: موتی برسانے والا

کف رنگیں نے کیا، خون خیالِ رنگیں
دست دربار کی ثنا کی ہے زبانِ دربار

دربان: ملازم، چوکیدار

درباں کو آنے دینے پہ میرے نہ کیجئے قتل
ورنہ کہیں گے سب کہ یہ کوچۂ حرم نہ تھا
کیا بابِ اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

دربانی: چوکیداری

ایسی وحشت سرا میں آئے کون
بے دری کر رہی ہے دربانی
سمجھے ہے درجۂ شرف کیواں
قصر رفعت کی تیرے دربانی
بعد یک چند گر خدا چاہے
میں ہوں اور تیرے در کی دربانی

دربدر: ایک دروازے سے دوسرے دروازے مارامارا پھرنا

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے دربدر آگ

دربدر پھرنا: آوارہ پھرنا

آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری دربدر بسنت

دربدر ہونا: ایک دروازہ سے دوسرے دروازہ جانا

عشق کیوں درپئے جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

دربری: بغل میں لینے کا عمل۔ آغوش میں بھرنے کا عمل

تجھ کونصیب دولت صحبت نو جواں نگار
تجھ کو ہمیشہ عشرت تازہ عروس دربری

درجہ: عہدہ، منصب

سمجھے ہے درجۂ شرف کیواں
قصر رفعت کی تیرے دربانی

درجات: جمع ہے درجہ کی۔ بہشت کی منزل

موافقوں کو بہشت و ترقی درجات
مخالفوں کو جہنم کا طبقۂ سافل

درخت: پیڑ

کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دل

درخشانی: چمک، روشنی

اے فلک دل کو داغ کرتی ہے
زر خورشید کی درخشانی
مہر افلاک عقل و دانش ہوں
فطرتی ہے مری درخشانی

درخور: لائق

عشقِ بت میں خوداب تو درخورِ پرستش ہیں
نام ہو گیا اتنا گم کیا نشاں اپنا

درد: تکلیف، ہوک، ٹیس، سوز و گداز

درد بے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا
سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اِس دوا سے تو آزار کم ہوا
کچھ قیس اور میں ہی نہیں سب کے سب موئے
اچھا تو دردِ عشق کا بیمار کم ہوا
اے چارہ گرو! قابل درماں نہیں یہ درد
ورنہ مجھے سودا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو دردِ تلخی فرہاد آگیا
کیا ببر عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا
گو چارہ ساز حضرت عیسیٰ ہی کیوں نہ ہوں
گر دردِ عشق ہے تو امید شفا عبث
مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کی پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز
وصل میں احتمال شادی مرگ
چارہ گرد دردِ بے دوا ہے عشق
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل

دردِ دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں
بزم میں اس کی بیانِ دردِ وغم کیوں کر کریں
وہ خفا جس بات سے ہووے وہ ہم کیوں کر کریں
درد ہے درماں مرا منت کشِ مرہم نہیں
داغ نو ہے چارۂ داغِ کہن کی فکر میں
کہئے جو دردِ دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا
میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں
کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال
اندوہ ودرد روز مصیبت کے یار ہیں
کھائی ہے قسم ہم نے کہ پرہیز کریں گے
گر درد سے بھر جائے طبیعت تو مزا ہے
فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا دردِ پنہاں کی کلیجہ منھ کو آتا ہے
مرا خون کیا بار گردن ہوا
کہ بے تاب وہ دردِ گردن سے ہے
جو دیکھیں میری طبیعت کی گوہر افشانی
شریک درد ہوں محمود و نکتہ پرور طوس

دُرد: گاد، تلچھٹ

جب وہ بدمست ادھر آیا تو عدو کے گھر سے
اپنی قسمت میں بجز دُردے تاب نہیں

درد آنا: رحم آنا، ترس آنا

ناکامیوں میں تم نے جو تشبیہ مجھ سے دی
شیریں کو دردِ تلخیِ فرہاد آگیا
یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھئے دلدار کا

درد اٹھنا: درد کا محسوس کرنا

دردِ تہ خم نشستہ: شراب کی تلچھٹ جو خم کے نیچے بیٹھ جائے

شاید کبھی وہ میکش بدمست منہ لگائے
خاک اپنی کاش دردِ تہ خم نشستہ ہو

دردِ سر: سر کا درد، کنایۃً رنج، محنت

دردِ سر میری شکایت سے نہیں، یہ تم کو
بزمِ دشمن میں جو مے پی تھی سو اس کا ہے خمار
گر نہ ہو شکرِ جفائے متصل سے دردِ سر
لب پہ کچھ کچھ التماسِ جانِ غم مانوس ہے
لذتِ مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

دردمند: غم خوار، رحم دل

ہمیشہ عفو ترا طالب گنہ گاراں
مدام رحم ترا دردمند کا جاسوس

دُر دنداں: موتیوں جیسے دانت مراد دانت

داغ جدائی دُر دنداں و روے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع
ہوگیا اُس لب لعل و دُر دنداں کے سبب
غیرت نسخۂ اکسیر مسی کا کاغذ

در دولت: معزز کا مکان، بادشاہ یا رئیس کا مکان

اے شہ عرش سریر و مہ خورشید عذار
در دولت پہ ترے انجم و افلاک نثار

درس: سبق، وعظ

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بنتی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

درست: ٹھیک، صحیح

کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصلِ غیر کا انکار ہے غلط
ہے حرفِ کامیابیِ دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط
حضرتِ مومن اس قدر لاف اگر چہ ہے درست
طول مقال عیب و شعر جملہ عیوب سے بھری

درست: دریدہ (پھٹا ہوا) کا مقابل ٹھیک ٹھاک

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

درست: راہ راست پر

کچھ کچھ درست ضد سے تری ہو چلے ہیں وہ
یک چند اور کجروی اے آسماں نہ چھوڑ

درست: مہذب ومؤدب

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اسی دل شکن سے ہے

درستی: اصلاح، صحت

ایسے سے کیا درستی پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

درفشاں: موتی بکھیرنے والا

وہم بروں شدن خیال، قید سے چھوٹنا محال
یاں ہے گریز کیا مجال، بلند گراں پہ بیدری

درفشانی: موتی بکھیرنے کا عمل

ہم بہا اس کی درفشانی سے
تار اشک یتیم و سلک گوہر

درک: عقل، سمجھ

قدر ہنر کو چاہئے عقل وتمیز و درک وفہم
دست کشادہ، دل فراخ منعمی وتونگری

درم: درہم، چاندی کے سکے کا نام، دو ماشے اور ڈیڑھ رتی کا وزن

درم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم
کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
خون بہا قاتل بیدرد سے مانگا کس نے
کہ فرشتے مجھے یاں داغ درم دیتے ہیں
کیوں کر دے فلک دام عدو کو درم داغ
مفلس کو جہاں میں کوئی دیتا ہے بھلا قرض

درمیان: اندر، مابین

میرے نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ہے کہ دم نہ رہے درمیان تیغ
گلی میں اس کی نہ پھر آتے ہم تو کیا کرتے
طبیعت اپنی نہ جنت کے درمیان لگی

درنایاب: بے مثل موتی (یہاں مراد آنسو ہیں)

در نایاب تو کیا خاک سے بھی منہ نہ بھرے
جس کے در پر میں کروں، لولوے شاداب نثار
روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں ہی کھل گئیں ہیں در نایاب دیکھ کر

دروازہ: پھاٹک، در

اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ
ہوگیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

درودیوار: کسی مکان یا جگہ کا ہر ہر گوشہ

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جلوس
دیکھ تو حسرت دیدار پس مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا

دروازے: دروازہ کی جمع۔ پھاٹک۔ در

اس کے دروازے کے گدا کی زکوۃ
ملک "خاقان" وحشمت "قیصر"
بے دم سا پڑا تھا کوئی اس کوچہ میں اس نے
دروازے میں آ جھانک کے دیکھا جو کہیں یہ

دروغ: جھوٹ، بہتان

روٹھا جو کوئی ناز میں صنم گر
سوگندِ دروغ کھا منایا
نان گدا پہ رغبت شاہ جہاں غلط، غلط
با ہمہ برتری دروغ، آرزوے فروتری

درون: دل، باطن

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوز تپ دروں
قاصد کا ہاتھ ہے ید بیضا کلیم کا
قبائے گل کو گر اطلس سے دیجیے تشبیہ
سیاہ پوش "جعل" ہو درون ماتم "سوس"

دریا: ندی، رو، سیلاب

کی گریہ نے کتنی آبیاری
دریا مری چشم سے بہایا
کیا کہوں قصہ طغیانی دریاے سرشک
دیکھ لو آئینہ چرخ ہے زیر زنگار
ابر بارندۂ دانش، گہر فیض کمال
قلزم حسن عمل، منبع دریاے علوم
موج دریاے خوں سے روز مصاف
ہووے کشتی زمیں کی طوفانی

بہر رومہ کی حکایت میں کہا رضواں نے
سلسبیل اس کے ہے دریا ہے سخاوت کا کنار
سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا
دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا
نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ
کہاں لختِ جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر
یاد آیا سوے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موجِ دریا دیکھ کر
یاد چشمِ یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں
کون ڈوبا تنگ آ کر غرق دریائے الم
کیوں سدا شورِ تموج سے ہے شیون آب میں
اتنی کدورت اشک میں حیراں ہوں کیا کہوں
دریا میں ہے سراب کہ دریا سراب میں
ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گہہ تھم جائے ہے
دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو
پوچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو

دریا چڑھنا: پستی سے بلندی پر آنا، بڑھنا

کہاں لختِ جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر

دریا دل: سخی، فیاض

شہ سریر خلافت، مہ سپہر کمال
محیط ابر نوال وسحاب دریا دل

دریغ: افسوس کے مقام پر بولا جاتا ہے

چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم

کھا کھا کے زخم سوے نمک زار پر دریغ
کھو بیٹھے اپنی جان تن آسانیوں میں ہم
ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

درہم: چاندی کے سکے کا نام، درماشے اور ڈیڑھ رتی کا وزن

کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجیے درہم و دینار کو، داغوں کے شمار؟

وزد: چور

وزد چوری سے جی چراتے ہیں
گو نہ ہوئے زرہ مقام خطر

وزدیدہ نظر: کن انکھیوں سے دیکھنے کو کہتے ہیں، ترچھی نظر

وزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل
کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم
اس نے کیا غیر کو وزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہاے در یار آنکھ چراتے کیوں ہو
محفل میں تم اغیار کو وزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو

وزدی: چوری

دست قاصد کاٹے کیوں ثابت ہے کیا
وزدی مضموں مرے طومار سے

دست: ہاتھ، پنجہ

ورم ہو چارہ گر قبض تا بدست لئیم
کیا ہو میں نے جو تجویز وزن مغز فلوس
یا کے الزام دست خالی سے
فلسفی پیٹتا ہے اپنا سر
قلزم جود کا وہ جوش کہ پانی پانی
آگے خط ہاے کف دست کے، موج انہار
کف رنگیں نے کیا، خون خیال رنگیں
دست دربار کی شاکی ہے زبانِ دربار
کیسی شکست رونق بازار ہو گئی
ہے تختہ بند دست قلم سے دکان تیغ

کیا دور اس کے دست کرم کے اثر سے گر
یاقوت ریز ہو مژہ خوں فشان تیغ
وہ دست زور، مظہر سر پنجۂ خدا
وہ تیغ باعث شرف دودمان تیغ
ہیں مشابہ بہت اس دست کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزاے رقوم
قدر ہنر کو چاہئے عقل و تمیز و درک و فہم
دست کشادہ، دل فراخ منعمی و تونگری
لعل لب اس کے درفشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں دونوں میں ہے برابری
خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامانِ اجابت کا
خوں مرا بار گلے کا نہ ہو کیوں اے قاتل
دست رنگیں مرے گردن میں حمائل نہ ہوا
آغشتہ بخوں دست کو لو پونچھتے ہیں وہ
الٹے کفِ جلّاد میں دامن ہے ہمارا
ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دستِ اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ
ہر دم رہین کشمکش دست یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
کیا قہر ہے کب تک کوئی رہ جائے آنسو پی کے یوں
ہنس ہنس کے میرے آگے تم دست عدو سے جام لو
ہے دست مری نبض کی تف سے ید بیضا
یہ معجزۂ تازہ مسیحا کے لگا ہاتھ
دست قاصد کاٹے کیوں ثابت ہے کیا
دزدیِ مضموں مرے طومار سے
کیے تھے کاٹ کاٹ آلودہ خوں سے ہاتھ یاں اپنے
وہاں دست عدو سے پانو میں تھی شب حنا لگتی
خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے
نہ یہ دست جنوں ہے اور نہ وہ جیب جنوں کیشاں
کہ ہو دست مژہ سے چاک پردہ چشم حیرت کا

پائے طلب شکستہ نہ کوتاہ دستِ شوق
ہم بھی ستم کریں جو وہ نازک کمر نہ ہو
دست جنوں نے میرا گریباں سمجھ لیا
الجھا ہے ان سے شوخ کے بند قبا کے ساتھ
دست یاقوت فشاں دھووے لب جو وہ اگر
کوہ سیلان پہ پھنسے خاک فضائے گلزار
موشگافی کی بہت شعر میں پر فائدہ کیا؟
ہے وہی دست تہی شانۂ دست ادبار
حسرت ہے تیرے بوسۂ دست بلند کی
کس طرح چرخ پر نہ چڑھے کہکشاں تیغ
کیا کہوں اس کے دست ہمت کی
میں گہرباری و زرافشانی
دست گہرفشاں سے وہ نامہ اگر کرے رقم
دام ہما ہو حسرت مرتبۂ کبوتری

دستار: پگڑی، عمامہ

بے بخت رنگِ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا
پاے خم ہی تھی سزاوار یہ زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سر ناپاک پہ اپنی دستار

دست بریدہ: کٹا ہوا ہاتھ

یہ دست بریدہ میرے قاصد کا نہ ہووے
ہے مہر کا خط ہاے شعائی سے بھرا ہاتھ

دست بوسی کرنا: ہاتھ چومنا

دست بوسی پہ کرو ہاں قتل اپنے ہاتھ سے
سچ تو کہتے ہیں قبول انصاف غیروں کا ہمیں

دست حسرت: ایسا ہاتھ جو کچھ کرنے سے قاصر ہو

نمک تھا بختِ شورِ فکر خوانِ مدح شیریں پہ
کہ دندانِ طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا
ہمارے قتل سے قاتل نہ کیوں غیروں کو عبرت ہو
بہم جوہر سے جوہر تیغ کا جب دست حسرت ہو

دست حنائی: مہندی لگا ہوا ہاتھ

رنگیں ہے خون سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دست حنائی تمام شب

گر ہو وہ دست حنائی عکس افگن خواب میں
ہووے مرجاں جوں چنار آتش زن تن آب میں
دست خفہ: وہ ہاتھ جس سے گلا گھونٹا جائے
تمہارے دشنہ کے دستِ خفہ نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ
دست عجز: عاجز ہاتھ، مراد جو ہاتھ تحریرِ نعت سے قاصر ہو
نہ پوچھو گرمیِ شوقِ ثنا کی آتش افروزی
بنا جاتا ہے دستِ عجز شعلہ شمعِ فکرت کا
دست گل خوردہ: محبوب کے چھلے سے داغا ہوا ہاتھ معشوق کے چھلے وغیرہ کو آگ میں تپا کر بدن پر عشق جتانے کو داغ دیتے ہیں اور اس کو گل کھانا کہتے ہیں
پہنے تو غیر کے بھیجے ہوئے کنٹھے افسوس
دست گل خوردہ مرا، ہو نہ گلے کا ترے ہار
دست گہر فشاں: موتی برسانے والے ہاتھ، مراد سخی، فیاض
دست گہر فشاں سے وہ نامہ اگر کرے رقم
دام ہما ہو حسرت مرتبۂ کبوتری
دست مژہ: لمبی پلکوں کو مجازاً پلکوں کا ہاتھ کہہ دیا ہے
نہ یہ دستِ جنوں ہے اور نہ وہ جیبِ جنوں کیشاں
کہ ہو دست مژہ سے چاک پردہ چشمِ حیرت کا
دست نارسا: نہ پہنچنے والا ہاتھ
جرم معلوم ہے زلیخا کا
طعنۂ دستِ نارسا کب تک
دست نگر: محتاج، حاجت مند
کچھ نظر میں سمائے تو دیکھے
پنجۂ خور کو اس کا دست نگر
خط کی مجھے قاصد کو ہے انعام کی خواہش
میں دست نگر خود ہوں وہ کیا دست نگر ہے
دست نے سوار: وہ ہاتھ جس کا مرکب قلم ہے
میدان کشت وخوں میں مرا دست نے سوار
جاوے عناں کشیدہ تو ہم عنان تیغ

دستک دینا: کنڈی کھڑکھڑانا
کرتے ہیں آواز زنجیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھنکاتے ہیں
دستہ: لکڑی کا ڈنڈا جو کسی آلۂ آہنی میں گرفت کے لئے نصب ہو
کب جان دے ہے بسمل ابرو نہ جب تلک
خنجر کا تیرے شاخ غزالاں کا دستہ ہو
دستہ: گل دستہ
زلف کی بو آئے گی ہم کو اگر
غیر کے گھر دستۂ شبو گیا
دشت: صحرا، جنگل
ہے دشت، بزم طرب، کثرت نتائج سے
نہ کیوں ہو شکل حماری کو ناز شکل عروس
دیکھ اتنا میں ترے عشق میں رویا کہ ہوئی
جلوہ گر مہر گیا، دشت سے لے تا کہسار
تیرے احباب رہیں تکیہ زنِ مسند عیش
تیرے حساد ہوں آوارۂ دشت ادبار
تھے دشت میں ہم راہ مرے آبلہ چند
سو آپ ہی پامال کیا قافلہ اپنا
دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
جہانِ تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا کہیں جو دشتِ عدم نہ ہوتا
زبس فگار ہوئے پانو خار و خارا سے
تمام دشت ہے جوں صحنِ گلستاں سرخ
بے سیر دشت بادیہ لگنے لگا ہے جی
اور اُس خراب گھر میں کہ ویراں نہیں رہا
تمہیں دشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا چھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم
اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم
کیا گل کھلے گا دیکھئے ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

معمور اس قدر ہیں ترے وحشیوں سے دشت
گنتے ہیں شہریوں کو بیابانیوں میں ہم

پھر بہار آئی وہی دشت نوردی ہوگی
پھر وہی پانو وہی خارِ مغیلاں ہوں گے
سنگ اور ہاتھ وہی وہ ہی سر و داغِ جنوں
وہ ہی ہم ہوں گے وہی دشت و بیاباں ہوں گے

پھر وہ وحشت کے خیالات ہیں سر میں پھرتے
دشت یاد آتے ہیں آہو ہیں نظر میں پھرتے

میرے زرد آبلوں سے تختۂ خشک برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیرِ جنوں خاک کو زر کرتا ہے

دشت گردی: آوارہ پھرنے کا عمل

دشت گردی کے شوق نے مارا
ہوں تو دیوانہ لیک زندانی

دشمن: مخالف، بدخواہ

دشمنِ جانِ عاشقاں دیدار
گر نگہ تیغ ہے مژہ خنجر

وہ آنچ تیغ میں تیری کہ کہتے ہیں دشمن
ابھی سے ہم تو جہنم میں ہو گئے داخل

دائم، اس جان کے دشمن سے جدا ہی رکھا
تھا سپہرِ ستم ایجاد، کہاں کا مرا یار

اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ
ہوگیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

دشمن کا ایک نیم اشارے میں کام ہو
ابرو کا تیرے عکس پڑے گر میانِ تیغ

ہر بار کیوں نہ ہو تری تلوار تیز تر
دشمن کی ہے قساوتِ قلبی فسانِ تیغ

جود ہر بار فزوں سے کفِ بے فاصلہ بخش
دشمن مایۂ معمول و کفاف مرحوم

ہو دلِ آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
حقِ تحسین سے جاتی رہے تاثیرِ نجوم

"ختم اللہ" مورد ہے زبس قلبِ سیاہ
ترے دشمن کو ہے خوں نابہ رحیقِ مختوم

دوستوں کو نہیں ڈر وسوسۂ شیطاں کا
ہیں جو دشمن متصدیِ شعارِ مذموم

تیرے دشمن کے واسطے عاشق
زلفِ جاناں سے لے پریشانی

کردے دشمن اس لیے تو نے زبون و سرنگوں
سجدہ گہ صفاتِ بد تا کہ ہو نیک محضری
تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و ششِ جہت مہرہ و قیدِ ششدری

دشمن مومن ہی رہے بت سدا
مجھ سے مرے نام نے یہ کیا کیا

اگر مومن ہی ہو مومن و لے میں تو نہ مانوں گا
جو عہدِ دوستی وہ دشمنِ اسلام لیتا تھا

میں ہلاکِ اشتیاقِ طرزِ کشتن ہو گیا
دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہو گیا

وعدے کی جو ساعت دمِ کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا

تو فلک ہیں کیا کرے یہ نالۂ آتش فشاں
ایک دشمن سر سے کھویا اور پیدا ہو گیا

ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا

دیکھیے پس مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا

دشمن سگِ کوچہ نہ ہو اُس شوخ آہو چشم کا
نادم ہوں کعب گرگ پائے نامہ بر سے باندھ کر

اب انہیں لکھتے ہیں ہم خط میں سراسر دشمن
جن کو لکھتے تھے سدا یار سراپا اخلاص

گر ترے کوچے کو دی کعبے سے نسبت کیا گناہ
مومن آخر تجھے کبھی اے دشمنِ اسلام ہم

عاشق کشی ہے شیوہ اگر بوالہوس سہی
آخر کچھ اپنی جان کے دشمن تو ہم نہیں

سو طرح کے زیاں ہیں رہنے میں اس کے گھر

دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں
ناصح سے مجھ کو کیوں کہ نہ ہوں بد گمانیاں
دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوست دار ہیں
جز نہ سپہر ہیں مرے دشمن تو اور بھی
لیکن بڑے غضب یہی دو تین چار ہیں
ہیں آرزو سے مرگ کی بے التفاتیاں
جینا مرا محال تو دشمن اگر نہ ہو
میں ترکِ وفا سے بھی وفادار ہوں مشہور
کی تجھ سے جو اے دشمنِ اربابِ وفا ہے
وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا

دشمن: رقیب

درد سر میری شکایت سے نہیں، یہ تم کو
بزمِ دشمن میں جو مے پی تھی ہوا اس کا بے خمار
ہم سے دشمن نے، ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار
وہ جلے محفلِ دشمن میں جو ہو شمع لقا
مجھ کو چھیڑا نہ کرو تم سے کہا ہے سو بار
سبب شادی، دشمن تو بتادو پہلے
پوچھنا پھر یہ تجاہل سے تو کیوں ہے مغموم
وہ جنگ جو کہ اگر ہے رشکِ دشمن بھی
تو بے حیائی کے طعنے ہو جان کے قاتل
بے سبب قتل ہے، آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے، مری خاکِ مزار
ہے شرط ہم پہ عنایت میں گونہ گونہ ستم
کبھی محبتِ دشمن کا امتحان نہ ہوا
جب جانتے تاثیر کہ دشمن بھی وہاں سے
اپنی طرح اے گردشِ ایام نکلتا
یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ اِدھر کو آئے تھا
عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا

نہ شادیِ مرگ ہوں کیونکر ہے مژدہ قتلِ دشمن کا
کہ گھر میں سے لیے شمشیر وہ روتا نکل آیا
دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سو اے دشمن!
کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا
اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہمِ ربطِ دشمن ہوگیا
شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا
مہندی ملے گا پانو سے دشمن تو آن کر
کیوں میرے تفتہ سینے کو ٹھوکر لگا گیا
آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب
اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا
کوئے دشمن میں جا پکڑتا کیوں
کیا مجھے شرمسار ہونا تھا
اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا
مانعِ قتل کیوں ہوا دشمن
جان ہی جائے گی ہماری آج
تو آب زن نہ ہوئے تو کیا جانے کیا کرے
دشمن کے دل سے میرے دمِ شعلہ زن کی یاد
یاد آیا سوئے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موجِ دریا دیکھ کر
ہے حرفِ کامیابیِ دشمن میں ہم نشیں
مت کہہ درست وہم غلط کار ہے غلط
تھا شب چراغِ خانۂ دشمن وہ شعلہ رو
کیا کیا جلا ہے صبح تلک جی بسانِ شمع
یارو دشمن نے ستایا جب کہ ہم عاشق ہوئے
بے گنہ اپنا ہی پھر دیویں کسے الزام ہم
سرمہ ہیں اس چشمِ جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم
دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے

وہ ہی کہے تو منائیں گے ہم
دم دیتے تو ہو یہ سمجھ لو
دشمن کی قسم دلائیں گے ہم
مر گئے رشک سے ہم تو کہ وہ دشمن کو خطاب
خط ترسائی پہ اعجاز رقم دیتے ہیں
سبزۂ پشت لب یار دلاتے ہیں یاد
گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں
کیا اثر تھا اشکِ دشمن میں جو کوئے یار سے
مارے غیرت کے بہا کر لے چلے آنسو ہمیں
گر نگاہِ ناز کو مشقِ ستم منظور ہے
دشمن اپنی نرگس تربت قلم کیوں کر کریں
ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں
کشتۂ غیرت ترے پانی چوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں
دشمن سے ہے چشم مہربانی
محروم نگاہ آشنا ہوں
اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں
سرمگیں آنکھ سے تم نامہ لگاتے کیوں ہو
خاک میں نام کو دشمن کے ملاتے کیوں ہو
بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جان مضطر رات کو
پڑی ہے اس گلی میں لاش دشمن
اٹھاؤں کیوں کر اس بار گراں کو
جاؤ تو جاؤ سوئے دشمن سوئے فلک کیوں
اے گرم نالہ بارے آتش فگن گئے ہو
سنگ در سے ترے نکالی آگ
ہم نے دشمن کا گھر جلانے کو
باندھو اب چارہ گرو چلئے کہ وہ بھی شاید
وصل دشمن کے لیے سوئے مزار آجائے

غیرت آمد شد دشمن سے تلووں سے لگی
جل بجھیں گے اب کہ حال مشعل منکوس ہے
ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے
کیا رلاتی ہے مجھے فکر خیال دشمن
وصل میں جب وہ ادھر ہنس کے نظر کرتا ہے
سنا اس نے مرا نالہ اثر بھی کچھ ہوا شاید
کہ دشمن کہہ گیا بے فائدہ کیوں غل مچاتا ہے
رشک دشمن کا فائدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہوجائے
وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے
رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
بزم دشمن سے نہ اٹھے وہ کسی تدبیر سے
مل گئے ہم خاک میں محشر تری تاخیر سے
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
مرے احوال پہ نگاہ نہ کی
اس کو دشمن سے کیا بچائے وہ چرخ
جس نے تدبیر خسف ماہ نہ کی
کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اُس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا
اور سے ہم کنار ہے دشمن
آج تو ہم کنار ہوتا تھا

دشمن ایماں: ایمان کا دشمن

دوستی اس صنمِ آفتِ ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایماں ہوگا

دشمن ایمانِ: ایمان کا دشمن، مجازاً محبوب، معشوق

مومن یہ لافِ اُلفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلّی میں کوئی دشمن ایماں نہیں رہا
مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اُس بت دشمنِ ایماں سے ہمارا اخلاص

دشمن جاں: جان کا دشمن، مجازاً محبوب، معشوق
کیسے آرام پسِ مرگ مگر کافر تو
اہلِ اسلام کا ہے دشمنِ جاناں اے واعظ
یار تھے یا دشمن جاں تھے الٰہی چارہ گر
لے چلے مرتے ہی زنداں سے سوئے صحرا ہمیں
تھا قلق بر تبھی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں
محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھ پہ جب ناصح بیدرد کو پیار آجائے
دشمن جاں: جان کا دشمن
پرسش گور کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے، جو دشمن جاں تھا اسے جانا دلدار
جان جہاں کو دل دیا دشمن جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری
دشمن جانی: سخت عداوت رکھنے والا دشمن
اس سے کاوش نہ کر نہ ہو ظالم
آپ اپنا تو دشمن جانی
دشمن دیں: دین کا دشمن مجازاً محبوب و معشوق
تھا شور "فداک" "جاے" "لبیک"
اس دشمن دیں نے گر بلایا
ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اہتمام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہُوا
دشمن صد سالہ: سو سال پرانا دشمن، مراد پرانا دشمن جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے
مومنِ عاشق طبیعت نوجواں ہی مر گیا
عشقِ طفلِ چند سالہ دشمنِ صد سالہ تھا
دشمناں: جمع دشمن کی۔ رقیب
شکرِ اثر تھا گلۂ دشمناں
نالہ مرے کام سے یارو گیا
دشمنوں: دشمن کی جمع۔ رقیب
لگ گئی چپ مجھ کو تو بھی بات وہ کرتا نہیں
کیا کہوں قسمت کو کہنا دشمنوں کا ہو گیا

پایا جو دشمنوں نے ترے پاس اعتبار
آنکھیں چراتے ہیں مجھے احباب دیکھ کر
اس شعلہ رو نے تا کہ پس مرگ بھی جلوں
جلوائے دشمنوں سے مری گور پر چراغ
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی
دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ
ہائے بخت خفتہ کی یوں جھپکی آنکھ
دشمنوں کے طالع بیدار سے
اور ہی کچھ پڑھا دیا اس کو
دشمنوں کے پڑھائے لوگوں نے
جو مر جاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر آمیں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی
دشمنی: بدخواہی، عداوت
بس کہ ہے کین و دشمنی اس کی
قدر کاہ و بہا شکن یک سر
دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر
غیر سے لطف کی باتیں ہیں مرے چھیڑنے کو
دشمنی کہتے ہیں جس کو وہ تمہارا اخلاص
مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص
عشق کیوں درپئے جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں
مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ
شکوۂ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوست داری کی
تابِ کم ظرف کو کہاں تم نے
دشمنی کی عدو سے چاہ نہ کی

دشنام: گالی گلوج

ہر وقت ہے دشنام ہر اک بات میں طعنہ
پھر اس پہ بھی کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

دشنامِ یار طبعِ حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا

ہیں پاک نظر ہم تو و لے ذوقِ فزا عشق
بے چاشنی بوسۂ دشنام نہ ہوگا

کیا مزہ پایا عدو سے بے مزہ ہو آپ نے
تلخ کام عشق ہیں تھے لائق دشنام ہم

دشنہ: کٹاری

چشم ستارۂ سحر، لون زحل سے سرمہ سا
دشنۂ ترک چرخ ہے، تیز نگاہ مشتری

بال و پر فرشتۂ موت ہیں یا یہ خدنگ
دشنہ دشنۂ قضا، یا ترے تیر کی سری

دشنہ چھین لے گا کیا ہم نشیں شبِ فرقت
آپ جب نہیں اپنے کون میری جاں اپنا

تمہارے دشنہ کے دستِ نخہ نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ

کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپ ہی گردن جھکائیں گے ہم

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

تیری تیغ و دشنہ کے کیوں لب پہ چھالے پڑ گئے
گرم خونی کا مری کیا ماجرا کہنے کو ہیں

دم بکل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنہ انگشت ندامت ہو

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

تیشہ کچھ دشنہ شیرویہ نہیں اے غیرت
اپنے ہی خوں سے مگر دامن فرہاد بھرے

دشوار: مشکل، کٹھن، دوبھر

صفا سے وہ در و دیوار باغ کا عالم
کہ آشیانے میں دشوار طائروں کو جنوں

اس کے دروازے کے مکان کا آرام تو دیکھ
ہوگیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

غم بے قدری "ہیئت" سے جگر چاک ہوا
خرقِ افلاک سمجھتا تھا میں کتنا دشوار؟

توڑنا جان کا ہوجائے گا دشوار آخر
چارہ سازو مری امید بندھاتے کیوں ہو

کچھ نہ سوجھا حسرتِ دیدار سے
سہل چھوٹے مردن دشوار سے

جینا امید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانیِ دم دشوار کے لیے

دعا: خدا سے مانگنا، خواہش کرنا

ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں
نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعت بتوس

یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعاے بدر یطوس

خدا کے واسطے گرمِ دعا ہو بس مومن
کہ منتظر ہے ازل سے اجابت قدوس

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرض مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشہ دامان اجابت کا

ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا

سجدے پہ سر قلم ہو دعا پہ زباں کٹے
گویا نہ وہ زمیں ہے نہ وہ آسماں ہے اب

کیا بابِ اجابت پہ گزر ہوئے دعا کا
سنتا ہے اثر کب ترے درباں کی شکایت

ہم تو بچتے نہیں تا شام وہ آئے بھی تو کیا
اے دعاے سحری منتِ تاثیر نہ کھینچ

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض

ہے دعا بھی بے اثر گویا نہیں
عرضِ عاشق کی پذیرائی نہیں

گر تیغ ہی واں دعا ہوتی ہے اے مومن قبول
جائیں گے کعبہ میں طفل برہمن کی فکر میں

کیہ موثر ہو دعا وصل صنم کی مومن
ہم طلب کرتے ہیں وہ شے جو مقدر میں نہیں

سوتے سے اٹھ کر آمیں ہیں یارب نہ جائیں وہ
شرمندہ آہ شب سے دعائے سحر نہ ہو

یارب کوئی معشوقہ دل جو نہ ملے اب
جو ان کی دعا ہے وہی اپنی بھی دعا ہے

میں دکھاتا تمہیں تاثیر مگر ہاتھ مرے
ضعف کے ہاتھ سے کب وقت دعا کے اٹھے

لذت مرگ سے ہجراں میں دعا ہے کہ خدا
یہ مزا ہو نہ نصیبوں میں کسی بے حس کے

کہاں وہ آہ و فغاں وہ دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے

آہ میری کب دعائے نوح تھی
چشم تر طوفاں اٹھاتا چھوڑ دے

دعا بلا تھی شب غم سکون جاں کے لیے
سخن بہانہ ہوا مرگ ناگہاں کے لیے

دعائے بد: کوسنا، نفریں، لعنت

کہاں وہ آہ و فغاں دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعائے بد آسمان لگی

دعائے بدریطوس: ایک دعا جو دو شخصوں میں جدائی کے لئے پڑھی جاتی ہے

یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعائے بدریطوس

دعا دینا: دعا کے کلمات کہنا

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں

دعا کرنا: خدا سے التجا کرنا

وصل بتاں کی دعا کرتے ہو شکر خدا
حضرت مومن تمہیں دعوئ دیں ہے ہنوز

مر جائیں تا خوشی سے عدو سن وصال کی
یارو دعا کرو گلے مل مل کے آس پاس

اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

مرتا ہوں کس عذاب سے بے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی
ہاتھ باندھے ہے وہ بت زنار سے

یہ جوش یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعائے وصل نہ کی وقت تھا اثر کا سا

وصل بتاں کی دعا کرتے ہو شکر خدا
حضرت مومن تمہیں دعوئ دیں ہے ہنوز

رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ
کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا

جو ہوں معالج مبطوں تو قابض ارواح
کرے دعائے رواج طریق جالینوس

دعا مانگنا: مراد مانگنا، حاجت چاہنا

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے اثر کو دعا کے ساتھ

دعائیں: جمع ہے دعا کی۔ خدا سے منگنا، خواہش کرنا

اے اجل کاش الٹ جائیں شب ہجراں میں
وہ دعائیں کہ تری جان کو ہم کرتے ہیں

دعاہا: جمع ہے دعا کی۔ خدا سے مانگنا، خواہش کرنا

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

دعوت: طلبی، بلاوا

لذت جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظر دعوت فریاد رہا

دعوت عام: عمومی دعوت، ایسی دعوت جس میں کسی پر کوئی روک ٹوک نہ ہو

دعوت عام تری سب کو بنا دیوے خاص
گر قضا کو نہ ہو پاس صفت فیض عموم

دعویٰ: نالش، استغاثہ

دعویٰ تکلیف سے جلاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

ہمارے خوں بہا کا غیر سے دعویٰ ہے قاتل کو
یہ بعد انفصال اب اور ہی جھگڑا نکل آیا

کیا ایسے سے دعویٰ ہو محشر میں کہ میں نے تو
نظارۂ قاتل کو احسانِ اجل جانا

کیا دعویٰ آہ جب نہ رہا میں ہی کس لیے
ہیں جمع اقربا مرے قاتل کے آس پاس

دعویٰ: حق، استحقاق

مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر
نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا

فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنانِ چرخ کا دعویٰ زمیں پر ہے

دعویٰ: کسی کمال کو اپنی طرف منسوب کرنا

ہووے نہ میری حجت قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعویٰ برش زبان تیغ

یا ظروف و ساط سے مجھے تھا
دعویٰ قیصری و خاقانی

اس کے اک ایک لشکری کا ننگ
دعویٰ سامی و نریمانی

شعلہ شمع بزم کو تیرے
دعویِ حسن ماہ کنعانی

مومن اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

مجھے مار ڈالا ہے انکار نے پھر
نہ کہنا کہ کیا مجھ پہ دعویٰ کسی کا

حق تو یہ ہے کیا غزل اک اور مومن نے پڑھی
آج باطل سارے استادوں کا دعویٰ ہوگیا

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا

اس منہ پہ اس سے دعویٰ حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں

مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمون بسمل کی غزل
شوخیوں کو جس کی دعویٰ ہو رم نخچیر سے

دعوے حسن جہاں سوز اس قدر
پھر کہو گے تم میں ہرجائی نہیں

لب کا ترے دعویٰ مسیحی
مر اور پہ آزمائیں گے ہم

دعویٰ کرنا: مطالبہ کرنا، نالش کرنا

پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ میرے خون کا دعوا کیا

کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرتا سمجھ کے دعویٰ اعجاز دیکھنا

جلوہ دکھلائے تا وہ پردہ نشیں
میں نے دعویٰ کیا تحمل کا

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکر
حضرتِ مومن تمھیں دعویٰ دیں ہے

کرتے ہیں مجھ سے دعویٰ الفت وہ کیا
کیوں کر کہیں مقولۂ اغیار ہے

قیس شوخ اب کیوں کہ دعویٰ ملک وحشت کا کر
مہر محضر ہوگیا نقش سم آہو

کیوں کر پھرے دل اس سے کہیں قرض و عا
ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کر

گر سامنے اس کے بھی گرے اشک تو دل
کیوں روز جزا خون کا دعویٰ نہ کریں

دغا کرنا: دھوکا دینا، دم دینا

دیا علم و ہنر حسرت کشی کو
فلک نے مجھ سے یہ کیسی دغا کی

دفتر: کاغذوں کی کتاب، کنایۃً طومار، بڑا بھاری خط

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُس نے خط پڑھ کے نامہ بر
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ

حسرتیں میرے نصیبوں میں لکھی ہیں کیا کیا
اتنے دفتر میں کہیں فصل نہیں باب نہیں
کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا
گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں
حساب دفترِ احساں کا اس کے مشکل و سہل
کہ بے شمار ہے گو ہے فقط مد فاضل

دفتر بنانا: طویل کہانی گڑھنا، لمبی چوڑی بات گڑھ لینا
وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے

دفتر تقدیر: نوشتہ تقدیر، قسمت کا کاغذ
جبیں یاں تک تو سنگِ آستاں پر تیرے گھستے ہیں
مٹا دیتے ہیں لفظِ دفترِ تقدیر اکثر ہم

دفع طبیعت: طبعی ترقی کو روکنا
تا کہ ہو جائے ہر آزار کا مصدر ایک ایک
سخت نحسیں کو ہے دفعِ طبیعت پہ قرار

دفن: چھپانا، گاڑنا
پس قتل آ مری خاطر سے ٹھہر جاتا دفن
ظالم آخر تجھے مجھ سے بھی کبھی تھا اخلاص

دفن کرنا: چھپانا، گاڑنا
ہائے پس مرگ بھی دفن کریں مجھ کو غیر
خاک میں مل جائے چرخِ برسر کیں ہے ہنوز
ہونے نہ دیا چاک گریبان کفن کو
یاروں نے کیے دفن مرے تن سے جدا ہاتھ

دفن ہونا: چھپان، گڑنا
دفن جب خاک میں ہم سوختہ ساماں ہوں گے
فلسِ ماہی کے گل شمعِ شبستاں ہوں گے

دفینہ ہا: دفینہ کی جمع۔ گڑا ہوا خزانہ، چھپا ہوا خزانہ
بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں
یہ بڑھ گئی ترے سکّے سے قدر تا بہ فلوس

دقت: نکتہ سنجی
بچاؤں آبلہ پائی کو کیوں کر خارِ ماہی سے
کہ بامِ عرش سے پھسلا ہے یا رب پانو دقت کا

دقیانوس: ایک بادشاہ کا نام جو اصحاب کہف کے زمانے میں تھا
نوید مالکِ گلزار کو کہ زر کی جگہ
ہر ایک کاسۂ گل میں ہے گنجِ دقیانوس

دکان: سودا بیچنے کی جگہ، بکری کا مکان
لطف سے اس کے زمیں غیرتِ باغِ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکانِ عطار
کیا قیامت ہے کہ اک دم نہ ٹھہرنے پاؤں
دوں اگر خلد سے تشبیہ دکانِ خمار
کیسی شکست رونق بازار ہو گئی
ہے تختہ بند دستِ قلم سے دکانِ تیغ
لیتے ہوئے گرائے جو بارِ عطا سے لعل و در
کلبۂ خاک روب کو جیسے دکانِ جوہری
در و یاقوت کی پھر غیر پہ فرمائش ہے
جوہری کی تو دکاں چشمِ گہر بار لگا

دکھ: تکلیف، رنج
کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دلِ ناشاد بھرے
کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

دکھ سہنا: تکلیف برداشت کرنا
جو مر جاتا تو یہ دکھ کاہے کو سہتا اگر آ میں
نہ کہتا میں تو شاید دشمنوں کی بد دعا لگتی

دکھا جانا: دکھا کر چلا جانا
شعلۂ دل کو نازِ تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جاتا
تھی بدگمانی اب انہیں کیا عشق حور کی
جو آ کے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

دکھانا: ملاحظہ کرانا، پیش کرنا، رو برو کرنا
آ کے اس بزم میں دکھاؤں گا
شعلہ ہائے خرد کی نیرانی
رشک فزا نظارۂ صحبتِ ساکنانِ قرب
پستیِ بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

بہت ناز اں ہے تو اے قیس وحشت پر دکھاؤں گا
کتابوں میں کبھو قصہ جو مومن کا نکل آیا

کیا باتیں بناتا ہے وہ جان جلاتا ہے
پانی میں دکھاتا ہے کافور کا جل جانا

شاید کہیں تو نے بھی اُسے خواب میں دیکھا
آنکھیں تری اے بخت ہیں کیوں آٹھ پہر بند

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

چھوڑا نہ لالہ زار میں ساتھ اس نے غیر کا
سو بار سینہ چیر کے میں نے دکھائے داغ

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں

صورت دکھایئے جو کبھو جا کے خواب میں
بے دید آنکھ کھول دے جھنجلا کے خواب میں

دکھاؤں ناقۂ لیلیٰ خرام ناز تجھے
کبھی ادھر سے جو اس شوخ کا فرس گذرے

سیاہ رو نہ کرے ترک الفت گلفام
میں بوالہوس کو دکھاؤں ہزار آئینہ

عدو کے گھر میں ہے تصویرِ شیریں
دکھاؤں کس طرح اس بدگماں کو

میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی پہ سرزنشِ ناز دیکھنا

دکھاتے آئینہ ہو اور مجھ میں جان نہیں
کہوگے پھر بھی کہ میں تجھ سا بدگمان نہیں

دکھلانا: دکھانا، ملاحظہ کرانا، پیش کرنا، روبرو کرنا

غیر کو سینہ کہے سے سیم بر دکھلا دیا
تم نے کیا سمجھ کس کو اپنی بات پر دکھلا دیا

زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اُس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا

صبح سے تعریف ہے صبر و سکونِ غیر کی
کس نے شب مجھ کو تڑپتے پیش در دکھلا دیا

موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا

اس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا

گو حسد سے ہو پر اب بھی ہے وہی ناصح کی بات
ناحق اُس جانِ جہاں کو اِک نظر دکھلا دیا

نام اُلفت کا نہ لوں گا جب تلک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا

جب کہا دل پھیر دو بولے کہ دل پہلو میں ہے
میں نے ان کی ضد سے سینہ کاٹ کر دکھلا دیا

اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

سخت کم بختی ہوئی یہ بھی نصیبوں کا لکھا
غیر کو خط نامہ بر نے بے خبر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بتِ پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا

کہاں نیند تجھ بن مگر آئے غش
تو اک صورتِ خواب دکھلائے غش

پامالِ جہل حضرت مومن بغیر ہوں
دکھلائے پھر خدا مجھے استاد کے قدم

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو

وہ سخت جاں ہوں کہ دکھلائیں گر دم مردن
تو توڑ دے کمر کوہسار آئینہ

مومن آؤ تمہیں بھی دکھلا دوں
سیر بتخانہ میں خدائی کی

دگر: دیگر، دوسرا

ربط سے زخم ہائے اعدا کے
قطرۂ خوں ہو مشک بار دگر
مو سفیدی کے قریب اور ہے غفلت مومن
نیند آتی ہے بہ آرامِ دگر آخرِ شب
ہے اوّلِ بہار سیہ مستیوں کا جوش
دکھلائے ہے کچھ اب کی بہارِ دگر بسنت
ہم پیشہ کے ہے سامنے عرضِ ہنر ضرور
جلتا ہے میرے گھر میں بطرزِ دگر چراغ
اک نمکداں سے تو لذت نہ اٹھی اے قاتل
زخم دل عرض نمکدان دگر کرتا ہے
قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں نے کہ آج
خندہ کچھ طرزِ دگر چاک جگر کرتا ہے
ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

دل: قلب، کسی شئے کا باطن

کس قدر، ،حکمت اشراق،، سے جی جلتا ہے؟
ہوگئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار
جب تلک گردشِ افلاک سے اس عالم میں
ایک کے دل کو قلق، ایک کے دل کو ہے قرار
دل ہی میں حسرت نفس خوں چکاں رہی
میرے معاندوں پہ ستم ہے امان تیغ
یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان
سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کے نشان تیغ
چاہیے صبر مقدر پہ دریغ اے واعظ
تو خدا کا نہیں، جیسا ہوں میں دل کا محکوم
جب منایا مجھے اس نے وہی الفت، وہی دل
یہ غلط ہے کہ اعادہ نہیں، بہر معدوم
وہ گزک کیسی وہ کباب کہاں
نقل مجلس ہے دل کی بریانی
اے فلک دل کو داغ کرتی ہے
زر خورشید کی درخشانی
مانع سعی دل پسند اس کو
ملک عالم کی تنگ میدانی
جبہہ خورشید سے فروزاں تر
جبہہ سے دل زیادہ نورانی
سَم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
کیا کیا شکن دیے ہیں دلِ زار کو مگر
اُس کے خیال میں ورقِ انتخاب تھا
دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے
آتا نہیں ہے تو تو نشانی ہی بھیج دے
تسکین اضطراب دل زار کے لیے
چلے تم کہاں میں نے تو دم لیا ہے
فسانہ دل زار کا کہتے کہتے
ٹھیر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے
شعر مومن کے پڑھے بیٹھ کے اس کے آگے
خوب احوال دل زار سنا کے اٹھے
سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو دامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گل خن آب میں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب کیا کروں
ہوگئی سب آستیں تر خوں میں دامن آب میں
شب فراق میں پہونچی نہ دل سے جان تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتوان نہیں
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو
سوز دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو
دل مومن آتش کدہ کیوں بنے
لگاوٹ یہ طفل برہمن سے ہے
سرگرم مدح غیر دمِ شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

پھونک دے آتش دل داغ مرے
اس کی خود یاد دلاتے ہیں مجھے
پھر کچھ صدائے پا سے دل مردہ جی اٹھا
پھر جلوہ ریز کون قیامت خرام ہے
پھر تلخ کامیوں نے کیا جان و دل سے کوچ
پھر آرزوئے بوسہ کا لب پر مقام ہے
اس آہوئے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہے دل
رم کردہ شوق وصل پھر اک صید رام ہے
پھر دل ہے داغ مطلع خورشید دیکھ کر
از بس کہ یاد جلوۂ بالائے بام ہے
پھر سینہ سوز داغ غم شعلہ فام ہے
پھر گرم جوشی دل و سودائے خام ہے
میں احوال دل مر گیا کہتے کہتے
تھکے تم نہ بس بس سنا کہتے کہتے
یوں بنا کر حال دل کہنا نہ تھا
بات بگڑی میری ہی تقریر سے
وہم مے خواری سے دل کو نشۂ بنگ آ گیا
ہوش جاتے ہیں تری بہکی ہوئی تقریر سے
لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
سوااے محتسب اس کہ اپنے دل کی صورت ہے
سزا وار شکستن کون سی تقصیر شیشہ کی
مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دل مونس کے
کس پری روئے ستم گر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے
وصل کی بات کب بن آئی تھی
دل سے دفتر بنائے لوگوں نے
تڑپنے لوٹنے رونے کا کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی
وہ پھر بے گرم نظارہ کہاں تک زخم دل ٹانکوں
کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آ لگتی
سرگیں چشم سے کیوں تیز نظر کرتا ہے
کب مرا نالہ ترے دل میں اثر کرتا ہے
کس کے ہنسنے کا تصور ہے شب و روز کہ یوں
گدگدی دل میں کوئی آٹھ پہر کرتا ہے
اک نمکداں سے تو لذت نہ اٹھی اے قاتل
زخم دل عرض نمکدان دگر کرتا ہے
سد راہ ایسی نہیں غیرت یاد اغیار
کب خیال اپنا ترے دل میں گذر کرتا ہے
فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا درد پنہاں کی کلیجہ منھ کو آتا ہے
دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی
رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہو جائے
مومن ایماں قبول دل سے مجھے
وہ بت آزردہ گر نہ ہو جائے
کہیں ہو جائے وصال آہ بلا سے چھوٹوں
ہجر کا دکھ کوئی کب تک دل ناشاد بھرے
دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اس کو حسرت دیدار کے لیے
رکھے سے ہاتھ سینے پہ بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک روئیے دو چار آہ خوں چکاں کہیے
اے دل آ جانے دے اس زلف مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتار بلا ہوتا ہے
دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ
پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب رابطہ رہا ہے

چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہم دم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے
نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی
کلفت ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آجائے
نزع میں جی کا نکلنا تیرا آنا ہوگیا
بسکہ مرتے مرتے دل میں حسرت پابوس ہے
مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس
گر بنے تو دل چھنالوں یار سے
دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے
گر نہ ہو دل میں خیال نگہ خواب آلود
درد کیا کیا اثر خفتہ جگا کے اٹھے
سوزش دل سے ہوا کیا ہی میں پانی پانی
وہ جو پہلو سے پسینے میں نہا کے اٹھے
تاب وطاقت صبر وراحت جان وایماں عقل وہوش
ہائے کیا کہئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے
حال دل کیوں کر کہوں میں کس سے بولا جائے ہے
سر اُٹھے بالیں سے کیا کچھ جی ہی بیٹھا جائے
ہے ناصحا دل میں تو اتنا تو سمجھ اپنے کہ ہم
لاکھ ناداں ہوئے کیا تجھ سے بھی ناداں ہوں گے
بے زباں بند اثر دل سے شب وصل میں اور
فکر سو سو ہیں دل مرغ سحر میں پھرتے
کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زر جان کی زکاۃ ہے
دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجے یہ خوبی اپنی قسمت کی
جفا کا شکوہ اب کیوں جو کیا اچھا کیا اس نے
سزا ہے اے دل ناداں اس الفت اس محبت کی
کہا میں نے بات وہ کوٹھے کی میرے دل سے صاف اتر گئی
تو کہا کہ جانے مری بلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

آئے ہو جب بڑھا کر دل کی جلن گئے ہو
جوں سوز دل کہا ہے تم آگ بن گئے ہو
ہے کچھ تو بات مومن جو چھا گئی خموشی
کس بت کو دے دیا دل کیوں بت سے بن گئے ہو
گریہ پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دل جنت مقام کو
س سے جلا کے غیر کو امید پختگی
لگ جائے آگ دل کے خیالات خام کو
بختِ سعید آئینہ داری کرے تو میں
دکھلاؤں دل کے جور اس آئینہ فام کو
صد حیف سینہ سوز و فغاں کارگر نہ ہو
یاں جان پر بنے ترے دل میں اثر نہ ہو
ہوں خانماں خراب ستم سے زیادہ تر
ایسا نہ ہو کہ اب ترے دل میں گھر نہ ہو
یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں و لے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو
لکھتا ہوں اس کو بستگی دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو
کرنی نہ تھی بگاڑ کی باتیں گلہ میں ہائے
کیسی بنے جو دل سے وہ نامہرباں نہ ہو
اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو
صفائے دل کی کہاں قدر تیرہ روزی میں
چراغ صبح ہے شب ہائے تار آئینہ
سیماب ہے پہلو میں مرے دل تو نہیں یہ
اس دل نے ستایا مجھے غارت ہو کہیں یہ
یاں کا ہے کو وہ آنے لگا اے کشش دل
تو لاکھ کہے پر کوئی آتا ہے یقیں یہ
آتے ہی تیرے چل دیے سب ورنہ یاس کا
کیسا ہجوم تھا دل حسرت فزا کے ساتھ
رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا

قربان نزاکت کے میں کیا پانو ہے کیا ہاتھ
ہم اور یہ بدعت تپش دل کے سبب سے
مومن مرے سینہ پہ رہے بعد فنا ہاتھ
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب کیا کروں
ہوگئی سب آستیں ترخوں میں دامن آب میں
شب فراق میں پہونچی نہ دل سے جان تلک
کہیں اجل بھی تو مجھ سی ہی ناتوان نہیں
بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن
یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں
دل کا کیا حال کرے دیکھئے یہ گرمیِ حسن
ٹھہرتا آئینۂ یار میں سیماب نہیں
کشش ابروے صنم کی سی کہاں اے مومن
لاکھ سجدے کرے دل مائل محراب نہیں
پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں
اتنے سبک نظر میں ہیں اوضاع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں
بے نالہ منہ سے جھڑتے ہیں بے گریہ آنکھ سے
اجزائے دل کا حال نہ پوچھ اضطراب میں
پھیلی شمیم یار مرے اشک سرخ سے
دل کو غضب فشار ہوا پیچ و تاب میں
مطلب کی جستجو نے یہ کیا حال کردیا
حسرت بھی اب نہیں دل ناکامیاب میں
ناصح ہے عیب جوئے وہ دل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخن ناصواب میں
تیری جفا نہ ہو تو ہے سب دشمنوں سے امن
بدمست غیر محو دل اور بخت خواب میں
بیم بیداد و ستم کچھ دل مضطر میں نہیں
یوں ہوں نالاں کہ گویا وہ صف محشر میں نہیں

خار بستر پہ شب ہجر بچھاؤں کیوں کر
دل میں تو ہے وہ گل اندام اگر بر میں نہیں
دل بیتاب کی اکسیر بناؤ گے کہیں
اس قدر شوق تہ دل سے جلاتے کیوں ہو
سمجھتا خوب ہوں میں اس بناوٹ کی لگاوٹ
قسم کھا جاؤں گا گر تیرے دل میں کچھ محبت
بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دل نالاں پس مردن جو سرگرم شکایت ہو
رو دیا بے اختیار اس شوخ نے تاثیر سے
دود دل بھی کم نہیں ہے سرمۂ تسخیر سے
نہ آسمان کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپش دل نے اختیار مجھے
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے
لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لیے
کشاد دل پہ باندھی ہے کمر آج
نہیں خیر آپ کے بند قبا کی
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی
نہ نکلی ہائے یوں بھی حسرت دل
بہے سو بحر چشم خوں فشاں سے
داغ دل نکلیں گے تربت سے مری جوں لالہ
یہ وہ اخگر نہیں جو خاک میں پنہاں ہوں گے
آئینہ ہے صفا سے دل میرا
کیا ہوا گر نہیں ہے حیرانی
عشق عیاں کا کیا بیاں حسن ہنر رہا نہاں
قمری نالہ کش زباں میری دل صنوبری
یک دل و گونہ گونہ زخم یک تن و فوج فوج خصم
یک جگر و ہزار نیش، یک سر و صد گران سری
قدر ہنر کو چاہئے عقل و تمیز و درک و فہم

دست کشادہ، دل فراخ منعمی و تونگری
کام آئی نہ شوخی خموشی
دل کی تپشوں نے جب ستایا
سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک
دین و دل و عقل کو لٹایا
دل گرمیِ شوق شعلہ رو نے
کیا کیا مجھے خاک پر لٹایا
کہ ساقی سرخ لب کے غم نے
خوں تاب دل و جگر پلایا
اس دام سے مجھ کو تو چھڑا دے
داؤد نے جس میں دل پھنسایا
رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افسوس
غریق آب خجالت ہوا کے فیض سے ہوں
کہ گُل ہوا ہے مرا غنچۂ دل مایوس
جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں
نہ تاب لائے دل سخت زاہد سالوس
ہے جب تلک گل و بر قسمت نہال و شجر
ہے جب تلک دل لالہ میں داغ حسرت و بوس
مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہین داغ عدو کا رہے دل مایوس
فتنہ سازوں کو وہم فتنہ نہیں
دل ترا ہے جو کاشف مضمر
''مومن'' اب کر دعا کہ سنتا ہے
تیری تقریر گوش دل سے اثر
جلا پزیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فنائے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل
دل اب کی بار ہوا ایسی بے جگہ مائل
کہ جان کو بھی ٹھکانے لگا رہے گا دل
بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار

میرے سینے پہ قدم زور سے مت رکھ ظالم!
ہاں نہ چبھ جائیں کف پا میں کہیں دل کے خار
بیم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشت دل کا اظہار
اور اک کھینچتے ہیں، شعلہ فشاں، نالہ گرم
کیا کریں؟ یوں ہی نکالیں گے ذرا دل کے بخار
سچ ہے مفلس کو نہیں عشق کی لذت کہ مجھے
زخم دل کے لیے پیدا نہ ہوا مشک تتار
دل روشن نے ترے بس کہ کیا تھا حیراں
صرف آئینہ ہوا، خاطر حاسد کا غبار
کوئی بھینچے دل کو پہلو میں
کس نے کی اس سے ہمکناری آج
پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ
دل میں ہوائے بت کدہ ظاہر میں کیا حصول
رہنا حرم میں مومن مکار کی طرح
نے تاب ہجر میں ہے نہ آرام وصل میں
کم بخت دل کو چین نہیں ہے کسی طرح
کیا ٹھہرے دلِ بوالہوساں میں الفت
شیشہ میں پری کرتے ہیں ارباب ہنر بند
تو آب زن نہ ہوئے تو کیا جانے کیا کرے
دشمن کے دل سے میرے دمِ شعلہ زن کی یاد
قبر میں چھوٹے عذاب دلِ بیتاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ
نوید اے دل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر
خط میں تو لکھ سکتا نہیں احوالِ سوزِ دل اُسے
پر بھیج دوں جی میں ہے پروانے کے پر سے باندھ کر
عاشق تو جانتے ہیں وہ اے دل یہی سہی
ہر چند بے اثر ہے پر آہ وفغاں نہ چھوڑ
ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز

ہم تیرہ بخت خاک میں بھی مل گئے ولے
کچھ کم نہیں غبارِ دلِ آسماں ہنوز
مومن تو مدتوں سے ہوئے پر بقول درد
دل سے نہیں گیا ہے خیالِ بتاں ہنوز
کیا سوزِ رشک کی دلِ اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز
لیکے دل و عقل و دیں پھر پڑے غارت ہے عشق
اے اجل آچک کہیں جان حزیں ہے ہنوز
دودِ دل وگردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز
یوں ہے شعاعِ داغ مرے دل کے آس پاس
ہالہ ہو جس طرح مہِ کامل کے آس پاس
کافر ہے کون ہم میں سے مومن پھرے ہے تو
کعبے کے آس پاس تو میں دل کے آس پاس
مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس
پھونکا تپِ غم نے جی کو نکلے
دل کے ترے آب بخار آتش
ہووے نہ مقابلِ تفِ دل
مجمر کائے کوئی ہزار آتش
دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں
اے دیدۂ اشک بار آتش
تو نے تو وہاں لگائی مہندی
یاں دل میں لگی نگار آتش
تصویر سے تری مجھے تسکینِ دل کہاں
کیا خاک تشنہ کام کو آبِ گہر سے فیض
کر کہیے کہ کیوں لیتے ہو تم دل کو تو وہ شوخ
کس ناز سے کہتا ہے کہ یوں دیتے ہو یا قرض
یہ گرم جوشیاں تری گو دل سے ہوں ولے
تاثیرِ نالہ ہائے شرر بار ہے غلط
حور کی مدح میں کیا ترکِ صنم کا مذکور
یہی باتیں ہیں مرے دل پہ گراں اے واعظ

ہوں داغ بدگمانیِ دل بسکہ یار پر
پروانہ کو ہے سادہ دلی سے گمانِ شمع
اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخانِ شمع
زلفیں اٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ
کیا کہیے گرمیاں دلِ بیتاب کی کہ ہے
سینے میں ایک شعلۂ جوالہ جائے داغ
کرتا ہے سخت ناخنِ غم رو خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بھائے داغ
نہیں چاہ میری اگر اسے نہیں راہ دل میں تو کس لیے
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق
اب تو دل عشق کا مزا چکھا
ہم نہ کہتے تھے کیوں برا ہے عشق
کون جیتا ہے نگاہوں میں سبک ہونے کو
سخت جانی ہے ترے دل پہ گراں ہونے تک
جلایا آتشِ ہجراں نے دل کو
ترے گھر میں لگی اے بے خبر آگ
حصولِ سوزِ دل جز داغ کیا ہو
کہ نخلِ شعلہ لاتا ہے ثمر آگ
پڑھے مومن نے کیا کیا گرم اشعار
بھری تھی دل میں یارب کس قدر آگ
کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذرِ جلوۂ سنگ و درخت دل
مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ کرخت دل
کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل
داغِ جنون و سنگِ درِ یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل
گر جانتے کہ ہے شبِ ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل
الماس ریزہ تھے مرے آنسو کہ ضبط سے

ہے پاش پاش سب جگر اور لختِ لخت دل
کیا شبہ مومن آہن و قمری کے کفر میں
کرتے ہیں نذر جلوۂ سنگ و درخت دل
مردِ عشق ستیزہ کار ہے دل
ملک الموت سے دوچار ہے دل
بسکہ مشتاقِ نازِ یار ہے دل
ستم آموزِ روز گار ہے دل
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں نگار ہے دل
وصل جاناں کہاں سوائے خیال
ہم ہیں مایوس امید وار ہے دل
دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل
بس کہ تھے ہم زباں گلے میں ترے
دل سے میں مجھ سے شرمسار ہے دل
بے دوا درد و بے وفا ہے وہ شوخ
بے اثر آہ و بے قرار ہے دل
تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرت زلف تابدار ہے دل
بس کہ اس نے جلا کے خاک کیا
سرِ عشاق کا غبار ہے دل
کیا کہوں میں ہجومِ یاس و امید
رشکِ ہنگام انتظار ہے دل
شبِ ہجراں کو سمجھا روزِ جزا
مومن ایسا سیاہ کار ہے دل
کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی اس سے جس پر آجاتا دل
سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل
یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل
حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
کوئی سنتا ہی نہیں بنتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل
مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف کر
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے دل
وہ ستم گر دل برِ عالم اِدھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دل
ہاتھ اُٹھائے کس کے دل سے کس کے سینے پر دھرے
ہاتھ سے اغیار کا بھی تو چلا جاتا ہے دل
آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل
چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل
دل میں ناصح آئے کیا اپنا خیال
جاسکے کب یار کے مسکن میں ہم
یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تابدل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم
کیا ہوئے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے
سینے پہ وہ ہی عاشقِ نا
لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم
جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم
اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مر جاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم
دل آگ ہے اور لگائیں گے ہم
کیا جانے کسے جلائیں گے ہم
اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم
تو بختِ عدو اجل فلک دل

کس کس کے ستم اٹھائیں گے ہم
اے پردہ نشیں نہ چھپ کہ تجھ سے
پھر دل بھی یوں ہی چھپائیں گے ہم
بھیجیں گے عدو کے ہاتھ پیغام
حالِ دل اسے جتائیں گے ہم
گر ہے دلِ غیر نقشِ تسخیر
تو تیرے لیے جلائیں گے ہم
سوزشِ دل جب کہتے ہیں تب آنسو وہ بھرلاتے ہیں
موم کے مانند آتشِ غم سے پتھر کو پگھلاتے ہیں
نہ میں اپنا نہ دل اپنا نہ تم میرے نہ جاں میری
اثر کس کس کو ہو ہووے بھی گر فریادِ بیکس میں
چین آتا ہی نہیں سوتے ہیں جس پہلو ہمیں
اضطرابِ دل غرض جینے نہ دے گا تو ہمیں
دودِ شمعِ بزم نے دل پھونک کر اف کردیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں
کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں
غیر کو دکھاتا ہوں چاکِ دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں
لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیوں کر کریں
جب دلِ اغیار خوں ہو کر مژہ تک آگیا
پھر لحاظِ غمزۂ شمشیر دم کیوں کر کریں
دیکھ پیچ و تابِ سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بہ خم کیوں کر کریں
سب کو ہوتا ہے جہاں میں پاس اپنے نام کا
ہم بھی تو مومن ہیں دل نذرِ صنم کیوں کر کریں
نہ تن ہی کے ترے تکل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
ہے پاش پاش جگر دل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
مرا دل دو نیم ہے یہ جام جم نہیں

وہم عشق لالہ رو سے داغِ دل کیا کیا کہ
جان کر گل چیں کو تاراج چمن کی فکر میں
مانے نہ مانے منعِ تپش ہائے دل کروا
میں غیر تو نہیں کہ تماشائے دل کروا
ہو جان بھی جا کے کچھ تو مداوائے دل کر
کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے ہائے دل کر
سو طرح کے زیاں ہیں رہنے میں اس کے گ
دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں
مرتا ہوں کس عذاب سے بے وقت جی میں
اس دم دعا برائے تمنائے دل کر
جاں دیدوں ہے اس آفتِ جاں سے معاملہ
بس کب تک انتظار تقاضائے دل کروں
کیوں کر پھرے دل اس سے کہیں قرض و عار
ناصح دیا نہ تھا کہ میں دعوائے دل کر
نہیں اور وہ کوچہ لے گیا کس جائے ظلم ہے
اس پر بھی گر شکایت بے جائے دل کروں
چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
بے رحم ہرزہ گردیوں سے پانو گھس گئے
کیا ذکر جوشِ حوصلہ فرسائے دل کروں
دھبا لگا ہے شوق سیہ کارِ زلف کا
اللہ کیا علاج سویدائے دل کروں
کہیے جو دردِ دل تو وہ کہتا ہے مجھ کو کیا
میں کیا طبیب ہوں کہ مداوائے دل کروں
اس بت کو ترکِ دیں سے نہیں مومن اعتماد
کیوں کر نہ میں شکایتِ اغوائے دل کروں
دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں
تیغِ غمزہ کو لگا لے جلد سنگِ سرمہ پر
حرفِ مطلب آرزومندِ جفا کہنے کو ہیں
جب ترے کوچہ کا بیتابیِ دل سے پھر

یاد آتا ہے زمیں بوس قدم کرتے ہیں
نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپش دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
نیرنگِ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں
گلوے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے
مگر لکھنا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا
عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشرِ غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا
مرا جوہر ہو سر تا پا صفائے مہرِ پیغمبر
مرا حیرت زدہ دل آئینہ خانہ ہو سنت کا
مجھے وہ تیغ جوہر کر کہ میرے نام سے خوں ہو
دلِ صد پارہ اصحابِ نفاق و اہلِ بدعت کا
پھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موئے پر خلل گیا
جب ٹھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
اس کوچے کی ہوا تھی کہ میری ہی آہ تھی
کوئی تو دل کی آگ پہ پنکھا سا جھل گیا
سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
کیوں کہ امیدِ وفا سے ہو تسلّی دل کو
فکر ہے یہ کہ وہ وعدے سے پشیماں ہوگا
خواہش مرگ ہو اتنا نہ ستانا ورنہ
دل میں پھر تیرے سوا اور بھی ارماں ہوگا
ایسی لذت خلش دل میں کہاں ہوتی ہے
رہ گیا سینہ میں اس کا کوئی پیکاں ہو گا
دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

شوئی بخت تو ہے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا
بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیماں ہوگا
جائے تھی تیری مرے دل میں سو ہے
غیر سے کیوں شکوۂ بے جا کیا
تھی نوحہ زنی دل کی جنازے پہ ضروری
شاید کہ وہ گھبرا کے سر بام نکلتا
کانٹا سا کھٹکتا ہے کلیجے میں غم ہجر
یہ خار نہیں دل سے گل اندام نکلتا
آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا
غیر چھڑکے ہے زخمِ دل پہ نمک
شورِ الفت میں بھی مزہ نہ رہا
بسکہ اک پردہ نشیں سے دلِ بیمار لگا
جو مریضوں سے چھپاتے ہیں وہ آزار لگا
جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا
ہماری جان شب تجھ بن دلِ ناکام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیرِ قضا کا کام لیتا تھا
سحر تک شام سے تجھ بن یہی حالت رکھی دل نے
نہ مجھکو چین دیتا تھا نہ آپ آرام لیتا تھا
غیر کا اور آپ کا گر دل نہیں ہے ایک تو
کیوں ترے دل میں میری یاد آنے کا چرچا کیا
کیا خجل ہوں اب علاجِ بیقراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑ کیا
کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخن شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا
جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا
دل کو قلق ہے ترکِ محبت کے بعد بھی

اب آسماں کو شیوۂ بیداد آگیا
وعدۂ وصلت سے دل ہو شاد کیا
تم سے دشمن کی مبارک باد کیا
دلِ بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
ہوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا
وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیر کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا
کیا بہرِ عیادت گر ارادہ اُس نے آنے کا
تو جب تک جان ہے دردِ دلِ محزوں نہ ٹھہرے گا
یہ عذرِ امتحانِ جذبِ دل کیسا نکل آیا
میں الزام اُس کو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا
ہوں کیوں نہ محوِ حیرتِ نیرنگ ہائے شوق
جو دل میں شعلہ تھا وہی آنکھوں میں آب تھا
فراقِ غیر میں ہے بے قراری یاب اپنا سا
بنایا تو نے اُس کو بھی دلِ بے تاب اپنا سا
کسی کا سوز دل ہرگز تجھے باور نہیں آتا
تو سب کو جانتے ہے اے مہر عالم تاب اپنا سا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی شبِ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
اس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا
اس قیامت قد کو شب دیکھا تھا ہم نے خواب میں
دل نے محشر کا سماں وقتِ سحر دکھلا دیا
گور میں بھی جوشِ غم دل سے نہ نکلا ہائے ہائے
آپ ہی میں ہم نہیں جب کنجِ تنہائی ملا
پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا
سینہ میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا
پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا پھل جانا
اے دل وہ جو یاں آیا کیا کیا ہمیں ترسایا
تو نے کہیں سیکھا یا قابو سے نکل جانا

کس دن تھی اُس کے دل میں محبت جواب نہیں
سچ ہے کہ تو عدو سے خفا بے سبب ہو
بر میں عدو کی سوئے بغل سے مری اُٹھے
وہ کیا کہ سب کو جذبۂ دل سے عجب ہو
میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آبِ اشک آتش پہ روغن ہوگیا
داغ سینہ سے دل و جان و جگر سب پھک گئے
تھا چراغ خانہ ہم کو برقِ خرمن ہوگیا
اُف رے سوزِ عشق بریاں دل کی تسکیں کے لیے
خرمن گل پر جو لوٹا تھا وہ بھی گلخن ہوگیا
قابو میں نہیں ہے دلِ کم حوصلہ اپنا
اس جور پہ جب کرتے ہیں تجھ سے گلہ اپنا
زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا
جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اِس بلوے میں شب خونِ تمنا ہوگیا
جذبِ دل اُسے کھینچ کے لائے تو کہاں لائے
جو غیر کا گھر ہے وہی مسکن ہے ہمارا
کس طرح معلوم ہو حالِ دلِ گم گشتہ ہائے
جو کبوتر لے گیا واں نامہ عنقا ہوگیا
جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی
مفت اِس بلوے میں شب خونِ تمنا ہوگیا
اُس نے جو دل کو منھ نہ لگایا دو نیم ہے
یہ جام جم ہوا قدح مل نہ ہوسکا
تنگی وہی رہی دلِ صد چاک کی ہوا
یہ غنچہ پاش پاش مگر گل نہ ہوسکا
شعلۂ دل کو تازہ تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
آنکھیں جو ڈھونڈتی تھیں نگہ ہائے التفات
گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پا گیا
آفریں دل میں رہی خنجرِ دشمن کے سبب

اپنے قاتل سے خفا تھا کہ میں خاموش ہوا
تو نے جو قہر خدا یاد دلایا مومن
شکوۂ جورِ بتاں دل سے فراموش ہوا

دل قابلِ محبتِ جاناں نہیں رہا
وہ ولولہ، وہ جوش، وہ طغیاں نہیں رہا

منقوشِ دلِ خلق ہے پرہیز کی خوبی
کتنا ہی کرے ظلم وہ بدنام نہ ہوگا

خو ہوگئی ہجراں میں تڑپنے کی شبِ وصل
گو چین ہو دل کو مجھے آرام نہ ہوگا

گر نہ تھی اے دل اُس کے رنج کی تاب
کیوں شکایت گزار ہوتا تھا

صبر کر صبر ہوچکا جو کچھ
اے دلِ بے قرار ہونا تھا

وہ نمک پاش بھی نہیں ہوتے
یوں ہی دل کو فگار ہونا تھا

اُس نے کیا جانے کیا کیا لے کر
دل کسی کام کا نہیں ہوتا

رحم کر خصم جانِ غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

چارۂ دل سوائے صبر نہیں
سو تمہارے سوا نہیں ہوتا

دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

تجھے کوسنے یا گالی طعنوں کا جواب آخر
لب تک غمِ غیر آتا گر دل میں بھرا ہوتا

عدم میں رہتے تو شاد رہتے اُسے بھی فکرِ ستم نہ ہوتا
جو ہم نہ ہوتے تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا غم نہ ہوتا

یہ بے تکلف پھرا رہی ہے کششِ دل عاشقاں کی اس کو
وگرنہ ایسی نزاکتوں پر خرام ناز اک قدم نہ ہوتا

سوزِ دل سے گئی جاں بخت چمکنے کے قریب
کرتے ہیں موسمِ گرما میں سفر آخرِ شب

چشمِ غضب سے مشورۂ قتل کھل گیا
جو بات دل میں تھی سو نظر سے عیاں ہے اب

دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

یوں کرتے تھے وہ کب دلِ ناداں کی شکایت
کی ہوگی فلک نے مرے افغاں کی شکایت

کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے
اُلجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث

دل آزاری: دل کو رنج پہنچانے والی کیفیت

جب مجھے رنجِ دل آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بیداد کیا

دل آجانا: عاشق ہونا، مائل ہونا

کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی اس سے جس پر آجاتا ہے دل

کیا کیجئے دل شوخیِ فطرت پہ جو آجائے
یہ تو میں سمجھتا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا

اُس کے اُٹھتے ہی ہم جہاں سے اُٹھے
کیا قیامت ہے دل کا آجانا

دل آزردہ: رنجیدہ دل والا

ہو دل آزردہ کوئی گر ترے دشمن کے سوا
طمعِ تحسین سے جاتی رہے تاثیرِ غموم

دل آزردگی: رنجیدگی، افسردگی

حزن و ملال میں ہے دل آزردگی کا وہم
کیسی بری بنے جو گلہ بے اثر نہ ہو

دل آزار: دل دکھانے والا، ظالم مجازاً محبوب

ناصح اسے عیب جوے و دل آزار اس قدر
گویا ثواب ہے سخن ناصواب میں

دل آرام: دل کو آرام دینے والا، مجازاً محبوب

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلتا
دم کاہے کو یوں اے دلِ ناکام نکلتا

دل آشوبی: دل کی پریشانی و حیرانی کی کیفیت

خاص وہ بایہ دل آشوبی
جس کا بیمار غم نہ ہو جاں بر

دل آنکھوں میں آ جانا: دل کا آنسوؤں کے ساتھ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بہنا۔

آمد گریہ دم اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آ جاتا ہے دل

دل اٹکنا: عشق ہونا، محبت ہونا

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

دل بستگی: دل کا لگاؤ

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

دل پر ہاتھ دھرنا: تسکین و تسلی کے لیے دل پر ہاتھ رکھنا

سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا
کیا ہوئے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکے
سینے پہ وہ ہی عاشق ناشاد کے قدم
اگر نہ ہاتھ میں اس دل ربا کے دل دیتے
تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم
ہو جان بھی جا کے کچھ تو مداواے دل کروں
کب تک میں دل پہ ہاتھ دھرے ہائے دل کروں

دل پسند: مرغوب، پسندیدہ

مانع سعی دل پسند اس کو
ملک عالم کی تنگ میدانی

دل پھٹ جانا: دل بیزار ہو جانا، طبیعت کا ہٹ جانا

چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص

دل پھٹنا: دل بیزار ہونا، طبیعت کا متنفر ہونا

چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص

دل پھرنا: دل کا بیزار ہونا، دل کا کراہت کرنا

منظور نظر غیر سہی اب ہمیں کیا ہے
بے دید تری آنکھ سے دل پہلے پھرا ہے
آنکھ اس کی پھر گئی تھی دل اپنا بھی پھر گیا
یہ اور انقلاب ہوا انقلاب میں
دل بعد قتل بھی نہیں پھرتا کہ گور میں
منہ پھر گیا ہے کوے ستم گار کی طرف

دل پھسلنا: دل کا مائل ہونا، فریفتہ ہونا، راغب ہونا

پا لغزِ محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا
اُس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

دلِ تفتہ: دل سوختہ یعنی عاشق

تیرے دل تفتہ کی تربت پہ عدو جھوٹا ہے
گل نہ ہوں گے شرر آتش سوزاں ہوں گے
کرامت ہے رخ زرد آپ کے دلِ تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشہ کی

دل تفتہ: جلے ہوئے دل والا، سوختہ دل، مجازاً عاشق

کماں کھینچے ہے وہ اور ہم خجالت سخت جانی سے
وہ دل توڑے ہے اپنا اور اس کے تیر اکثر ہم
آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کرو ڑ دیکھ

دل تھامنا: دل کی بے قراری کا ضبط کرنا

اے ناصحو آ ہی گیا وہ فتنہ ایام لو
ہم کو تو کہتے تھے بھلا اب تم تو دل کو تھام لو
اے آرزوے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

دل پھرنا: محبت ختم ہونا

دل نہ پھرا جان ہی ٹھہرے خدا
یہ تو نہ جائے کہیں وہ تو گیا

دل جانا: عاشق ہونا

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ و
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے
مت بگڑ تو ہرزہ گردی سے مری انصاف
کچھ بھی بن آتی ہے جب اے بے وفا جاتا ہے د

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی
جی جلاجاتا ہے کیوں ہر لحظہ کس پر دل گیا
لے گئی قابو سے جاں بے اختیاری آپ کی
نہ جائے کیوں دل مرغ چمن کہ سیکھ گئی
بہار وضع ترے مسکرا کے آنے کی

دل جلانا: رنج وغم میں مبتلا کرنا، دل کڑھانا

داغ سے میرے جہنم کو مثال
تو بھی واعظ دل جلانا چھوڑ دے
دیکھو تو سرد مہری چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ

دل جلنا: دل کڑھنا

سوزش پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلاجاتا ہے دل

دل جو: پیارا، مجازاً معشوق

روزِ جزا جو قاتل دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا
یارب کوئی معشوقہ دل جو نہ ملے اب
جو ان کی دعا ہے وہی اپنی بھی دعا ہے
گر یہی شوق شہادت ہے تو مومن جی چکے
مار ڈالے کاش کوئی کافر دلجو ہمیں

دل چاک چاک ہونا: دل پر سخت صدمہ پہنچنا

از بس جنوں جدائی گل پیرہن سے ہے
دل چاک چاک نغمۂ مرغ چمن سے ہے

دل چرانا: کسی کام میں کوتاہی کرنا

ہو کے یوسف جو دل چراتے ہو
کون ہوجائے گا غلام مرا
مت کرو کنگھی نہ یہ دزدِ حنا
دل چرائے طرۂ طرار سے
شمع کے چور کا محفل میں جو مذکور ہوا
دل چرا بیٹھے تھے جب آنکھ چرا کے اٹھے

دل خراشیاں: جمع ہے دل خراشی کی۔ دل پر چوٹ پہنچنے کی کیفیت

یہ دل خراشیاں مرے اشعار شوخ کی
سینے پہ منکروں کے ہیں لاکھوں نشان تیغ

دل خون ہونا: غم وغصہ میں مبتلا ہونا

دل ہوا خون خیال ناخن یار
تو نے اچھی گرہ کشائی کی

دل دینا: مجازاً کسی سے محبت کرنا

ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہو گا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا
دل دے کے اک اور لالہ رو کو
ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم

دل دینا: فریفتہ ہونا، عاشق ہونا

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
تو دیتی دل کوئی یوسف کو دختر طیموس
جان جہاں کو دل دیا دشمن جاں ہوا جہاں
سر میں ہوا نظر میں یاس سینے میں آرزو بھری
دل ایسے شوخ کو مومن نے دے دیا کہ وہ ہے
محبِ حسینؓ کا اور دل رکھے شمر کا سا
ان سے بد خو کا کرم بھی ستم جاں ہو گا
میں تو میں غیر بھی دل دے کے پشیماں ہوگا
میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
ہے کس لئے مجھ سے اُسے دل دینے کا شکوہ
کرتا ہے جہاں میں کوئی احساں کی شکایت
بے مروت ناتواں ہیں جس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانیے کیا دیکھ کر
ناچار دیں گے اور کسی خوب رو کو دل
اچھا تو اپنی خوے بد اے بد زباں نہ چھوڑ
گر جانتے کہ ہے شب ہجراں یہ کچھ بلا
دیتے کسی کو کاہے کو ہم تیرہ بخت دل
دل دے کے اک اور لالہ رو کو
ہر داغ پہ داغ کھائیں گے ہم

بھلا ایسے صنم کو خاک دل دے کوئی اے مومن
نہ جس کو کچھ مروت ہو نہ خاطر ہو نہ الفت ہو

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دم زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

دیا ظالم کو دل جاں غیر کو آرام وحشت کو
کسی کا شکوہ کیا کیجے یہ خوبی اپنی قسمت کی

دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

دل دہی: تسلی وتشفی

دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سو اے دشمن!
کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا

امتیازِ دل دہی و دل بری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار

دام عاشق ہے دل دہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی

دل رکنا: دل کا رنجیدہ ہونا، دل کا آزردہ ہونا

کیا کروں کیوں کر رکوں ناصح رکا جاتا ہے دل
پیش کیا چلتی اس سے جس پر آجاتا دل

دل سوختہ: دل جلا، مراد عاشق

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

دل سوز: ہمدرد، غمخوار

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو
کر ہو دل سوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو

دل شکستگی: دل ٹوٹنے کی کیفیت

جفا کو آئے مری دل شکستگی پہ رحم
بلا کرے مرے احوال زار پر افسوس

دل شکن: دل توڑنے والا، ہمت پست کرنے والا

جنونِ عشق پری روے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق وسلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

اے محتسب نہ توڑیو شیشہ کو دیکھنا
آتی ہے مجھ کو سنگ دل دل شکن کی یاد

جنونِ عشق پری روے دل شکن ہے بلا
کہ روز طوق وسلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کیا کیا جواب شکوہ میں باتیں بنا گیا
لو اب بھی دل درست اسی دل شکن سے ہے

اثر اس سنگ دل کو کیا ہو غرض دل شکستن کا
شکایت ہے مری فریاد بے تاثیر شیشہ کی

دل شکنی: دل توڑنے کا عمل، تکلیف پہنچانے کا عمل

عشق کیوں درپئے جاں شوق ہے کیوں سینہ شگاف
دشمنی دل شکنی شیوۂ احباب نہیں

دل فگار: زخمی دل والا

جو ملیح غیر سمجھ کر مزے اٹھائے
خوش حرف بے نمک سے بھی ہم دل فگار ہیں

دل فگاری: دل کے زخمی ہونے کی کیفیت

ہائے کیا بے تاب ہو کر دھر لیا سینہ پہ ہاتھ
کھل گئی مہ وش کبھی سے دل فگاری آپ کی

دل فگاری کی: دل فگاری کرنا، دل کو زخمی کرنا

تیرے ابرو کی یاد میں ہم نے
ناخن غم سے دل فگاری کی

دل کا غبار نکلنا: دل کی کدورت ختم ہونا

بے روئے مثل ابر نہ نکلا غبار دل
کہتے تھے ان کو برق تبسم ہنسی سے ہم

دل کٹا جانا: دل کا رنجیدہ ہونا

حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل

دل کو لگنا: دل متوجہ ہونا

سدا تمہاری طرف جی لگا ہی رہتا ہے
تمہارے واسطے ہے دل کو مہربان گئی

دل کھنچا جانا: دل کا قائل ہونا

چاہتا ہوں میں تو مسجد میں رہوں مومن ولے
کیا کروں بت خانہ کی جانب کھنچا جاتا ہے دل

دل کی گرہ کھلنا: رنج دور ہونا، مشکل آسان ہونا

لاکھ شگفتگی سے بھی دل کی گرہ نہ کھل سکی
عقدۂ مو ہے ہر شکن طرۂ تابدار میں

دل کے پیچھے: دل کو

بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

دل کھول کے: خاطر خواہ، بخوبی، بے دھڑک

دل کھول کے مل لیجئے مومن صنموں سے
اس سال میں گر سوے حرم عزم سفر ہے

دل گرمی فریب: تصنع آمیز گرم جوشی

دل گرمیِ فریب پہ بھی میں نثار ہوں
پروانہ کیا مجال کرے امتحانِ شمع

دل گرمیاں: دل گرمی کی جمع۔ اختلاط، گرم جوشیاں

تری دل گرمیاں آخر جلا رہویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوز غیرت کی

دل گھلا جانا: دل کا تحلیل ہوا جانا، آہستہ آہستہ ختم ہوا جانا

یا الٰہی مجھ کو کس پردہ نشیں کا غم لگا
سینے میں اندر ہی اندر کچھ گھلا جاتا ہے دل

دل لگانا: عشق کرنا، محبت کرنا

دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا

دل لگنا: جی بہلنا

مومن یہ عالم اس صنم جاں فزا کا ہے
دل لگ گیا جہان سراسر خراب میں

دل لگنا: عشق ہونا، محبت ہونا

جنت کی ہوس واعظ بے جا ہے کہ عاشق ہوں
ہاں سیر میں جی لگتا گر دل نہ لگا ہوتا
بلائے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ لگتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

دل لینا: کسی کا دل اپنی طرف مائل کر لینا، عاشق بنا لینا

لے کے دل بھی کبھی نہیں جاتی
زلف کے پیچ و تاب نے مارا
دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا
دل لے کے وفا کیسی پر قول تو دینا تھا
اے سیم تن آفت ہے تو مفت بری اتنی

دل لے جانا: اپنی طرف مائل کر لینا، عاشق بنا لینا

کیا دل کو لے گیا کوئی بیگانہ آشنا
کیوں اپنے جی کو لگتے ہیں کچھ اجنبی سے ہم

دل مردہ: ایسا دل جس کی امنگ ختم ہو گئی ہو، افسردہ دل

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

دل مضطر: پریشان دل

نوید قتل سے بھی ہو دل مضطر کو کیا تسکیں
کہ قدر نیم رقص مرغ بسمل جاز میں پر ہے
ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

دل میں آنا: خیال گذرنا

جان سے جاتی ہیں کیا کیا حسرتیں
کاش وہ دل میں بھی آنا چھوڑ دے

دل میں ٹھاننا: دل میں کسی امر کو قرار دینا

ٹھانی تھی دل میں اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہو گئے ناچار جی سے ہم

دل میں راہ کرنا: کسی کے دل میں رسائی پیدا کرنا

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی

دل میں سمانا: دل میں کھپ جانا، دل میں بس جانا

دل میں اتنا تو سمایا ہے کہ جل جاتا ہوں
سرو نوخیز جو انگشت نما ہوتا ہے

دل میں سودے آنا: مراد دل میں طرح طرح کے خیالات آنا

پھرتے ہیں سو سو سودے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں

دل میں غبار ہونا: دل میں کدورت ہونا

ہے دل میں غبار اس کے گھر اپنا نہ کریں گے
ہم خاک میں ملنے کی تمنا نہ کریں گے

دل میں نقش ہونا: کوئی خیال کوئی بات اچھی طرح دل میں بیٹھ جانا

ایسے نازک کے شمائل کیوں نہ دل میں نقش ہوں
کھنچ گیا سینہ پہ نقشہ غیر کی تصویر سے

دل ناکام: نامراد دل، محروم دل

ہماری جان شب تجھ بن دلِ ناکام لیتا تھا
خدنگِ آہ سے تیر قضا کا کام لیتا تھا
پامالِ ستم ہے دل ناکام کے ہاتھوں
کس منہ سے کروں ولولۂ جاں کی شکایت

دل نشیں: مرغوب، پسندیدہ

وہ پر فریب کہ ہو دل نشیں تغافل ناز
ہمیشہ حالت عاشق سے گر رہے غافل
گلشن میں بالہ مئیں ہوں کہ ہے دل میں جائے داغ
اپنے تو دلنشیں نہیں کچھ بھی سوائے داغ

دل وابستہ: دل مغموم

کیا نامہ میں لکھوں دل وابستہ کا احوال
معلوم ہے پہلے ہی کہ وہ وا نہ کریں گے

دل ہی میں رہ جانا: ظاہر نہ ہونا

ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت

دلان: دل کی جمع

میرے سینے کے صفحے میں ہے رقم
علم داتا دلان یونانی

دلاوری: شجاعت، بہادری

تختہ حریف کا تباہ حال و تغیر کعبتین
نیل مرام و شش جہت مہرہ و قید شش دری

دلبر: محبوب، معشوق

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر

فغاں کے دل بر خود کام سے پڑا مجھے کام
حصول کار ہے بے کار و سعی بے حاصل
جستجو سے وصلِ دل بر کی تمنا کس لئے
کیا دلِ گم گشتہ اے ہنگامہ آرائی ملا
وہ ستم گر دل برِ عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دل
مدام اس دل برِ میکش کے منہ لگتا ہے اے ساقی
بنائی ہائے کیا اللہ نے تقدیر شیشہ کی

دلبراں: دل کی جمع۔ محبوب، معشوق

سینے پہ روے دلبراں، بر میں قبائے رستمی
پانو پہ فرق سروراں، سر پہ کلاہ سروری

دلبری: معشوقیت محبوبیت

نعی رمح سینے کو چیر کے دل نکال لے
مار سیاہ زلف سے ہو نہ سکے یہ دلبری
تا رہے الفت آزما، ناز و غرور دل ربا
تا رہے آرزو فزا، طرز ادائے دلبری
اہل جنت سے کرو دلبریِ حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ

دلخراش: دل شکن،

سامعہ سوز و دل خراش، گریہ فزا و زخم ریز
نغمۂ نوک عندلیب، قہقہۂ گل تری

دلدار: پیارہ، محبوب، معشوق

پرسش گور کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے، جو دشمن جاں تھا اسے جانا دلدار
نالۂ گرم نے دل بر کو بنایا دلدار
معجز عشق سے جاں بخش ہوئی بادِ سموم
تفرقہ نہ کیوں کر ہو ہوا آ نہیں سکتی
گویا درِ دلدار نشیمن ہے ہمارا
سوجھے کیوں کر فریب دل داری
دشمن آشنا نما ہے عشق
وہم فغان غیر نے سینہ جلا دیا
آتش لگی تھی کوچۂ دل دار کی طرف

محو دلدار ہوں کس طرح نہ ہوں دشمن جاں
مجھ پہ جب ناصح بیدرد کو پیار آجائے
یوں کہے درد آیا اپنی چیز کا
حال دل گر پوچھئے دلدار کا
گو دار پہ کھنچیں ہمیں دلدار نصاریٰ
پر آرزوے زلف چلیپا نہ کریں گے

دلربا: دل لبھانے والا، مطبوع خاطر
تا رہے الفت آزما، ناز و غرور دل ربا
تا رہے آرزو فزا، طرز ادائے دلبری
وہ بد شعار و طرح دار دل ربا جس سے
امید وصل خطا ، ترک آرزو مشکل
نسبت سے تیرے ہاتھ کی چشمک زنی کرے
ابروے دل ربا پہ خم جاں ستان تیغ
ہم کو ترجیح تم پہ ہے یعنی
دل ربا حسن و جاں رباہے عشق
اگر نہ ہاتھ میں اس دل ربا کے دل دیتے
تو دل پہ ہاتھ سدا دھر لیا نہ کرتے ہم
سامنے سے جب وہ شوخ دل ربا آجائے ہے
تھامتا ہوں پر یہ دل ہاتھوں سے نکلا جائے ہے

دلربائی: دل کو لبھانے والی، معشوق
دلربائی زلفِ جاناں کی نہیں
پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا

دلربائی کی: دل ربائی کرنا، دل لبھانے والا
دام عاشق ہے دل دہی نہ ستم
دل کو چھینا تو دل ربائی کی

دلق گدا: فقیر کی گدڑی
صرف دلق گدا ہوئے پردے
زینت افزاے کاخ سلطانی

دلکش: خوش نما، دل لبھانے والا
دم بھرے اس کے کوے دلکش کا
باغ جنت میں بھی نسیم سحر
تیری چین کمند دلکش کا
دم بھرے جذبۂ دم اژدر

دلکشا: دل شگفتہ کرنے والا، فرحت افزا
جایئے پھر اُس کے کوے دِل کشا میں کس لیے
حضرتِ دل سینے میں آٹھوں پہر رکتے ہیں آپ

دلگیر: مغموم، اداس
کیوں کہ پوچھے حال تلخی عاشق دل گیر سے
ہوگئے ہیں بند لب شیرینی تقریر سے
جوش وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے

دلّی: ایک شہر کا نام، ہندوستان کا دارالحکومت
مومن یہ لافِ الفتِ تقویٰ ہے کیوں مگر
دلّی میں کوئی دشمنِ ایماں نہیں رہا
دلّی سے رام پور میں لایا جنوں کا جوش
ویرانہ چھوڑ آئے ویرانہ تر میں ہم
بدایوں میں مجھے جوش جنوں لایا ہے دلّی سے
یہ کیوں کر چارۂ پندِ خرد منداں کا ہوش آیا

دلیل: حجت، وجہ ثبوت
آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا
گر حصول زر مسکوک کی سمجھوں میں دلیل
ناخن شیر سے ہو سینۂ خورشید، فگار

دم: آنچ
سرگرم مدح غیر دمِ شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

دم: دھار
میرے نفس کی دیکھ کے معجز نمائیاں
کیا دور ہے کہ دم نہ رہے درمیان تیغ
گرمیِ شوق شہادت ہوئی فولاد گداز
رہ گیا تشنۂ آب دم خنجر حلقوم
ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے
اس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دم شمشیر سے

دم: ذات، نفس

فردوسی ایک خار جنان بیان تھا
گل ریز میرے دم سے ہوئی داستان تیغ

غازی بھی تو شہید بھی تو تیرے دم سے ہے
سرگرم جلوہ فصل بہار و خزان تیغ

شاعر بے نظیر ہوں، سحر بیاں دبیر ہوں
دم ہے مرا نمونۂ معجزہ پیمبری

کہتے ہیں گلشن اپنی گلی اُس کے دم سے تھی
دشمن جو ہم ترانۂ بلبل نہ ہو سکا

دم: لحظہ، وقت

ناگہاں نعش پہ عاشق کی دمِ نوحہ گری
کوئی مذکور ترا کرنے ستمگار لگا

اُس روانی سے ذرا خنجر بیداد رہا
بارے اِک دم اثر نالہ و فریاد رہا

دم الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

محشر میں پاس کیوں دمِ فریاد آگیا
رحم اُس نے کب کیا تھا کہ اب یاد آگیا

دمِ بسمل یہ کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخمِ بدن سے خون کا دریا نکل آیا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

اس کے دل میں اب خیالِ قتل ہر دم آئے ہے
موت کو کس نے الٰہی میرا گھر دکھلا دیا

بوسے دمِ غضب لئے اُلٹی سمجھ تو دیکھیے
بل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہُوا

صبح دمِ وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دمِ آغاز سحر آخرِ شب

دم آخر بھی تم نہیں آتے
بندگی اب کہ میں چلا صاحب

سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دمِ قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض

آمدِ گریہ دمِ اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

لگے آگ آتشِ غم کو زبان خامہ شعلہ ہے
جلادیتے ہیں سو سو خط دمِ تحریر اکثر ہم

وحشت ہے عشق پردہ نشیں میں دمِ بکا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشمِ پری سے ہم

اس آفت دل و جاں پر اگر نہ مرجاتے
تو اپنے مرنے کی ہر دم دعا نہ کرتے ہم

ٹھہرو کوئی دم کہ جان ٹھہرے
مت جاؤ کہ جی سے جائیں گے ہم

دزدیدہ نظر ہے کیوں دمِ قتل
کیا مرنے سے جی چرائیں گے ہم

کس کی خبر آنے کی ہے کس لیے ہے یہ بیتابی
کس لیے ہم ہیں ہر دم پھرتے آتے ہیں اور جاتے

کیا دوا سے ہو تری رنجش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں

ذرا سمجھو تو جانِ من وصالِ غیر پر ہر دم
مری جاں کون ہے یہ کس کی جھوٹی کھاتے ہو قسمیں

درازدستی یہ کس بے ادب نے کی دمِ قتل
تمام دامنِ قاتل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

مرتا ہوں کس عذاب سے بے وقت جی میں ہے
اس دم دعا برائے تمنائے دل کروں

نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں

کشتۂ غیرت ترے پانی چوانے سے ہے غیر
مرتے دم پاتا ہوں ذوقِ خونِ دشمن آب میں

ربط اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں

لگ جائے شاید آنکھ کوئی دم شب فراق
تا صبح جی کو لے آؤ گر افسانہ خواں نہیں

پیہم سجود پائے صنم پر دم وداع
مومن خدا کو بھول گئے اضطراب میں

دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنہ انگشت ندامت ہو

صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو

خالی ہوائے فتنہ سے گا ہے جہاں نہ ہو
اس دم قیامت آئے اگر آسماں نہ ہو

ہر دم عرق عرق نگہ بے حجاب ہے
کس نے نگاہ گرم سے دیکھا حیا کے ساتھ

ایک دم گردش ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے

کیا مال ہیں کہ جان دیں دیتے ہیں دم تمہیں
اغیار بوالہوس کی یہی کائنات ہے

اشک شادی نے دم وصل جلایا کہ مجھے
منع نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

تسلی دم واپسیں ہو چکی
ہمیں ہو چکے جب نہیں ہو چکی

دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دم زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

تھی بد گمانی اب انہیں کیا عشق حور کی
جو آکے مرتے دم مجھے صورت دکھا گئے

صبح کیوں کر ایک دم میں ہوگئی شام فراق
کیا اثر ہوتا تھا تم کو نالۂ شب گیر سے

جائے شربت مرتے دم بھی خوں پلایا ہائے ہائے
منہ مرا کھولا ستم پیشہ نے نوک تیر سے

ایسے دم آرام اثر خفتہ کب اٹھا
ہم کو عبث امید دعا ہائے سحر ہے

قیامت مرتے دم آئی فغاں سے
جہاں لے کر چلے ہیں ہم جہاں سے

دم مصاف ترے دشمنوں سے لشکر میں
صدائے نوحہ و شیون ہے شور و غلغل کوس

وہ بے وفا کہ مکر جائے جاں شکستن تک
کرے جو وعدہ روز جزا دم بسمل

وہ نکتہ داں کہ ،،تقیے،، کو اصل دیں کہے تا
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے خجل

شاد شاد آئے عیادت کو دمِ آخر تم
ایسے بیدرد پہ کرتا ہے کوئی جان نثار

سائلوں کا ترے کوچے میں دم فیض ہجوم
جیسے گلزار میں ہنگام سحر جوش ہزار

مظہر شان الہیٰ ہے یہاں تک کہ حکیم
متزلزل ہے دم بحث وجوب اور لزوم

تیری افواج کا میداں میں دم جنگ خروش
بلبلوں کا ،،مہ آزار،، گلستاں میں ہجوم

دم **گلگشت** وہ سبک رفتن
اہتزاز نسیم بستانی

توسن باد پا ترا،روز وغا بگاڑ دے
صرصر عاد کی ہوا،دم میں دکھا کے صرصری

خدا کی یاد دلاتے تھے نزع میں احباب
ہزار شکر کہ اس دم وہ بد گماں نہ ہوا

وعدے کی جو ساعت دم کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا

دم: طاقت

قطع امید سے سر کاٹنے کو کیا نسبت
مجھ میں وہ دم ہے ابھی جو ترے خنجر میں نہیں

ٹھہر جا جوش تپش ہے تو تڑپنا لیکن
چارہ سازوں میں ذرا دم دل زار آجائے

دم: گفتگو

ہائے پھر مرنے لگا میں لطف کی تقریر سے
اس کا دم بھی کم نہ تھا ہرگز دم شمشیر سے

دم: جان، روح

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

گر یہی نالۂ جانکاہ کے ہیں شور و شغب
دم رہا کا ہے کو تاثیر فغاں ہونے تک

یہاں دم نہیں شوق سے قتل کر
مرے خوں سے تر آستیں ہو چکی

فریاد نالہ ہائے عزابار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

جلا جگر تپ غم سے پھڑکنے جان لگی
الٰہی خیر کہ اب آگ پاس آن لگی

دم الٹنا: دل گھبرانا، سانس رکنا

دم ہی الٹ گیا جو سنا ہے ترا مریض
کیا حضرت مسیح سے درمان خستہ ہو

دم اژدر: پھونک

تیری چین کمند دلکش کا
دم بھرے جذبۂ دم اژدر

دم الحذر: پناہ کی دعا

دم الحذر اور عشق بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

دم باز پسیں: آخری وقت کی سانس

کیوں نہیں لاتا اسے آہ مری یاد ہے
کہہ دو فلک سے دم باز پسیں ہے ہنوز

دم بخود: خاموش، ساکت، ششدر، متحیر

کہاں تک دم بخود رہیے نہ ہوں کہیے نہ ہاں کہیے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبط فغاں کہیے

دم بخود رہنا: حیرت زدہ رہنا

کہاں تک دم بخود رہیے نہ ہوں کہیے نہ ہاں کہیے
کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبط فغاں کہیے

دم بدم: ہر لمحہ، ہر لحظہ

ناز شوخی دیکھنا وقت تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذر جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا

کیوں نہ جور متصل سے ترے غیر کھنچ گئے
میں کیا حریف کشمکش دم بہ دم نہ تھا

گلے لگتا ہے دم بدم مجھ کو
طوق گردن نے کیا خفا جانا

دم بدم روتا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں

اضطراب شوق شاید غیر اس کے پاس ہو
جانب چلون نظارہ دم بدم کیوں کر کریں

بالیدہ دم بدم جو مرے دل کے خار ہیں
ہر آن برچھیاں سی کلیجے کے پار ہیں

دم بدم رنگ ہے تغییر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے

کاٹتا ہوں عرض سوزش میں زباں کو دمبدم
میرے دندان ندامت کم نہیں گلگیر سے

دم بھر: لمحہ بھر، پل بھر

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گر تھم جائے ہے
دیدۂ پرنم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

دم بھرنا: محبت کا دعویٰ کرنا، کسی کی ہر وقت صفت و ثنا کرنا

کون کہتا ہے دم عشق عدو بھرتے ہیں
کہ ہوا باندھنے کو آہ کبھو بھرتے ہیں

پھر تیری ہوا کا دم بھرا تو
جی ہی کو ہوا بتائیں گے ہم

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پس ذبح بھی ہر دم دم صیاد بھرے

نہ بھرتے دم جو کسی شعلہ رو کی خواہش کا
تو ٹھنڈی سانسیں ہمیشہ بھرا نہ کرتے ہم

نسیم مصر کا دم پیر کنعاں کا ہے کو بھرتا
اگر کوچہ کی تیرے خاک آلودہ ہوا لگتی

غم ابرو میں بھرتے ہیں دم شمشیر اکثر ہم
کیا کرتے ہیں اپنے قتل کی تدبیر اکثر ہم

دم پر بننا: جان پر آ بننا، ہلاکت کے قریب پہنچنا

جہان تنگ و ہجوم وحشت غرض کہ دم پر بری بنی تھی
کہاں میں جاتا نہ جی ٹھہرتا نہیں جو وحشت عدم نہ ہوتا

دل گیا دم پر بنی آنکھیں لڑیں کہتی ہے حال
بے قراری آہ و زاری اشک باری آپ کی

دم پہ بن جانا: جان پر آبننا، ہلاکت کے قریب پہنچنا
سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

دم پہ بننا: جان پہ آبننا، ہلاکت کے قریب پہنچنا
سینہ پہ ہاتھ دھرتے ہی کچھ دم پہ بن گئی
لو جان کا عذاب ہوا دل کو تھامنا

دمِ تیغ: تلوار کی دھار
بوسہ دے ترے دمِ تیغ کو تو آجاوے
جس کو آتی نہ ہو تقطیع کلام منظوم
گر حسن گلو سوز نے پھر آگ لگائی
کیوں آب دمِ تیغ سے ٹھنڈا نہ کریں گے

دمِ خوںنابہ ریز: کون بہانے والی دھار
پھر جوش آگیا دمِ خوں نابہ ریز کو
پھر تیزیِ زباں پہ ہے قرباں زبان، تیغ

دم رکنا: دم گھٹنا
شبِ غمِ فرقت ہمیں کیا کیا مزے دکھلائے تھا
دم رکے تھا سینے میں کمبخت جی گھبرائے تھا
یاں سے کیا دنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا بھی دم کیوں اِس قدر رکتے ہیں آپ
دم رکے ہے بہشت میں تو کوئی
اس کے گھر لے چلو شتاب ہمیں
کس طرح مایوس ہوں تاثیر سے
دم رکے ہے نالۂ شبگیر سے
نارسائی سے دم رکے تو رکے
میں کسی سے خفا نہیں ہوتا

دم دینا: فدا ہونا، جان دینا
عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا
دم نہ لے اے اثر آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں

دم دینا: فریب دینا
یا تو دم دیتا تھا وہ یا نامہ بر بہکائے تھا
تھے غلط پیغام سارے کون یاں تک آئے تھا
دل دہی کیسی وہ دم دیتے ہیں سو اے دشمن!
کیا نہ دیتے مجھے میں آپ ہی سائل نہ ہوا
لاش پہ آنے کی شہرت شبِ غم دیتے ہیں
اے پری ہم ملک الموت کو دم دیتے ہیں
دم نہ لے اے اثر آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں
دم دیتے تو ہو پر یہ سمجھ لو
دشمن کی قسم دلائیں گے ہم

دمِ سرد: آہ سرد، ٹھنڈی سانس
مضطر وہ گل جو میرے دمِ سرد سے ہوا
کیا کیا شمال و بادِ صبا بے قرار ہیں
بجھ گئی اِک آہ میں شمعِ حیات
مجھ کو دمِ سرد نے ٹھنڈا کیا

دم شماری: سانس گننے کا عمل
ہے یہی حسرتِ دیدار تو مرنا مشکل
دم شماری کی مری، عمر ہے تا روز شمار

دم شماری: مرتے وقت کی سانسیں گننا
نزع ہے اور روزِ وعدۂ وصل
ہے بہر طور دم شماری آج

دم قدم سے لگنا: وابستہ ہونا، ساتھ ہونا
دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے کے مرے پانو اٹھاتے کیوں ہو

دم کے دم: فوراً، بلا تاخیر
اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ
وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغِ سحر بند

دم لبوں پر آپہنچنا: جاں بہ لب ہونا، مرنے کے قریب ہونا
خدایا لشکر اسلام تک پہنچا کہ آپہنچا
لبوں پر دم بلا ہے جوشِ خوں شوقِ شہادت کا

دم لینا: آرام لینا، ٹھہر جانا، توقف کرنا

سوزِ دل آب جگر لینے دے دم تو کب تلک
تر رہیں آنکھیں ہمیشہ اور لب اکثر خشک ہو
دم نہ لے اے اثر آہ کہ معلوم ہوا
جن پہ دم دیتے ہیں ہم وہ ہمیں دم دیتے ہیں

دم لینا: سانس لینا

لذتِ جور سے دم لینے کی فرصت نہ رہی
کیا اثر منتظرِ دعوتِ فریاد رہا
نہیں دم لینے کی طاقت فلک ورنہ بتا دیتے
کہ یہ تاثیر ہوتی ہے فغان آسماں رس میں
فغاں کیا دم بھی لینا پارہ ہائے دل اڑاتا ہے
کہوں کیا درد پنہاں کی کلیجہ منہ کو آتا ہے
کہاں وہ آہ و فغاں و دم بھی لے نہیں سکتے
ہمیں یہ تیری دعاے بد آسمان لگی
دم لینے کی طاقت ہے بیمارِ محبت ہے
اتنا بھی غنیمت ہے مومن کا سنبھل جانا

دم میں آنا: دھوکہ میں آنا

جب ہو چکا یقیں کہ نہیں طاقتِ وصال
دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آگیا
دم میں مت آئیو اے غیر کہ مانند صبا
جس سے لگ چلتے ہیں وہ اس سے ہی رم کرتے ہیں

دم میں دم آنا: جان میں جان آنا، زندگی کی امید ہونا، تسلی ہونا

تیرے آتے ہی دم میں دم آیا
ہو گئی یاس امید واری آج

دم میں دم ہونا: زندگی ہونا

نام اُلفت کا نہ لوں گا جب تک ہے دم میں دم
تو نے چاہت کا مزہ اے فتنہ گر دکھلا دیا

دم ناک میں ہونا: عاجز ہونا

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جان کی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

دم نکل جانا: جان نکل جانا، جان فنا ہو جانا

چھوڑا تھا دل نہ تھا یہ موے پر خلل گیا
جب تھیس سانس کی لگی دم ہی نکل گیا
پوچھا کسی پہ مرتے ہو اور دم نکل گیا
ہم جان سے عناں بہ عنان صدا گئے

دم نکلنا: جان نکلنا، جان فنا ہونا

گر غیر کے گھر سے نہ دل آرام نکلتا
دم کاہے کو یوں اے دلِ ناکام نکلتا
دیکھا ادھر کو تو نے تو بس دم نکل گیا
اترے نظر سے اپنے نگہبانیوں میں ہم
نالے کے ساتھ دم کے نکل جانے کا ہے خوف
پر کیا علاج طاقتِ ضبطِ فغاں نہیں
کود کر گھر میں تو پہنچا میں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو
بہر عیادت آئے وہ لیکن قضا کے ساتھ
دم ہی نکل گیا مرا آواز پا کے ساتھ

دم ہائے بے اثر: بے اثر نالے

غیروں سے ہو وہ پردہ نشیں کیوں نہ بے حجاب
دم ہائے بے اثر مرے پردہ اٹھا گئے

دم ہوا ہونا: دم فنا ہونا، جان کا نکل جانا، روح نکل جانا

ناتوانی مری مت پوچھ کہوں کیا ہم دم
بات کہنے میں میرا دم ہی ہوا ہوتا ہے

دماغ: مغز، بھیجا، سر کا گودا

خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس
گر کہے "یرحمك الله" ترا خصم لئیم
عطسہ زن پھر نہ ہو زنہار دماغ مزکوم
بستر گل پہ خواب خوش، سرخوشی نشاط خواب
عطر لباس سے گلاب جرمِ دماغ کی تری

دماغ: تاب، برداشت، سہار

غش ہیں کہ بے دماغ ہیں گل پیرہن نمط
از بس دماغ عطرِ گریباں نہیں رہا

درد دل تو سن لے ظالم ایک بار
گو دماغ چارہ فرمائی نہیں

دن: روز

بدکام کا مآل برا ہے جزا کے دن
حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا
اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اِک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہر فن ہو گیا
میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آ جائے گا
دو مبارک باد اب کی یار ہرجائی ملا
مردہ و حیراں میں کیا شبہہ پڑا دیکھنا
محوِ خود آرا ترا آئینہ ہیں ہے ہنوز
ہاں مان کہا بیچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جان اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض
جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سنا نہ کرتے ہم
تن کاہیدہ سے اپنے میں خوش ہوں اس توقع پر
کہ اک دن آئے تیرے صرف عشرت خانۂ خس میں
ایک دن کو تو زبانِ شعلہ دوزخ قرض دے
قصۂ شب ہائے غم روز جزا کہنے کو ہیں
کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مرگیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے

دن: زمانہ

وصلِ بتاں کے دن تو نہیں یہ کہ ہو وبال
مومن نماز قصر کریں کیوں سفر میں ہم
بس کہ بن آئے مرگئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں
حالت نزع ہے جیتے ہیں ترے ہجر میں خاک
دن جو کچھ عمر کے ہیں آئینہ رو بھرتے ہیں

دن: رات کی ضد

روزِ باحور دن اور رات شب یلدا ہے
دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار ہے

دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار
اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات
اُس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات
اور شبنم دن کو ٹھہرے کیا مجال
روئے ہیں اے مہروش گلشن میں ہم
مومن کو چچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں
رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں
دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو

دن بھر: تمام دن

کہتا ہے مہروش تمہیں کیوں غیر گر نہیں
دن بھر ہمیشہ وصلِ جدائی تمام شب

دن پھرنا: اقبال کے دن آنا، مصیبت کا زمانہ کٹ جانا، بری حالت سے اچھی حالت ہو جانا۔

مشورہ کیا کیجئے چرخ پیر سے
دن نہیں پھرتے کسی تدبیر سے
شاید کہ دن پھرے ہیں کسی تیرہ روز کے
اب غیر اس گلی میں نہیں پھرتے شام کو
پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ ہمتاب قمر میں پھرتے

دن جانا: دن گزرنا

وہ دن گئے کہ لاف و گزاف جہاد تھا
مومن ہلاکِ خنجر نازِ بتاں ہے اب

دن دکھانا: نوبت پہنچانا، روز بد کا سامنا کرانا

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز
دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

دن رات: شب و روز، آٹھوں پہر

نہ لگتی آنکھ تو دن رات سوتے ہی رہتے
کسی کی چاہ نہ کرتے تو کیا نہ کرتے ہم

کیا بلا اس زلف خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں
دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو
ایک دم گردش ایام سے آرام نہیں
گھر میں ہیں تو بھی ہیں دن رات سفر میں پھرتے

دن سیاہ ہونا: نصیب بگڑنا، قسمت خراب ہونا

صبح دم جاتا ہے پہلو سے مرے وہ مہ جبیں
دن سیہ ہوتے ہیں کیا کیا مہر کی تنویر سے

دن کٹ جانا: وقت بسر ہو جانا

کیا کہیں تم سے اے ہمدرد و پوچھو مت مرغان چمن
کیوں کر یاں ایام خزاں اور ہجر کے دن کٹ جاتے ہیں

دن کٹنا: وقت بسر ہونا

قتل ہو کر ہم بچے آزار سے
عمر کے دن کٹ گئے تلوار سے

دم: سانس

تھا دھیان میں عذر "لا یحیطون"
جب سینے میں دم ذرا سمایا
کیا مجھ میں دم بھی لینے کی طاقت نہیں رہی
کیوں شور نالہ ہائے عزا بار کم ہوا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرف شیون ہو گیا
یہ ضعف ہے تو دم سے بھی کب تک چلا گیا
خود رفتگی کے صدمے سے مجھ کو غش آ گیا
کیسا فلک کہ اخترِ طالع جلا دئے
کیا سرد مہر میرے دم شعلہ بار ہیں

دم میں آنا: فریب میں آنا

حیف صد حیف، اگر غیر کے دم میں آئے
میں اسی بات پہ مرتا تھا، کہ تم ہو عیار
پاک دامن ہو تو بدگو کے نہ دم میں آتا
سنتے ہیں لوط کے مہماں کوئی افتاے نزدم

جب ہو چکا یقیں کہ نہیں طاقتِ وصال
دم میں ہمارے وہ ستم ایجاد آ گیا

دنبالہ: وہ لکیر جو آنکھ کے کویے سے بڑھی ہو اور خوبصورتی واسطے چھوڑی گئی ہو۔

آہ پژدود اپنی کب زیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا

دنبالہ: دم، پچھلا حصہ

وہ شوخ برق عناں خاک میں ملا دیوے
اگر ہو حسرت دنبالہ گردیِ محمل

دنداں: دانت

نمک تھا بختِ شور فکر خوان مدح شیریں پر
کہ دندان طمع نے خوں کیا ہے دست حسرت کا
ہو گیا اُس لب لعل و دُر دنداں کے سبب
غیرت نسخۂ اکسیر مسی کا کاغذ
داغ جدائی درِ دنداں و روے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع
کاٹتا ہوں عرض سوزش میں زباں کو دمبدم
میرے دندانِ ندامت کم نہیں گلگیر سے

دنیا: عالم، دہر

ہم ہیں اور عشق حقیقی کہ بجز ذات خدا
نہیں پایا کہیں دنیا میں وفا کا مفہوم
وہ کرتے ہیں بے باک عاشق کشی یوں
نہیں کوئی دنیا میں گویا کسی کا
بے خود تھے، غش تھے، محو تھے، دنیا کا غم نہ تھا
جینا وصال میں بھی تو مرنے سے کم نہ تھا
تم ہمارے کسی طرح نہ ہوئے
ورنہ دنیا میں کیا نہیں ہوتا
یاں سے کیا دنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا ابھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ
چاہتا ہے کہ دل اُس تنگ قبا سے پھٹ جائے
میرے ناصح کا ہے دنیا سے نرالا اخلاص

مومن کو بچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں
اتنے سبک نظر ہیں اوضاع روزگار
دنیا کی حسرتیں مرے دل پر گراں نہیں
آہ کی گرمی سے دنیا میں ہو جو تر خشک ہو
نوح کا طوفاں بھی ہو تو خشک ہو پر خشک ہو
اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے
عدم آباد سے آنا مجھے یاد آئے ہے جب
کوئی حسرت زدہ دنیا سے سفر کرتا ہے
دنیا ہی سے گیا میں جو ہیں ناز سے کہا
اب بھی گمان بد نہ گئے تیرے یا گئے

دنیا سے اٹھ جانا: مرجانا
یاں سے کیا دنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا بھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ
اب تو مرجانا بھی مشکل ہے ترے بیمار کو
ضعف کے باعث کہاں دنیا سے اٹھا جائے ہے

دوا: دارو، درماں
سم کھا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا
ہے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پہ تدبیر نہ کھینچ
وصل میں احتمالِ شادی مرگ
چارہ گردِ دردِ بے دوا ہے عشق
کیا دوا سے ہو تری رنجشِ ہردم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنجِ پیہم دیتے ہیں
کہیں تو کیا کہیں اور بن کہے کیوں کر دوا ہووے
بڑی مشکل پڑی کیا چارۂ دردِ نہاں کیجیے

دوات: سیاہی رکھنے کا ظرف
لکھا جو اس کو خط میں بلا نوشیوں کا شکر
بالیدگی سے جوں خم گردوں دوات ہے

دوپارہ: دو ٹکڑے
مدعی کو تری تلوار سے بچنے کی تھی فکر
کردیا تیغ گریباں نے دوبارہ حلقوم

دوپٹہ: عورتوں کی ایک قسم کی اوڑھنی
ہٹ گیا ہوگا دوپٹہ منہ سے سوتے میں کہیں
شب یہاں رہنے کا تیرے سب میں چرچا ہوگیا
دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر
نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک

دوپہر: وہ وقت جب آفتاب خط نصف النھار پر ہو
عیب جو، خوردہ بیں کا یہ احوال
دوپہر کو فلک نہ آئے نظر

دوچار ہونا: سامنا ہوجانا
مردِ عشق ستیزہ کار ہے دل
ملک الموت سے دوچار ہے دل

دود: دھواں
صبح ہوئی تو کیا ہوا ہے وہی تیرہ اختری
کثرت دود سے سیاہ، شعلہ شمع خاوری
رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
شعلۂ دود و عارض روشن و زلف عنبری
گلوے خامہ میں سرمہ مدادِ دودۂ دل ہے
مگر لکھتا ہے وصفِ خاتمہ جلدِ رسالت کا
آہ دود اپنی کب زیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا
دودِ دل وگردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہی فلک ہے ہنوز وہی زمیں ہے ہنوز
دودِ شمع بزم نے دل پھونک کر اف کردیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مومیں

دودافغاں: آہ کا دھواں
مجھ کو پامال کیا کیوں نہ فزوں ہو عزت
دود افغاں سے ملی پیر فلک کو خرطوم

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوالِ شبِ تار سے روشن ہے ہمارا
کسی کے جلنے کا دھیان آیا وگرنہ دودِ فغاں سے میرے
اگر ہزاروں سپہر بنتے تمہاری آنکھوں میں نم نہ ہوتا

دودمان: خاندان، قبیلہ، کنبہ

وہ دستِ زور، مظہرِ سرِ پنجۂ خدا
وہ تیغ باعثِ شرفِ دودمانِ تیغ

دودن: تھوڑا سا زمانہ

بہارِ باغ دو دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا ہنس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر
ہو نہ بیتاب غمِ ہجرِ بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضلِ خدا ہوتا ہے

دور: (اصطلاحِ نجوم) ایک دور ۳۶۰ سال شمسی کے عرصہ کا نام

کچھ انتہا بھی کو اکب کے دورِ بے جا کی
ہمیشہ ہے مرے طالع میں اجتماعِ نحوس

دور: بعید، فاصلے پر

سرایت نم آبِ وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریشِ زاہدِ سالوس
دور اتنے رہے، محرومیٔ قسمت، سے کہ ہم
سمجھے ہندی صنموں کو بھی بتانِ فرخار
منظور ہو تو وصل سے بہتر ستم نہیں
اتنا رہا ہوں دور کہ ہجراں کا غم نہیں
روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشم بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص
کیوں کر نجات آتشِ ہجراں سے ہو کہ مرگ
آئی تو دور ہی تب و تاب بدن سے ہے
کیا گل کھلے گا دیکھئے ہے فصلِ گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم
کیوں نہ ہم شمع کے مانند جلیں دور کھڑے
جب عدو باعثِ گرمی ہو تری مجلس کے

گھر تو اس ماہ وش کا دور نہ تھا
لیک طالع نے نارسائی کی

دور: زمانہ، عہد

سنے ہے دورِ عدالت میں اس کے شیرِ عریں
شباں کی ضربت بے جا سے نالشِ جاموس
کوئی اس دور میں جیے کیوں کر
ملک الموت ہے ہر ایک بشر
چرخ و آشوب دور میں اس کے
جوشِ یاجوج و سدِ اسکندر
دورِ نصفت میں تیرے، فتنے کا
پاس اصحابِ کہف کے بستر
غم واژوں فلک، سبوے تہی
دورِ بگذشتہ، گردشِ ساغر
رواجِ حسنِ عمل تیرے دور میں یہ ہوا
کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہوگیا فاعل
میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجومِ سیار
ظالم ہیں تیرے دور میں نالاں کہ وقتِ جنگ
بانگِ شکستِ تیغ ہے شور و فغانِ تیغ
زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمرِ خضر ہو زندگیٔ جاودانِ تیغ
امنیت ایسی ہوئی دورِ حراست میں ترے
ڈھونڈھتی پھرتی ہے تاثیر فغانِ مظلوم
گرگ نے دورِ عدل میں اس کے
سیکھ لی راہ و رسمِ چوپانی
دورِ کرم میں اس کے لعلِ خشکیٔ لب کا ہے بہا
درِ یتیم کو کہے چشمِ یتیم کی تری
شہرتِ ظلم و جور سے دور میں تیرے کیا عجب
ہفت پدر اگر بہم ترک کریں برادری
سچ تو یہ ہے کہ اس بتِ کافر کے دور میں
لاف و گزافِ مومنِ دیندار ہے غلط

دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

کرچکا ہوں دورِ اخلاصِ بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

آہ دور چرخ کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے

دور: باری، نوبت

بیٹھا رہوں کیا منتظرِ دور میں ساقی
اتنوں میں کوئی میکدہ آشام نہ ہوگا

دور: دور ہو جا

آتا ہے بہر قتل وہ دور اے ہجوم یاس
گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو

دوراں: زمانہ، وقت

شوق بزمِ احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جلد مومن لے پہونچ اُس مہندیِ دوراں تلک

دورباش: (دور ہو جا) کی آواز

شوق نے دور باش اعدا کو
اُس کی محفل میں مرحبا جانا

دورباش: ایک دوشاخہ نیزہ جس کو بادشاہ کی سواری کے آگے لے کر چلتے تھے جس کو دیکھ کر لوگ راستہ خالی کر دیتے تھے۔

پھر زیب سر ہے شعلۂ داغ جنوں سے تاج
پھر دور باش نالہ اثر اہتمام ہے

دوربیں: دور اندیش

وہ دوربیں کہ خدا پر کرے "بدا" ثابت
نہیں غیر زبس اعتماد کے قابل

دوری: بعد، فاصلہ

چلا بھی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوق رسائی و دوریِ منزل

یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعاے بدر طلوس

دوری اپنی نہیں ہے مانع فیض
مہر کو کیا حجاب ظلمانی

دور کھینچنا: نخوت کرنا، غرور کرنا

کیا شکوہ جفاے آسماں کا
میں آپ کو دور کھینچتا ہوں

دوری: ہجر، جدائی

پاتے تھے چین کب غمِ دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

اتنی بھی تاب دوریِ خورشید طلعتاں
نقصان کیا کمال سے آیا ہے ماہ میں

تری دوری میں بھی کیا جاے جاں اس پاس جاتا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے

ہجرِ دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

دوڑنا: بھاگنا، لپکنا، جلدی چلنا

سیل خود دوڑے ہے گل کے لیے لے کر پانی
کرے تعمیر مکاں کا جو ارادہ معمار

جذبۂ دل کو نہ چھاتی سے لگاؤں کیونکر
آپ وہ میرے گلے دوڑ کے اک بار لگا

دوڑے دوڑے: بھاگتے، لپکتے

نہ جاتے اس بتِ ہرجائی کی گلی میں اگر
تو دوڑے دوڑے قلق سے پھرا نہ کرتے ہم

دوزخ: وہ جگہ جہاں قیامت کے بعد گنہ گار لوگ رکھے جائیں گے۔

ترے حسود کی نسبت کی جل رہی ہے نہ کیوں
ہجوم شعلہ سے دوزخ ملے کف افسوس

کس قدر، ،حکمت اشراق، ، سے جی جلتا ہے؟
ہو گئے شعلۂ دوزخ، مرے دل کے انوار

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

ہوا مسلماں میں اور ڈر سے نہ درسِ واعظ کو سن کے مومن
بنی تھی دوزخ بلا سے بختی عذابِ ہجرِ صنم نہ ہوتا

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوے بتاں نہ چھوڑ

کیا سوزِ رشک کی دل اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ

دوزخ میں کچھ عذاب نہ پایا زبس کہ میں
خوگر رہ تھا بہ تاب وتپ شعلہ ہائے داغ

دیکھ حالت مری کہیں کافر
نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق

ایک دن کو تو زبان شعلہ دوزخ قرض دے
قصۂ شب ہائے غم روز جزا کہنے کو ہیں

جیتے جی غیر کو ہو آتش دوزخ کا عذاب
گر مری نعش پہ وہ شعلہ عذار آجائے

تری دل گرمیاں آخر جلا رہویں گی غیروں کو
کہ دوزخ نے قسم کھائی ہے میرے سوز غیرت کی

پری لوٹنے ہے انگاروں پہ دوزخ میں پڑی حوریں
تمہارا حسن عالم سوز کس کس کو جلاتا ہے

سرگرم مدح غیر دم شعلہ زن سے ہے
دوزخ کو کیا جلن مرے دل کی جلن سے ہے

دوست: حبیب، یار

وعدے کی جو ساعت دم کشتن ہے ہمارا
جو دوست ہمارا ہے سو دشمن ہے ہمارا

طوفاں ہیں آب ہر گہر اشک میں نہاں
اے یادداشت دامن مژگاں نچوڑ دیکھ

دوست: دشمن کا نقیض، مشفق

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ
کیا قیامت ہے مجھی کو سب برا کہنے کو ہیں

دوست دار: خیر خواہ، ہمراز

ناصح سے مجھ کو کیوں کہ نہ ہوں بدگمانیاں
دشمن ہیں جو مرے وہ ترے دوست دار ہیں

دوست داری: خیر خواہی، دل سوزی

شکوۂ دشمنی کریں کس سے
واں شکایت ہے دوست داری کی

دوستو: اے دوست (ندائیہ)

ستم پیشہ بد خو ہے ستم گر ہے جفا جو ہے
کروں کیا کیا شکایت دوستو اس بے مروت کی

دوستو! لے آؤ قاتل کو کسی تدبیر سے
سر کٹائیں گے کہ اب تو جنگ ہے تقدیر سے

دوستوں: جمع ہے دوست کی۔ خیر خواہ، مشفق، دشمن کا نقیض

مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہین داغ عدو کا رہے دل مایوس

دوستوں کو نہیں ڈر وسوسۂ شیطاں کا
ہیں جو دشمن متصدی شعار مذموم

دوستی: خیر خواہی

جیب درست لائق لطف و کرم نہیں
ناصح کی دوستی بھی عداوت سے کم نہیں

دوستی: محبت، یارانہ

دوستی اس صنم آفت ایماں سے کرے
مومن ایسا بھی کوئی دشمن ایماں ہوگا

اگر مومن ہی ہو مومن وِلے میں تو نہ مانوں گا
جو عہد دوستی وہ دشمن اسلام لیتا تھا

میں ہلاک اشتیاق طرز کشتن ہو گیا
دوستی کیا کی کہ اپنا آپ دشمن ہو گیا

ہے دوستی تو جانب دشمن نہ دیکھنا
جادو بھرا ہوا ہے تمہاری نگاہ میں

اظہار دوستی کی خوشی کیا شب وصال
دشمن سے سن چکا ہوں کہ تو مہرباں نہیں

دیتے ہو تسکیں میرے آزار سے
دوستی تم کو نہیں اغیار سے

وہ بد خواہ مجھ سا تو میرا نہیں
عبث دوستی تم کو دشمن سے ہے

دوسرا: کوئی اور، غیر، اجنبی

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

دوسرا: دونوں جہاں

وہ کون؟ احمد مرسل، شفیع ہر دوسرا
جو خلق کا سبب اور باعث معاد نفوس

دوش: کندھا، مونڈھا

راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے
جانا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم

دولاب: چرخ، رہٹ

گر تری بے رضا کرے گردش
ٹوٹے دولاب چرخ کا محور

دولت: نعمت

تجھ کو نصیب دولت صحبت نو جواں نگار
تجھ کو ہمیشہ عشرت تازہ عروس دربری

دولت: بدولت، طفیل

اس نام کے صدقے جس کی دولت
مومن رہوں اور بتوں کو چاہوں

تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

دولت: اقبال، نصیب

ظہور میں ہوئی تقدیم انبیاء کہ نہ تھا
ترے وسادۂ دولت پہ احتمال جلوس

دولت: دھن، مال، نعمت

مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں

نختی و کابلی کی دولت سے
دامن کوہ میں ہیں لعل و گہر

یک شنبہ چرخ بزم کا، نیمہ خراج، ، نیم روز
بخشش ہفتہ حاصل و فائدۂ ہفت کشوری

دولت: سلطنت، حکومت

زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگی جاودان تیغ

دون: حقیر، کمینہ، ادنیٰ

چرخ سے جنگ اور ایک جزو ضعیف چرخ پہ
طالع دوں خراب ہو آپ کرے جو یاوری

دوں پرور: کمینے کی پرورش کرنے والا

سروران سپہر مرتبہ ہیں
بس کہ جاہل نواز و دوں پرور

دونوں: ایک اور ایک کا مجموعہ

روز با حور دن ہے اور رات، ، شب یلدا، ، ہے
دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار

سیف و قلم ہیں دونوں ستوں کاخ دین کے
حیراں ہوں باب علم کہوں یا جہان تیغ

لعل لب اس کے درفشاں جیسے گہر نثار دست
جائزہ کم نہ آفریں دونوں میں ہے برابری

محوِ حیرت کو وصال و ہجر دونوں ایک ہیں
بلبلِ تصویر کو کب یاد آتی ہے بہار

دونوں کا ایک حال ہے یہ مدعا ہو کاش
وہ ہی خط اس نے بھیج دیا کیوں جواب میں

وہ چلا جان چلی دونوں یہاں سے کھسکے
اس کو تھاموں کہ اسے پانو پڑوں کس کس کے

کن کے اڑتی ہی اپنی چاہت کی
دونوں کے ہوش اڑائے لوگوں نے

ان کو جلدی جانے کی مجھ کو عذاب جان کنی
دونوں کا دم ناک میں ہے موت کی تاخیر سے

گریہ و آہ بے اثر دونوں
کس نے کشتی مری تباہ نہ کی

دونوں جہاں: دنیا اور عالم آخرت سے مراد ہوتی ہے

مجھے دونوں جہان سے کھویا
کیا کہوں ظلم چرخ دورانی

دونیم: دو ٹکڑے، دو پارہ

معلوم ہو تو تیرے ہی عالم کا حال ہو
مرا دل دونیم ہے یہ جام جم نہیں

دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے
یہ سان ساغر خورشید کاسہ ہائے رؤس

مارا ہے وصل غیر کے شکوہ پہ چاہئے
مدفن جدا جدا مری لاش دو نیم کا

اُس نے جو دل کو منہ نہ لگایا دو نیم ہے
یہ جام جم ہوا قدح مل نہ ہو سکا

دہان: منھ، دہن

کیا ترا تیر، مرا تشنۂ خوں ہے ظالم
واں سے آتا ہے کیے باز دہان سوفار

ہوئی بُلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردیں میں غنچہ کا منہ اِتنا سا نکل آیا

تشبیہ دی تھی میں نے کہیں انگبین سے
تبخالہ خیز ہے لب شیریں دہاں ہنوز

سوائے نقطۂ موہوم کیا وصف دہاں کیجئے
بنا کر بات کیا کہئے جو کچھ ہو تو بیاں کیجئے

ان کو گمان ہے گلۂ چین زلف کا
خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں
مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں

ہوگئی کیا بلائے جاں بوسہ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کام و دہان مار میں

دہانِ تنگ: چھوٹا منہ

ہوئی بُلبل ثنا خوانِ دہانِ تنگ کس گل کی
کہ فروردیں میں غنچہ کا منہ اتنا سا نکل آیا

دہاں بند ہوس: بوالہوسوں کا منہ بند کرنے والا

عبث نالش ہے آہ تیرہ روز چشم جادو کی
دہاں بند ہوس سرمہ کی اک تحریر تو کھینچو

دہر: زمانہ، وقت

مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالح الکیموس

یادِ ایامِ وصل یار افسوس
دہر کے انقلاب نے مارا

شکوۂ دہر پہ کہا تم کو
آفتِ روزگار ہونا تھا

خون دل پیتے ہیں خو کردۂ محنت اے کاش
ساغر دہر میں ساقی مے بیداد بھرے

دھبہ: داغ، نشان

ہمارے خون کا دھبہ نہ جائے حشر تک
وہ لاکھ بدلے قبا پر رہے گا داماں سرخ

دھڑکنا: دل کا چھلنا

اف ری کثرتِ اشک وتبسم بل بے ہجوم یاس امید
جی ہے دھڑکتا ملنے کی اس کے فال تو ہم کھلواتے ہیں

مجھ کو مارا مرے حال متغیر نے کہ ہے
کچھ گماں اور ہی دھڑکے سے دل مونس کے

کیا تجمل ہوں اب علاج بیقراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا

دھس جانا: پھنس جانا، ڈوبنا

سر پہ یہ کوہ غم گر اٹھاتا تو بوجھ سے
دھس جاتے بے ستوں میں فرہاد کے قدم

دہقانی: کاشت

برومندی آرزوے حصول
کشت مطلب کی تیرے دہقانی

دہن: دہاں کا مخفف

طلسم ماہ لکھوں گر بنے زباں بستن
بنائے مہر دہن چرخ نکتۂ جاسوس

نسبت عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی
ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا

تھی کمیں میں غارتِ بوس دہن ہنگام خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا

از خویش رفتگی ہے عناں کش زماں زماں
دکھلائے گی عدم ہی کہیں اُس دہن کی یاد

غنچہ ساں خاموش بیٹھے ہیں سخن کی فکر میں
قافیہ کیا تنگ ہے وصف دہن کی فکر میں

اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہن زخم گلو بھرتے ہیں
دیکھنا اس دہن تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں
کیوں یارنو حہ زن ہیں کہاں مرگ مجھ کو تو
لب بستگی تصور بوسِ دہن سے ہے
اس دہن کو غنچہ اے دل کیا کہوں
ڈر لگے ہے مسکرا نا چھوڑ دے

دہن تنگ: چھوٹا منہ

دیکھنا اس دہن تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں

دھر دینا: رکھ دینا

سینہ میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا
پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا پھل جانا

دھرنا: رکھنا

ایک سے ایک کامیاب سینۂ حاسداں کباب
ایک طرف شراب ناب، ایک طرف گزک دھری
کیا خجل ہوں اب علاج بیقراری کیا کروں
دھر دیا ہاتھ اُس نے دل پر تو بھی دل دھڑکا کیا
دھر پانو آستاں پہ کہ اس آرزو میں آہ
کی ہے کسی نے ناصیہ سائی تمام شب
ہائے کیا بے تاب ہو کر دھر لیا سینہ پہ ہاتھ
کھل گئی مہ وش کہے سے دل فگاری آپ کی

دھواں: دود، دخان، وہ کثیف بخارات جو کسی چیز کے جلانے سے اوپر کو سعود کرتے ہیں۔

دھواں اُٹھتا ہے دل سے وقتِ گریہ
بجھادی تو نے کیا اے چشمِ تر آگ
جل گیا دل تو بھی اٹھتا ہے دھواں سر سے کہ اب
مرثیہ ہم اس چراغ کشتہ کا کہنے کو ہیں
دل سے کیوں کر نہ دھواں ساتھ ہوا کے اٹھے
شعلہ ہائے تپ غم سینہ جلا کے اٹھے

دھواں چھوڑنا: منھ سے دھواں خارج کرنا

گر پھر بھی اشک آئیں تا جانوں کہ عشق ہے
حقہ کا منہ سے غیر کی جانب دھواں نہ چھوڑ

دھوپ: سورج کی روشنی

پھرتے ہیں سوسو سے جی میں دل میں سودے آتے ہیں
کوٹھے پر وہ دھوپ میں اپنے بال کھڑے سکھلاتے ہیں
کلبۂ تار میں کیوں کر ترے بن گذرے گی
دن کو یاں دھوپ نہیں رات کو مہتاب نہیں

دھوم: شہرت

دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا
دھوم ہے، تابش خورشید قیامت کی مگر
مجھ سے اللہ نہ پوچھے گا عذاب شب تار

دھوم: ہنگامہ، شوروغل

سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رہے کوچے میں نہ دھوم

دھوم دھام: شان وشوکت، طمطراق

چلون سے کس پری کا نظارہ ہوا نصیب
پھر اپنے تنکے چننے کی کیوں دھوم دھام ہے

دھوم سے: تزک واحتشام سے

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

دھوم پڑنا: شہرت ہونا، چرچا ہونا

تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن وعشق یہ کیوں کر نہ پڑے خلق میں دھوم

دھوم مچانا: شوروغل کرنا، ہنگامہ برپا کرنا

خیر ہے کس نے کہا شور قیامت تم کو
نالہ ہائے سحری دھوم مچاتے کیوں ہو

دھوم مچنا: ہنگامہ برپا ہونا، شہرت ہونا

گھر میں خودرفتگی سے دھوم مچی
کیوں کہ ہو اُس تلک مرا جانا

دھونا: پاک کرنا، زائل کرنا

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے
تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا

دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آبِ حیا نے خطِ جبیں کیا مٹا دیا

دھونا: پانی سے صاف کرنا

دست یاقوت فشاں دھووے لب جو وہ اگر
کوہ سیلان پہ بچھنے خاک فضائے گلزار

دھوئیں اڑا ڈالنا: برباد کردینا

نالہ اک دم میں اڑا ڈالے دھوئیں
چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

دھیان: خیال، تصور

نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب قوسین آئے
وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محوِ دودِ چراغ خانہ رہا

وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیرِ کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا

دھیان ہے غیر کے تحمل کا
ہوش دیکھا ترے تغافل کا

نہ کیوں نثار ہو جاں فرطِ کینِ جاناں پہ
کہ اس کو میرے سوا اور کا دھیان نہیں

دورِ خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مستِ حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

بارے جاں ہوا دھیان اس سیہ کاکل کی چوٹی کا
نہ گنتا دل تو دل کے پیچھے کاہے کو بلا لگتی

دھیان آنا: یاد آنا، خیال آنا

مسند گوہریں کا دھیان آیا
پونچھتے کیا ہو وجہ گریانی

آتا ہے گلے سے دھیان تیرے
نیند میں تم نہ آئیں گے ہم

سر پٹکتا ہوں کہ بس ہم بھی نہ ہوں گھر بھی نہ ہو
دھیان جس وقت یہ آتا ہے کہ وہ گھر میں نہیں

دھیان بندھنا: کسی خیال کا دل میں جم جانا

یہ کس کے زرد چہرہ کا دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آنکھوں پہ بسنت

خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیان
اس کے صحنِ خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ کر

دھیان رہنا: خیال رہنا، توجہ رہنا

رہتا ہے دھیان دیکھتے ہو جب مجھے نہیں
کیوں چونک چونک پڑتے ہو گھبرا کے خواب میں

یہ کہکشاں نہیں کہ رہا خوف سے جو دھیان
سو پڑ گیا ہے دل پہ فلک کے نشانِ تیغ

دھیان میں آنا: خیال میں آنا

دھیان میں مومن آگئی بحث جبر و اختیار
قابوئے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

دھیان میں گزرنا: خیال میں آنا

یہ غمِ جان و غمِ ہجر ہے وہی انصاف
جو تیرے دھیان میں اے مرگ داورس گزرے

دھیان میں ہونا: خیال میں ہونا، تصور میں ہونا

تھا دھیان میں عذر "لا یستحیون"
جب سینے میں دم ذرا سمایا

دھیان ہونا: خیال ہونا، تصور ہونا

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ یاں
حسرتوں سے پسِ دیوارِ صنم دیتے ہیں

اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لیتے تھے ہر قدم پر رات کو

دے پٹکنا: کوئی شے بلند کر کے چھوڑ دینا

اٹھ کے سوتے میں دے پٹکا رات مرشد شاید
کہ زنجیر کے مرے کس کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو

دے ڈالے: دے دے، عطا کردے

مور کو وہ جواد دے ڈالے
شوکت و حشمتِ سلیمانی

دے کر: قربان کرکے

مال کیسا جاں بھی دے کر بوالہوس
گر بنے تو دل چھنالوں یار سے

دیار: ملک، شہر، علاقہ

ننگ ہم صحبتی آخر مرے کام آئے گا
واں نکالیں گے جہنم سے مجھے، اہل دیار
جس وقت اس دیار سے اغیار بوالہوس
بدخوئیوں سے یار کی ہوکر خفا گئے
رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں

دیت: خون بہا

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا
نقدِ جاں تھا نہ سزائے دیت عاشق مجنون
فرہاد سر گردنِ فرہاد رہا

دیپک: ایک راگ کا نام۔ کہتے ہیں اس کی تاثیر سے آگ لگ جاتی ہے

اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو

دیر: وقفہ عرصہ، جلد کی ضد

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گزری مرگ کو کیا جانیے کیا ہوگیا
مت کیجو دیر آنے میں کیا جانے کیا بنے
پھینکا ہے جذبِ شوق نے یوسف کو چاہ میں
مرے جنازے پہ آنے کا ہے ارادہ تو آ
کہ دیر اٹھانے میں کیا ہے صبا کے آنے کی

دیر: بت خانہ، بت کدہ

محتسب آپ کے آنے سے ہوئے دیر خراب
قصد کعبے کا نہ کیجئے گا بہ ایں یمن قدوم

کب تلک اعتکاف بت خانہ
کب تلک کنج دیر و رہبانی

مجھ کو فغاں سے کام اور ذکر میں اہل خانقاہ
دیر میں شور بید خواں، میکدے میں نواگری
کوشش نے تیری حرف تعصب مٹادیا
کیوں بید خوان دہر نہ ہوں یاد خوان تیغ
دیر و کعبہ یکساں ہے عاشقوں کو اے مومن
ہو رہے وہیں کے ہم جی لگا جہاں اپنا
ہوتا ہے اس جحیم میں حاصل وصال حور
مومن عجب بہشت ہے دیر مغاں نہ چھوڑ
جا کے کعبے میں بھی مومن نہ گئی دیر کی یاد
جائے لبیک سدا ہائے صنم کرتے ہیں
جوں قبلہ نما گرچہ تڑپتے ہی کٹے عمر
پر منہ سوئے دیر صنم آرا نہ کریں گے
مومن اور دیر خدا خیر کرے
طور بے ڈھب نظر آتے ہیں مجھے

دیر تلک: عرصہ تک، مدت تک

دیدۂ حیران نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا

دیر آمدن: دیر سے آنا

ہے گریباں گیر واں ناز تغافل اب تلک
جی جلا یاں باعث دیر آمدن کی فکر میں

دیدار: جلوہ، نظارہ

مومن کو بقا ہے بعد دیدار
کیا مژدۂ جاں فزا سنایا
دشمن جان عاشقاں دیدار
گر نگہ تیغ ہے مژہ خنجر

ہے یہی حسرت دیدار تو مرنا مشکل
دم شماری کی مری، عمر ہے تا روز شمار
تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار

امید وعدۂ دیدارِ حشر پر مومن
تو بے مزہ تھا کہ حسرت کشِ بتاں نہ ہوا
دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا
حیرت دیدار بس آئینہ رکھ دے ہاتھ سے
اپنی حالت دیکھ کر ظالم کٹا جاتا ہے دل
ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گہہ تھم جائے ہے
دیدۂ پر نم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو
کچھ نہ سوجھا حسرت دیدار سے
سہل چھوٹے مردن دشوار سے
موئے ہیں حسرت دیدار میں خوں روتے روتے ہم
عجب کیا ہے جو نکلے سرخ نرگس اپنی تربت کی
کشتۂ حسرت دیدار ہیں یارب کس کے
نخل تابوت میں جو پھول لگے نرگس کے
دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اس کو حسرت دیدار کے لیے
کبھی انصاف ہی دیکھا نہ دیدار
قیامت اکثر اس کو میں رہا کی

دیدار دکھانا: جلوہ دکھانا

اللہ دکھادے اپنا دیدار
اکشف بجمالک الغطایا

دیدہ: آنکھ

بے سبب قتل سے، آیا نظر انجام اپنا
سرمۂ دیدۂ دشمن ہے، مری خاک مزار
دیدۂ حیران نے تماشا کیا
دیر تک وہ مجھے دیکھا کیا
ہر لحظہ مہر جلووں سے ہیں چشم پوشیاں
آئینہ زار دیدۂ حیراں نہیں رہا
مشق کرتے ہیں وہ کیوں لفظ نظر بازی کی
پردۂ دیدۂ مشتاق ہے یہ یا کاغذ
اس چمن زار کا حسرت سے نظارہ کر لے
ہے تگ دیدۂ ہر سو نگراں ہونے تک

دیکھے ہے تو اور لگی ہے دل میں
اے دیدۂ اشک بار آتش
ناوک انداز جدھر دیدۂ جاناں ہوں گے
نیم بسمل کئی ہوں گے کئی بے جاں ہوں گے
سرمہ ہیں اس چشم جادو فن میں ہم
خاک ڈالیں دیدۂ دشمن میں ہم

دیدۂ بادام: بادام کی آنکھ (یہاں بادام مراد ہے)

پہنچتے واں تک تو اس پردہ نشیں کو دیکھتے
کاش ہوتے چشم نرگس دیدۂ بادام ہم

دیدۂ پرنم: بھیگی ہوئی آنکھ

ابر بھی کھل جائے ہے دریا بھی گہہ تھم جائے ہے
دیدۂ پر نم کبھی تو بھی تو دم بھر خشک ہو

دیدۂ تر: بھیگی ہوئی آنکھ

سینہ صافوں کو سلک مروارید
نہ ملے جز سرشک دیدۂ تر
عطر غیروں کو لگا کر جو رلایا اس نے
تر مرے سے ہیں مرے دیدۂ تر میں بھرتے
پوچھنے سے ہمدمو دریا ہے کیوں کر خشک ہو
سب کے دامن تر ہوں پر کب دیدۂ تر خشک ہو
یاد آئی جو گرم جوشی یار
دیدۂ تر نے شعلہ باری کی
اشک شادی نے دم وصل جلایا کہ مجھے
منع نظارہ مرا دیدۂ تر کرتا ہے

دیدۂ حباب: بلبلے کی آنکھ، مراد بلبلہ

کیسی حیرت سے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں

دیدۂ خوں بار: خون برسانے والی آنکھ

دیکھ اشک لالہ گون رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف
کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب رو سکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح

فصد کی حاجت مجھے کیا چارہ گر
بہہ گیا خوں دیدۂ خوں بار سے

دیدۂ زخم: زخم کی آنکھ، مراد زخم
امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

دیدۂ مہتاب: چاند کی آنکھ، مراد چاند
آ پڑ وہ اپنی کب زیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا

دیدۂ نم: بھیگی ہوئی آنکھ
کردیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں

دیر آشنا: وہ شخص جو دیر میں بے تکلف ہو۔ مجازاً محبوب
مجھے اے دل تری جلدی نے مارا
نہیں تقصیر اس دیر آشنا کی

دیر لگنا: وقفہ ہونا
زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈھتے ہم
عدم میں جاتے ہیں گو پانو کا نشان نہیں

دیر ہونا: توقف ہونا، عرصہ ہونا
وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغئیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی

دیکھ: امید رکھ
ہو نہ بیتاب غم ہجر بتاں میں مومن
دیکھ دو دن میں بس اب فضل خدا ہوتا ہے

دیکھ: دیکھ کر
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو بے بے خدا نہ کرتے ہم

دیکھ: دیکھ کر، ملاحظہ کر کے
ملک معنی کا شہریار کہے
دیکھ ،،خسرو،، مری قلم رانی
جاں فزائی مرے سخن کی دیکھ
سم گئے خضر آب حیوانی

ذکر شراب و حور کلام خدا میں دیکھ
مومن میں کیا کہوں مجھے کیا یاد آگیا
دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خطِ جبیں کیا مٹادیا
حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ
اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جور دیکھ
واہ اے طالع برگشتہ کہ وہ پھر ہی گیا
آن کر دیکھ مجھے راہ گذر پر پھرتے
وہ گردن دیکھ یہ حالت ہوئی تغئیر شیشہ کی
کہ تھمتی ہی نہیں ہچکی ہوئی ہے دیر شیشہ کی
تری غفلت سے یہ حالت ہے کہ اب دیکھ مجھے
ترک آئینہ گری آئینہ گر کرتا ہے
دیکھ دشمن کو اٹھ گیا بے دید
مرے احوال پر نگاہ نہ کی
فرط ضعف و جوش بیتابی ہے میرا حال دیکھ
اشک خوں جاری ہیں چشم ہر جوان و پیر سے

دیکھ: کلمۂ تاکید و تنبیہ مخاطب کو کسی امر کی طرف متوجہ کرنے، خبردار کرنے کے لئے۔
جوش وحشت ہے پہ ناصح نے پنہانا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم
اے ستم پیشہ مرے بعد کہاں نشۂ عشق
دیکھ خمیازۂ حسرت ہے یہ شمشیر نہ کھینچ
میں نہ کہتا تھا مصور کہ وہ ہے شعلۂ عذار
دیکھ تو صفحۂ قرطاس کی تصویر نہ کھینچ
ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھئے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار
دیکھ حالت مری کہیں کافر
نام دوزخ کا کیوں دھرا ہے عشق
آتا ہے بہر قتل وہ دور اے ہجوم یاس

گھبرا نہ جائے دیکھ کہیں ازدحام کو
ہم میں فلک نگہ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ

دست مژہ سے پنجۂ خور مت مروڑ دیکھ
دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ

گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ

اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ

پانو تربت پہ مری دیکھ سنبھل کر رکھنا
چور ہے شیشۂ دل سنگ ستم سے پس کے

دیکھ مضطر کیوں نہ پھیرے دشنہ پھر
یار ہے وہ کچھ تماشائی نہیں

مت لال کر آنکھ اشک خوں پر
دیکھ اپنا لہو بہائیں گے ہم

جوش وحشت ہے پہ ناصح نے پنہایا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم

دیکھ: کلمہ تاکید وتنبیہ

اے ہمدم آ گئی ہجراں سے دم نہیں
گرتا ہے دیکھ جام بلابل کو تھامنا

دیکھ دیکھ: دیکھ دیکھ کر

ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بےکسی سے ہم

دیکھ لینا: غور کرنا، خیال کرنا

کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ مچلی ہے تو تاثیر دعا قرض

دیکھ لینا: ملاحظہ کر لینا، نظر کر لینا

[illegible]
وہ دیکھ لے ترے زمین و آسمان کا [illegible]
گیا دیکھ لے رشک عرق آلودہ کو ترے
[illegible]

ہے تو ہی بے وفا نہیں باور تو دیکھ لے
گل جامہ در ہیں گور عنادل کے آس پاس

دیکھ لے تھا: دیکھ لیتا تھا

اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو

دیکھا جانا: دیکھنے کی برداشت ہونا

ہے نگاہ لطف دشمن پر تو بندہ جائے ہے
یہ ستم اے بے مروت کس سے دیکھا جائے ہے

دیکھنا: ملاحظہ کرنا

دیکھا عذاب دل رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے

دیکھنا: انتظار کرنا

اک نظر دیکھے سے سر تن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

دیکھنا: آزمانا

دیکھا نہ میرے نالۂ آہن گداز نے
آئینہ دیکھنے کا تماشا دکھا دیا

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

دیکھنا: آگاہ کرنے کا کلمہ

شومیٔ بخت تو بے چین لے اے وحشت دل
دیکھ زنداں ہی کوئی دن میں بیاباں ہوگا

کشتہ ہوں اس کی چشم فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویٰ اعجاز دیکھنا

غیر کو تھا کا تو دیکھیے آنکھ سے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

ہوگی ساری زمیں صرف حروف [illegible]
اک جہاں ویراں ہے میرے نامہ کی تحریر سے

دیکھنا: برداشت کرنا

[illegible]
کہاں تک دیکھتے وہ حسن روز افزوں [illegible]

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ

دیکھنا: پانا

کچھ نظر میں سماے تو دیکھے
پنجۂ خور کو اس کا دست نگر

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں
ٹکٹکی لگائی ہے اب تو اس توقع پر
تا وہ گر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں

دیکھنا: پتہ لگانا

اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

دیکھنا: توجہ کرنا

شکوہ کیا بیداد گری کا کیجئے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخمِ جگر دکھلاتے ہیں

دیکھنا: جانچنا، پرکھنا

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیکھ

دیکھنا: خیال رکھنا

یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا ڈر ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوناب اپنا سا
ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض
مردہ و حیراں میں کیا شبہہ پڑا دیکھنا
محو خود آرا ترا آئینہ ہیں ہے ہنوز
دیکھیں غم درونہ پہ کب تک نظر نہ ہو
میرا شگاف سینہ ترا چاک در نہ ہو
غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
اے محتسب نہ توڑیو شیشہ کو دیکھنا
آتی ہے مجھ کو سنگ دل دل شکن کی یاد

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشمِ اشک بار کہیں پہ نہ جائے داغ
دیکھنا اس دہن تنگ کے بوسہ کا مزا
کہ ہوسناک تمنائے عدم کرتے ہیں
چلنا تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام و شوخی رفتار کے لیے
اے آب اشک آتش عنصر ہے دیکھنا
جی ہی گیا اگر نفس شعلہ زا گئے
طوافِ کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا

دیکھنا: خیال کرنا، غور کرنا

ہر جائے ہے تیرا جلوہ لیکن
دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب
آوارگی ہے باعث نشو و نما کہ دیکھ
سرسبز جب ہوئی کہ پھری در بدر بسنت
دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے کہیں
لے لیا منہ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر

دیکھنا: خیال کرنا، نظر رکھنا

یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ اِدھر کو آئے تھا

دیکھنا: دھمکانے کے لئے

گر خواب میں بھی ادھر کو دیکھا
آنکھیں مژہ کو دکھائیں گے ہم

دیکھنا: متوجہ ہونا

بوسے دمِ غضب لئے اُلٹی سمجھ تو دیکھ
بَل جو پڑا جبیں پہ تمنا کو لب ہُوا
صبح دم وصل کا وعدہ تھا یہ حسرت دیکھو
مرگئے ہم دمِ آغاز سحر آخر شب
عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمانِ ہجر کے امید وار ہیں

دیکھنا: مشاہدہ کرنا

کیوں کام طلب ہے مرے آزار سے گردوں
ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا
دیکھ تو حسرتِ دیدار پسِ مردن بھی
آنکھیں وہ کھول کے تکنے در و دیوار لگا
غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں
دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں
کرچکے سلک در اشک کا مذکور کہ ہم
آج غمازوں کے منہ دیکھیو تو بھرتے ہیں
نہ پوچھو کچھ مرا احوال میری جاں مجھ سے
یہ دیکھ لو کہ مجھے طاقت بیان نہیں

دیکھنا: مشاہدہ کرنا، آزمانا

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضائے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر
کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں

دیکھنا: معائنہ کرنا

کیا مرتے دم کے لطف میں پنہاں ستم نہ تھا
وہ دیکھتے تھے سانس کو اور مجھ میں دم نہ تھا

دیکھنا: نصیب ہونا

عدو نے دیکھے کہاں اشک چشم گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ

دیکھنا: نظر کرنا، ملاحظہ کرنا، نظر ڈالنا

جو خواب میں بھی کبھی دیکھتی جمال اس کا
تو دیتی دل کوئی یوسف کو دختر طیموس
جو میری نثر کے دیکھے آل منثور
اٹھا لے مسندِ حشمت تجاب سے کاؤس
جو دیکھیں میری طبیعت کی گوہر افشانی
شریک درد ہوں محو دکمتہ پرور حسن

دیکھے نرگس حسد سے جانب گل
خوردہ بیں ہوگئے ہیں اہل نظر
وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے پس محمل
تاب بھی دیکھ کر اس بت کی تجلی نہ رہی
میری قسمت میں نہ تھا، ہائے خدا کا دیدار
دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہ عید
جس طرح سوئے ہلالِ رمضاں بادہ گسار
کیا کہوں قصۂ طغیانی دریائے سرشک
دیکھ لو آئینہ چرخ ہے زیر زنگار
مزاج دہر میں یہ اعتدال آیا ہے
کہ جس نبات کو دیکھو وہ صالح الکیموس
داد خواہوں کے شور سے دیکھو
چونک پڑتا ہے فتنۂ محشر
جس کو دیکھو سو مائۂ بے داد
کیا ہوا گر نہیں ستمیں بر
دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم
گر نہ ہو روئے التفات ادھر
رتبہ افتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا
دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے ہمیں
لے لیا منھ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر
روشن ہے اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بجھتی زبان پہ دیکھو بیان شمع
سب گرمیٔ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیان شمع
دیکھو تو سرد مہری چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ
وہاں تابِ رخ و یاں آتش دل
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ
خطِ غباری لکھدے غیرت تو بھی گد یہ کہتے اب
چھیڑ تو دیکھو میرا خط وہ غیروں سے پڑھواتے ہیں

بیکسی دیکھو وفور اشک عبرت سے ہوا
بعد مردن جوں غریق اپنا بھی مدفن آب میں
آنکھوں سے حیا ٹپکے ہے انداز تو دیکھو
ہے بوالہوسوں پر بھی ستم ناز تو دیکھو
اس بت کے لیے میں ہوس حور گذرا
اس عشق خوش انجام کا آغاز تو دیکھو
چشمک مری وحشت پہ ہے کیا حضرت ناصح
طرز نگہ چشم فسوں ساز تو دیکھو
ارباب ہوس ہار کے بھی جان پہ کھیلے
کم طالعی عاشق جاں باز تو دیکھو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
اس غیرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا چمک جائے ہے آواز تو دیکھو
دیں پاکیِ دامن کی گواہی مرے آنسو
اس یوسف بیدرد کا اعجاز تو دیکھو
جنت میں بھی مومن نہ ملا ہائے بتوں سے
جور اجل تفرقہ پرداز تو دیکھو
جب کہا یار سے دکھا صورت
ہنس کے بولا کہ دیکھو اپنا منھ
اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ
تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یاروں مجھے جو رنگ مرا ہے
یاس دیکھو کہ غیر سے کہہ دی
بات اپنی امید واری کی
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمہیں دیکھ کر نہ ہوجائے
ان نالہ ہائے شب کا اثر صبح دیکھیو
آیا خلل گر اس ستم آرا کے خواب میں

امتیازِ دل دہی و دل بری میں فرق ہے
تم کو بھاتی ہے خزاں اور ہم کو بھاتی ہے بہار
یہ جوشِ یاس تو دیکھو کہ اپنے قتل کے وقت
دعائے وصل نہ کی کہ وقت تھا اثر کا سا
محو مجھ سا دم نظارۂ جاناں ہوگا
آئینہ آئینہ دیکھے گا تو حیراں ہو گا
حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا
دیدۂ حیران نے تماشا کیا
دیر تلک وہ مجھے دیکھا کیا
ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
کیوں کام طلب ہے مرے آزار سے گردوں
ناکام سے دیکھا ہے کہیں کام نکلتا
ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آکے مری نعش پہ وہ رو گیا
یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ اِدھر کو آئے تھا
ناز شوخی دیکھنا وقتِ تظلم دم بہ دم
مجھ سے وہ عذرِ جفا کرتا تھا اور جھنجلائے تھا
دیکھنا کثرت بلا نوشی
کاسئہ آسماں ہے جام مرا
غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا
اُڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغِ پَر شکستہ کی پرواز دیکھنا
دشنامِ یار طبع حزیں پر گراں نہیں
اے ہم نفس نزاکتِ آواز دیکھنا
دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا ساز گار طالعِ نا ساز دیکھنا
بد کام کا مآل برا ہے جزا کے دن

حال سپہر تفرقہ انداز دیکھنا
مت رکھیو گردِ تارکِ عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا
کشتہ ہوں اُس کی چشمِ فسوں گر کا اے مسیح
کرنا سمجھ کے دعویٰ اعجاز دیکھنا
میری نگاہِ خیرہ دکھاتے ہیں غیر کو
بے طاقتی یہ سرزنشِ ناز دیکھنا
ترکِ صنم بھی کم نہیں سوزِ جحیم سے
مومن غمِ مآل کا آغاز دیکھنا
جوشِ عشق وحسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشکِ خونی سے مرے منہ زرد اُس کا ہوگیا
کیا دیکھتا خوشی سے ہے غیروں کے گھر بسنت
پھولی ہے یاں کچھ اور ہی اے بے خبر بسنت
یہ تشنہ کامی نگہِ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر
اس نے دکھا دکھا کے مجھے چھیڑ دیکھنا
گل چھینکے عندلیب گرفتار کی طرف
کہیں آنکھیں دکھا چکو مجھ کو
جانب غیر دیکھنا کب تک
طالع برگشتہ اے شوقِ شہادت دیکھنا
مرگ و قاتل پھر گئے سب خنجر بزاں تلک
غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں
کب تک جلیں یا رب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں
ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی ہم نگاہی کیوں جانب وفا دیکھیں
کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح

گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں
غیر کو دکھاتا ہوں چاکِ دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں
چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خوابِ وصل کیا دیکھیں
دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں
ٹکٹکی لگائی ہے اب تو اس توقع پر
تا وہ گر ادھر دیکھیں مجھ کو دیکھتا دیکھیں
کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں
وہم عاشقی سے تو یہ ستم نہ کرتا ہو
کیوں نگاہِ حسرت سے چرخ کو سدا دیکھیں
نکلے آرزو اپنی مومن آہ جب تجھ کو
صحنِ بت کدہ میں ہم خاک پر پڑا دیکھیں
دیکھ لیوے عکسِ رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشمِ نم کیوں کر کریں
دیکھ پیچ و تاب سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بہ خم کیوں کر کریں
بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جائیں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو
دشمنوں سے بگڑ گئی تو بھی
دیکھتے ہی مجھے بنایا منہ
گھر میں بیٹھے تھے کچھ اداس سے وہ
بولے بس دیکھتے ہی میرا منہ
مجھے تو کہتے ہو مت دیکھ میری جانب تو
اور آپ دیکھتے ہو بار بار آئینہ
سمجھ تو مومن اگر ناروا ہے خود بینی
تو دیکھیں کاہے کو پرہیز گار آئینہ
بے پردہ غیر پاس اسے بیٹھا نہ دیکھتے
اٹھ جاتے کاش ہم بھی جہاں سے حیا کے ساتھ

ہم میں فلک نگہ کی بھی طاقت نہ چھوڑ دیکھ
دست مژہ سے پنجہ خور مت مروڑ دیکھ
اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جوڑ دیکھ
دور خمار کا بھی ہے کچھ دھیان یا نہیں
اے مست حسن شیشۂ دل کو نہ توڑ دیکھ
گر نازکی سے بار ہے دشنہ تو اک نگاہ
ہم نیم بسملوں کو تڑپتا نہ چھوڑ دیکھ
اغوائے غیر سے نہ جگا خفتہ فتنہ کو
میں غش نہیں ہوں لاش مری مت جھنجھوڑ دیکھ
آئینہ خانہ بن گیا دل توڑنا نہ تھا
یعنی اب ایسے جلوہ نما ہیں کروڑ دیکھ
طوفاں ہیں آب ہر گہر اشک میں نہاں
اے یادداشت دامن مژگاں نچوڑ دیکھ
میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منہ کو موڑ دیکھ
کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیکھ
جلنا ترا بتوں میں بھی تاثیر کر گیا
مومن یقیں نہیں ہے تو پتھر کو پھوڑ دیکھ
پامال اک نظر میں قرار و ثبات ہے
اس کا نہ دیکھنا نگہ التفات ہے
کیا تماشا ہے جو نہ دیکھے تجھے
وہ تماشے دکھائے لوگوں نے
بے تری جائے تو ہر ایک کے دل میں کیوں کر
دیکھنے حال مرا سب کو اثر کرتا ہے
دیکھو مت دیکھیو کہ آئینہ
غش تمہیں دیکھ کر نہ ہوجائے
مرا گل دیکھتے ہی یاد رخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجے
اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے
بے جبہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے
وحشت چشم پری رو دیکھنا
پھر گیا جی سرمۂ تسخیر سے
اے فسونگر چشم جادو پر نہیں چلتا عمل
دیکھنا بھی چھٹ نہ جائے سرمۂ تسخیر سے
کب ہمارے ساتھ سوتے ہیں کہ دیکھے گا کوئی
ان کو بے تابی ہے کیوں اس خواب بے تعبیر سے
دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں
شکوۂ بیدادگری کا کیجئے اس سے دیکھوتو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخم جگر دکھلاتے ہیں
یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا
کوئی دن تو اس پہ کیا تصویر کا عالم رہا
ہر کوئی حیرت کا پتلا دیکھ کر بن جائے تھا
عبث الفت بڑھی تم کو وہ کب دیتا تھا دم تم پر
یہ مجھ کو دیکھ کر دشمن کلیجا تھام لیتا تھا
آنکھ عاشق کی کوئی پھرتی ہے اے وعدہ خلاف
دیکھ لے میں مرتے مرتے سوئے در دیکھا کیا
کیا اُس نے قتل جہاں اک نظر میں
کسی نے نہ دیکھا تماشا کسی کا
دیکھا نہ ہے یہ رشک وحسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
دیکھنا کثرتِ بلا نوشی
کاسۂ آسماں ہے جام مرا
زانوئے بت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا
موت کے صدقے کہ وہ بے پردہ آئے لاش پر
جو نہ دیکھا تھا تماشا عمر بھر دکھلا دیا
صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

دیکھیں گے مومن یہ ہم ایمان بالغیب آپ کا
اُس بت پردہ نشیں نے جلوہ گر دکھلا دیا
سینہ میں جو دل تڑپا دھر ہی تو دیا دیکھا
پھر بھول گیا کیسا میں ہاتھ کا پھل جانا
ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہوگیا
دھوتا ہے عہد نامۂ غیر اپنا حال دیکھ
آب حیا نے خط جبیں کیا مٹادیا
بے مہر تجھے دیکھ کے شرمندہ و مشتاق
اتنا کہ ظہورِ سحر و شام نہ ہوگا
شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب
دل کسی بت کو دیا اے حضرت مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ
نمودِ حسن خطِ یار سے نہ ہو کیوں کر
بہار ہے جو تہۂ سبز ہو نمایاں سرخ
موا ہوں عشق میں گل پیرہن کے لازم ہے
مرا کفن بھی ہو جوں جامۂ شہیداں سرخ
ضد یہ ہے خط سے مرے تاؤ ہزاروں کھائے
دست اغیار میں بھی گر کبھی دیکھا کاغذ
جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر
شوق وصال دیکھ کہ آیا عدو کے گھر
سوجھا نہ کچھ مجھے شب مہتاب دیکھ کر
کھل چکی نرگس کہ شرمائی ہی جاتی ہے بہار
دیکھ کر اس کی بہار آنکھیں چراتی ہے بہار
میری ضد سے غیر پر تیری عنایت دیکھ کر
سبزۂ بیگانہ کے قربان جاتی ہے بہار
بے مروت ناتواں ہیں بس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانئے کیا دیکھ کر
خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر

کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر
تھی جہنم وہ نگاہ گرم بھی سوے عدو
سوجھی اپنی عاقبت کی ہم کو دنیا دیکھ کر
قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویر لیلیٰ دیکھ کر
چشم نرگس بد نظر ہے اور گل بے اعتبار
بے وفا سیر گلستاں کیا کرے گا دیکھ کر
خاک میں کیوں کر نہ لوٹوں بندھ گیا سودے میں دھیان
اس کے صحن خانہ کا پہنائے صحرا دیکھ کر
تاش کا ہم دم کفن لاتا کہ بس میں مر گیا
چلبلوں سے جلوۂ خورشید سیما دیکھ کر
یاد آیا سوئے دشمن اس کا جانا گرم گرم
پانی پانی ہو گیا میں موج دریا دیکھ کر
اس کے بجھتے ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزن دیوار کو وا دیکھ کر
کیا تماشا تھا جھپکنا آنکھ کا بے اختیار
آئینہ کو ہاتھ سے اس نے نہ چھوڑا دیکھ کر
میں نہ مانوں گا کہ چشم آبلہ بے دید ہے
یہ نہ دیکھے روئے غیر اپنے کف پا دیکھ کر
پھر گئیں آنکھوں کے آگے اس کی چشم شرگیں
پھر گئیں آنکھیں مری نرگس کا جھکنا دیکھ کر
دشمنی دیکھو کہ تا الفت نہ آجائے ہمیں
لے لیا منھ پر دوپٹہ حال میرا دیکھ کر
یوں نہ گھبرائے وہ میں گھبرا گیا بلے ہجوم
حسرتیں آتی ہیں کیا کیا اس کو تنہا دیکھ کر
انتظار ماہ وش میں تو نہ ہوں آنکھیں سفید
شب یہ وہم آیا ہے سوئے چرخ خضرا دیکھ کر
کاٹ لیتے دو گالا تم شوق سے گھر جو یہ
لیک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر
سب ستم ہائے نہاں نظروں میں تھے دستی نہ پوچھ
کیا کہوں میں غش ہوا کیا سوچ کر کیا دیکھ کر

جو نقاب اُٹھی مری آنکھوں پہ پردہ پڑ گیا
کچھ نہ سوجھا عالم اس پردہ نشیں کا دیکھ کر
کرلیا خاک آپ کو، اس بت کے در پر ہائے ہائے
جل گیا جی لاش کو مومن کی جلتا دیکھ کر
نہ ٹھہرے بس آئینے کو دیکھ کر
وہ اتنا کہ دیکھیں تماشائے غش
خدائی کا جلوہ ہے مومن کہ تو
گر اس بت کو دیکھے تو ہوجائے غش
سمجھیں گے قیامت میں ستم پیشہ دم قتل
دیکھا نہ ادھر تو نے رہا خون بہا قرض
سب گریۂ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیانِ شمع
مجلس میں تا نہ دیکھ سکوں یار کی طرف
دیکھے ہے مجھ کو دیکھ کے اغیار کی طرف
دیکھ اشکِ لالہ گون رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف
زبس غیروں سے ہے وہ گرم صحبت
مرا جلتا ہے جی کیا دیکھ کر آگ
دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل
سوزشِ پروانہ دکھلاتے ہو کیا میں کیا کہوں
دیکھ جلتے شمع محفل کو جلا جاتا ہے دل
آئینہ کا بوسہ لے تو عکس لب کو دیکھ کر
اور بس رہ جائیں یوں ناکام اے خودکام ہم
کیا کہیں کیوں رہ گئے حیران تجھ کو دیکھ کر
آگیا دل یاد اے آئینہ رو اپنا ہمیں
جو غم بتوں کا نہ ہوتا تری طرح مومن
تو دیکھ چرخ کو ہے ہے خدا نہ کرتے ہم
دیکھا ادھر کو تو نے تو بس دم نکل گیا
اترے نظر سے اپنے نگہبانوں میں ہم
مومن حسد سے کرتے ہیں ساماں جہاد کا

ترسا صنم کو دیکھ کے نصرانیوں میں ہم
کیوں غش ہوئے دیکھ آئینہ کو
کہتے تھے کہ تاب لائیں گے ہم
کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپ ہی گردن جھکائیں گے ہم
گر دیکھ کے ہنس دیا ہمیں تو
منہ پھیر کے مسکرائیں گے ہم
بت خانہ چیں ہو گر ترا گھر
مومن ہیں تو پھر نہ آئیں گے ہم
کیسی حیرت سے اے سبک روحی
دیکھے ہے دیدۂ حباب ہمیں
اے تپ ہجر دیکھ مومن ہیں
ہے حرام آگ کا عذاب ہمیں
کس نے اور کو دیکھا کس کی آنکھ جھپکی ہے
دیکھنا ادھر آؤ پھر نظر ملا دیکھیں
دیکھنا کس حال سے کس حال کو پہونچا دیا
بخت تیرے عاشقوں کے نارسا کہنے کو ہیں
غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں
کب تلک جلیں یارب ہجر غیرت مہ میں
صبح اٹھ کے منہ کب تک آفتاب کا دیکھیں
ناصح ان کو گر میری شکل سے تنفر ہے
تو بھی کم نگاہی کیوں جانب وفا دیکھیں
کچھ نہیں نظر آتا آنکھ لگتے ہی ناصح
گر نہیں یقیں حضرت آپ بھی لگا دیکھیں
غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں
چشم وا نے نابینا کر دیا جدائی میں
کوئی آنکھ لگتی ہے خواب وصل کیا دیکھیں
دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

قیامت اکثر اس کو میں رہا کی
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ

کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا
فسوں گری دم مشاطۂ نسیم کی دیکھ

کہ مشک نافہ ہوئے غنچہ ہائے زلف عروس
جو دیکھیں میری طبیعت کی گوہر افشانی
شریک درد ہوں محمود و نکتہ پرور طوس

خاک اڑاتا ہے پشت آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر

دیکھ کر تیری تیغ کوہ شگاف
ٹوٹ جاتی ہے سرکشوں کی کمر

وداد و خشم ترا صوفیوں نے دیکھا ہے
جبھی تجدد امثال کے ہوئے قائل

آپ دیکھا، نہ سنا اور سے پر جھوٹ نہیں
تیری آنکھیں کہے دیتی ہیں نہ کرنا انکار

اس کے دروازے کے سکان کا آرام تو دیکھ
ہوگیا دشمن بسمل کو تڑپنا دشوار

صوفیوں نے ترے چہرے کا جو دیکھا عالم
ہوئے قائل، کہ تجلی کو نہیں ہے تکرار

دیکھ اشراق اس کا افلاطون
کہے ہذا حکیم ربانی

گرم جولاں مرے مدفن پہ تم آتے کیوں ہو
اپنے دل سوختہ کی خاک اڑاتے کیوں ہو

دیکھنا: ہوشیار ہونا، خبردار ہونا

آئینہ جلدی سے پٹک دو کہیں
دل ہی نہیں ہاتھ سے دیکھو گیا

یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا

دم قدم سے ہے لگا جان نکل جائے گی
دیکھو سینے سے مرے پانو اٹھاتے کیوں ہو

مرے آنسو نہ پونچھنا دیکھو
کہیں دامان تر نہ ہوجائے

دیکھنے دینا: دیکھنے کا موقع دینا

تاب نظارہ نہیں آئینہ کیا دیکھنے دوں
اور بن جائیں گے تصویر جو حیراں ہوں گے

دیکھو: آگاہ کرنے کا کلمہ

شوخ کہتا ہے بے حیا جانا
دیکھو دشمن نے تم کو کیا جانا

دیکھئے: خدا جانے، کس کو خبر ہے، امور آئندہ کے وقوع کے لئے مستعمل ہے

ابتدائے فصل ہی میں غیر بھی کھاتے ہیں گل
دیکھئے اس سال کیا کیا گل کھلاتی ہے بہار

اے دل آہستہ آہ تاب شکن
دیکھ ٹکڑے جگر نہ ہوجائے

اک نظر دیکھے سے سرتن سے جدا ہوتا ہے
بے جگہ آنکھ لڑی دیکھئے کیا ہوتا ہے

خاک تو مرغ گلستاں کو خزاں ہی نے کیا
دیکھئے اب آن کر کیا خاک اڑاتی ہے بہار

دیکھئے کس جگہ ڈبووے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق

کیا گل کھلے گا دیکھئے ہے فصل گل تو دور
اور سوئے دشت بھاگتے ہیں کچھ ابھی سے ہم

دیکھئے خدا کب تک پھر وہ دن دکھائے گا
یار کو ان آنکھوں سے غیر پر خفا دیکھیں

دیکھئے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

دیکھئے انجام کیا ہو مومن صورت پرست
شیخ صنعاں کی طرح سوئے کلیسا جائے ہے

وہ ستم گر دل بر عالم ادھر آتا ہے اب
کیا بنے گی دیکھئے رہتا ہے یا جاتا ہے دل

دینار: ایک سونے کے سکے کا نام

کیا حساب اس لیے سیکھا تھا؟ کہ گھر میں بیٹھے
کیجیے درہم و دینار کو، دانوں کے شمار؟

دینا: عطا کرنا، بخشنا

کرم میں دوں اسے نیساں سے کس طرح تشبیہ
کروں میں جان کے کیوں کر ترقی معکوس
دیے ہیں میرے حسد نے زبس ہزاروں داغ
روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
اسے دینا تھا رتم "نوشابہ"
مجھے دی تھی جو عقل "اسکندر"
جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل
ہم سے دشمن نے، ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار
وہ قسمت کہ نہ دے خوردۂ گل بھی گل چیں
زمزمے مرغ گلستاں کے سے، کھنچوں میں ہزار
سائلوں کو جو وہ دیتا ہے طلب سے پہلے
فرط بخشش سے نہ مجمع رہے کوچے میں نہ دھوم
کس سر پر غرور کو دی ہے
تنگی غم نے چین پیشانی
ناکامیوں کی کاہش بے حد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوق لب یار کم ہوا
نہ ٹھہرا بوسہ تو دینا دلِ مفتوں نہ ٹھہرے گا
اگر واں ووں نہ ٹھہرے گا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہرے گا
ناکامیوں کی کاہش بے حد کا کیا علاج
بوسہ دیا تو ذوق لب یار کم ہوا
نہ ٹھہرا بوسہ تو دینا دلِ مفتوں نہ ٹھہرے گا
اگر واں ووں نہ ٹھہرے گا تو یاں بھی یوں نہ ٹھہرے گا
اس تلخی حسرت پہ کیا چاشنی الفت
کب ہم کو فلک دیتا گر غم میں مزا ہوتا
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب
کچھ دینے کا بھی دیکھ لے اے آہ ٹھکانہ
کس برتے پہ لیتی ہے تو تاثیر دعا قرض
دے دیا کیجیے بوسہ طلب اول پہ
سچ کہا تم نے مزا حرف مکرر میں نہیں
کردیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہردم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں
بے کسی نے نہ دیا ہائے تہِ خاک بھی چین
تا قیامت الم گریہ جلاد رہا
دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا
جھوٹی شراب اپنی مجھے مرتے دم تو دے
یہ آب تیغ شربت قند و نبات ہے
نہ دینا بوسۂ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے
جھنجھلاتے ہو کیا دیجیے اک بوسہ دہن کا
ہو جائیں گے لب بند تو غوغا نہ کریں گے
لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سوداگری زیاں کے لیے
پھر کس نے غیر کو نہ دیا ناز سے جواب
پھر خواہش پیام اجل کا پیام ہے
یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
گر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس

دین: ایمان

سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک
دین و دل و عقل کو لٹایا
جور پہ تیرے جاں نثار، غارتیان دین و دل
وصل سے تیرے کامیاب لب شکران عسکری
عرض ایماں سے خدا اس غارت گر دیں کو بوجھی
تجھ سے اے مومن خدا سمجھے یہ تو نے کیا کیا
ربط بتان دشمن دین اشتباہ ہے
ایسی گناہ حضرت مومن سے کب ہوا

وصلِ بتاں کی دعا کرتے ہو شکرِ خدا
حضرتِ مومن تمھیں دعوئ دیں ہے ہنوز

گیسو وخال وخط اپنا دین وایماں لے گئے
مل کے اک دو کافروں نے کردیا ہندو ہمیں

شیخ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

دین: آخرت

مومن کو سچ ہے دولت دنیا و دیں نصیب
شب بتکدہ میں گزرے ہے دن خانقاہ میں

دین: مذہب

اے مسیح دم رواں پرور
زندگی بخش دین پیغمبر

وہ نکتہ داں کہ ،،تقیے،، کو اصل دیں کہے تا
دم شکایت عاشق نہ ہو جفا سے خجل

امامِ اہلِ یقیں ، شہریار کشور عدل
امیرِ لشکر دین و مبارز مقبل

مومن یہ تاب کیا کہ تقاضاے جلوہ ہو
کافر ہوا میں دین کے آداب دیکھ کر

اے مومن آپ کب سے ہوئے بندۂ بتاں
بارے ہمارے دین میں حضرت بھی آ گئے

پھرِ دوریِ بتاں میں نہیں خواب کا خیال
مومن مرے بھی دین میں سونا حرام ہے

دیں دار: فرائض مذہبی پورا کرنے والا، پابندشرع

ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومنِ دیندار کم ہوا

مومن دین دار نے کی بت پرستی اختیار
ایک شیخ وقت تھا سو بھی برہمن ہوگیا

سچ تو یہ ہے کہ اس بتِ کافر کے دور میں
لاف وگزاف مومن دیندار ہے غلط

دیں داری: پابندیٔ شریعت

مومن اس بت کو دیکھ آہ بھری
کیا ہوا لاف دین داری آج

کس صنم کی بندگی میں بت پرستی چھوڑ دی
ہوگئی مومن کی سی کیوں دین داری آہ کی

دینے لگنا: دینے، بخشنے کے عمل میں مصروف ہوجانا

کیوں لگے دینے خطِ آزادی
کچھ گنہ بھی غلام کا صاحب

دیوار: مٹی یا اینٹوں کی دیوار

غیر کو بام پہ آ، جلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ سوجھا کہ پڑا ہے کوئی زیرِ دیوار

کیا ہوئی وہ بلندیِ دیوار
کیا ہوئے وہ عماد طولانی

اللہ ری ناتوانی جب شدّت قلق میں
بالیں سے سر اٹھایا دیوار تک نہ پہنچا

آواز گنبد اس سے شکایت عدو کی تھی
ناچار چپ ہیں صورت دیوار کی طرح

آ جھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر

اس کے بنتے ہی اندھیر آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

تھیں دشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا چھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم

چمن کو جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے گویا
کہ دیکھا کرتے ہیں داغوں کو سینہ چیر اکثر ہم

کعبہ کا دھیان نہ ہو حضرت مومن کو کہ جان
حسرتوں سے پسِ دیوار صنم دیتے ہیں

چھوڑ جلد اے بوالہوس سر کو کہ اب
جھانکتے ہیں روزن دیوار سے

دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفاں
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے

اٹھے دیوار کیا جب خانۂ غیر
بنے میرے غبار ناتواں سے

دیوانگی: سودا، جنون

خندۂ دیوانگی یاں بعدِ مردن بھی رہا
خاک سے اگتے ہیں گل ان کو ہنساتی ہے بہار

قیس کی دیوانگی میں عقل کیا حیران ہے
مجھ کو وحشت ہوگئی تصویرِ لیلیٰ دیکھ کر

دیوانہ: وارفتہ، طلب گار

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو

دیوانہ: پاگل، سڑی

اندیشۂ مژگاں میں اگر خوں نے کیا جوش
نشتر سے علاج دلِ دیوانہ کریں گے

دیوانہ: مجنون، پاگل

جوشِ وحشت ہے یہ ناصح نے پنہاتا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم

دشت گردی کے شوق نے مارا
ہوں تو دیوانہ لیک زندانی

میں تو دیوانا تھا اُس کی عقل کو کیا ہوگیا
قیس کہتا ہے مجھے ناصح کو سودا ہوگیا

پنجۂ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ

دیوانۂ نازک ہوں میں فصادِ مژگاں نیشتر
لے فصد میرے ہاتھ کو تارِ نظر سے باندھ کر

چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشکِ مسلسل سے مرے زنجیر شیشہ کی

دیوانے کے ہاتھ آیا کب بندِ قبا اس کا
ناخن جو نہ بڑھ جاتے تو عقدہ یہ وا ہوتا

سمجھتا کیوں کہ دیوانے کی باتیں
نہ پایا محرم اپنے راز داں کو

دیوانہ بنانا: عاشق اور فریفتہ ٹھہرانا، پاگل اور مجنوں قرار دینا

اس پری وش سے لگاتے ہیں مجھے
لوگ دیوانہ بناتے ہیں مجھے

دیوانہ پن: پاگل پن

رشک پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا تمھیں مرے دیوانہ پن سے ہے

دیوانہ کرنا: پاگل بنانا

حیرتِ حسن نے دیوانہ کیا گر اس کو
دیکھنا خانۂ آئینہ بھی ویراں ہوگا

اک نگاہ سرسری دیوانہ ہم کو کر گئی
گردشِ چشمِ پری رو ساحرِ بنگالہ تھا

جوشِ قلق نے اُس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبعِ تحمل میں رم نہ تھا

دیوانہ وار: دیوانے کی طرح

کوئی سنتا ہی نہیں بکتا ہے کیوں دیوانہ وار
میرے دل کے ساتھ ناصح کا بھی کیا جاتا ہے دل

دیوانہ ہونا: مجنوں ہونا۔ عاشق ہونا

خاک ڈالی ہے جو سر میں، تو اسی کوچے کی
یوں میں دیوانہ ہوں، پر کام میں اپنے ہشیار

کس پری روئے ستم گر سے ملا دل افسوس
کس پہ دیوانہ ہوا ہوش گئے ہیں اس کے

دیواں: غزل کی کتاب

گر یہی گرمیِ مضمون شرر ریز رہی
رشتۂ شمع سے شیرازۂ دیواں ہوگا

نہ کیوں کر مطلعِ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرعِ انگشتِ شہادت کا

دیو: جن، بھوت، شیطان

ذکرِ انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر

یقیں کہ راہ نمائی ہے چھوڑنی اس کی
نہیں تو سائے سے کیوں بھاگتا ہے دیوِ نفس

دیوانی: وہ عدالت جس میں مقدمات جائداد فیصل ہوتے ہیں

بخشش بیشمار سے مشکل
ہے دہیر فلک کو دیوانی
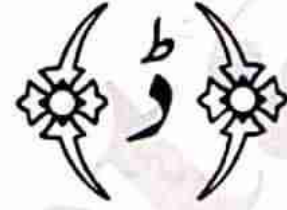
ڈالنا: گرانا

مومن خدا کے واسطے ایسا مکاں نہ چھوڑ
دوزخ میں ڈال خلد کو کوے بتاں نہ چھوڑ

خاک بیزاس گلی کا ڈالے ہے
خاک مذکور گنج قاروں پر

ڈبونا: غرق کرنا

گرداب مرے ڈبونے کو تھا
جو قطرہ کہ خاک پر گرایا

قرانِ انجم سیارہ برج آبی میں
ڈبوئے گی مری چشم ستارہ بار مجھے

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرط ابر تر سے باندھ کر

دیکھئے کس جگہ ڈبوئے گا
میری کشتی کا ناخدا ہے عشق

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہوگیا

ڈر: خوف

ڈر تو مجھے کس کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
پر حال یہ افشا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

سوے صحرا لے چلے اس کوسے میری نعش ہاے
تھا یہی ڈر ان دنوں تلوا میرا کھجلائے تھا

دم الحذر اور عشقِ بتاں سے
تجھے ڈر ہے اے مومن ایسا کسی کا

اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہوجائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت

ڈر مری آہ سے ظالم نہ جلا جی کہ نہیں
یہ جہنم سے تو کم شعلہ فشاں اے واعظ

اپنی آواز قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

پرسش گور کا اب ڈر ہے غلط فہمی سے
ہائے، جو دشمن جاں تھا اسے جانا دلدار

دوستوں کو نہیں ڈر وسوسۂ شیطاں کا
ہیں جو دشمن متصدی شعار مذموم

کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شب ہجر کی سی تاریکی

ڈرانا: دھمکانا، دہشت دکھانا، دہشت زدہ کرنا

واعظ کی کبھی کوئی نہ مانی
کتنا ہی عذاب سے ڈرایا

بخت بد نے یہ ڈرایا ہے کہ کانپ اٹھتا ہوں
تو کبھی لطف کی باتیں بھی اگر کرتا ہے

ڈرنا: خوف کھانا

سوچ سوچ اپنے دل میں ڈرتا ہوں
گو ہو وسواس ہاے شیطانی

غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

بات ناصح سے کرتے ڈرتا ہوں
کہ فغاں بے اثر نہ ہوجائے

ہوں سزاوار ستم میں نے کیا ہے جرم عشق
بوالہوس ہیں بے گنہ پھر کیوں ڈریں تعزیز سے

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

کس طرح بزم میں وہ آنکھ چراتے مجھ سے
دل کو کھو کر یہ ڈرا تھا کہ میں غافل نہ ہوا

ڈرتا ہوں آسمان سے بجلی نہ گر پڑے
صیاد کی نگاہ سوئے آشیاں نہیں

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزول بلا بیشتر نہ ہو

میں اگر آپ سے جاؤں تو قرار آجائے
پر یہ ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو یار آجائے

ڈوب جانا: غرق ہوجانا

حساد سر سے پانو تلک خوں میں ڈوب جائیں
جوہر اگر دکھاؤں میں اپنے بسان تیغ

اب گریہ میں ڈوب جائیں گے ہم
یوں آتشِ دل بجھائیں گے ہم

ڈوب مرنا: شرم غیرت یا بدنامی کے باعث کنویں یا دریا میں غرق ہوکر جان دے دے۔

ڈوب مرے کیوں نہ غیرت سے جب اے مومن نہائے
غیر کے ہمراہ وہ طفل برہمن آب میں

ڈوبنا: تیرنا کا نقیض، غرق ہونا

ڈوبا جو کوئی آہ کنارے پہ آگیا
طغیان بحرِ عشق ہے ساحل کے آس پاس

کون ڈوبا تنگ آکر غرق دریائے الم
کیوں صدا شور تموج سے ہے شیون آب میں

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوش آب میں

کہاں لختِ جگر ہیں سیل گریہ میں چڑھا دریا
چلے آتے ہیں یہ ڈوبے ہوؤں کے لاشے بہہ بہہ کر

ڈورے: آنکھوں کی وہ سرخی جو حالت سرور یا خمار یا نیند سے اٹھنے میں اکثر نمایاں ہوتی ہے۔

وصف نکھوں گا میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگس شہلا کاغذ

ڈھانکنا: چھپانا، پوشیدہ رکھنا

دہشت ہے عشق پردہ نشیں میں دم کا
منہ ڈھانکتے ہیں پردۂ چشم پری سے ہم

ڈھب: اسلوب

اپنے ڈھب کی کیا پڑھی اک اور مومن نے غزل
دو ہی دن میں یہ تو کیسا ماہر فن ہوگیا

ڈھب: طور، طریقہ

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حال زبوں نے رلا دیا

آتا نہیں ہے وہ تو کسی ڈھب سے داؤ میں
بنتی نہیں ہے ملنے کی اس کے کوئی طرح

کل کا جلسہ بھولتا ہرگز نہیں اے اضطراب
آج پھر لے چل کسی ڈھب سے مجھے تو واں تلک

ڈھلنا: بہنا، رواں ہونا، گرنا

کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا

ڈھونڈتے پھرنا: تلاش کرنا، سراغ لگانا

امنیت ایسی ہوئی دور حراست میں ترے
ڈھونڈتی پھرتی ہے تاثیر فغان مظلوم

ڈھونڈھنا: تلاش کرنا، کھوج لگانا

آنکھیں جو ڈھونڈتی تھیں نگہہ ہائے التفات
گم ہونا دل کا وہ مری نظروں سے پاگیا

مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تار سبحہ کے زنار کے لیے

دی دل سوزاں کو تشبیہ سمندر میں نے اب
چھوڑ کر آتش کدہ ڈھونڈھے ہے مسکن آب میں

سوز دل کے ہاتھ سے ڈھونڈھوں جو مامن آب میں
ہووے ہر ہر قطرہ داغ افزائے گلخن آب میں

ڈھیلے: جمع ہے ڈھیلہ کی۔ آنکھ کے اندر کا گول حصہ۔

غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ سے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

ذابح: ذبح کرنے والا، چھری پھیرنے والا

خون کے میرے ارادے سے ہوا" ذابح سعد"
قتل پر میرے کمر باندھے ہے شکل جبار

ذات: جسم، وجود

کیوں کر نہ غم ہو خلق کو مومن کہ مرگ کا
تھا سب کو اس کی ذاتِ سراپا ہنر سے فیض
بس کہ خلف محال تھا ہو گئی نسل منقطع
ذات پہ تیری اس قدر ختم ہے پاک گوہری

ذات: ہستی، وجود

یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور
اس ذات کو کب زوال آیا
ہم ہیں اور عشق حقیقی کہ بجز ذات خدا
نہیں پایا کہیں دنیا میں وفا کا مفہوم
"کرم اللہ" نام و ذات اس کی
مظہر لطف ہائے یزدانی

ذاکر: ذکر جلی یا خفی کرنے والا

یہ وہم ہے کہ مناجات کبریا جو کروں
تو "انصتو" کہے ذاکر سے عابد شاغل

ذباب: مکھی

اس کے ادیم حشمت و مائدۂ جلال پر
خستہ ذباب کی طنین، طنطنۂ سکندری

ذبح: گلا کاٹنا

ہوں میں وہ صید جگر خون اسیری مشتاق
جو پس ذبح بھی ہر دم دم صیاد بھرے
کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو
مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے

ذبح کرنا: گلا کاٹنا، چھری پھیرنا

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو
وہ ذبح کرے اور یہاں جان فدا ہو
ایسے سے نبھے یوں یہ ہمارا ہی جگر ہے

ذرا: تھوڑی دیر کے لیے

غیر کو دکھاتا ہوں چاک دل تماشا ہو
گر وہ روزن در سے آن کر ذرا دیکھیں

ذرا: تھوڑا، کم، کسی قدر

تھا دھیان میں عذر "لا یبطون"
جب سینے میں دم ذرا سمایا
رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ
کیا ابر کرم ہے سر پہ چھایا
کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار
ذرا ہو گرمیِ صحبت تو خاک کر دے چرخ
مرا سرور ہے گل خندۂ شرر کا سا
طواف کعبہ کا خوگر ہے دیکھو صدقے ہونے دو
بتو سمجھو ذرا مومن ہے مومن یوں نہ ٹھہرے گا
اے آرزوے قتل ذرا دل کو تھامنا
مشکل پڑا مرا مرے قاتل کو تھامنا
شعلۂ دل کو ناز تابش ہے
اپنا جلوہ ذرا دکھا جانا
اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا
اب ذرا جان دہی کوے بتاں کی باتیں
ہو چکا تذکرۂ باغ جناں اے واعظ

کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

اثرِ غم ذرا بتا دینا
وہ بہت پوچھتے ہیں کیا ہے عشق

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

پیشِ عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں

وہ جو لطف مجھ پہ تھے پیشتر وہ کرم کہ تھا مرے حال پر
مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھاتا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

میرا قلق بھی قبلہ نما سے نہیں ہے کم
باور نہیں تجھے تو ذرا منھ کو موڑ دیکھ

یہ کون کہے اس سے کی ترک وفا میں نے
کر تو ہی ذرا ناصح پیغام بری اتنی

تمہیں تقصیر اس بت کی کہ ہے میری خطا لگتی
مسلمانوں ذرا انصاف سے کہیو خدا لگتی

مواگل دیکھتے ہی یاد رخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجے

ذرا تھم اے دل مضطر کہ فکر وصل کروں
شب قلق نہ سہی خواب بھی خیال تو ہے

کیا جب التفات اس نے ذرا سا
پڑی ہم کو حصول مدعا کی

ذرا اور: تھوڑا اور

کر ذرا اور بھی اے جوش جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

ذرا نہیں: بالکل نہیں

اس منہ پہ اس سے دعوی حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں

فریاد نالہ ہائے عزا دار ہے انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

ذروہ: پہاڑ، چوٹی، کنگرہ، سب سے اونچی چیز

آز پابوس میں پئے خورشید
ذروہ اوج ، پایہ منبر

کرم اس کا ہو اگر پایہ فزائے اعداد
ذروہ عرش کو بھی صفر گنے حد شمار

ذروہ اوج سے برجیس کو رجعت ہو جائے
ثور میں زہرہ کرے مہ کے قراں سے انکار

ذرہ: چھوٹے چھوٹے اجزا

ترے ہے فیض سے ہر قطرہ آبیار مجوس
ترے ہے نور سے ہر ذرہ جلوہ زار شموس

لکھئے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر
ذرہ پائے رواج خوردہ زر

ذرۂ خاک در کی تابش سے
جل گیا مہر آتشیں پیکر

ذقن: ٹھوڑی

بوسہ جو دیا ذقن کا گویا
سیب خلد بریں کا کھلایا

ذکر: چرچا، تذکرہ

ذکر انساں سے دیو مجنوں ہو
آدمی سے پری کو آئے حذر

ذکر میں اسکے جود پیہم کے
مبتدا ایک ہے ہزار خبر

خلق ایسا کہ ذکر میں جس کے
بھولے عاشق حکایت دل بر

ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجئے ، تیزی خنجر

تو وہ عادل کہ ذکر "کسری" میں
عدل کی تجھ سے داد چاہے عمر

ذکر میں انتقام حق کے ترے
مترادف ترحم و کیفر

یہ خوف ہے کہ اگر کیجیے ذکر خوں ریزی
عدوے منقبض الطبع کو ترے ہو سل

جہاں ہو ذکر مری دانش آفرینی کا
سفیہ ہے وہ جو "بہلول" کو کہے عاقل
حور کا ذکر، ہوس ناک سے کر اے واعظ
مجھ کو اس بت کے سوا اور سے کیا ہے سروکار؟
ذکرِ بخشش میں پڑے جھڑتے ہیں منہ سے موتی
مدح خواں کے لیے ہے یاں صلہ پیش از ایثار
احتساب اس کے سے، گو محفلِ کفار بھی ہو
ذکرِ تحریم مزا میر کرے موسیقار
مومن اے ہرزہ درا نالہ و افغاں سے حصول
ذکر کیا؟ راہ پر آئے فلک ناہنجار
رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ
اثر ذکر سے ہو صاف دلی کے اس کے
نقش مرأت ہوا، عکس ضمیر مکتوم
دمِ حساب رہا روزِ حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
ذکرِ بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومنِ دیندار کم ہوا
سر سے شعلے اٹھتے ہیں آنکھوں سے دریا جاری ہے
شمع سے یہ کس نے ذکر اُس محفل آرا کا کیا
ذکرِ اغیار سے ہوا معلوم
حرف ناصح برا نہیں ہوتا
کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب
اہل جنت سے کرو دلبریِ حور کا ذکر
ایسی باتیں کوئی سنتا نہیں یاں اے واعظ
کیا ذکر ہے ہونٹ چاٹنے کا
کچھ اور مزہ چکھائیں گے ہم
مومن تم اور عشق بتاں اے پیر و مرشد خیر ہے
یہ ذکر اور منھ آپ کا صاحب خدا کا نام لو
ذکر اشک غیر میں رنگینیاں
بوئے خوں آئی تری گفتار سے
ذکر کر بیٹھے برائی ہی سے شاید میرا
اب وہ اغیار کی صحبت سے حذر کرتا ہے
جفائے غیر کا شکوہ تھا تیرا تھا کیا ذکر
عبث یہ بات بری تجھ کو بدگمان لگی
گر ذکر وفا سے یہی غصہ ہے تو اب سے
گو قتل کا وعدہ ہو تقاضہ نہ کریں گے
اے حضرت مومن یہ مسلم جو ہے ارشاد
بھولے سے بھی اب ذکر بتوں کا نہ کریں گے

ذکر: زبان سے یا دل سے خدا کا نام لینا

مجھ کو فغاں سے کام اور ذکر میں اہلِ خانقاہ
دیر میں شور بید خواں، میکدے میں نوا گری

ذکر آنا: کسی شخص کی بابت کچھ گفتگو ہونا، تذکرہ کرنا

مجلس میں مرے ذکر کے آتے ہی اٹھے وہ
بدنامیِ عشاق کا اعزاز تو دیکھو
تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سایہ سے مرے وحشت اے رشک پری اتنی
وہ بد گماں ہوا جو کہیں شعر میں مرے
ذکرِ بتانِ خلخ و نوشاد آگیا

ذکر خیر: کسی کے متعلق اچھی بات کہنا

کس کو دیتے تھے گالیاں لاکھوں
کس کا شب ذکر خیر تھا صاحب

ذکر کیا: کسی چیز کا وجود کیسا کہ اس کا ذکر تک نہیں، قطعاً انکار کرنے کے موقع پر بولتے ہیں۔

گر کہے کوئی کہ بالفرض مماثل ہے ترا
ذکر کیا پھر کوئی تقدیر کا سمجھے مفہوم
مضطر ہوں کس کا طرزِ سخن سے سمجھ گیا
اب ذکر کیا ہے سامعِ عاقل کو تھا منا
ہوئے اتفاق سے گر بہم تو وفا جتانے کو دم بدم
گلۂ ملامتِ اقربا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ذلت: رسوائی، خواری

جب تلک ذلت و عزت طرب و غم ہوں خلق
گوشہ گیر انجمن افروز سمین و معدوم

ذلیل: رسوا، بے عزت

اس نقش پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

گر میں کم بخت وہ بخیل ہوا
مجھ کو چھیڑ آسماں ذلیل ہوا

آپ کی کون سی بڑھی عزت
میں اگر بزم میں ذلیل ہوا

ہرزہ گردی سے ہم ذلیل ہوئے
چرخ کا اعتبار ہوتا تھا

کر ذرا اور بھی اے جوشِ جنوں خوار و ذلیل
مجھ سے ایسا ہو کہ ناصح کو بھی عار آجائے

ہنسو نہ تم تو مرے حال پر میں ہوں وہ ذلیل
کہ جس کی ذلت و خواری سے تم کو شان گئی

ذوالفقار: ایک تلوار کا نام جو غزوہ بدر میں رسول مقبول ﷺ کے ہاتھ آئی تھی اور آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرمائی تھی۔

آئی ہے لب پہ مدح خداوند ذوالفقار
لے جاؤ منکروں کے لیے ارمغان تیغ

ذوق: شوق

کس کو ہے ذوقِ تیغ کامی لیک
جنگ بن کچھ مزا نہیں ہوتا

شوق بزم احمد و ذوق شہادت ہے مجھے
جبہ مومن لے پہونچے اُس مہندی دوراں تک

سیدھا نہ کردیا ہو مرے ذوق قتل نے
قاتل سے آگے گردن اغیار خم نہیں

ذوق: لذت، مزہ

ناکامیوں کی کاوش بے حد کا کیا علاج
بوسہ لیا تو ذوق لب یار کم ہوا
شدتِ غیرت ترے یاں ہونے سے ہے غیر

مرتے دم پیتا ہوں ذوق خون دشمن آب میں

ذوق فزا: ذوق بڑھانے والا، لطف و لذت میں اضافہ کرنے والا

ہیں پاک نظر ہم تو وہ لے ذوق فزا عشق
بے چاشنی بوسہ دشنام نہ ہوگا

ذہن: دانائی، سمجھ کی قوت

مومن اس ذہن بے خطا پہ حیف
فکرِ آمرزش گناہ نہ کی

ذہن بے خطا: غلطی نہ کرنے والا ذہن

مومن اس ذہن بے خطا پہ حیف
فکرِ آمرزش گناہ نہ کی

رات: شب، دن کی ضد

دن ہے اور رات "شب یلدا" ہے
دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار

سودا تھا بلا کے جوش پر رات
بستر پہ بچھائے نیشتر رات

بگڑے تھے یہاں وہ آن کر رات
بے طور بنی تھی جان پر رات

ہم تا سحر آپ میں نہیں تھے
کیا جانے رہے وہ کس کے گھر رات

افسانہ سمجھ کے سو گئے وہ
کام آئی فغان بے اثر رات

آئینہ میں ہو نہ موم جادو
سوئے نہیں آپ اب وہ تا سحر رات

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے
تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات

اس لیل و نہار غم نے مارا
ہے روز سیہ سیاہ تر رات

کیا پوچھو ہو منکر و نکیر آہ
بگڑے جو وہ طعن غیر پر رات

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم
موت آئی تھی قصہ مختصر رات

رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا

آہ پڑ دود اپنی کب زیب فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا

کیا خلش تھی رات دل میں آرزوئے قتل کی
ناخن شمشیر سے میں سینہ کھجلایا کیا

روئیے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا

شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اُس زلفِ تابدادہ میں کچھ آج خم نہ تھا

چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپِ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا

کس پہ بگڑے تھے کس پہ غصہ تھا
رات تم کس پہ تھے خفا صاحب

اُس گھر میں ہے عیشِ خلد مومن
کیا جانے کہاں ہے دن کدھر رات

صحبت میں ایک رات کی کیا محو ہوگئی
اس بزم میں سحر کو نہ پایا نشانِ شمع

اس مہروش کے جلوہ کے قربان کیوں نہ ہوں
پروانہ کو بھی رات نہ آیا نظر چراغ

اٹھا کے سوتے میں دے پٹکا رات سر شاید
کہ زیرِ سر کے مرے سل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں

کیوں کہ نہ آدھی رات تک جاگے وہ جس کا دھیان ہو
آہوئے نیم خواب میں نرگس نیم باز میں

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراق یار میں
کاہے سے فرق آ گیا گردش روزگار میں

آہ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

کیسے مجھ سے بگڑے تم اللہ اکبر رات کو
ذبح ہی کرتے جو ہوتا پاس خنجر رات کو

اپنی آوازِ قدم سے بھی وہ ڈر کر رات کو
مڑ کے پیچھے دیکھ لے تھا ہر قدم پر رات کو

ہم میں کیا باقی رہا تھا اے ستم گر رات کو
جاں بلب تھے بچ گئے قسمت سے مر کر رات کو

یاں جو تو اے مہروش تھا جلوہ گستر رات کو

چھپٹ رہی تھی کیا ہوائی مہ کے منہ پر رات کو
صرصر آہ و فغان شعلہ زن طوفان اشک
جمع سامان خرابی تھا مرے گھر رات کو
بوئے گل کا اے نسیم صبح اب کس کو دماغ
ساتھ سویا ہے ہمارے وہ سمن بر رات کو
صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو
بزم دشمن میں نہ ہو وہ نغمہ گر آتی رہی
ہر فغاں کے ساتھ لب پر جان مضطر رات کو
روز ہجراں سے شب فرقت نہ ہو کیوں سخت تر
گاہ گاہ دن کو ملتے تھے وہ اکثر رات کو
رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں
دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو
دیکھئے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ
روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو
رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزن در رات کو
بن ترے پیش نظر تھی یہ اندھیری چھا گئی
جا میں آنکھیں پھوٹ گر دیکھے ہوں اختر رات کو
کود کر گھر میں تو پہنچا میں ترے پر کیا کروں
دم نکل جاتا تھا کھٹکے کے برابر رات کو
یاد دلوائی تپش نے تیری شوخی وصل کی
مر گئے ہم دیکھ کر چیں ہائے بستر رات کو
کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آ گئی
میہماں تھا میرے گھر میں روز محشر رات کو
کیا اسی بت خانے کو فرماتے ہو ظلمت کدہ
حضرت مومن جہاں جاتے ہو چھپ کر رات کو
وہ بگڑنا وصل کی رات کا وہ نہ ماننا کسی بات کا
وہ نہیں نہیں کی ہر آں ادا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
صحبت میں ایک رات کی وہ تنگ آ گئے
حاصل اس سے قصہ مرا مختصر نہ ہو

مبارک خفتگان خاک کو تصدیع بیداری
کہ گور تیرہ سے یاد آئی مجھ کو رات فرقت کی
مار ڈالا ہم کو جور گردش ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے

رات دن: شب و روز، آٹھوں پہر

چھٹایا کیوں مرا واں رات دن رہنا بہم پھرنا
بتا تو کیا ترا اس میں گردش ایام لیتا تھا
بیکاری امید سے فرصت ہے رات دن
وہ کاروبار حسرت و حرماں نہیں رہا
رات دن بادہ و صنم مومن
کچھ تو پرہیز گار ہونا تھا
داغ جنون و سنگ در یار ہو نصیب
کرتا ہے رات دن ہوس تاج و تخت دل
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن
یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں

راتوں: واحد رات۔ شب، دن کی ضد

پھرتے دن اپنے تو غیروں کی طرح راتوں کو
کیسے ہم کوچۂ مہتاب قمر میں پھرتے

راجل: پیادہ

اگر پڑے مرے پیک خیال کا سایہ
گرا دے شاہ سواروں کو رہرو راجل

راجہ اجیت سنگھ: پٹیالہ کے راجہ کا نام

راجہ اجیت سنگھ نام، کام روائے خاص و عام
جود سے جس کے بے نظام، کار جہان کی ابتری

راحت: آرام، آسائش

اتنا تو نہ گھبراؤ راحت یہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل ہونا
ایک ہی جنبش میں تھی صد راحت خواب عدم
طفل ہائے اشک کو گہوارہ دامن ہو گیا
پاتے تھے چین کب غم دوری سے گھر میں ہم
راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو
تاب و طاقت صبر و راحت جان و ایماں عقل و ہوش
ہائے کیا کہیئے کہ دل کے ساتھ کیا کیا جائے ہے
کرامت ہے رخِ زرد آپ کے دلِ تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشہ کی

راحت جاں: دل خوش کرنے والا

امید مرگ پہ ہر فتنہ راحت جاں ہے
شب فراق میں کیا بیم روزگار مجھے

راحت فزا: آرام پہنچانے والا

اثر اُس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

راز: پوشیدہ بات، بھید

بدگمانی نے دعا سے بھی رکھا محروم آہ
راز دل غیر سے کس طرح میں کرتا اظہار
موت بھی ہو گئی ہے پردہ نشیں
راز رہتا نہیں نہاں افسوس
پردہ نشیں کے عشق میں پردہ دری نہ ہو کہیں
ہوتی ہیں بے حجابیاں جانِ نہفتہ راز میں
محفل میں تم اغیار کو دزدیدہ نظر سے
منظور ہے پنہاں نہ رہے راز تو دیکھو
ہوگیا راز عشق بے پردہ
اس نے پردہ سے جو نکالا منہ
شاعری اپنی ہوئی نیرنگی دانشوری
جو سخن ہے سو طلسمِ راز بطلیموس ہے
برا ہو ترا محرم راز تو نے
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے
جور کا شکوہ نہ کروں ظلم ہے
راز مرا صبر نے افشا کیا
دلبروں میں بے وفا میری وفا کی دھوم ہے
بوالہوس سے کیوں کہا تھا راز جو افشا کیا

رازِ پنہانی: چھپا ہوا راز

تجھے معلوم ہے کہ ہے وہ کون
کھول دوں میں یہ راز پنہانی

راز نہاں: پوشیدہ بھید

رازِ نہاں زبانِ اغیار تک نہ پہنچا
کیا ایک بھی ہمارا خط یار تک نہ پہنچا
اس کو بھی کوئی پردہ نشیں ہی جلائے ہے
فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع
کیا کیا دل نے کہ آنکھوں سے کہا راز نہاں
ایسے غماز کو بھی کوئی خبر کرتا ہے

راز کھل جانا: بھید ظاہر ہو جانا

غیروں پہ کھل نہ جائے کہیں راز دیکھنا
میری طرف بھی غمزۂ غماز دیکھنا

راز داں: محرم راز، پوشیدہ بات جاننے والا

محفل فروز تھی تپ و تاب نہانِ شمع
پروانہ جل گیا کہ نہیں رازدانِ شمع
باتیں تری وہ ہوش ربا ہیں کہ کیا کہوں
جو کوئی راز داں ہے مرا رازداں نہیں
سنیں نہ آپ تو ہم بوالہوس سے حال کہیں
کہ سخت چاہیے دل اپنے رازداں کے لیے
گر اپنے وہم ہی سے اس نے پوچھا
مرا احوال میرے رازداں سے

راز کہنا: پوشیدہ بات کہنا

ہم سے دشمن نے، ترے راز کہے مستی میں
ایسے کم ظرف کو دیتے نہیں جام سرشار

رازق: رزق دینے والا

نہ ہو خالق ہے مگر ہے اثر باعث خلق
نہ وہ رازق ہے ولے قاسم رزق مقسوم

رازہائے پنہانی: چھپے ہوئے راز

بن کہے راز ہائے پنہانی
اسے کیوں کر سنائے لوگوں نے

راس ہونا: سزاوار ہونا، موافق ہونا

آب و ہوائے ملک محبت راس نہیں ہے ہم کو تو
ہوتے ہیں لاغر اور زیادہ جتنا ہم غم کھاتے ہیں

راضی: متفق، مطمئن

اس حال کو پہنچے ترے غصہ سے کہ اب ہم
راضی ہیں گر اعدا بھی کریں فیصلہ اپنا

رافت: رحمت

رافت اس کی ہو جب ضعیف نواز
آب ہو جائے شرم سے عنبر

راکب: سوار

راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

رام کرنا: مطیع کرنا

میں کیوں کہ مطربۂ مہروش کو رام کروں
چلے نہ ،،زہرہ،، پہ زنہار جادوے بابل

رام ہونا: مطیع ہونا

ساکن بحر و بر تمام، رام نہ ہوں تو کیا کریں
تیغ میں یہ نہنگی اور طبع میں ہے غضنفری

کیا کیجئے دل شوخی فطرت پہ جو آ جائے
یہ تو میں سمجھتا تھا کہ وہ رام نہ ہوگا

ہرگز نہ رام وہ صنم سنگ دل ہوا
مومن ہزار حیف کہ ایماں گیا عبث

غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

حسرت سے میں دیکھوں تو فلک کیونکہ نہ ہو رام
اس نرگس جادو کی نگہ پیش نظر ہے

ران: جانگھ، زانو

راکب حزم ترا، ناقۂ صالح تہہ ران
رائض عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

زیر راں اس کے توسن چالاک
رشک اسپ پیہم مروانی

روز نبرد گرچہ ہو خصم جہان کے زیر ران
توسن برتریں فلک، تو بھی محال جاں بری

راہ: روش، راستہ

چھپ بھی گئے تو راہ بند جائے بجائے لامکاں
کوئی عجب طلسم ہے گنبد چرخ چنبری

یارو دشمن راہ میں کل دیکھنا کیونکر ملے
وہ اُدھر کو جائے تھا اور یہ ادھر کو آئے تھا

تھی خار راہ تیری مژگاں کی یاد پہر شب
تا صبح خواب چشم بیدار تک نہ پہنچا

بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلد راہ برہمن ہے ہمارا

نہیں چاہ میری اگر اسے نہیں راہ دل میں تو کس ل
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلو

ہے جلوہ ریز نور نظر گرد راہ میں
آنکھیں ہیں کس کی فرش تری جلوہ گاہ میں

کبھی ہم میں تم میں بھی چاہ تھی کبھی ہم سے تم سے بھی راہ تھ
کبھی ہم بھی تم بھی تھے آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہ

مزہ خواب عدم کا بیستوں کو کاٹ کر پایا
ملی فرہاد شیریں کام کو راحت یہ محنت کی

راہ پر آنا: ٹھیک ہونا، اصلاح قبول کرنا

مومن اے ہرزہ درا نالہ و افغاں سے حصول
ذکر کیا؟ راہ پہ آئے فلک ناہنجار

آسماں راہ پر نہیں آتا
دعویٰ خضر بے دلیل ہوا

راہ تکنا: انتظار کرنا

امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی

راہ دیکھنا: انتظار کرنا

جو بے حجاب نہ ہو گے تو جان جائے گی
کہ راہ دیکھی ہے اس نے حیا کے آنے کی

راہ کرنا: راہ و رسم پیدا کرنا

دل میں اس شوخ کے جو راہ نہ کی
ہم نے بھی جان دی پر آہ نہ کی

راہ گذر: راستہ

واہ اے طالع برگشتہ کہ وہ پھر ہی گیا
آن کر دیکھ مجھے راہ گذر پر پھرتے

راہ لینا: روانہ ہونا، راستہ پکڑنا

بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس لطف سے
گر ہو سکے راہ چمن اے رستگان دام لو

راہ نکالنا: وسیلہ پیدا کرنا، حصول مقصد کا ذریعہ پیدا کرنا

فنون نظم میں میں نے نکالی ایسی راہ
طریقۂ شعرائے سلف ہوا مطموس
یہ احتساب کی اس نے نئی نکالی راہ
ہوا وفورِ سخاوت سے مانع سائل

راہ نمائی: رہبری

کوچۂ غیر میں ملا وہ ہمیں
ہرزہ تازی نے رہ نمائی کی
یقیں کہ راہ نمائی ہے پیروی اس کی
نہیں تو سائے سے کیوں بھاگتا دیو مضل

راہبِ خامل: درویش گوشہ نشیں

یہ جوشِ خانۂ کفار کی خرابی کا
کہ خود گرائے کلیسا کو راہبِ خامل

رائض: مراد چابک سوار سے

راکبِ حزم ترا، ناقۂ صالح تہ ران
رائضِ عزم ترا، دوش ملائک پہ سوار

رائگاں: لاحاصل

تیرے عدو گر اپنا گلا آپ کاٹ لیں
کام آئے کوشش و کشش رائگان تیغ

رائگاں جانا: ضائع ہونا

میرے مرنے سے بھی وہ خوش نہ ہوا
جی گیا یوں ہی رائگاں افسوس

رائگاں ہونا: ضائع ہونا

بے صرفہ جانکنی کا مری کچھ تو ہو حصول
محنت کسی کی آج تلک رائگاں نہیں

رائے: تجویز، تدبیر

رہے نہ بیم خسوف اور احتمال ہبوط
جو اس کی رائے سے ہو مستغنی مہ کامل
بڑھا یہ پایہ الہام رائے صائب سے
کہ مشورے پہ ہوئی اس کے وحی بھی نازل
مقتبس ہیں مہ و خور، رائے درخشاں سے تری
ہے منجم کو اسی واسطے کشف اسرار

رائے درخشاں: درست رائے، بہتر رائے

مقتبس ہیں مہ و خور رائے درخشاں سے تری
ہے منجم کو اسی واسطے کشف اسرار

ربط: تعلق

یہ کیا غضب ہے کہ تم کو تو ربط غیر سے اور
مجھے یہ حکم کہ زنہار تو کسی سے نہ مل
میرے ربط کلام کو پہنچے
نثر سعدی نہ نظم سلمانی
ربطِ بتانِ دشمنِ دیں اتہام ہے
ایسا گناہ حضرتِ مومن سے کب ہوا
اور کی چاہت کا تو نے جب کیا مجھ پر خیال
تب مجھے بھی تجھ سے وہم ربط دشمن ہوگیا
تھا ربط غیر میں مرے مرنے کا انتظار
اے شوخِ بے وفا تو وفا دار ہے غلط
ربط اس سے ہے مثلِ شعلہ و شمع
مر جاؤں گر ایک دم جدا ہوں
شیخ حرم سے کام نہ پیر مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو
کہاں وہ ربط بتاں اب کہ اس کو تو مومن
ہزار سال ہوئے سیکڑوں برس گزرے
نہ ربط اس سے نہ یاری آسماں سے
جفا بہر عدو لاؤں کہاں سے
پرہیز سے اس کے گئی بیماری دل آہ
بیگانگیوں میں بھی عجب ربط رہا ہے

ربط رکھنا: تعلق رکھنا

لے نام آرزو کا تو دل کو نکال لیں
مومن نہ ہوں جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

رتبہ: مرتبہ، پایہ، منزلت

لگے ان آنکھوں سے ہر وقت اے دلِ صد چاک
ترا نہ رتبہ ہوا کیوں شگافِ در کا سا

پہنچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے
شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا

رتبہ اُفتادگی کا دیکھو ہے
عرش کے بھی پرے مقام مرا

شعلۂ آہ فلک رتبہ کا اعجاز تو دیکھ
اول ماہ میں چاند آئے نظر آخرِ شب

رجعت: واپسی

ذروۂ اوج سے برجیس کو رجعت ہو جائے
ثور میں زہرہ کرے مہ کے قراں سے انکار

رجعت قہقری: الٹے قدموں پھرنا، اس طرح واپس ہونا کہ منہ ادھر ہی رہے جدھر گئے تھے اور سرکتے آئیں۔

صبح دم آنے کو تھا وہ کہ گواہی دے ہے
رجعتِ قہقری چرخ و قمر آخر شب

رجوم: سنگ سار کرنے والا، پتھر مارنے والا

تیر باراں سے ترے کیوں کہ نہ بھاگیں اعدا
جانتے ہیں کہ شہب بہر شیاطیں ہے رجوم

رحم: مہربانی، ترس

ہمیشہ عفو ترا طالب گنہ گاراں
مدام رحم ترا دردمند کا جاسوس

اسے دینا تھا رحم "نوشابہ"
مجھے دی تھی جو عقل اسکندر

رحم فلک اور مرے حال پر
تو نے کرم اے ستم آرا کیا

مجھ پر بھی تجھ کو رحم نہیں یہ کرخت دل
کم ہوئے گا جہان میں تجھ سا بھی سخت دل

اس رحم کے صدقے وہیں گھبرا کے کہا ہاں
جا کر کوئی دیکھو کہیں مومن تو نہیں یہ

کیا رحم دیکھنے کی بھی بندی ہو چاہئے
اے چشم اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیکھ

رحم آنا: ترس آنا

وہ جو سر کاٹ کر پشیماں ہو
رحم گر آئے نیم بسمل پر

جفا کو آئے مری دل شکستگی پہ رحم
بلا کرے مرے احوال زار پر افسوس

روتے تو رحم آتا سو اُس کے رو برو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا

کیا گھٹے ہوتے گر اوروں پہ بھی رحم آ جاتا
شکر صد شکر کہ میرا سا ترا دل نہ ہوا

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
تا صبح کو میرے حال زبوں نے رولا دیا

مجو جفا ستم کش الطاف کب ہوا
رحم اُس کو میرے حال پہ آیا غضب ہوا

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرکشتگان شمع

فریاد نالہ ہائے عزا بار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں

کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شب وصال
اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں

رحم کرنا: ترس کھانا

تیرے اعدا کو سمجھ ہو تو کریں جان پہ رحم
آدمی تو نہیں ہیں یہ ہیں جہول اور ظلوم

رحم کر خصم جان غیر نہ ہو
سب کا دل ایک سا نہیں ہوتا

گوشِ نازک پہ کسی کے رحم کر
جوشِ افغاں غل مچانا چھوڑ دے

رحم کھانا: ترس کھانا

کیا رحم کھا کے غیر نے دی تھی دعائے وصل
ظالم کہاں وگرنہ اثر میری آہ میں

رحمانی: رحمٰن کی طرف منسوب۔ اللہ کی ذات کی طرف منسوب

تیرا اقبال روز افزوں ہو
جیسے مومن پہ لطفِ رحمانی

رحیق مختوم: سربہ مہر شراب جو جنت کی نعمتوں میں سے ہے۔

"ختم اللہ" مورد ہے زبس قلب سیاہ
تیرے دشمن کو ہے خوں ناب رحیق مختوم

رخ: چہرہ

تری غلامی کی دولت سے خاک پائے بلال
سفیدۂ رخ فغفور چین و خسرو روس

نور خورشید سے ہے جرم قمر کی تابش
مے سے ہو، کیوں نہ فزوں؟ حسن رخ ماہ عذار

اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے
زرد تر چہرہ عاشق سے ہو رنگ رخ یار

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

اُڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

با لغزِ محبت سے مشکل ہے سنبھل جانا
اُس رخ کی صفائی پر اس دل کا پھسل جانا

جلوہ افزائی رخ کے لیے مئے نوش ہوا
میں کبھی آپ میں آیا تو وہ بے ہوش ہوا

کر چکا ہوں دور اخلاص بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

رنگ اُڑجانے کا احوال اُسے لکھنا ہے
زردیِ رخ سے زرافشاں میں کروں گا کاغذ

زلفیں اُٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقت سحر چراغ

وہاں تابِ رخ و یاں آتشِ دل
جدھر دیکھو ادھر ہے جلوہ گر آگ

پیشِ نظر ہے کس کا رخ آئینہ گذار
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم

دیکھ لیوے عکس رخ تو کیا بنے پھر دیکھ تو
گریہ اس کے سامنے اے چشم نم کیوں کر کریں

اور ہی رنگ آج ہے عارض گل عذار کا
خون دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں

تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یاروں مجھے جو رنگ مرا ہے

زرد رخ رنگ طلائی کے ہوئے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہش زر میں پھرتے

موا گل دیکھتے ہی یاد رخ میں یار کہتے ہیں
ذرا بہلائیے جی چلیے سیر گلستاں کیجے

رخ پھیرنا: رخ تبدیل کرنا

نہ آسمان کا رخ پھیر دوں جدھر چاہوں
دیا ہے کیا طپش دل نے اختیار مجھے

رخ روشن: بارونق چہرہ، خوب صورت چہرہ

دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا

مقابل اس رخ روشن کے کھل گئی قلعی
نہ ٹھہرا آگ پہ سیماب وار آئینہ

رخ عرق آلودہ: پسینے سے تر چہرہ

گر دیکھ لے رخ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوزِ رشک سے تا استخوانِ شمع

رخ کرنا: توجہ کرنا

یہی دیں اگر ہے تو چھوڑ دو طرف اس صنم کے نہ رخ کرو
جسے مومن آپ کے واسطے ہے مثال قبلہ نما قلق

جو تیرے منہ سے نہ ہو شرمسار آئینہ
تو رخ کرے سوئے آئینہ دار آئینہ

رخسار: گال

تابِ رخسار و تیرہ روزی سے
وہ اگر مہر ہے تو میں ہوں قمر

کہے ہے دیکھ کے رخسارِ یار آئینہ
کہ اس صفائی پہ صدقے نثار آئینہ

دیتا ہوں اپنے لب کو بھی گلبرگ سے مثال
بوسے جو خواب میں ترے رخسار کے لیے

رخصت: روانگی، روانہ ہونا

پھر آ گیا ہے کون سے بیباک کا خیال
یہ کیا ہوا کہ رخصتِ ناموس و نام ہے

چمن کی خاک سے گل گونہ اب بناتے ہیں
شگفتہ تا دمِ رخصت بھی ہو عذارِ عروس

رخنہ ساز: فساد برپا کرنے والا، فتنہ انگیز

رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کیے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

رخنہ گر: سوراخ کرنے والا

اے آہ آسماں میں عبث رخنہ گر نہ ہو
ڈرتا ہوں میں نزولِ بلا بیشتر نہ ہو

رخنہ گری: روزن، بنانے کا عمل

رخنۂ در سے غیر پاس دیکھا کیے کہ آج ہے
رخنہ گری کچھ اور ہی نالۂ رخنہ ساز میں

رخنہ ہا: واحد رخنہ۔ روزن، سوراخ

اس نے کیا غیر کو دزدیدہ نظر سے جھانکا
رخنہ ہائے درِ یار آنکھ چراتے کیوں ہو

رد کردہ: دھتکارا ہوا، بھگایا ہوا

امیدِ حورِ بہشتی پہ لاؤں کیا ایماں
کہ برہمن ہوں تو رد کردۂ بتانِ چگل

رزق: روزی، خوراک

نہ وہ خالق ہے مگر بے اثر باعثِ خلق
نہ وہ رازق ہے ولے قاسمِ رزقِ مقسوم

رزم: جنگ، معرکہ

رونقِ بزم و عزمِ رزم، فرِ جلال و قدرِ جاہ
تو نے بغایتِ کمال جمع کیے، نہ سرسری

رزم گاہ: میدانِ جنگ

تو وہ سوار کہ تازہ عرصۂ رزم گاہ میں
ہو مدد دیدہ جس کے ساتھ قطع وزنی سے صفدری

صد مژدۂ جراحتِ منکر حسود کو
کرتا ہوں رزم گاہ میں، میں امتحانِ تیغ

رسا: پہنچنے والا

دامن اُس کا جو ہے دراز تو ہو
دستِ عاشق رسا نہیں ہوتا

رسائی: پہنچ، باریابی

چلا بھی جاتا ہوں میں گو چلا نہیں جاتا
غضب ہے شوقِ رسائی و دوریِ منزل

مر گیا جس پہ نہیں گھر میں رسائی اُس کے
تھا تو مومن میں ولے خلد میں داخل نہ ہوا

اس جوشِ تپش پہ ہوئی مشکل سے رسائی
صد شکر گذر غیر کا تا بام نہ ہوگا

معلوم رسائی ترے کانوں تک اگرچہ
نالہ مرا کہتا ہے کہ ہے عرش بریں یہ

رستم: ایران کے ایک مشہور پہلوان کا نام

اگر کہے مددے یا محمدِ عربی!
صفیرِ مرگ ہو رستم کو نعرۂ الکوس

اس کو ہو رستمِ زماں کا خطاب
جو کرے قتل خوردہ سالہ پسر

رستگاں: نجات پانے والے، رہائی پانے والے

بندے ہیں ہم صیاد کے کہتا ہے کس کس طرف سے
گر ہو سکے راہِ چمن اے رستگاں دام لو

رستمانِ زمانہ: بڑے بڑے زور آزما، بہادر

آب و تاں کے لیے گرو رکھیں
رستمانِ زمانہ تیغ و سپر

رستمی: بہادری

رستمی کا عوض افلاک سے لوں گا پس مرگ
قتلِ عاشق ہے یہ خوں ریزیِ سہراب نہیں

رستہ بند ہونا: روک ہونا، راہ بند ہونا

ممنونِ جوشِ گریہ شادی ہوں چشمِ تر
صبحِ شبِ وصال کا گر بند رستہ ہو

رسم: طور، رواج، دستور

چمن آرا کو رسم پیرائش
اک بہانہ ہے بہر قطع شجر
شکوۂ غمزہ سفاک نہیں عاشق کو
اٹھ گئی تیرے زمانے میں یہ رسم آزار
گرگ نے دور عدل میں اس کے
سیکھ لی راہ ورسم چوپانی
لاف زنی پس مدیح، رسم قدیم کیا کروں
اس غم تازہ سے نہیں مجھ کو امید جاں بری
یا نہیں مرقع و کشکول
تا کروں تازہ رسم ساسانی

رسمیں: رسم کی واحد۔ رواج، دستور

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں

رسوا کرنا: ذلیل کرنا، بےعزت کرنا

ان سے پری وش کو نہ دیکھے کوئی
مجھ کو مری شرم نے رسوا کیا
میں نے تم کو دل دیا تم نے مجھے رسوا کیا
میں نے تم سے کیا کیا اور تم نے مجھ سے کیا کیا
تو نے رسوا کیا مجھے اب تک
کوئی بھی جانتا تھا نام مرا
ہوگئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں
کس وقت کیا مردمکِ چشم کا شکوہ
اے پردہ نشیں ہم تجھے رسوا نہ کریں گے
برا ہو ترا محرمِ راز تو نے
کیا ان کو رسوا برا کہتے کہتے

رسوا ہونا: ذلیل ہونا، بےعزت ہونا

سینہ زن یا جامہ در ہوتا ہے بن ماتم کوئی
آپ اپنے ہاتھ سے میں ہائے رسوا ہوگیا
پھرتے ہیں کیسے پردہ نشینوں سے منہ چھپائے
رسوا ہوئے کہ اب غمِ پنہاں نہیں رہا

ہوگئی گھر میں خبر ہے منع واں جانا ہمیں
وہ بھی رسوا ہو خدا جس نے کیا رسوا ہمیں

رسوائی: بدنامی، بےعزتی

ہم رسوائی و اندیشۂ بدنامی سے
کیا کروں؟ کر نہ سکا وحشتِ دل کا اظہار
پند گو حالِ زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا
اچھی مری بدنامی تھی یا تری رسوائی
گر چھوڑ نہ دیتا میں پامال جفا ہوتا
گر نہیں ملتے ملوں گا اور سے
کیوں مجھے کیا پاس رسوائی نہیں

رسول: وہ نبی جو خدا کی طرف سے کتاب لائے، مراد رسول ﷺ ہیں

قصۂ ''بیعت رضواں ''میں اشارہ ہے یہی
ورنہ کوئی نہیں ہم دستِ رسولِ مختار
عالمِ مجمل حدیثِ رسول
واقف نکتہ ہائے فرقانی

رسوم: جمع ہے رسم کی۔ رواج، دستور

مومن آہنگ دعا ختم سخن کا ہے یہ وقت
آپ تو آپ ہیں دانائے قوانین و رسوم
جوش وحشت ہے پہ ناصح نے پنہایا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم

رشتہ: تاگا

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس آگ کے کہ ہے
ہر رشتۂ فتیلہ زخمِ جگر چراغ

رشتۂ زنار: زنار کا دھاگا، جنیو

کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مکر
دیکھ اپنے نفس رشتۂ زنار کی طرف
مومن نہ توڑ رشتۂ زنار برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو

رشتۂ شمع: وہ ڈورا جو شمع کے اندر ہوتا ہے اور جلا جاتا ہے۔

گر یہی گرمئ مضمون شرر ریز رہی
رشتۂ شمع سے شیرازۂ دیواں ہوگا

رشک: حسد، کسی کا عروج، ترقی دیکھ کر کسی کو ملال ہونا

بتخانے کو رشک کعبہ سمجھے
گر شوق نے گرد کو پھرایا

وہ جنگ جو کہ اگر ہیے رشک دشمن بھی
تو بے حیائی کے طعنے ہو جان کے قاتل

رشک وہ شئے ہے کہ ہر اک ملک الموت مجھے
نظر آتا ہے فرشتہ ہی اگر ہوں اغیار

لطف سے اس کے زمیں غیرت باغ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکان عطار

آتش مہر و حمل کو نہ بجھا دیوے کہیں
شعلۂ رشک سے جلتا ہے سحاب آزار

خاک میں رشک آسماں سے ملی
ہائے کیسی بلند ایوانی

زیرِ راں اس کے توسن چالاک
رشک اسپ سپہر گردانی

گرم دعائے بازگشت، شکل بشر میں سوئے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری

بوسہ روا بہ ہر طریق، سجدہ و فرق ہر فریق
سنگ در اس کا اک صنم، رشک بتان آذری

اطلس چرخ زیرِ گرد جوشِ ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آب پیکری

وقتِ جوشِ بحرِ گریہ میں جو گرم نالہ تھا
حلقۂ گرداب رشکِ شعلۂ جوالہ تھا

آتشِ اُلفت بجھا دی داغ ہائے رشک نے
مدعی کی گرمیِ صحبت نے جی ٹھنڈا کیا

دیکھا نہ ہے یہ رشک وحسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا

بت خانے سے کعبے کو چلے رشک کے مارے
مومن بلدِ راہ برہمن ہے ہمارا

کیا رشک غیر تھا کہ تحمل نہ ہو سکا
میں جان کر حریف تغافل نہ ہو سکا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

رشکِ فغاں کی ہائے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

خار و خس میں گلشن کے بوئے گل جو آتی تھی
رشک سے کیا برباد آپ آشیاں اپنا

اس رشک گل کے ہاتھ تلک کب پہنچ سکے
سرسوں ہتھیلی پہ نہ جمائے اگر بسنت

خو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہو گئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

نوید لعل کہ رشکِ غیر سے چھوٹے اُسے ہم نے
ستم کا کر دیا خوگر جفا و جور سہ سہ کر

یہ دن دکھائے ہیں شب فرقت نے ہم کو اور
وہ رشکِ آفتاب نہیں مہرباں ہنوز

کیا سوزِ رشک کی دل اغیار کو خبر
دوزخ نے کافروں کو جلایا نہیں ہنوز

اک اور پڑھ وہ مومن شعلہ زباں غزل
جل جائیں جس کے رشک سے حاسد بسان شمع

گر دیکھ لے رخِ عرق آلودہ کو ترے
گھل جائے سوزِ رشک سے تا استخوان شمع

اس رشکِ مہر و مہ کی نشانی ہے دیکھنا
اے چشم اشک بار کہیں پہ نہ جائے داغ

دیکھ اشکِ لالہ گون رقیب اس نے ہنس دیا
دیکھا نہ میرے دیدۂ خوں بار کی طرف

کیا کہوں میں ہجومِ یاس و امید
رشک ہنگام انتظار ہے دل

اس گل کے غم میں چھو لتے پھلتے تو رشک سے
کیوں جلتے سایۂ شجر بارور میں ہم

ثابت ہے جرم شکوہ نہ ظاہر گنہ رشک
حیراں ہیں آپ اپنی پشیمانیوں میں ہم

کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب

دادِ رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
نہ کیوں کہ رشک سے خوں ہو کسی کا اس در پر
ہمیشہ اک نئے بسمل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
غزل سرائی کی مومن نے کیا کہ رشک سے آج
چمن میں سینے عنادل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
غیر سے سرگوشیاں کر لیجئے پھر ہم بھی کچھ
آرزو ہائے دل رشک آشنا کہنے کو ہیں
کشتۂ یار ہوں اس رشک سے مرتا ہے جہاں
وہ بھی کیا ہیں جو مری موت کا غم کرتے ہیں
کابوس ہیں بتاتے مجھے واں تو رشک ہے
کاش اور کوئی آئے اطبا کے خواب میں
جلا جاتا ہوں سوز رشک سے مانند پروانہ
جلا مت اور کو تو گرچہ میری شمع تربت ہو
رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بارِ عام میں
دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو
نالۂ رشک نہ ہو باعث دردِ سرِ مرگ
غیر کے سر پہ لگاتا ہے وہ صندل گھس کے
رشک پیغام ہے عناں کش دل
نامہ بر راہ بر نہ ہو جائے
رشک دشمن کا فائدہ معلوم
مفت جی کا ضرر نہ ہو جائے
گلا ہم کاٹ لیں گے آپ تیغِ رشک سے اپنا
عدو کو قتل کیجے پھر ہمارا امتحاں کیجے
حنا کہ رشک سے کیوں کر نہ آئے جوش میں خوں
کسی سبب سے ہو پر وہ بھی پائمال تو ہے
رشک دشمن بہانہ تھا سچ ہے
میں نے ہی تم سے بے وفائی کی
طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
ہو نہ زیبِ پشتِ آئینہ تری تصویر سے
رشکِ دامانِ جواہر اور لکھی ہے اک غزل
جس کو مفلس بھی نہ بدلے نسخۂ اکسیر سے

تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے

رشک پری: پری کے لیے باعث رشک
تم اٹھ گئے محفل سے ذکر آتے ہی مجنوں کا
سایہ سے مرے وحشت اے رشک پری اتنی
رشک پری کہے سے عدو کے یہ وحشتیں
نفرت بلا تمہیں مرے دیوانہ پن سے ہے

رشک فزا: رشک کو بڑھاوا دینے والا
رشک فزا نظارۂ صحبت ساکنان قرب
پستیٔ بخت کو دکھائے گھر کی بلند منظری

رصد بندی: ستاروں کی چال اور دوسری معلومات حاصل کرنے والے آلات کی تنصیب کا عمل۔
کروں جو گردش انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آ کر روان بطلیموس

رُضا: خوشنودی
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بیزار دوزخ سے نہ میں مشتاق جنت کا

رضوان: بہشت کے داروغہ کا نام
''تبیر رومہ'' کی حکایت میں کہا رضواں نے
سلسبیل اس کے ہے دریا ہے سخاوت کا کنار

رطب و یابس: نیک و بد
ہے یاد رطب و یابس تقریر ناصحاں
کیا بولیں شکوۂ سفر بحر و بر میں ہم

رطل گراں: پیانہ کلاں (ض) بڑا پیانہ (ن)
رطل گراں دم صبوح، مست ہے شبینہ روح
سر بسر امتیاز طبع، رنج خمار سرسری

رطوبت: تری
ہو کیوں کہ ایسی رطوبت پہ سنگ راہ نسیم
بنا ہے شبنم گل، آب گینۂ فانوس
خلل پذیر رطوبت ہوا دماغ بہار
عجب کہ سبزۂ خوابیدہ کو نہ ہو کابوس

رطوبت ایسی نظر آئی داغ لالہ میں
کہ چاک چاک حسد سے ہوا دل افسوس

رعایا: رعیت کی جمع۔ وہ جو کسی حاکم کا ماتحت ہو
نہ امیروں کو پائے بندی عدل
نہ رعایا مطیع و فرماں بر

رعب: خوف و دبدبہ
لرزاں تھے مثال بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زبان تیغ

رعنا: زیبا، خوشنما
ظلم کا ثمرہ یہی تھا دیکھ کر گل ہائے داغ
بید مجنوں شرم سے وہ سرو رعنا ہو گیا

رغبت: خواہش، میل، رجحان
رغبت وصل پہ حذر یار کو ہائے ہائے ہے
کس آفت قرار نے ہوس ستم گری
نان گدا پہ رغبت شاہ جہاں غلط، غلط
با ہمہ برتری دروغ، آرزوے فروتری

رغبت فزا: خواہش کو بڑھانے والا
عابد فریب شوخی و رغبت فزا نگاہ
میں کیا کسی سے صبر تجھے دیکھ کر نہ ہو

رفتار: چال
گل ہوا ہم سے پھر غنچہ کہ تھا صورت جام
دیکھ کر باغ میں مستانہ صبا کی رفتار
تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن و عشق یہ یوں کرنے پڑے خلق میں دھوم
ہوتے ہیں پامال گل اے وائے بہار
کس سے اڑائی تو نے یہ رفتار کی طرح
آہ وہ دوڑ چوٹی کی کیا خاک اڑائے
فتنہ برپا ہے تری رفتار سے
چین تو دیکھنا کہ قیامت نے بھی قدم
طرز خرام و شوخی رفتار کے لیے

رفتگاں: گزرے ہوئے، مرے ہوئے
میرے مدفن میں حسود، ہر دوست رفتگاں
ہائے خوشی و بے خبر مست ہے بے کف آرزی

رفعت: بلندی
وہ رفعت حال دے کہ جس نے
منصور کو دار پر چڑھایا
ترے عدو کی خرابی کا کچھ علاج نہیں
نہ ہو قبول دعا سے بھی رفعت بتوس
بلند پایہ عمر، جس کے قصر رفعت کا
گدائے خاک نشیں، شاہ آسماں منزل
اوج لاہوت کا ہے طائر اندیشہ کو شوق
واں سے آتا ہے نظر جو تری رفعت کا حصار
سمجھے ہے درجہ شرف کیواں
قصر رفعت کی تیرے دربانی

رفو: ٹانکوں سے پیوند کرنا
کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبش مژگاں نہیں رہا

رفوگر: ٹانکوں سے پیوند کرنے والا
باقی ہے شوق چاک گریباں ابھی مجھے
بس اے رفوگر اپنی انامل کو تھامنا

رقص: ناچ
نوائے مطرب شکر فشاں کی لذت سے
سماع و رقص میں ہیں اہل ذوق جوں طاؤس
ہائے وہ رقص خوش قداں جس کے
صدقے انداز سرو بستانی
رقص و سرود سے تری انجمن نشاط کرم
شعلہ دود و عارض روشن و زلف عنبری
کاٹ لیتے وہ گلا تم شوق سے گر جو یہ
ایک رقص نیم بسمل کا تماشا دیکھ کر
سرگرم رقص تازہ ہیں قربانیوں میں ہم
شوخی سے کس کی آئے ہیں جولانیوں میں ہم
دیکھو تو سے بھی ہو دل مضطر کو کیا سکوں
کہ قدر نیم رقص مرغ بسمل جو زمیں پہ ہے

رقم: تحریر
جو میں اثر جب اے رقم جذب اشتیاق
دیکھیں زمام ناقہ کف نامہ بر میں ہم

رقم کرنا: لکھنا، تحریر کرنا

دست گہر فشاں سے وہ نامہ اگر کرے رقم
دام ہما ہو حسرت مرتبۂ کبوتری

لکھتے لکھتے ہی سیاہی حرف سے اڑ جائے ہے
ہائے احوالِ دلِ مضطر رقم کیوں کر کریں

طلب وصل کس انداز سے ہم کرتے ہیں
شوق نامہ اسے وصلی پہ رقم کرتے ہیں

رقم ہونا: لکھا جانا

میرے سینے کے صفحے میں ہے رقم
علم دانا دلانِ یونانی

صرصرِ عاد سے غالب ہے کہ جنبش نہ کرے
وہ ورق جس میں رقم ہوں ترے اوصاف وقار

پڑا ہے مرنا بس اب تو ہم کو جو اُسنے خط پڑھ کے نامہ بر سے
کہا کہ گر سچ یہ حال ہوتا تو دفتر اتنا رقم نہ ہوتا

رقوم: رقم کی جمع۔ ہندسہ

ہیں مشابہ بہت اس دستِ کرم کے تل سے
کیوں کر اصفار نہ ہوں مرتبہ افزاے رقوم

رقیب: دشمن، دو شخص ایک معشوق رکھتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کا رقیب کہلاتا ہے۔

اُس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل
میں کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا

دیکھ اپنا حالِ زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالعِ ناساز دیکھنا

کیا قہرِ طعنِ بوالہوس بے ادب ہُوا
جرمِ رقیب قتل کا میرے سبب ہُوا

میرا گلا ہنسی سے یوں ہی گھونٹتے تھے وہ
کیا سوچ کر رقیب خوش آیا خفا گیا

ضد سے وہ پھر رقیب کے گھر میں چلا گیا
اے رشک میری جان گئی تیرا کیا گیا

اُس کی شرارتوں سے جگر داغ داغ ہے
گل کھانے کو رقیب کا چھلا منگا دیا

نہ گیا تیر نالۂ سوئے رقیب
مرغ عرشی شکار ہونا تھا

کہدیں رقیب نے تری بے التفاتیاں
ناصح ہمارے حال پہ کچھ مہرباں ہے اب

ناصح رقیب سے ہے بدآموز تر کہیں
پر میں نے تیرا حال سنایا نہیں ہنوز

دیکھو تو سرد مہری چرخ اس سے گرم ہو
واں تو بغل رقیب کی یاں دل جلائے داغ

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نو وارد ہے کیا جانے دیارِ عشق کی رسمیں

کیسے گلے رقیب کے کیا طعن اقربا
تیرا ہی جی نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

نقشِ پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

مومن ہوا رقیب حذر اے صنم پرست
ایسے سے ڈریے جس کو خدا کا بھی ڈر نہ ہو

تابندہ و جوان تو بخت رقیب تھے
ہم تیرہ روز کیوں غم ہجراں کو بھا گئے

روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے

کچھ بھی کیا نہ یار کی تسکینِ دل کا پاس
سب کاوش رقیب بجا کوہ کن سے ہے

رقیب کھائے قسم تو وفا کا آئے یقیں
تو میری جان ہے کیا تیرا اعتبار مجھے

لیا ہے دل کے عوض جان دے رقیب تو دوں
میں اور آپ کی سودا گری زیاں کے لیے

ملے رقیب سے وہ جب سنا وصال ہوا
دریغ جان گئی ایسے بدگماں کے لیے

رقیب آفرینی: رقیب پیدا کرنے کی کیفیت

رشکِ فغاں کی ہائے رقیب آفرینیاں
محشر نے خفتگان زمیں کو جگا دیا

رقیبوں: رقیب کی جمع۔ دشمن، دو شخص ایک معزوق رکھتے ہیں تو ہر ایک دوسرے کا رقیب کہلاتا ہے۔

بات کرنے میں رقیبوں سے ابھی ٹوٹ گیا
دل بھی شاید اسی بدعہد کا پیاں ہوگا

کب پاس پھٹکنے دوں رقیبوں کو تمہارے
پر پاس تمہارا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشق خطِ زمرد فام لیتا تھا

مگر رقیبوں نے سر اُٹھایا کہ یہ نہ ہوتا تو بے مروت
نظر سے ظاہر حیا نہ ہوتی حیا سے گردن میں خم نہ ہوتا

جلوۂ لالہ رقیبوں کو دکھاتی ہے بہار
داغ کھانے پر مرے کیا داغ کھاتی ہے بہار

مجھ سے مل ورنہ رقیبوں سے میں سب کہہ دوں گا
دشمنی اب کی تری اور وہ پہلا اخلاص

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمانِ ہجر کے امید وار ہیں

گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں

چاہا کرے دل لاکھ نہ بولوں گا جو ہم دم
وہ میرے منانے کو رقیبوں سے خفا ہے

قتل کی ٹھہر گئی اپنے رقیبوں نے کہ آج
خندہ کچھ طرز دگر چاک جگر کرتا ہے

رکاب: وہ آہنی حلقہ جو گھوڑے کی زین میں دونوں طرف لٹکا رہتا ہے اور سوار اس پر پانو رکھ کر گھوڑے پر چڑھتا ہے۔

براق اسپ ترا ابروے فرشتہ رکاب
کہاں ہو چشم بشر ایسے پانو سے محسوس

وہ بے نیاز کہ لیلیٰ بھی گر رکاب میں ہو
نہ پھر کے دیکھے کہ کون آئے ہے پس محمل

قاتل جفا سے باز نہ آیا وفا سے ہم
فتراک میں جو سر ہے تو جاں ہے رکاب میں

رکنا: باز رہنا

وصل شیریں کی تمنا کوہکن کو کیا کہوں
صحبت شاہاں سے ارباب ہنر رکتے ہیں آپ

رکنا: بدکنا، بھڑکنا، چونکنا، چمکنا

سچ کہو ہے کس سے وعدہ آج جاؤ گے کہاں
خود بخود بیٹھے ہوئے کیوں اپنے گھر رکتے ہیں

رکنا: پس و پیش کرنا

یاں سے کیا دنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا ابھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ

جذبِ دل نے غیر کے بھی کیا کہیں تاثیر کی
آج کیوں آتے ہوئے ہر گام پر رکتے ہیں آپ

رکنا: تھم جانا

ترا وہ خوف کہ رک جائے تا گلو آکر
نہ نکلے معبد ترسا میں نالۂ ناقوس

رکنا: ٹھہرنا، تھمنا

پاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ

ضبطِ نالہ بوالہوس کا ننگ کے باعث نہیں
شرم سے آہ و فغاں بے اثر رکتے ہیں آپ

آمدِ گریہ دمِ اندوہ بے موجب نہیں
سینے میں رکتا ہے جب آنکھوں میں آجاتا ہے دل

رکنا: خاموش ہونا

دل کسی بت کو دیا اے حضرتِ مومن کہیں
وعظ میں کیوں برہمن کو دیکھ کر رکتے ہیں آپ

مجھے چپ لگی مدعا کہتے کہتے
رکے ہیں وہ کیا جانے کیا کہتے کہتے

رکنا: خفا ہونا

کہوں گر غیر سے مت مل تو کہوے طعن سے رک کر
یہ کیوں کس واسطے ہم ایسے تیرے ہو گئے بس میں

رکنا: دیر کرنا، توقف کرنا

یاں سے کیا دنیا سے اُٹھ جاؤں اگر رکتے ہیں آپ
رک گیا میرا ابھی دم کیوں اس قدر رکتے ہیں آپ

رکنا: کشیدہ ہونا، کھنچنا

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

رکھنا: جمع کرنا، اکٹھا کرنا

دل عشق تیری نذر کیا جان کیوں کہ دوں
رکھا ہے اس کو حسرت دیدار کے لیے

رکھنا: دھرنا

قبر میں چھوٹے عذاب دلِ بیتاب سے ہم
نام جب لکھ کے ترا سینہ پہ رکھا کاغذ
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں فگار ہے دل
کیا ہوئے دل پہ ہاتھ دھرے سے مگر رکھے
سینے پہ وہ ہی عاشقِ ناشاد کے قدم
رکھا تو دل و چشم سے اب اٹھ نہیں سکتا
قربان نزاکت کے میں کیا پانو ہے کیا ہاتھ
ہوا مہر برات عفو نقش سجدہ مومن کو
قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے
رکھے سے ہاتھ سینے پہ بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک روئیے دو چار آہ خوں چکاں کھینچئے
رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے
تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
غیر کو جھانکا تو ڈھیلے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم
ستم ہے شدتِ گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشمِ خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر
اُسے خو پڑ گئی بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا
کیا پوچھے ہے رکھ تو دیکھ دشنہ
آپ ہی گردن جھکائیں گے ہم
مت رکھیو گردِ تارک عشاق پر قدم
پامال ہو نہ جائے سر افراز دیکھنا
سر دوشِ عدو پہ رکھ کے بیٹھے
جاتا نہ کہ سر اٹھائیں گے ہم

رگِ گل: پھول یا پتے کا ریشہ

وصف لکھوں گا میں تری آنکھ کے ڈوروں کا اگر
رگِ گل خامہ دے اور نرگسِ شہلا کاغذ

رگ و پے: پورے جسم سے مراد لیا جاتا ہے

درد ہے جاں کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہوگا

رلانا: کسی کو کوئی صدمہ روحانی یا جسمانی اس طرح پہنچانا کہ وہ رو دے

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار
آہوں نے اپنی بوالہوسوں کو رلا دیا
ہیں رشکِ چشم یار فسوں خوانیوں میں ہم
عطر غیروں کو لگا کر جو رلایا اس نے
تر مرے سے ہیں مرے دیدۂ تر میں پھرتے
جنبشِ نرگسِ جنت نے رلایا مومن
چشمِ کافر کے اشارے ہیں نظر میں پھرتے
کیا رلاتی ہے مجھے فکر خیالِ دشمن
وصل میں جب وہ ادھر ہنس کے نظر کرتا ہے
اللہ رے تیری بے نیازی
یعقوب کو مدتوں رلایا

رلانا: کسی کو کوئی صدمۂ جسمانی یا روحانی اس طرح پہنچانا کہ وہ رو دے

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حالِ زبوں نے رولا دیا
آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

رم: وحشت، گریز

جوشِ قلق نے اُس کو بھی دیوانہ کر دیا
پہلے تو ورنہ طبعِ تحمل میں رم نہ تھا
کیا رم نہ کرو گے اگر ابرام نہ ہوگا
الزام سے حاصل بجز الزام نہ ہوگا
وصال تو ہے کہاں میسر مگر خیالِ وصال ہی میں
مزے اڑاتے ہوس نکلتی جو ساتھ انداز رم نہ ہوتا
غیرت کی جا ہے رام نزاکت ہوا وہ شوخ
وحشت کا جوش کیوں کہ نہ ہو مجھ سے رم نہیں

کیوں رم جاتا نہ کے بدلے مے از خودرفتگی
کس لیے شوخی ہوئی ہے بیقراری آپ کی

کیوں نہ مجھ سے رم وہ مہ وش اب زیادہ تر کرے
بد گماں ہے سبعہ سیارہ کی تسخیر سے

رم کردہ: بھاگا ہوا

رنج کے بعد ملوں کیا؟ کہ رہائی معلوم
ہاتھ آجائے جو صیاد کے، رم کردہ شکار

اس آہوے رمیدہ کو پھر ڈھونڈھتا ہے دل
رم کردہ شوق وصل پھر اک صید رام ہے

رم کرنا: وحشت کرنا، گریز کرنا

دم میں مت آئیو اے غیر کہ مانند صبا
جس سے لگ چلتے ہیں وہ اس سے ہی رم کرتے ہیں

رم نخچیر: شکار کا بھاگنا

مومن اب پڑھتا ہوں وہ مضمون بکر کی غزل
شوخیوں کو جس کی دعویٰ ہو رم نخچیر سے

رمز شناس: اشارہ پہچاننے والا

مجھ رمز شناس سے یہ باتیں
کیا خوب میں غیر سے برا ہوں

رمضان: نواں قمری مہینہ جس میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔

دیکھتا ہے تری ابرو کی طرف یوں مہ عید
جس طرح سوے ہلال رمضاں بادہ گسار

ضد ہوئی محتسب و پیر مغاں میں مومن
عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک

رنج: دکھ، درد

جو سمجھے فتنہ گری، رنج عشق سے "یاجوج"
نہ ہو سکے کبھی "سد سکندری" حائل

رنج کے بعد ملوں کیا؟ کہ رہائی معلوم
ہاتھ آجائے جو صیاد کے، رم کردہ شکار

ہیں بند سب، سبب رنج جہاں میں کہ گیا
نصیحت سے ہوا [illegible]

تیرے حساد و رنج گونا گوں
تیرے احباب اور تن آسانی

رطل گراں دم صبوح، مست مے شبینہ روح
سر بسر امتیاز طبع، رنج خمار سرسری

دیکھا عذاب رنج دل زار کے لیے
عاشق ہوئے ہیں وہ مرے آزار کے لیے

جب مجھے رنج دل آزاری نہ ہو
بے وفا پھر حاصل بیداد کیا

وقت وداع بے سبب آزردہ کیوں کیا
یوں بھی تو ہجر میں مجھے رنج و عذاب تھا

از بسکہ تھی وصال میں غیروں سے ہم سری
عیش و سرور باعث رنج و تعب ہوا

ہے یہ غم گور میں رنج شب اول سے فزوں
کہ وہ مہ رو مرے ماتم میں سیہ پوش ہوا

گر نہ تھی اے دل اس کے رنج کی تاب
کیوں شکایت گزار ہونا تھا

اثر اس کو ذرا نہیں ہوتا
رنج راحت فزا نہیں ہوتا

صبر بعد آسائش اس تنق پہ مشکل تھا
عیش جاوداں نکلا رنج جاوداں اپنا

اس بخت پہ کوشش سے تھکنے کے سوا حاصل
گر چارۂ غم کرتا رنج اور سوا ہوتا

وصال کو ہم ترس رہے تھے جواب ہوا تو مزا نہ
عدو کے مرنے کی جب خوشی تھی کہ اس کو رنج و الم نہ

بے دوا میری وہی سو نہیں ممکن کہ ملے
چارہ گر رنج و مصیبت پہ تدبیر نہ کھینچ

تو رنج رشک غیر کی بھی ہم کو ہوئی
اب اور کچھ نکالیے آزار کی طرح

کیا دوا سے ہو تری بخشش ہر دم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنج پیہم دیتے ہیں

ہی اٹھے اور وہی رنج و محبت کے عذاب
ہم نہ مانیں گے کہ ایذا تری تصویر میں نہیں

مومن بہشت و عشق حقیقی تمہیں نصیب
ہم کو تو رنج ہو جو غم جاوداں نہ ہو

رنج اٹھانا: صدمہ برداشت کرنا

دن رات فکر جور میں یوں رنج اٹھانا کب تلک
میں بھی ذرا آرام لوں تم بھی ذرا آرام لو

رنجش: آزردگی

میں بولوں تو چپ ہوتے ہیں اب آپ جبھی تک
یہ رنجش بے جا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ہم خاک میں بھی مل گئے لیکن نہ ملے وہ
دل ہی میں رہی رنجشِ جاناں کی شکایت
کیا دوا سے ہو تری رنجش ہردم کا علاج
چارہ گر کیوں مجھے رنجِ پیہم دیتے ہیں
مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں

رنجش ہونا: آزردگی ہونا

فائدہ وصل ہوسناک سے؟ وہ بات کرو
جس سے ہردم مجھے رنجش ہو، نہ تم کو آزار
اس شرط پر جو لیجے تو حاضر ہے دل ابھی
رنجش نہ ہو فریب نہ ہو امتحاں نہ ہو

رند: آزاد، بے قید

تا کہ ہو نو بہار میں قسمت رند مشرباں
مستی و بے حجابی و نغمہ زنی و مے خوری
وہ رند خمکدہ کش ہوں کہ زہر دیتے ہیں
جنگ آکے حریفان بادہ خوار مجھے

رندوں: جمع ہے رند کی۔ آزاد، بے قید

رندوں پہ یہ بیداد خدا سے نہیں ڈرتا
اے محتسب ایسا تجھے کیا شاہ کا ڈر ہے

رنگ: حال احوال، کیفیت

جراح کیا سوچا بتا کیا رنگ دیکھا کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے باندھ کر
مومن یہ شاعروں کا مرے آگے رنگ ہے
جوں پیش آفتاب ہو بے نور تر چراغ

مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوال شب تر سے روشن ہے ہمارا
اور ہی رنگ آج ہے عارض گل عذار کا
خون دل اپنا تھا مگر گونۂ رخ طراز میں
تھا محو رخ یار میں کیا آئینہ دیکھوں
معلوم ہے یاروں مجھے جو رنگ مرا ہے

رنگ: رنگت

خمیدہ شاخ سے یوں رنگ گل چمکتا ہے
کہ جس طرح سے بھڑک اٹھے مشعل منکوس
صبح کی جب بہار ہے ساقی غنچہ لب ہو پاس
مے سے عذار لالہ رنگ، لب مذاق شکری
شعلہ شمع سے فزوں، چہرہ مرا زریر گوں
رنگ شفق سے پیش تر، گریا مرا معصری
اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے
زرد تر چہرہ عاشق سے ہو رنگ رخ یار
نہ دے تیغ زباں کیوں کر شکستِ رنگ کے طعنے
کہ صف ہائے خرد پر حملہ ہے فوج خجالت کا
توبہ کہاں کدورت باطن کے ہوش تھے
غش ہوگیا میں رنگِ مئے تاب دیکھ کر
آئینۂ رنگ غم نے توڑا
کیوں کر اسے منہ دکھائیں گے ہم
ترجمان التماسِ شوق ہے تغیر رنگ
جوں زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں
صبح دم مہتاب کا سا رنگ کیوں ہے گر نہ تھا
بوالہوس کے پاس تو اے ناز پرور رات کو
وہ لالہ رو گیا نہ ہو گل گشت باغ کو
کچھ رنگ بوئے گل کے عوض ہے صبا کے ساتھ
پان میں یہ رنگ کہاں آپ نے
آپ میرے خون کا دعوا کیا
شوخ تھا رنگ حنا میرے لہو سے سو ہے
قتل اغیار سے کیا ہاتھ ترے یار لگا

صورت اغیار کو دیکھے ہے وہ حیرت زدہ
میرے رنگِ رخ نے آئینہ مگر دکھلا دیا

بے بخت رنگِ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

میرے گھر بھی پھرتے چلتے ایک دن آجائے گا
دو مبارک باد اب کی یار ہرجائی ملا

تمہارے دشنہ کے دستِ نخہ نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ

نویدِ مرگ انہیں جو ہیں زخمیِ لبِ یار
کہ رنگ پاں سے ہوئے اور لعلِ خنداں سرخ

نظارۂ رخِ مردم سے کیوں نہ غم ہو کہ تھا
ہمارا رنگ بھی پیشِ ورودِ ہجراں سرخ

نیرنگ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں

ایسے سے کیا درستیِ پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

تکلیف سے جوں پنجہ گل لال ہوا ہاتھ
نازک ہے وہ بس چھوڑ دے اے رنگ حنا ہاتھ

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میرے تغیرِ رنگ کو مت دیکھ
تجھ کو اپنی نظر نہ ہوجائے

دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے

چشم خوں بار مری آپ نے تلووں سے ملی
ورنہ ایسا بھی کہیں رنگ حنا ہوتا ہے

لب پہ حرفِ آرزو کا خوں ہوا
رنگ پاں کا منھ لگا تا چھوڑ دے

حسن کی نیرنگیوں سے کم نہیں ارژنگ عشق
نو بنو جلوہ ملا لو رنگ کی تغیر سے

رنگ: رونق

بے بخت رنگِ خوبی کس کام کا کہ میں تو
تھا گل ولے کسی کی دستار تک نہ پہنچا

یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
مگر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس

رنگ: طرز، انداز

نکالا رنگ عالم سوز کس نے
یہ کیوں بکھری پڑی ہے دربدر آگ

گر غیر سے ہے یہ رنگ صحبت
تو اور ہی رنگ لائیں گے ہم

رنگ اڑنا: چہرے کا رنگ متغیر ہونا

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے
آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

اڑتے ہی رنگِ رخ مرا نظروں سے تھا نہاں
اس مرغِ پر شکستہ کی پرواز دیکھنا

رنگ اڑنا: رونق نہ رہنا

نکہت اس زلف کی صبا میں نہ ہو
اڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا

رنگ آمیزی: رنگ کا کام، رنگ سازی

ہجوم سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سدوس

رنگ آمیزیاں: رنگ آمیزی کی جمع۔ رنگ کا کام گل کاری، نقاشی

یہ رنگ آمیزیاں کیسی ہیں کس کا ڈر ہے دیکھو تو
مجھے تو کچھ نظر آتا ہے یہ خوناب اپنا سا

رنگ بدلنا: وضع بدلنا، طرز بدلنا

جوشِ عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشک خونی سے مرے منہ زرد اس کا ہو گیا

رنگ بھرنا: تصویر یا نقشے میں موقع موقع سے رنگ آمیزی کرنا

دم بدم رنگ ہے تغیر مرا حیراں ہے
رنگ کیسا مرا تصویر میں بہزاد بھرے

رنگ رفتہ: اڑا ہوا رنگ

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

رنگ شکستہ ہونا: رنگ اڑ جانا

ایسے سے کیا درستیِ پیمان بستہ ہو
جو قول دے تو رنگ حنا کا شکستہ ہو

رنگ طلائی: کندنی رنگ

زرد رخ رنگ رنگ طلائی کے ہوئے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہش زر میں پھرتے

رنگ لانا: اثر دکھانا، مزہ چکھانا

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار

رنگت: چہرے کا رنگ

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

رنگرزاں: رنگریز کی جمع۔ کپڑوں کا رنگنے والا

کہیں جہان میں کائی نظر نہیں آتی
کہ صرف رنگرزاں ہوگئی بجائے "ایوس"

رنگنا: رنگ چڑھانا، رنگین کرنا

ہے سرخ پنکا اور خونِ غیر میں رنگا ہوا
کیا قتل پر میرے کمر نکلے ہو گھر سے باندھ کر

رنگین: سرخ

رنگیں ہے خونِ سر سے وہ ہاتھ آج کل رہے
جس ہاتھ میں وہ دستِ حنائی تمام شب

رنگین: آراستہ

سقفِ رنگیں وہ زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم نورانی

رنگین: خوش آئند، دل پسند

اُس لبِ لعل کی شکایت ہے
کیوں کہ رنگیں نہ ہو کلام مرا
لبِ رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر

سرخی ترے عدو کے لہو سے ہے جابہ جا
رنگین کس طرح سے نہ ہو داستان تیغ

رنگیں بیاں: دلچسپ گفتگو کرنے والا

رنگیں بیاں ہو گر ترے غزوے کے ذکر میں
پڑھنے لگے درود لب خوں چکان تیغ
لب رنگیں بیاں ہے اور خوناب
تیرہ باطن ہے اور مئے احمر

رنگینیِ سخن: کلام کی رنگینی

قماش دیکھ کے رنگینیِ سخن کا مرے
حریرِ لالہ وگل شرم سے ہوا مدروس

رنگینیاں: رنگینی کی جمع۔ شوخی

جوشِ گل سے یاد آتی ہیں تری رنگینیاں
رنگِ رفتہ سے مرے کیا رنگ لاتی ہے بہار
ذکر اشک غیر میں رنگینیاں
بوئے خوں آئی تری گفتار سے

رو: چہرہ، منہ

سینے پہ روئے دلبراں، بر میں قبائے رستمی
پانو پہ فرق سروراں، سر پہ کلاہ سروری
داغِ جدائیِ دُرِ دنداں و روئے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخان شمع
نیم بسمل ہیں نہ چھیڑ اے تپشِ دل کہ ابھی
روئے قاتل کا نظارہ کوئی دم کرتے ہیں
دوستو! مرتا ہوں اس روئے عرق آلودہ پر
لاش بھی میری بہانا بعد مردن آب میں

روا: جائز، مباح

دیے ہیں میرے حسد نے زبس ہزاروں داغ
روا ہے باندھیے گر عندلیب کو طاؤس
ظالم کہیں روا نہیں عاشق سے احتراز
کہہ دے اگر ہو شک سخنِ داد خواہ میں

روبرو: آمنے سامنے

روتے تو رحم آتا سو اُس کے رو برو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا

کبھی بیٹھے سب میں جو روبرو تو اشارتوں ہی سے گفتگو
وہ بیان شوق کا برملا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

روخراشی: جمع ہے روخراشی کی۔ (بربنائے افسوس یا غم) چہرہ کھروچ ڈالنا۔

کرتا ہے سخت ناخنِ غم رو خراشیاں
دل کو یہ کس کے چہرے کے چیچک کے بجائے داغ

رو رو کے: آنسو بہا بہا کر

رو رو کے دعا کر اک ذرا دیکھ
کیا ابرِ کرم ہے سر پہ چھایا

رواج: رائج ہونا، پھیلنا، مقبول ہو جانا

جو ہوں معالج مبطوں تو تابش ارواز
کرے دعائے رواج طریق جالینوس
نکھنے اس ہاتھ کو جو پنجۂ مہر
ذرہ پائے رواج خوردہ زر

رواج: عام دستور، معمول

نگاہ بانیِ عصمت سے وہ رواجِ حیا
کہ چار چشم نہ ہوں نرگس اور افیوس
رواجِ حسنِ عمل تیرے دور میں یہ ہوا
کہ گفتگو میں بھی مرفوع ہو گیا فاعل

روانی: تیزی

اُس روانی سے ذرا خنجرِ بیداد رہا
بارے اک دم اثرِ نالہ و فریاد رہا

رواں: جاری، چلنے والا

ہے چشم بند پھر بھی ہیں آنسو رواں ہنوز
جی سرد ہو گیا ہے ولے دل طپاں ہنوز
لکھتا ہوں اس کو بیکسیِ دل کا ماجرا
آنسو رواں نہ ہو تو سیاہی رواں نہ ہو
ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع
حیرت فزائے حسن بہت کیا عجب اگر
ختم ہے تیری بزم میں شکِ روانِ شمع

رواں: روح

حیرتی عقوبت تازہ موکلانِ قبر
بس کہ میرے حسد سے ہے تیرہ روانِ انوری
کروں جو گردشِ انجم کی میں رصد بندی
فدا ہو وجد میں آ کر روانِ بطلیموس
ہے تارِ گریہ تارِ نفس اہلِ سوز کو
یعنی روانِ شمع ہے اشکِ روانِ شمع

رواں پرور: روح پرور

اے مسیح دم رواں پرور
زندگی بخش دینِ پیغمبر

رواں فزائی: جاں فزائی

رواں فزائی سحرِ حلال مومن سے
رہا نہ معجزہ باقی لبِ بتاں کے لیے

رواں ہونا: چل پڑنا

نومیدیِ جواب ہے کیوں اتنے شوق پر
یہ کیا ہوا کہ میں پس قاصد رواں نہیں

روتے روتے: آنسو بہاتے ہوئے آہ و بکا کرتے ہوئے

ہے مشک بس کہ روتے روتے چشم اے ہو رو
شب جو اشک آیا سو اک عقدِ ثریا ہو گیا
سو جاؤں روتے روتے تو کہا جس کے طعن سے
کہتا ہے سوتے ہو مرے بن آ کے خواب میں

روتے رہنا: تابع کسی عمل کا جاری رہنا

بس کہ میں سارے برس روتا رہا غم میں ترے
جیٹھ اور بیساکھ کا بھی چاند ساون ہو گیا

روٹھنا: خفا ہونا، بگڑنا

روٹھا جو کوئی نازنیں صنم گر
سوگند دروغ کھا منایا
دشمن کے کہے سے روٹھتا ہے
وہ ہی کہے تو منائیں گے ہم
وہ منے لگے وہ شکایتیں وہ مزے مزے کی حکایتیں
وہ ہر ایک بات پہ روٹھنا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

روٹھے سو روٹھے ہم سے منتے نہیں ہو کیوں کر
غیروں سے جب لڑے ہو لڑتے ہی من گئے ہو

روجانا: آنسو بہا جانا

ساتھ نہ چلنے کا بہانہ تو دیکھ
آ کے مری نعش پہ وہ رو گیا

روح: جان

ہائے وہ ساز و برگ عیش و نشاط
قوت افزاے، روح انسانی
میری نیرنگیِ تخیل سے
سیمیا گر ہے روح نفسانی

روحانی: اندرونی، قلبی

کہ محرک ہے التفات نہاں
تاب فرسا ہے جذب روحانی

روحانی: فرشتے

گریۂ خونیں کو قصد عالم بالا ہے پھر
کیوں نہ خوں روحانیوں کا آسماں پر خشک ہو

روح فزا: جان کو تازگی اور توانائی دینے والا

چشم کا تیری امتزاج روح فزا نظر فزا
گریہ مستی و نگاہ روح و گلاب و عبہری
وہ لعل روح فزا دے کہاں تلک بوسے
کہ جو ہے کم ہے یہاں شوق جاں فشاں کے لیے

روح قدس: حضرت جبرئیل

میں روح قدس کا ہم زباں ہوں
یہ مرتبہ عجز نے بڑھایا

روز: دن، رات کی ضد ہر دن، پے در پے

مثال دیتے ہیں روز فراق سے کیا دور
بلائیں ہوں شب یلدا میں چرخ سے نازل
نقد جاں، اپنی تجلی کی نہ کہنا قیمت
صبح محشر کہیں بن جائے نہ روز بازار
موسم گل میں سیہ مست جواں تائب ہوا
روز باراں میں کرے، پیر مغاں، استغفار
طالع پست کی نسبت سے مرے، واژوں چرخ
بخت تیرہ سے مرے، روز مہ انور تار
موج دریاے خوں سے روز مصاف
ہووے کشتی زمیں کی طوفانی
روز جنگ اس کے نیم جولاں میں
صر صر عاد کی سی طغیانی
دم حساب رہا روز حشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
ہوگئی وہ روز کی الفت میں کیا حالت ابھی
مومن وحشی کو دیکھا اس طرف سے جائے تھا
روز کہتا تھا کہیں مرتا نہیں ہم مرگئے
اب تو خوش ہو بے وفا تیرا ہی لے کہنا کیا
روز کا بگاڑ آخر جان پر بنا دے گا
ان کو شوق آرائش دل ہے بد گماں اپنا
اس لیل و نہار غم نے مارا
ہے روز سیہ سیاہ تر رات
امید وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں
ہم سے وفاے زندگیِ بے وفا عبث
نزع ہے اور روز وعدۂ وصل
ہے بہر طور دم شماری آج
اتنی فرصت دے ستم گر کہ پہنچ جائے اجل
دم کے دم اور بھی سینے سے مرے تیر نہ کھینچ
ایسے ہی روز گر ستم نو بنو رہے
تم کو بھلا رہے گی سپہر کہن کی یاد
کشتۂ روز ہجر کا اس کے
مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس
روز ہوتا ہے بیاں غیر کا اپنا اخلاص
چشم بد دور تمہیں ہم سے بھی ہے کیا اخلاص
یہ کہاں کی جی کو بلا لگی مری ہائے کیوں کر ہو زندگی
کوئی کیا جیے جو ہو ایک سا شب و روز صبح و مسا قلق
شب ہجر روز وصال کی شوخیاں جو نظر میں تھیں

کہوں کیا تغیر حالِ دل کبھی تھا سکوں کبھی تھا قلق
ضد ہوئی محتسب و پیرِ مغاں میں مومن

عید ہر روز ہے اب کی رمضاں ہونے تک
جنونِ عشق پری روئے دل شکن ہے بلا

کہ روز طوق و سلاسل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
یہ بے حجابی بری گو مجھی کو جھانکو تم

کہ روز پردہ حائل کے ٹکڑے ٹکڑے ہیں
کیوں کر نہ رحم حال پہ آئے شبِ وصال

اندوہ و درد روز مصیبت کے یار ہیں
رشک سے جلتا ہوں روز اے شمع بار عام میں

دن کو ہے مجھ پر وہی صدمہ جو تجھ پر رات کو
دیکھئے وہ کون سی شب ہوئے گی اللہ رے جھوٹ

روز کہتے ہو کہ آؤں گا مقرر رات کو

روز: ہر روز، ہر دن

آشیانِ عقاب و شاہیں میں
روز گنجشک کی ہے مہمانی

کرتا ہے قتلِ عام وہ اغیار کے لیے
دس بیس روز مرتے ہیں دو چار کے لیے

کہاں وہ عیشِ اسیری کہاں وہ امن قفس
ہے بیم برق بلا روز آشیاں کے لیے

روزِ ازل: آغازِ مخلوق کی پیدائش کا دن

کشتۂ نازِ بتاں روزِ ازل سے ہوں مجھے
جان کھونے کے لیے اللہ نے پیدا کیا

روز افزوں: روز بروز، بڑھنے والا

تیرا اقبال روز افزوں ہو
جیسے مومن پہ لطف رحمانی

مہ نو بن گئے ہم طولِ شبہائے جدائی سے
کہاں تک دیکھئے وہ حسن روز افزوں نہ ٹھہرے گا

آہ طولِ امل ہے روز افزوں
گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا

وہاں ترقی جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریک زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

حسن روز افزوں پہ غرہ کس لیے اے ماہ رو
یوں ہی گھٹتا جائے گا جتنا کہ بڑھتا جائے ہے

روزِ باحور: ماہ تموز کے آٹھ روز جو نہایت گرم ہوتے ہیں۔ (تموز = شامیوں کا ایک مہینہ جو جولائی یا اساڑھ کے مطابق ہوتا ہے)

روزِ باحور دن ہے اور رات "شب یلدا" ہے
دونوں نقطوں پہ ہے یوں ہم سری لیل و نہار

روزِ جزا: اعمال کے بدلہ ملنے کا دن

وہ بے وفا کہ مکر جائے جاں شکستن تک
کرے جو وعدہ روزِ جزا دمِ بسمل

نصیب روزِ جزا جب کرے ہزول جلال
زمیں پہ چرخ سے تختِ شہنشہ عادل

کیا ہو؟ گر اس کے ستم روزِ جزا بھی نہ کھلیں
میں نے واعظ سے سنا ہے کہ "خدا ہے ستا"

دعوۂ تکلیف سے جلاد نے
روزِ جزا قتل پھر اپنا کیا

دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا

روزِ جزا جو قاتل دل جو خطاب تھا
میرا سوال ہی مرے خوں کا جواب تھا

روزِ جزا خدا بتِ جلاد کو ملا
گویا کہ خونِ ناحق مومن صواب تھا

جی طعنِ وصل حور سے کیسا جلا دیا
روزِ جزا کا ذکر جو محفل میں شب ہوا

اچھی ہے بے وفا مجھ سے جلتے ہیں جیسے دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

روزِ جزا نہ قتل کا انکار کر کہ ہے
دامن پہ تیرے میرے لہو کا نشاں ہنوز

روزِ جزا کیوں کیا خوں کا مرے اتہام
مہر عدو بد گماں تجھ کو یقیں ہے ہنوز

شب ہجراں کو سمجھ روزِ جزا

مومن ایسا سیاہ کار ہے دل
چاہتا قاتل کو ہوں روزِ جزا
چاہ کی اب تک سزا پائی نہیں
شکوہ حرف تلخ کا یا شور بختی کا گلہ
ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزا کہنے کو ہیں
مجھے یہ ڈر ہے کہ مومن کہیں نہ کہتا ہو
مری تسلی کو روز جزا کے آنے کی
کر دے روز جزا شب دیجور
ظلمت اپنی سیاہ کاری کی
گر سامنے اس کے بھی گرے اشک تو دل سے
کیوں روز جزا خون کا دعویٰ نہ کریں گے
روز جزا نہ دے جو مرے قتل کا جواب
وہم سخن رقیب کو اس کم سخن سے ہے
شب وصل عدو کیا کیا جلا ہوں
حقیقت کھل گئی روز جزا کی

روزِحساب: روزِ قیامت

مومن از بس ہیں بے شمار گناہ
غم روزِ حساب نے مارا

روزِحشر: روزِ قیامت

اے روزِ حشر کچھ شب ہجراں بھی کم نہیں
بد نام ہو جہان میں تیری بلا عبث
دمِ حساب رہا روزِحشر بھی یہی ذکر
ہمارے عشق کا چرچا کہاں کہاں نہ ہوا
کیا یوں ہی جائے گی مری فریاد سرزنش
واعظ کو روز حشر امید نجات ہے
مار ڈالا ہم کو جور گردش ایام نے
بڑھ گئی رات اپنی روز حشر کی تقصیر سے

روز وغا: لڑائی کا دن

کاٹ لے ہاتھ ہی پہلے وہ اگر روز وغا
اپنے مرنے سے ذرا جان چرائیں کفار
توسن باد پا ترا، روز وغا بگاڑ دے
صرصر عاد کی ہوا، دم میں دکھا کے صرصری

روزِ سیاہ: مصیبت کا دن

اس منہ پہ اس سے دعویٰ حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں

روزشمار: قیامت کا دن

ہے یہی حسرت دیدار تو مرنا مشکل
دم شماری کی مری، عمر ہے تا روز شمار

روزمحشر: قیامت کا دن

روزِ محشر کیا ہوا پھر کیوں شب دیجور ہے
کیا ہمارا نامۂ اعمال کچھ وا ہوگیا

روزمحشری: روزِ قیامت

صبح مری شب مریض، شب، شب اولین گور
زور گذار ہیم شام، سختی روز محشری

روزنبرد: جنگ کا دن

روز نبرد حادثہ ریز شکست و فتح
جب تک کہ ہے نشیب و فراز جہان تیغ
روز نبرد گرچہ ہو خصم جہان کے زیر ران
توسن برترین فلک، تو بھی محال جاں بری

روزِنخستیں: زمانۂ طفلی

تھا روزِ نخستیں غم شبہائے دراز آہ
طفلی سے ہے اختر شمری مشغلہ اپنا

روزنشور: قیامت کا دن

کوئی کرے نہ گرمی روز نشور میں
بسمل پہ تیرے مہر مگر سائبان تیغ

روزوصل: کا دن

میں اور اس کو بلاؤں گا روز وصل میں لو
اجل بھی کرنے محبت کا امتحان لگی

روز وفات: مرنے والا دن

کیا ابتدائے حسن میں میں تجھ پہ مرگیا
خلقت کا تیری دن مرا روز وفات ہے

روزمحشر: روزِ قیامت

روزِ محشر کی توقع ہے عبث
ایسی باتوں سے ہو خاطر شاد

کیا کہوں تم جو نہ آئے کیا قیامت آگئی
میہماں تھی میرے گھر میں روزِ محشر رات کو

روزِ محشر آپ کے اس تشنۂ دیدار کا
حلق تشنہ تر نہ ہو اور حوضِ کوثر خشک ہو

روزِ محشر بھی ہوش گر آیا
جائیں گے ہم شراب خانے کو

روزن: سوراخ، شگاف

آخر اشکوں کے بھر آنے نے ڈبویا ہے مجھے
چشم کا سوراخ لو کشتی کا روزن ہوگیا

زخم تو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیرِ یار سے سینہ کا روزن ہوگیا

آ جھانک تو بھی تو کہیں بے دید کیسی ٹکٹکی
بیٹھے ہوئے ہیں روزنِ دیوار و در سے باندھ کر

اس کے بخت ہی اندھیرا آگیا ایسا کہ بس
گر پڑا میں روزنِ دیوار کو وا دیکھ کر

کتنا شعاعِ مہر نے حیراں کیا ہمیں
تکتے ہیں کب سے روزنِ دیوار کی طرف

غیر کو جھانکو تو دو چھپے آنکھ کے
دیکھنا رکھ دیویں گے روزن میں ہم

کسی کی زلف پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر آخر ہم

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تا بدل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر آخر ہم

غیر کو دکھاتا ہوں چاکِ دل تماشا ہو
گر وہ روزنِ در سے آن کر ذرا دیکھیں

رہ گئے ہم جھانکنے سے بھی یہ کیا اندھیر ہے
بند کس نے کر دیے تھے روزنِ در رات کو

چھوڑ جھمیلے بوالہوس مرگ کہ اب
جھانکتے ہیں روزنِ دیوار سے

روزہ: کسی چیز سے قطع سے محرومی

گر ہے مومن روزۂ وصلِ بتاں
تو گر ذرا بھی کھانا چھوڑ دے

روزن پڑنا: جھروکے بن جانا

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تا بدل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر آخر ہم

روزگار: زمانہ، دنیا

شہا ستم ہے کہ تیرے مدح خواں پہ کرے
ہزار گونہ ستم روزگارِ ناموس

اس کے ہے روزگار میں یکساں
ابر کو بہمنی و نیسانی

بس کہ مشتاق نازِ یار ہے دل
ستم آموزِ روزگار ہے دل

دن بھی دراز رات بھی کیوں ہے فراقِ یار میں
کاہے سے فرق آ گیا گردشِ روزگار میں

امیدِ مرگ پہ ہر فتنہ راحتِ جاں ہے
شبِ فراق میں کیا ہم روزگار مجھے

شبنم خراب مہر و کتاں سینہ چاک وہ
لو اور بھی ستم زدۂ روزگار ہیں

روس: ایک ملک کا نام

تری نگاہی کی دولت سے خاک پہ ہے ہلال
سفیدۂ رخِ فغفورِ چین و خسروِ روس

روس: جمع ہے راس کی ، سر

دو نیم ہوں تری شمشیر کے تصور سے
یہ سان ساغرِ خورشید کاسہ ہائے روس

روش آموز: راستہ بتانے والا، طور طریقہ سکھانے والا

السلام اے روش آموزِ طریقِ اسلام
السلام اے خضرِ جادۂ جنتِ مزدوم

روش داں: انداز جاننے والا

میں روش دان حکیم بر جیس
میں ادا فہم میر کیوانی

روشن: تاباں

معنی روشن و مضمون بلند اور سیں
سامعیں کو ہے اگر مطلع نو پہ اصرار

رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
شعلۂ دود و عارض روشن و زلف عنبری
نہ کیوں کہ مطلع دیواں ہو مطلع مہر وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرع انگشت شہادت کا
دل میں شوقِ رخِ روشن نہ چھپے گا ہرگز
ماہ پردے میں کتاں کے کوئی پنہاں ہوگا
مہتاب کا کیا رنگ کیا دودِ فغاں نے
احوال شب تار سے روشن ہے ہمارا
یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں

روشن: ظاہر، عیاں

روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع

روشنی: نور، چمک، دمک

کیا خوب روشنی ہے کہ چہرے کی تاب سے
ہے داغ بوالہوس تری مجلس میں ہر چراغ
نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منہ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک
اس منہ پہ اس سے دعویٰ حسن اک ذرا نہیں
اے مہر روشنی مرے روز سیاہ میں

روضۂ رضواں: بہشت

"مرحبا یا بن علیؑ" کی چلی آتی ہے صدا
اب تلک روضۂ رضواں سے، زہے فیض قدم

روضہ ہا: جمع ہے روضہ کی۔ باغ، سبزہ

شگفتہ تر ہے چمن، روضہ ہائے جنت سے
ہنسی کی جا نہیں گر صومعہ نشیں ہے عبوس

روغن: تیل

میرے جلنے پر جو رویا غیر تیری بزم میں
سوز دل کو آب اشک آتش پہ روغن ہوگیا

روکنا: ضبط کرنا

یہ اب کیوں پڑ گئے جوں نے گلو سے تا بدل روزن
الٰہی روکتے تھے نالۂ شب گیر اکثر ہم
سر سے شعلے اٹھتے ہیں کس طرح روکوں کیا کروں
جل گیا جی ضبط آہ شعلہ زن کی فکر میں

روکنا: منع کرنا، باز رکھنا

پاس تم کو ہی نہیں تو جائیے غیروں کے پاس
میں نہ روکوں روکنے سے میرے گر رکتے ہیں آپ

روم: ایک ملک کا نام

جہد شاہانہ یہی ہے تری کوشش سے ہوئی
خانقاہِ فقرا بارگہ قیصر روم

رومال: منہ پونچھنے کا کپڑا

عدو نے دیکھے کہاں اشکِ چشمِ گریاں سرخ
نہ آستیں ہے نہ رومال ہے نہ داماں سرخ
ستم ہے شدت گریہ سرایت خوں نے کی پر کی
رکھے رومال چشمِ خوں فشاں پر لاکھ تہ تہ کر

رونا: آنسو بہا جانا

روتے ہیں تیری جان کو ظالم
ایک میں کیا کہ سارے اہل ہنر
دیکھ اتنا میں ترے عشق میں رویا کہ ہوئی
جلوہ گر مہر گیا، دشت سے لے تا کہسار
رودیا بے اختیار اس شوخ نے تاثیر سے
دود دل بھی کم نہیں ہے سرمۂ تسخیر سے
کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں
کب روسکے گا دیدۂ خوں بار کی طرح
روئیے کیا بخت خفتہ کو کہ آدھی رات سے
میں یہاں رویا کیا اور وہ وہاں سویا کیا
بیکسی سے نزع میں اپنے کو رویا آپ میں
دم جو کچھ باقی رہا تھا صرف شیون ہوگیا
یاد چشم یار میں دریا پہ رویا بن گئیں
مردم آبی کی پلکیں شمع روشن آب میں
رکھے سے ہاتھ سینے پہ بھلا کب مانتا ہے دل
نہ جب تک روئیے دو چار آہ خوں چکاں کھینچے

اور شبنم دن کو ٹھہرے کیا مجال
روے ہیں اے مہروش گلشن میں ہم
تم سے وہ کرتا ہے باتیں رشک سے روتا ہوں میں
سچ کہا جھڑتے ہیں موتی غیر کی تقریر سے
کیا روؤں خیرہ چشمی بخت سیاہ کو
واں شغل سرمہ ہے ابھی یاں نیل ڈھل گیا
نہ شادیِ مرگ ہوں کیونکر ہے مژدہ قتلِ دشمن کا
کہ گھر میں سے لیے شمشیر وہ روتا نکل آیا
کوئی تیر اُس کا دل میں رہ گیا تھا کیا کہ آنکھوں سے
ابھی رونے میں اک پیکاں کا ٹکڑا نکل آیا
چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی تپِ ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
روتے تو رحم آتا سو اُس کے روبرو تو
اک قطرہ خوں بھی چشمِ خوں بار تک نہ پہنچا
وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا
حال ساقی سے کہہ کے روتا ہوں
کہ محرک ہے خندہ قلقل کا
رو دیا اُس نے جو میری لاغری کو دیکھ کر
قطرۂ اشکِ ندامت مجھ کو دریا ہو گیا
نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ
تو غزل سنج ہے یا مرثیہ خواں اے مومن
رو دیا جس نے کہ دیکھا ترا لکھا کاغذ
روئے وہ میرے حال پہ حیران کیوں نہ ہوں
آنکھیں ہی کھل گئی ہیں دُرِ نایاب دیکھ کر
یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرط ابرِ تر سے باندھ کر
بے مروت ناتواں ہیں ہنس دے روتا دیکھ کر
دل دیا میں نے اسے کیا جانئے کیا دیکھ کر
یہ تشنہ کامی نگہ گرم دیکھنا
حسرت سے رو دیا طرف آب دیکھ کر

آتا ہے بے کسوں پہ تو جلاد کو بھی رحم
روتی ہے شمع آپ سرِ کشتگانِ شمع
نہیں جا وہ میری اگر اسے نہیں راہ دل میں تو کس لیے
مجھے روتے دیکھ وہ رو دیا مرا حال سن کے ہوا قلق
نظر ابر پر جو کبھی پڑے تو خیال رونے کا آ بندھے
جو تپش کو برق کی دیکھوں تو مجھے یاد آئے ترا قلق
ہنستے جو دیکھتے ہیں کسی کو کسی سے ہم
منہ دیکھ دیکھ روتے ہیں کس بیکسی سے ہم
ہے چھیڑ اختلاط بھی غیروں کے سامنے
ہنسنے کے بدلے روئیں نہ کیوں گدگدی سے ہم
اگر نہ ہنسنا ہنسانا کسی کا بھا جاتا
تو بات بات پہ یوں رو دیا نہ کرتے ہم
پیشِ نظر ہے کس کا رخِ آئینہ گذار
روتے ہیں اپنے حال پہ حیرانیوں میں ہم
کنجِ قفس میں بیٹھ کے گاہے روتے ہیں تنہائی پہ
یاد میں موسمِ گل سے گاہے جی بہلاتے ہیں
کر دیا خانۂ اغیار ہوسناک خراب
داد رونے کی مرے دیدۂ نم دیتے ہیں
دم بدم رونا ہمیں چاروں طرف تکنا ہمیں
یا کہیں عاشق ہوئے یا ہو گیا سودا ہمیں
جل ماتم اپنے روئیں کس طرح منہ ڈھانک کر
مرتے مرتے پاس اس پردہ نشیں کا تھا ہمیں
فریاد نالہ ہائے عزا بار پر انہیں
آیا ہے رحم کب کہ ذرا مجھ میں دم نہیں
آبرو رہ گئی مرنے کی کہ روتے تو ہیں وہ
اشکِ شادی ہی سے گو چشم کو نم کرتے ہیں
رونے کی جائے اگر ہو بعد مٹنے کے فراق
ہے غضب گر نکلے کوئی پھول پھل کر خشک ہو
گریہ پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دل جنت مقام کو
بوالہوس روئے میرے گریہ پہ ب

منھ کہاں تیرے مسکرانے کو

کس طرح نہ اس شوخ کے رونے پہ ہنسوں میں
نظروں میں مروت ہے نہ آنکھوں میں حیا ہے

کلفت ہجرت کو کیا روؤں ترے سامنے میں
دل جو خالی ہو تو آنکھوں میں غبار آ جائے

رو رہا ہوں خندۂ دنداں نما کی یاد میں
آب گوہر کے لیے آنکھوں سے دریا جائے ہے

خاک میں مل جائے یارب بے کسی کی آبرو
غیر میری نعش کے ہمراہ روتا جائے ہے

آج اس بزم میں طوفان اٹھا کے اٹھے
یاں تلک روئے کہ اس کو بھی رلا کے اٹھے

تڑپنے لوٹنے رونے کا کا باعث تجھ پہ بھی کھلتا
ترے دل کو بھی میری سی اگر اے بے وفا لگتی

قطرہ ہائے اشک گنتے ہو اگر روتا ہوں میں
اس قدر خو ہوگئی اختر شماری آپ کی

دیوار کے گر پڑتے ہی اٹھنے لگے طوفاں
اب بیٹھ کے کونے میں بھی رویا نہ کریں گے

رونا: رنج و شکوہ، نوحہ و ماتم

گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں

رونا: شکایت کرنا، گلہ کرنا

آتش سینۂ تفتیدہ کو کیا میں روؤں
اشکِ جانب کرۂ آب کی مائل نہ ہوا

رونا: گریہ وزاری، افسوس

وہ ہنسے سن کے نالہ بلبل کا
مجھے رونا ہے خندۂ گل کا

رونا: گلہ، شکایت کرنا

نسبتِ عیش سے ہوں نزع میں گریاں یعنی
ہے یہ رونا کہ دہن گور کا خنداں ہوگا

رونا آنا: افسوس ہونا

سرمہ دینے لگتے ہو جس وقت رونا آئے ہے
بارے ہے اب تک تو باقی شرم ساری آپ کی

رونق: کسی چیز کی خوبی، چمک زیبائش

میری نسبت سے خاک ہند کو ہے
رونق سرمۂ صفاہانی

رونق بزم و عزم رزم، فر جلال و قدر جاہ
تو نے بغایت کمال جمع کیے، نہ سرسری

کیسی شکست رونق بازار ہو گئی
ہے تختہ بند دست قلم سے دکان تیغ

لے گئی جاں یاد رونق ہائے وصل
گھر مرا ویراں ہوا تعمیر سے

رونق بزم: وہ شخصیت جس کے دم سے محفل میں پہل ہو۔

رونق بزم و عزم رزم، فر جلال و قدر جاہ
تو نے بغایت کمال جمع کیے، نہ سرسری

رونق محفل: وہ شخصیت جس کے دم سے محفل چہل پہل ہو

وہ شمع انجمن ناز ہائے حوصلہ سوز
جو سمجھے خواری مشتاق رونق محفل

رونما: منھ دکھائی

قیمت حسن یوسفی، میرے سخن کا رونما
ہے یہ وہ حسن جس کی بیع، مایہ فزائے مشتری

رقیب بوالہوس نے رونما میں تیرے کب جاں دی
وہ نووارد ہے کیا جانے دیار عشق کی رسمیں

روئے التفات: توجہ

دیکھو انصاف سے کہ ظلم ہے ظلم
گر نہ ہو روئے التفات ادھر

روئے دینا: آنسو بہا دینا

میرے خامے کے جوش گریہ سے
روئے دیتا ہے ابر نیسانی

روئے زمین: زمین کی سطح، مجازاً ساری دنیا

سوئے ہزار گوش جاں، روئے زمیں پہ زرفشاں
باغ میں جب تک اس طرح جلوہ کرے گل طری

اف رے سوز نالۂ واللہ رے سیلاب سرشک
اس سے تر روئے زمیں اس سے سمندر خشک ہو

روئیں تن: قوی الجثہ، مضبوط جسم والا

تمکیں کو تیری دیجے گر کوہ سے مثال
روئیں تنوں سے اٹھے نہ بار گران تیغ

رویا کریں گے: روئیں گے، آنسو بہائیں گے

رویا کریں گے آپ بھی پہروں اسی طرح
اٹکا کہیں جو آپ کا دل بھی مری طرح

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام ہم

رہ: راہ کا مخفف، روش، راستہ

کیا صعب گذار ہے رہ حمد
جبرئیل کا پانو لڑکھڑایا

سمجھا نہ کہ ہے رہ خطرناک
دین و دل و عقل کو لٹایا

جب تک اس تیرہ خاک دان میں ہے
کوئی گم کردہ رہ ، کوئی رہبر

ہے مجھے بھی خیال طوف حرم
خضر رہ گر ہو فضل رحمانی

سنگ رہ ہے امتحاں تاثیر حسن و عشق کا
ہم ادھر رکتے ہیں آپ اور وہ اُدھر رکتے ہیں آپ

رہا ہونا: نجات پانا، آزاد ہونا

اے ہمدمان باغ رہا ہوں پہ کیا کروں
اُٹھتا نہیں ہے کوچہ سے صیاد کے قدم

رہائی: نجات

رنج کے بعد ہوں کیا؟ کہ رہائی معلوم
ہاتھ آجائے جو صیاد کے رم کردہ شکار

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسبان ہیں زندانیوں میں ہم

ہو عذاب شب ہجر سے رہائی یارب
زلف منہ سے نہیں اس مہر لقا کے اٹھے

مرگئے پر ہے بے خبر صیاد
اب توقع نہیں رہائی کی

رہ پڑے: قیام پذیر ہونا

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعد قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

رہ رہ کر: ٹھہر ٹھہر کر، بار بار

نہ کیوں کر بس ہوا جاؤں کہ یاد آتا ہے رہ رہ کر
وہ تیرا مسکرانا کچھ مجھے ہونٹوں میں کہہ کہہ کر

رہبانی: رہبانیت اختیار کر لینے کی صفت

کب تلک اعتکاف بت خانہ
کب تلک کنج دیر و رہبانی

رہبر: رہنما

جب تک اس تیرہ خاک دان میں ہے
کوئی گم کردہ رہ، کوئی رہبر

رہ جاؤ: ٹھہر جاؤ

اتنا تو نہ گھبراؤ راحت کہیں فرماؤ
گھر میں مرے رہ جاؤ آج اور بھی کل جانا

رہرو: راستہ چلنے والا، مسافر

اگر پڑے مرے پیک خیال کا سایہ
گرا دے شاہ سواروں کو رہروے راجل

رہزن: قزاق، لٹیرا

تھی کمیں میں غارت ہوش دشمن ہنگام خواب
شب کی بیداری سحر کا خواب رہزن بن گیا

رہگذر: راستہ

اس طرح خاک چھانتے پھرتے نہ دشت دشت
ہوتے جو پائمال کسی رہ گذر میں ہم

رہنا: باقی بچنا،

ذکر بتاں سے پہلی سی نفرت نہیں رہی
کچھ اب تو کفر مومن دیندار کم ہوا

سر پٹکتا ہے قلق میں مومن خانہ خراب
مسجدیں رہتی نہیں کیا فائدہ تعمیر سے

وہ مشق رہی اور نہ وہ شوق ہے مومن
کیا شعر کہیں گے اگر الہام نہ ہوگا

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسبان ہیں زندانیوں میں ہم
مرنے کے بعد بھی وہی آوارگی رہی
افسوس جاں گئی نفس نارسا کے ساتھ
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے
رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا
غیر آکر قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لیے کہ دنیا میں
نہ رہا میں مرا فسانہ رہا
ایک دشمن کہ چرخ ہے نہ رہے
تجھ سے یہ اے دعا نہیں ہوتا
ایسے ہی روز گر ستمِ نو بنو رہے
تم کو بھلا رہے گی سپہر کہن کی یاد
کہنا پڑا درست کہ اتنا رہے لحاظ
ہر چند وصل غیر کا انکار ہے غلط
بس کہ بن آئے مرگئے ہم شب انتظار میں
دن جو رہے تھے عمر کے جیتے رہے مزار میں
رات کس کس طرح کہا نہ رہا
نہ رہا پر وہ مہ لقا نہ رہا
غیر آکر قریب خانہ رہا
شوق اب تیرے آنے کا نہ رہا
تیرے پردہ نے کی یہ پردہ دری
تیرے چھپتے ہی کچھ چھپا نہ رہا
غم مرا کس لیے کہ دنیا میں
نہ رہا میں مرا فسانہ رہا
مدعا غیر سے کہا تا وہ
سمجھے اب کچھ بھی مدعا نہ رہا
کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محوِ دودِ چراغِ خانہ رہا
غیر چھڑکے ہے زخمِ دل پہ نمک
شورِ الفت میں بھی مزہ نہ رہا
پہنچے وہ لوگ رتبہ کو کہ مجھے
شکوۂ بختِ نارسا نہ رہا
تلخ کامی نصیب اعدا حیف
جب کہ وہ اپنے کام کا نہ رہا
دل لگانے کے تو اٹھائے مزے
جی بلا سے رہا رہا نہ رہا
توفلک مرگ ہم سے سب غافل
اب کسی کا بھی آسرا نہ رہا
مومن اس بت کے نیم ناز ہی میں
تم کو دعوائے اتقا نہ رہا

رہین: گرو رکھی ہوئی چیز، مجازاً گرفتار، قیدی

ہر دم رہین کشمکش دست یار ہیں
چلون کے بند کس کے گریباں کے تار ہیں
مدام پھولے پھلے دوستوں کا نخل مراد
رہین داغ عدو کا رہے دل مایوس

ریاض: باغ

سیر ریاض میں نسیم، سطح ہوا پہ بوے گل
عرصۂ بحر طے کرے، آن میں بے شناوری

ریاضِ رضوانی: جنت، بہشت

کردیا خالق دو عالم نے
امتیاز ریاض رضوانی
گل جبینی پہ تیری قرباں ہوا
نو بہار ریاض رضوانی

ریزۂ سنگ: پتھر کا ٹکڑا

جائے گل ہیں چمن میں ریزۂ سنگ
کاہ کرتی ہے ناز ریحانی

ریش: داڑھی

سرایت نم آب وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریش زاہد سالوس

ریگ: ریت، بالو

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا

ریگ رواں: اڑتا ہوا ریت

دیتا نہیں اس ضعف پہ بھی جوشِ جنوں چین
ہر ریگ رواں دشت میں توسن ہے ہمارا

زار: تباہ

وہ حال زار ہے میرا کہ گاہ غیر سے بھی
تمہارے سامنے یہ ماجرا بیاں نہ ہوا
دیکھ اپنا حال زار منجم ہوا رقیب
تھا سازگار طالع نا ساز دیکھنا

زار: ضعیف ناتواں

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جان جسم زار سے
سم کھا موئے تو درد دل زار کم ہوا
بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

زار: کامل

ہر آن آن دگر کا ہوا میں عاشق زار
وہ سادہ ایسے کہ سمجھے وفا شعار مجھے

زار: کسی چیز کی کثرت کے لیے

جراحت زار اک جاں دے کہ جس کی ہر جراحت ہو
نمکداں شور الفت ہو مزا آوے عیادت کا
جوں شاخ گل اے جوش جنوں زار ہوں یعنی
جب چاک ہوا جامہ تو بس ٹوٹ گئے ہاتھ

زار زار رونا: بہت رونا، اس قدر رونا کہ آنسوؤں کی تار بندھ جائے

چھوڑا نہ دل میں کچھ بھی حب ہجر نے کہ رات
روتے تھے زار زار اور آنکھوں میں نم نہ تھا
سو زندگی نثار کروں ایسی موت پہ
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

زاری: گریہ، رونا، پیٹنا

تیری رفتار قیامت، مری زاری طوفاں
حسن و عشق یہ کیوں کر نہ پڑے خلق میں دھوم

اُس کے شکوہ سے ہے اثر ظاہر
کچھ تو کہتی ہے آہ و زاری آج
ہوئی تاثیر آہ وزاری کی
رہ گئی بات بے قراری کی

زاغ: کوا

میرے زاغ قلم کی نیم صریر
صد صفیر ہزار دستانی

زاغ وزغن: چیل کوے

شور زاغ وزغن ہے شمع خراش
اب کہاں بلبل و غزل خوانی

زانو: جانگھ، ران

اُسے خو پڑ گئی بے طرح زانوے جاناں کی
یہ سر تکیہ پہ ہمدم جس طرح رکھوں نہ ٹھہرے گا
زانوے بت پہ جان دی دیکھا
مومن انجام و اختتام مرا
رکھ لے سر اپنے زانوے نازک پہ شوق سے
تیرا مریضِ عشق بہت ناتواں ہے اب
لگی ہچکی ہے سر زانوے غم پر ہے کہ یاد آیا
کسی کا ہاتھ ہر دم مارنا زانو پہ قہ قہ کر
وہ سر جو کل تیرے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے

زائل: دور ہونے والا

جلا پڑ یہ ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فنائے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل

زاہد: متقی، پرہیزگار

''من وسلوا'' کباب مئے آلود
زاہد اتنے ہیں جوع سے مضطر
زاہد نگاہ بھر کے وہ بے دید دیکھ لے
اتنا ہوا نہ خدمت اہل نظر سے فیض
معشوق وے سے زاہد مفلس کو یاس ہے
قطع تعلقات کس امید پر نہ ہو

زاہد سالوس: وہ زاہد جو اپنی ظاہری وضع سے لوگوں کو دھوکا دے۔

سرایت نم آب وضو سے دور نہیں
جو سبزہ زار بنے ریش زاہد سالوس
جو اپنی حسرت و ارمان میں بیان کروں
نہ تاب لائے دل سخت زاہد سالوس
کر چکا ہوں دور اخلاص بتاں میں امتحاں
میں نہ مانوں گا کہ مومن زاہد سالوس ہے

زبان: جیبھ، لسان

کیا جانیے ایسے بے زباں نے
کس طرح یہ شور وغل مچایا
زبان لال کہاں اور مدیح تاج خروس
گرا ہے خاک پہ کیا لعل افسر کاؤس
فریب وعدہ پہ چھوڑی بتوں نے جھوٹ قسم
سنا زبس کہ زباں سے تری وعید عموس
واعظوں کی زباں پہ آتا ہے
برملا شکوۂ قضا و قدر
جو مری سن لے میں بھی اس کی سنوں
کہ زباں گنگ ہے نہ گوش ہے کر
نہلا دیا عدو کو لہو میں بسان تیغ
میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ
جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمان تیغ
گرم دعائے شاہ ہو ''مومن'' کہ کب سے ہے
آمیں سرا زبان اجابت فشان تیغ
اے سخن سنج نکتہ داں تیری
کس زباں سے کروں ثنا خوانی
عشق عیاں کا کیا بیاں حسن ہنر رہا نہاں
قمری نالہ کش زباں میری دل صنوبری
اب نہیں کی ہے اختیار نظم کو میں نے یہ زباں
آپ ہیں لب پہ بوسہ زن ہندی و تازی و دری

یاد آئی مجھے ناصح کی زباں کی تیزی
دیکھ اغوائے رقیباں سے نہ تلوار لگا
مت مانگیو امان بتوں سے کہ ہے حرام
مومن زبانِ بیہدہ سائل کو تھامنا
تالو سے یاں زبان سحر تک نہیں لگی
تھا کس کو شغلِ نغمہ سرائی تمام شب
مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کی پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز
مرگ پر اپنے ناتواں کی ترے
دل سے آیا نہ تا زباں افسوس
سچ ہے کافر تری تقریر سے کیوں کر نہ جلیں
شعلۂ آتشِ دوزخ ہے زباں اے واعظ
کس ضبط پر شرار فشاں ہے فگان شمع
اک برق تھی جو لال نہ ہوتی زبان شمع
روشن ہے اہل بزم پہ شکوہ نسیم کا
اس بہکتی زبان پہ دیکھو بیانِ شمع
مجھ بے گنہ کے قتل میں کیوں سوچ دیکھ لے
بن بولے لوگ کرتے ہیں قطع زبان شمع
شمع ساں اپنی تپش ہے تو سنے یا نہ سنے
طے نہ ہووے گا یہ افسانہ زباں ہونے تک
لگے آگ آتش غم کو زبان خامہ شعلہ ہے
جلا دیتے ہیں سو سو خط دم تحریر اکثر ہم
وردِ زباں ہیں اس نگہ سرگیں کے وصف
تلوار کر رہے ہیں صفاہانیوں میں ہم
دھیان آتا ہے تری منھ میں زباں لینے کا
جی ہم اے شوخ پہ سیر عدم لیتے ہیں
ہوتی کیا ہائے جاں بوسہ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کام و دہان مار میں
تھا قلق بر تبی دشمن جاں شب فراق
کاٹ کے اپنے سر کو ہم بھیجتے ہیں کنار میں
نہ پوچھے حال تو جب تک مرا بیاں نہ کروں

مری زبان نہیں گر ترے دہان نہیں
وہ حال پوچھے ہے میں چشم سرمہ گیں کو دیکھ
یہ چپ ہوا ہوں کہ گویا مری زبان نہیں
پیش عدو سمجھ کے ذرا حال پوچھنا
قابو میں دل نہیں مرے بس میں زباں نہیں
بجائے سبزہ نکلے خاک سے میری زباں ظالم
دل نالاں پس مردن جو سرگرمِ شکایت ہو
دیا اس بدگماں کو طعنۂ غیر
غضب ہے کیا کہوں اپنی زباں کو
شعرِ تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منھ اور زبانِ ہر سخن ور خشک ہو
نہ انتظار میں یاں آنکھ ایک آن لگی
نہ ہائے ہائے میں تالو سے شب زبان لگی
زباں گنگ ہے عشق میں گوش کر ہے
برا سنتے سنتے بھلا کہتے کہتے
شب ہجر میں کیا ہجوم بلا ہے
زباں تھک گئی مرحبا کہتے کہتے
کاٹتا ہوں عرض سوزش میں زباں کو دمبدم
میرے دندانِ ندامت کم نہیں گلگیر سے
مزہ یہ شکوہ میں آیا کہ بے مزہ ہوئے وہ
میں تیغ کام رہا لذت زباں کے لیے
یہ حالت ہے تو کیا حاصل بیاں سے
کہوں کچھ اور کچھ نکلے زباں سے
ذکر کرتے زبان کٹتی ہے
کیا بیاں کیجے ، تیزی خنجر
کٹتی ہے میری تیغ زباں سے زبان تیغ
کیوں کر سخن فروش ہوں سوداگران تیغ
جوہری سن لے میں بھی اس کی سنوں
کہ زباں گنگ ہے نہ گوش ہے کر

زباں بستن : زباں بندی، زبان بند کرنا
طلسم ما و تکھوں گر بنے زباں بستن
بنائے مہر دہن چرخ نکتۂ جاسوس

زبان بند ہو جانا: بولنے سے بات کرنے سے عاجز ہو جانا۔

اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہو جائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت

زباں بند کرنا: خاموش رہنا

زبان بند کرنا: بات نہ کرنے دینا، خاموش کر دینا

وہ آخرِ شب آئے ہیں کچھ بات تو کر لوں
کر اپنی زباں دم کے دم اے مرغ سحر بند

زبان بند ہونا: خاموش ہونا، بولنے بات کرنے سے عاجز ہونا

اے شورِ جنوں ڈر ہے زباں بند نہ ہو جائے
گر آئے لبوں پر مرے زنداں کی شکایت

ہے زباں بند اثر دل سے شب وصل میں اور
فکر سو سو ہیں دل مرغ سحر میں پھرتے

زبان پر آنا: بیان ہونا، کہنے میں آنا

مر بھی گئے جدائی میں پردہ نشیں کی پر
آیا نہیں زبان پہ دردِ نہاں ہنوز

واعظوں کی زباں پہ آتا ہے
برملا شکوۂ قضا و قدر

زبانِ تیغ: تلوار کی زبان، تلوار کی دھار

نہلا دیا عدو کو لہو میں بسانِ تیغ
میری زباں کے آگے چلے کیا زبان تیغ

ہووے نہ میری حجت قاطع کے سامنے
سرگرم لاف و دعویٰ برش زبان تیغ

پایہ ترے مدیح شجاعت سے بڑھ گیا
کیوں کر رہے نہ تارک سر پر زبان تیغ

زبان خشک ہونا: زبان کا عاجز ہونا

شعر تر وہ ہیں مرے مومن کہ ہنگام جواب
خوف سے منہ اور زبان ہر سخن ور خشک ہو

زبانہ زن: شعلہ زن

گویا کہ رو رہا ہوں رقیبوں کی جان کو
آتش زبانہ زن ہوئی طوفان آب میں

زبانِ شمع: شمع کی زبان، شمع کی لو

لائیں نہ تاب حرف بتاں کافرانِ عشق
پروانہ کو جحیم ہے مومن زبانِ شمع

ترجمانِ التماسِ شوق ہے تغیر رنگ
جوں زبان شمع عاشق بے صدا کہنے کو ہیں

زبانہ کش: شعلہ نکالنے والی، شعلہ پیدا کرنے والی

میں آہ زبانہ کش جو کھینچوں
باندھے ابھی حصار آتش

زبرجد: ایک قسم کا جوہر ہے۔ سبز رنگ زردی مائل مثل زمرد کے پنا۔

جب نہ رہی طمع تو کیا خلد میں گر ملے بہ فرض
قصر زبرجد و مے لعلی و جام گوہری

زبس: ازبس۔ کسی چیز کی کثرت کی وجہ سے، چونکہ

خزانہ خاک میں ہر تنگ دل ملاتا ہے
زبس کہ لفظ خزاں جانتے ہیں سب منحوس

زبس شراب کو بھی آفتاب کہتے ہیں
نہ آسمان کے واژوں رہے مدام کیوں

وہ دور ہیں کہ خدا پر کرے ،،بدا،، ثابت
نہیں ہے غیر زبس اعتماد کے قابل

،،ختم اللہ،، مورد ہے زبس قلب سیاہ
تیرے دشمن کو ہے خوں تا بہ رحیق مختوم

لے اڑی لاشہ ہوا لاغر زبس تن ہو گیا
ذرۂ ریگ بیاباں اپنا مدفن ہو گیا

شب رہے تجھ بن زبس بے چین بے آرام ہم
صبح تک رویا کیے لے لے کے تیرا نام

شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں

شب وصل اس کے تغافل کی زبس تاب نہیں
تلخی مرگ ہے آنکھوں میں شکر خواب نہیں

تشبیہ زبس دیتے ہیں لب ہائے بتاں کو
مر جائیں گے پر منت عیسیٰ نہ کریں گے

یاد آگیا زبس کوئی مہ روے مہر وش
امید داغ تازہ سپہر کہن سے ہے

داغ جنوں کو دیتے ہیں گل سے زبس مثال
میں کیا کہ عندلیب کو وحشت چمن سے ہے

زبسکہ دیر لگی نامہ بر کو ڈھونڈنے ہم
عدم میں جاتے ہیں گو پانو کا نشان نہیں

زبوں: خراب، تباہ

مجھ پہ شمشیر نگہ خود بخود آپڑتی ہے
عاجز احوال زبوں سے وہ ستم کوش ہوا

ہم دم دکھا اب اس کو کسی ڈھب کہ رحم آئے
ناصح کو میرے حال زبوں نے رولا دیا

کردے دشمن اس لیے تو نے زبوں و سرنگوں
سجدہ گہہ صفات بد تا کہ ہو نیک محضری

زجر: سرزنش، جھڑکی

پس شکستن ثمر زجر محتسب معقول
گناہ گار نے سمجھا گناہ گار مجھے

زحل: ایک ستارے کا نام جو کہ نحس سمجھا جاتا ہے

قاضی ''مشتری'' کہاں سے ہیں
ہندوان ''زحل'' شیم بر تر

چشم ستارۂ سحر، اوان زحل سے سرمہ سا
دشنۂ ترک چرخ سے، تیز نگاہ مشتری

زحل پرست: زحل کو ماننے والے، زحل ایک ستارے کا نام کا جو نحس سمجھا جاتا ہے

زحل پرست جو میری عزیمت منظوم
پڑھے تو نغمۂ مشک ہو دخان مقل

زحمت: کلفت، تکلیف

کر ہوے خون عاشق ہے وصال
انتقام زحمت جلاد کیا

زحمت: محنت، مشقت

دو آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا سے چارہ سازو زحمت تدبیر تو کیجیو

زخم: گھاؤ

سچ ہے مفلس کو نہیں عشق کی لذت کہ مجھے
زخم دل کے لیے پیدا نہ ہوا مشک تتار

گر شوق زخم عشق کی لذت بیاں کروں
ہرگز ہما نہ کھائے پہ جز استخوان تیغ

کہتے ہیں دیکھ کر ترے دشمن ہلال عید
کھاوے سواے زخم کے کیا میہمان تیغ

یک دل و گونہ گونہ زخم یک تن و فوج فوج خصم
یک جگر و ہزار نیش، یک سر و صد گران سری

خندۂ برق تیغ میں، گرمیِ مہر تیر ماہ
گریۂ زخم تیر میں جوش سحاب آذری

بے سبب کیوں کہ لب زخم پہ افغاں ہوگا
شور محشر سے بھرا اس کا نمکداں ہوگا

نیم چھڑکے ہے زخم دل پہ نمک
شور الفت میں بھی مزہ نہ رہا

دم نکل ہے کس کے خوف سے ہم پی گئے آنسو
کہ ہر زخم بدن سے خون کا دریا نکل آیا

زخم نو بھی مرہم زخم کہن ہے چارہ گر
بند تیر یار سے سینہ کا روزن ہوگیا

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گزری مرگ کو کیا جانئے کیا ہوگیا

کرتے ہیں اپنے زخم جگر کو رفو ہم آپ
کچھ بھی خیال جنبش مژگاں نہیں رہا

جراح کیا سوچتا ہے کیا رنگ دیکھ کیا ہوا
کیوں کھول لی پٹی مرے زخم جگر سے بندہ گر

داغ اور زخم اس میں ہیں جو لالہ گل اس میں ہیں
قفس ہے یا آپ کے عاشق کی چھاتی ہے بہار

افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

پروانے کیوں نہ صدقے ہوں اس [illegible]
ہر رشتۂ فتیلۂ زخم جگر چراغ

کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
رہ تو بغل میں غیر کے سینے سے لگ کے یاں
پہلو برائے زخم ہے سینہ برائے داغ
اب رشکِ زخمِ یار پہ منصف کریں کسے
کی آ کے موت نے بھی تو اغیار کی طرف
دیکھ افراط زخم و کثرت داغ
سینہ گلزار و لالہ زار ہے دل
شکوہ کیا بیداد گری کا کیجئے اس سے دیکھو تو
دیکھے ہے ظالم خنجر جب ہم زخمِ جگر دکھلاتے ہیں
اشک دیتے ہیں مرے نالۂ موزوں کا صلہ
موتیوں سے دہن زخم گلو بھرتے ہیں
حسرت بوسہ کاکل کا کیا ہم نے علاج
زخم دل مشک سے اے غالیہ مو بھرتے ہیں
اشک چشم و گریۂ زخم دل اب کیا کروں
ہوگئی سب آستیں ترخوں میں دامن آب میں
چھاتی سے میں لگائے رکھوں کیوں نہ رات دن
یہ داغ و زخم دل کی مرے یادگار ہیں
دم بسمل خیال شکوۂ قاتل گر آجاوے
لب زخم جگر میں دشنۂ انگشت ندامت ہو
پسینے کی جگہ آنے لگا خوں
چھپاؤں کس طرح زخم نہاں کو
امید سرمہ میں تکتے ہیں راہ دیدۂ زخم
شمیم سلسلۂ مشک سا کے آنے کی
وہ پھر ہے گرم نظارہ کہاں تک زخم دل ٹانکوں
کہ ہے ہر ہر نگہ کے ساتھ اک برچھی سی آلگتی
وا رہیں حشر تلک بہر دعا گو لب زخم
پر ترا حق نمک کوئی ادا ہوتا ہے
ان کو گمان ہے گلۂ چین زلف کا
خوشبو دہان زخم جو مشک ختن سے ہے

زخم ریز: زخم بکھیرنے والا، مراد زخمی کردینے والا

سامعہ سوز و دل خراش، گریہ فزا و زخم ریز
نغمۂ نوک عندلیب، قہقہۂ گل تری
واں طعنہ تیر بار یہاں شکوہ زخم ریز
باہم تھی کس مزے کی لڑائی تمام شب

زخم کاری: مہلک زخم

یوں لب خنجر کے بوسے متصل لینے نہ تھے
زخم کاری کی ہنسی میں کام میرا ہو گیا
چھٹ گئے مر کے نیش ہجراں سے
کام آیا ہے زخم کاری آج

زخموں: زخم کی جمع۔ گھاؤ

سراپا بس کہ محو شوخی قاتل ہوں محشر تک
مرے زخموں سے جاری ہی رہے گا خوں نہ ٹھہرے گا
کیا دکھ نہ دیکھے عشق میں کیا کیا نہ پائے داغ
زخموں پہ زخم جھیلے ہیں داغوں پہ کھائے داغ
بے مزہ ہو کر نمک کو بے وفا کہنے کو ہیں
کھل گئے زخموں کے منہ کس کو برا کہنے کو ہیں

زخمہا: زخم کی جمع۔ گھاؤ

ربط سے زخم ہائے اعدا کے
قطرۂ خوں ہو مشک بار دگر

زخمی: مجروح، چوٹ کھایا ہوا

جراح کیا کہے ترے زخمی کا ماجرا
سوزن کی بھی زبان ہوئی ترجمان تیغ
نوید مرگ انہیں جو ہیں زخمی لب یار
کہ رنگ یاس سے ہوئے اور لعل خنداں سرخ
زخمی کیا عدو کو تو مرنا محال ہے
قربان جاؤں تیرے مجھے نیم جاں نہ چھوڑ
ایک ہم ہیں کہ ہوئے ایسے پشیمان کہ بس
ایک وہ ہیں کہ جنہیں چاہ کے ارماں ہوں گے

زر: پھول کے اندر کا زرد زیرہ

نوید مالک گلزار کو کہ زر کی جگہ
ہر ایک کاسہ گل میں ہے گنج وقیانوس

ملنے کو خاک ہی میں بخیلوں کا مال ہے
دیکھو تو ہے کسی کو بھی غنچہ کے زر سے فیض

زر: سونا، دولت

غشیان ''عطارد'' آسا کو
نور خورشید سوز حسرت زر
لاؤں اس مفلسی میں سوزن زر
ہونٹ سینے دے گر نصیحت گر

گر حصول زر مسکوک کی سمجھوں میں دلیل
ناخن شیر سے ہو سینۂ خورشید، فگار

چین سے زر عدن سے در کان سے لعل و گوہر آئے
بس کہ جہاں میں شہرہ ہے اس کی غریب پروری

زرافشاں: اس کاغذ کو کہتے جس پر سونے کے ورق ریزہ ریزہ کر کے چھڑکے ہوتے ہیں اور جو تقریبات کے خطوط میں استعمال کیے جاتے ہیں۔

سوے ہزار گوش جاں، روے زمیں پہ زرفشاں
باغ میں جب تک اس طرح جلوہ کرے گل طری

رنگ اُڑ جانے کا احوال اُسے لکھنا ہے
زردی رخ سے زرافشاں میں کروں گا کاغذ

زر خورشید: آفتاب کا سونا، مجازاً آفتاب

اے فلک دل کو داغ کرتی ہے
زر خورشید کی درخشانی

زرد: پیلا، سنہرا

اس کی تلوار کے آہن کا گر آئینہ بنے
زرد تر چہرہ عاشق سے ہو رنگ رخ یار

پتھر کو بھی نہیں ترے حملے کی تاب ہے
یاقوت زرد، شاہد بیم نہان تیغ

شام پیری میں اس کا وہ عالم
زرد رو جس سے صبح ریعانی

زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا

جوش عشق و حسن نے کیا رنگ بدلا دیکھنا
اشک خونی سے مرے منہ زرد اُس کا ہو گیا

یہ کس کے زرد چہرہ کا دھیان بندھ گیا
میری نظر میں پھرتی ہے آنکھوں پھیر بسنت

تمہارے دشنہ کے دست خنجر نے کام کیا
ہے زرد رنگ گلو حلقۂ گریباں سرخ

گمان قہر سے اپنا تو رنگ زرد ہے اور
سیاہ مستی مئے سے ہے چشم جاناں سرخ

زرد رخ رنگ طلائی کے ہوئے دیوانے
کیمیا ساز بھی ہیں خواہش زر میں پھرتے

کرامت ہے رخ زرد آپ کے دل تفتہ کا ورنہ
کہیں بنتی سنی ہے آج تک اکسیر شیشہ کی

کیوں ہے رنگ زرد پر گلگونہ اشک سرخ کا
کس لیے ملنے لگی رنگت ہماری آپ کی

میرے زرد آبلوں سے تختۂ صد برگ ہے دشت
ہے وہ اکسیر جنوں خاک کو زر کرتا ہے

زرد پوش: زرد رنگ کا کپڑا پہننے والا

واں تو ہے زرد پوش یہاں میں ہوں زرد رنگ
واں تیرے گھر بسنت ہے یاں میرے گھر بسنت

زردست افشار: خسرو پرویز کے پاس کچھ سونا تھا موم کی طرح ملائم تھا (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو پروفیسر نذیر احمد کا مضمون شمولہ فکر و نظر۔ علی گڑھ، بنام ''قدیم ایرانی زرتشتی عناصر اردو ادب میں'' صفحہ ۳۰ اپریل ۱۹۷۱ء)

اب تلک ہاتھ بھی خالی ہے، بغل بھی خالی
کیا امید بر کیمیں و زردست افشار

زردی: پیلا پن، پیلا رنگ

رنگ اُڑ جانے کا احوال اُسے لکھنا ہے
زردی رخ سے زرافشاں میں کروں گا کاغذ

زریر گوں: زریر کے رنگ کا، زریر ایک گھاس ہوتی ہے جس کا رنگ سبز مائل ہوتا ہے۔

شعلہ شمع سے فزوں، چہرہ مرا زریر گوں
رنگ شفق سے بیش تر، گریہ مرا معصفری

زرہ: فولاد کا حلقہ دار کرتا جولڑائی میں پہنتے ہیں

دیکھ کر گرز خاردار ترا
ہو زرہ فرق خصم پر مغفر

زرہ پوشی: زرہ پہننے کا عمل

مثال دوں جو زرہ پوشی مخاصم سے
ہزار پارہ ہو بے صدمہ دانۂ فلفل

زرنگار: وہ چیز جس پر سنہرا کام کیا گیا ہو

خاک اڑاتا ہے پشت آئینہ
دیکھ کر زرنگار آئینہ گر

سقفِ رنگیں وہ زرنگار کہاں
جز سپہر و نجوم نورانی

زعفران: ایک قسم کا نہایت خوشبودار زرد رنگ کا پھول

کچھ سوائے گریہ جوں ابر اپنی قسمت میں نہیں
زعفراں کی کیوں نہ ہو مجھ کو رلاتی ہے بہار

زعم: گمان، غرور

وہ کج ادا، صنم خود پسند، کافر کیش
کہ جس کے زعم میں باطل حق اور حق باطل

زفیری: سیٹی بجانے کا عمل

کرتے ہیں آواز زفیری دیتے ہیں دستک سو سو بار
گھر میں پتھر پھینکتے ہیں زنجیر در کھنکاتے ہیں

زقوم: تھوہڑ، ایک خاردار زہریلا پودا جس کے پتے سبز اور پھول رنگ برنگے ہوتے ہیں۔

ہیں مخاصم ترے بد بخت پہ کم بخت نہیں
یعنی کثرت سے ہے قسمت میں تیسیم اور زقوم

زکوٰۃ: کسی شخص کے پاس کوئی مال بڑھنے والا ہو ضرورت اصلیہ سے فاضل سال بھر تک رہے تو اس کا چالیس واں حصہ مال کا راہ خدا میں دینے کا نام زکوٰۃ ہے۔ صدقہ، خیرات

مانعین زکات ہیں اغیار
یاد ایام نصفت سرور

اس کے دروازے کے گدا کی زکوٰۃ
ملک ''خاقان'' وحشمت ''قیصر''

کیوں کر خدا کو دوں کہ بتوں کو ہے احتیاج
مومن یہ نقد دل زرِ جان کی زکوٰۃ ہے

زلزلہ: زمین کا کانپنا

زلزلے آتے ہیں جب سے میں تہہ خاک آیا
چین دیتے نہیں اب تک بھی مجھے طالع شوم

جوں خفتگانِ خاک ہے اپنی فتادگی
آیا جو زلزلہ کبھی کروٹ بدل گیا

کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

زلف: کاکل، گیسو

دل زلف سے ہو رہا تو جانوں
''زنداں فرنگ'' سے چھڑایا

سروران سپہر مرتبہ ہیں
بس کہ جاہل نواز و دوں پرور

جو اس کی زلف کو دوں اپنے عقدۂ مشکل
تو بوالہوس کا بھی ہرگز کبھی نہ چھوٹے دل

در منشور مرے، زینت صد صدر ہوے
لیک بزم امرا میں، نہ ملا مجھ کو بار

مصرع زلف کبھی ہاتھ نہ آیا اپنے
نہ ہوا پر نہ ہوا، حال پریشاں منظوم

تیرے دشمن کے واسطے عاشق
زلف جاناں سے لے پریشانی

افعی رمح سینے کو چیر کے دل نکال لے
مار سیاہ زلف سے ہو نہ سکے یہ دلبری

دلربائی زلفِ جاناں کی نہیں
پیچ و تابِ طرۂ شمشاد کیا

پانو تک پہنچی وہ زلفِ خم بہ خم
سرو کو اب باندھیے آزاد کیا

دیکھا نہ ہے یہ رشک وحسد وہ بلا کہ آج
سنبل کو تیری زلف کا سا پیچ و تاب تھا
لے کے دل بھی کبھی نہیں جاتی

زلف کے پیچ و تاب نے مارا
شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اُس زلف تابدادہ میں کچھ آج خم نہ تھا
یہ زلفِ خم بہ خم نہ ہو کیا تابِ غیر ہے
تیرے جنوں زدے کی سلاسل کو تھا منا
وہ عکسِ زلف چشمِ عدو میں پڑ نہ ہو
نظارہ مجھ سے جانبِ سنبل نہ ہو سکا
نکہت اُس زلف کی صبا میں نہ ہو
اُڑ گیا رنگ بوئے سنبل کا
نیند آگئی فسانۂ گیسو و زلف سے
وہم و گمان خوابِ پریشاں نہیں رہا
صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی بڑھی زلفِ پریشاں کی شکایت
کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے
اُلجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث
پنجۂ شانہ سے تو زلفِ گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ
ہاں مان کہا پیچ بوئے زلفِ دوتا قرض
جان اب تو نہیں حشر کے دن دیں گے صبا قرض
داغِ جدائی در دنداں و روئے و زلف
ہے اشکِ شمع و شعلۂ شمع و دخانِ شمع
زلفِ مشکیں میں کاہے کو رکھتے
کیا خبر تھی انہیں نگار ہے دل
تیرہ بختوں کے پیچ و تاب نہ پوچھ
غیرتِ زلفِ تابدار ہے دل
کس کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم
نہیں پاتے اثر اپنا یہ غیرت کا اثر دیکھا
کیا کرتے تھے بیتابی کو بے تاثیر اکثر ہم
اگر نہ دام میں زلفِ سیہ کے آجاتے
تو یوں خراب و پریشاں رہا نہ کرتے ہم

الجھے نہ زلف سے جو پریشانیوں میں ہم
کرتے ہیں اس پہ ناز ادا دانیوں میں ہم
آتا ہے خواب میں بھی تری زلف کا خیال
بے طور گھر گئے ہیں پریشانیوں میں ہم
وہ شمعِ بزم نے دل پھونک کر اف کر دیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں
کیا بلا اس زلفِ خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں
دیکھ پیچ و تابِ سنبل ہو گیا دل بے قرار
اب نہاں سودائے زلفِ خم بہ خم کیوں کر کریں
ہوگئی کیا بلائے جاں بوسۂ زلف کی ہوس
پھیرتے ہیں زباں کو ہم کام و دہانِ مار میں
چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیرِ زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
دھبا لگا ہے شوق سیہ کارِ زلف کو
اللہ کیا علاج سویدائے دل کروں
خیالِ زلف میں خود رفتگی نے قہر کیا
امید تھی مجھے کیا کیا بلا کے آنے کی
کیوں نہ ڈر جاؤں دیکھ کر وہ زلف
ہے شبِ ہجر کی سی تاریکی
ہو عذابِ شبِ یلدا سے رہائی یارب
زلف منہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے
اے دل آجانے دے اس زلفِ مسلسل کا خیال
جان کر کوئی گرفتارِ بلا ہوتا ہے
گو دار پہ کھینچیں ہمیں دلدارِ نصاریٰ
پر آرزوئے زلفِ چلیپا نہ کریں گے
ان کو گمان ہے کہ گلہ چین زلف کا
خوشبو دہانِ زخم جو مشکِ ختن سے ہے

زلفِ پیچیدہ: الجھی ہوئی زلف

کس کی زلفِ پیچیدہ کے کیا سودے میں بکتے ہیں
کیا کرتے ہیں کیا کیا پیچ کی تقریر اکثر ہم

زلف پریشاں: بکھری ہوئی زلف

صد شکر وہ اُلجھی ہوئی تقریر نہ سمجھا
تھی بزم میں زلف پریشاں کی شکایت

زلفِ تابدادہ: گھونگھرالی زلف

شاید کہ دستِ غیر رہا رات شانہ کش
اُس زلفِ تابدادہ میں کچھ آج خم نہ تھا

زلفِ خمیدہ: گھنگھرالی زلف

دودِ شمع بزم نے دل پھونک کر اف کردیا
کیا دلائی یاد وہ زلفِ خمیدہ مو ہمیں

زلف خوش خم: خوب صورت بل والی زلف

کیا بلا اس زلف خوش خم کا تصور بندھ گیا
سانپ سے دن رات آتے ہیں نظر ہر سو ہمیں

زلف دوتا: بل کھائی ہوئی زلفیں

دل بستگی سی ہے کسی زلفِ دوتا کے ساتھ
پالا پڑا ہے ہم کو خدا کس بلا کے ساتھ

کیا اپنے دودِ دل کا بھی شکوہ نہ کیجئے
الجھے ہے بات بات پہ زلفِ دوتا عبث

زلفِ عنبری: گیسو جو عنبر کی طرح خوشبو دے

رقص و سرود سے تری انجمن نشاط گرم
شعلۂ دود و عارض روشن و زلف عنبری

زلف منہ سے اٹھنا: زلف چہرے سے ہٹایا جانا

ہو عذاب شب یلدا سے رہائی یارب
زلف منہ سے کہیں اس مہر لقا کے اٹھے

زلفوں: زلف کی جمع، بال، کاکل

کس کی زلفوں کا دھیان تھا کہ میں شب
محو دودِ چراغ خانہ رہا

ہم نکالیں گے سن اے موج ہوا بل تیرا
اس کی زلفوں کے اگر بال پریشاں ہوں گے

زلفیں: جمع ہے زلف کی۔ کاکل، گیسو

بناوٹ سے یہ زلفیں لاکھ بل کھایا کریں لیکن
یہ ممکن ہی نہیں ہووے جو پیچ و تاب اپنا سا

زلفیں اُٹھاؤ رخ سے کہ دل کی جلن مٹے
بجھ جائے ہے جہان میں وقتِ سحر چراغ

لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے

زلیخا: عزیز مصر کی بیوی جو حضرت یوسف پر عاشق ہوگئی تھی

پند گو حال زلیخا یاد کر کچھ خیر ہے
کامِ دل جس کو ملا یاں بعد رسوائی ملا

پیری میں وصلِ غیرتِ یوسف ہوا نصیب
بختِ وفا مثال زلیخا جواں ہے اب

خواب میں کیا غش ہو یوسف کو زلیخا دیکھ کر
کھل گئیں آنکھیں تجھے اے جلوہ آرا دیکھ کر

کیوں کر مجھے گناہ زلیخا کا یقین آئے
دامن کو تیرے ہاتھ لگایا نہیں ہنوز

جرم معلوم ہے زلیخا کا
طعنۂ دستِ نارسا کب تک

گر مثل سچ ہے کوئیں کے پاس پیاسا آئے ہے
کیوں نہ آ پہنچی زلیخا مصر سے کنعاں تلک

نیرنگ عشق سے نہ ہو غافل ہے ایک رنگ
اس دل کے جاگنے میں زلیخا کے خواب میں

زمام: باگ، نکیل

جائیں اثر جب اے رقم جذب اشتیاق
دیکھیں زمام ناقہ کفِ نامہ بر میں ہم

زمان: روزگار، وقت

مومن ہے زمان، عرض احوال
میں نے تجھے بے خرد جتایا

ترے خیال سے اصحاب کہف کو ہے یہ چین
وگرنہ خواب کہاں اور زمان دقیانوس

اس کو ہو رستم زماں کا خطاب
جو کرے قتل خورد سالہ پسر

وحید عصر ہوں میں، عقل اولیں ہے گواہ
فرید دہر ہوں میں، صفحۂ زماں ہے سجل

لطف سے اس کے زمیں غیرت باغ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکان عطار

کہیں نیرنگی زماں سے فزوں
خوانِ نعمت کی اس کی الوانی

از خویش رفتگی ہے عناں کش زماں زماں
دکھلائے گی عدم ہی کہیں اُس دہن کی یاد

کشتۂ روزِ ہجر کا اس کے
مرگ کرتی ہے ہر زماں افسوس

عمر دراز کی ہے رقیبوں کو آرزو
دیکھو زمانِ ہجر کے امید وار ہیں

اس بت کی ابتدائے جوانی مراد ہے
مومن کچھ اور فتنۂ آخر زماں نہیں

کچھ آخر حد بھی ہے جور و جفا و ظلم کی کب تک
تحمل در گذر ہر لحظہ ہر دم ہر زماں کیجے

برا ہے عشق کا انجام یا رب
بچانا فتنۂ آخر زماں سے

زمانہ: روزگار، وقت

آئینے نے بھی اس زمانے میں
تیغ کے سے نکالے ہیں جوہر

آب و ناں کے لیے گرو رکھیں
رستمانِ زمانہ تیغ و سپر

زر و سیم نثار کردہ ترا
ہے عروسِ زمانہ کا زیور

ترے زمانہ میں صد سالہ پیر فانی سے
زیادہ تر ہیں جوانانِ فتنہ گر کابل

شیوۂ غمزہ سفاک نہیں عاشق کو
اٹھ گئی تیرے زمانے میں یہ رسم آزار

گالیاں دے کے زمانے کو کروں گا تسخیر
ہیں پسند فلک سفلہ، صفاتِ مذموم

زمانہ مہدیٔ موعود کا پایا اگر مومن
تو سب سے پہلے تو کہیو سلام پاک حضرت کا

اے گردش زمانہ کبھی تو تغیر آئے
حسرت مجھے قبول اگر اس قدر نہ ہو

زمانے: روزگار، وقت

صبح عشرت ہے وہ نہ شام وصال
ہائے کیا ہوگیا زمانے کو

اندھیر پڑا زمانے میں ہائے
نہ دن کو ہے مہر نہ قمر رات

زمرد: ایک سبز رنگ کا پتھر

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشق خطِ زمرد فام لیتا تھا

یہ آب و رنگ کہاں لعل اور زمرد کا
ثمر دیا ہے گل و سبزہ نے انہیں ملبوس

زمرد فام: زمرد جیسے رنگ والا، سبز رنگ

رقیبوں پر ہوئی کیا آج فرمائش جواہر کی
کہ ہیرا عاشق خطِ زمرد فام لیتا تھا

زمزمہ: نغمہ

نئی طرح سے میں کرتا ہوں اب غزل خوانی
عدو بھی چاہئے اس زمزمے کے ہوں قائل

ہو گیا سن کر نویدِ وصل شادی مرگ میں
لب تلک یہ زمزمہ آیا کہ شیون ہوگیا

بہار باغ وہ دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا بس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر

زمزمہ پرداز: نغمہ ریز، نغمہ سنج

بہار باغ وہ دن ہے غنیمت جان اے بلبل
ذرا بس بول لے ہو زمزمہ پرواز چہ چہ کر

زمزمہ سرا: نغمہ گانے والا

ہائے وہ زمزمہ سرا جس کی
سحر ہاروت، زہرہ الحانی

زمزمے: زمزمہ کی جمع، نغمہ

واہ قسمت کہ نہ دے خردہ گل بھی گل چیں
زمزمے مرغِ گلستاں کے سے، کنجشوں میں ہزار

زمین: وہ خاکی کرہ جس پر ہم لوگ رہتے ہیں

عظمت نے تجو د کی، فلک کو
گرد کرۂ زمیں پھرایا

ہجوم سبزہ نے کی بس کہ رنگ آمیزی
زمیں پہ چادر مہتاب بن گئی ہے سدوس

بعید کچھ نہیں شادابی زمیں سے اگر
زیادہ تر کرے سیلان خوں گل شاموس

بہا میں دیتی ہے ماہی دفینہ ہائے زمیں
یہ بڑھ گئی ترے سکّے سے قدر تا بہ فلوس

نصیب روز جزا جب کرے ،نزول جلال
زمیں پہ چرخ سے تخت شہنشہ عادل

لطف سے اس کے زمیں غیرت باغ فردوس
خلق سے اس کے زماں رشکِ دکان عطار

مت پوچھ مجھ سے خون عنادل کا ماجرا
ہر گل زمین شعر پہ ہے آسمان تیغ

موج دریاے خوں سے روز مصاف
ہووے کشتی زمیں کی طوفانی

مجھ کو یہ گل زمیں پسند آگئی اتفاق سے
مزرع غیر میں کیے ورنہ سر کدیوری

خبر نہیں کہ اسے کیا ہوا پر اس در پر
نشانِ پا نظر آتا ہے نامہ بر کا سا

دیکھے ہے چاندنی وہ زمیں پر نہ گر پڑے
اے چرخ اپنے تو مہ کامل کو تھامنا

چلون کے بدلے مجھ کو زمیں پر گرا دیا
اس شوخ بے حجاب نے پردہ اٹھا دیا

ایسی غزل کہی یہ کہ جھکتا ہے سب کا سر
مومن نے اس زمین کو مسجد بنادیا

دل کی بیقراری سے ہر طپش زمیں فرسا
بہر خرمن گردوں شعلہ ہر فغاں اپنا

دیکھیے پس مردن حالِ جسم و جاں کیا ہو
مدعی زمین اپنی دشمن آسماں اپنا

یا وہ ڈبوئے گا زمیں یا ہم ڈبوئیں گے فلک
آجائے تو روتے ہیں ہم شرطِ ابر تر سے باندھ کر

اٹھی نہ نعش بھی ترے کوچہ سے بعدِ قتل
ہم رہ پڑے زمین کو شاداب دیکھ کر

دودِ دل وگردِ غم کیوں یہ امید اثر
وہ ہی فلک ہے ہنوز وہ ہی زمیں ہے ہنوز

اب تک یہ سوزِ دل ہے کہ میرے مزار پر
مائل ہوا زمین کی جانب دخانِ شمع

کسی کے خرام کی یاد میں تہ خاک بھی یہ رہا قلق
کہ زمیں کو زلزلہ آئے ہے جو لٹائے مجھ کو ذرا قلق

نیند میں یارب دوپٹہ کس کے منھ سے ہٹ گیا
ہے زمیں سے روشنی افلاک نور افشاں تلک

آہ فلک فگن ترے غم سے کہاں نہیں
جو فتنہ خیز اب ہے زمیں آسماں نہیں

چرخ و زمیں میں توبہ کا ملتا نہیں سراغ
ہنگامۂ بہار و ہجوم سحاب میں

ڈوبی ہجوم اشک سے کشتی زمین کی
ماہی کو اضطراب ہوا جوشِ آب میں

یہ قدرت ضعف میں بھی ہے فغاں کو
کہ دے پٹکے زمیں پر آسماں کو

دکھادوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
ہلادوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

حسرت سے کہا خضر نے دیکھ اس کی گلی کو
مرتا ہوں ابھی گر ملے مدفن کو زمیں یہ

سینہ کوبی سے زمیں ساری ہلا کے اٹھے
کیا علم دھوم سے تیرے شہدا کے اٹھے

نہ دینا بوسہ پا گو فلک جھکتا زمیں پر ہے
کہ یہ اتنا زمیں کے نیچے ہے جتنا زمیں پر ہے

تڑپتا ہے پڑا شوق شہادت خاک اور خوں میں
گرا کوچے میں تیرے یہ لہو کس کا زمیں پر ہے

خرام ناز نے کس کے جہاں کو کردیا برہم

زمیں گرتی فلک پر ہے فلک گرتا زمیں پر ہے
تری دوری میں بھی کیا جائے جاں اس پاس جاتا ہے
کہ جس نے آسماں پر سے اسے پٹکا زمیں پر ہے
زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے
رہا اس کو میں مٹی یار لے جائیں تو لے جائیں
کہ پڑتا پانو مانند نشانِ پا زمیں پر ہے
نویدِ قتل سے بھی ہو دلِ مضطر کو کیا تسکیں
کہ قدر نیم رقص مرغ بسمل جا زمیں پر ہے
مری فریاد سن کہتا ہے اسرافیل حیرت سے
قیامت آگئی کیوں کر یہ غل کیسا زمیں پر ہے
گلہ ہے گردشِ چشمِ سیہ کا تیرے وحشی کو
کہ تنگی سے سدا ہے فلک لکھتا زمیں پر ہے
وہ سر جو کل تیرے زانو پہ تھا سو آج اے ظالم
کبھو رہتا ہے پتھر پر کبھی رہتا زمیں پر ہے
فرشتو لے چلے اس کو سے کیوں جنت میں تم مجھ کو
بھلا کیا ساکنانِ چرخ کا دعوی زمیں پر ہے
ہوا مہرِ براتِ عفو نقشِ سجدہ مومن کو
قدم رکھتا فلک پر ہے کہ سر رکھتا زمیں پر ہے
زمیں سے لگ گئیں آنکھیں تمہاری طرح نہیں
شریک قتل ہو گردوں کو انفعال تو ہے
جنوں میں بھلا کوئی کیا خاک اڑائے
کہ اک جوش ہی میں زمیں ہو چکی
اٹھا نہ ضعف سے گل داغِ جنوں کا بوجھ
قاروں کی طرح ہم بھی زمیں میں سما گئے
ہوگئی ساری زمین صرف حروف نو رقم
اک جہاں ویراں ہے میرے نامہ کی تحریر سے

زمیں بوس کرنا: زمین چومنا، جھک کر کسی چیز کو چوم لینا
کہتے ہیں یہ ہم جیت کے خاک آمیں ہوں گو خاک
پہ اب تو زمیں بوس کیسا نہ کریں گے

زنار: دھاگا جو ہندو گلے میں ڈالے رہتے ہیں
توڑ دیں سبحہ زاہد کے لیے یوں ہندو
ہیں اسی واسطے، گویا کہ پہنتے زنار
ہے کفر و بدعت ایک نہیں تار سبحہ سے
زنار مومن آئے ہے کیوں برہمن کی یاد
کافر گلے لگا ہے تو مومن کے مت مکر
دیکھ اپنے نفس رشتۂ زنار کی طرف
مومن نہ توڑ رشتۂ زنار برہمن
مت کر وہ بات جس سے کوئی دل شکستہ ہو
گر دعا کرتا ہوں مومن وصل کی
باندھے باندھے ہے وہ بت زنار سے
مومن کو تو نہ لائے کہیں دام میں وہ بت
ڈھونڈھے ہے تار سبحہ کے زنار کے لیے

زنجیر: بیڑی، سلاسل
جوشِ وحشت ہے پہ ناصح نے پہناتا زنجیر
دیکھ دیوانہ نہ ہو، میں نہیں پابند رسوم
وہ شاعر ہوں کہ باندھوں گا خمِ زنجیر کاکل سے
اگر دل کے قلق کا دھیان میں مضموں نہ ٹھہرے گا
کیا زنجیر مجھ کو چارہ گر نے کن دنوں میں جب
عدو کی قید سے وہ شوخ بے پروا نکل آیا
پانو زنداں سے اٹھے کیا سر اٹھا سکتے نہیں
حلقۂ زنجیر آخر طوقِ گردن ہوگیا
ہل جاتے ہی اغیار نکل آتے ہیں باہر
زنجیر درِ یار ہے یا سلسلہ اپنا
پنجۂ شانہ سے تو زلف گرہ گیر نہ کھینچ
دل سے دیوانہ کو مت چھیڑ یہ زنجیر نہ کھینچ
عجب حالت ہے سودے میں تری زلفِ مسلسل کے
کہ سر سے باندھتے ہیں پانو کی زنجیر اکثر ہم
چھٹتا ہے جیتے جی کوئی زنجیر زلف سے
دیوانہ ہوں کہ چارۂ سودائے دل کروں
اس کی گلی ہے نالۂ زنجیر غل نہ کر
یاں پانو جاگتے ہیں کوئی جا کے خواب میں
اگر زنجیر کش سوئے بیاباں اپنی وحشت ہو
تو پائے قیس کا ہر ایک چھالا چشمِ حیرت ہو
دکھا دوں گا تماشا بس نہ چھیڑو مجھ سے مجنوں کو
ہلا دوں گا زمین و آسماں زنجیر تو کھینچو

ہوں اک آئینہ رو کا دیدۂ پر آب دیوانہ
بنا اشک مسلسل سے مرے زنجیر شیشہ کی
ٹھیری ہے کہ ٹھیرائیں گے زنجیر سے دل کو
پر برہمی زلف کا سودا نہ کریں گے
میری وحشت کے لیے صحرائے قیس
تنگ تر ہے خانۂ زنجیر سے
جوش وحشت کشمکش اس ناتواں دل گیر سے
جو نہ در تک پہنچے صحن خانۂ زنجیر سے
لذت وحشت سے جلتا ہوں کہیں بھاگے نہ دل
ہیں مشابہ آپ کی زلفیں بہت زنجیر سے
کیوں کہا تھا یہ کہ بکتے بکتے سر پھرنے لگا
اب تو باندھوں گا میں ناصح اس کو بھی زنجیر سے
اے جنوں اپنی اسیری بعد مردن بھی رہی
حلقۂ ماتم میں آئے حلقۂ زنجیر سے

زنجیروں: واحد زنجیر، سلاسل، بیڑی

دلِ بے تاب کو گر باندھ کر رکھوں نہ ٹھہرے گا
ہوا اُس در کی زنجیروں کے یہ مجنوں نہ ٹھہرے گا

زنخ زن: مذاق بنانے والا

شیر خدا علی کے شجاعت سے جس کی ہے
سر پنجۂ اسد پہ زنخ زن بنان تیغ

زنداں: قید خانہ

یوسف سے عزیز کو کئی سال
زندانِ عزیز میں پھنسایا
دل زلف سے ہور ہا تو جانوں
"زنداں فرنگ" سے چھڑایا

زندانی: قید میں گرفتار، قیدی

دشت گردی کے شوق نے مارا
ہوں تو دیوانہ لیک زندانی

زندانیوں: جمع ہے زندانی کی۔ قیدی

اب قید سے امید رہائی نہیں رہی
ہمدرد پاسبان ہیں زندانیوں میں ہم

زندوں: زندہ کی جمع۔ حیات، جیتا

پھر سوے مقتل آئے وہ ہاتھ آئے تو بہر نثار
اے کشتگان شوق جاں زندوں سے سودے دام لو

زندگانی: حیات، زندگی

تھے وعدے سے پھر آنے کے خوش یہ خبر نہ تھی
ہے اپنی زندگانی اسی بے وفا کے ساتھ
جینا امید وصل پہ ہجراں میں سہل تھا
مرتا ہوں زندگانیِ دشوار کے لیے
وہی ہجراں ہے غم کھانے پہ کب تک زندگانی ہو
بس اب مرجائیے کچھ کھا کے عیش جاوداں کیجئے
بیزار زندگانی کا جینا محال تھا
وہ بھی ہماری نعش کو ٹھوکر لگا گئے

زندگی: حیات، عمر

اے مسیح دم رواں پرور
زندگی بخش دین پیغمبر
زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگیِ جاوداں تیغ
زندگیِ ہجر بھی اک موت تھی
مرگ نے کیا کار مسیحا کیا
مرگ سے تھی زندگی کی آس سو جاتی رہی
کیوں بری حالت نہ ہووے غیر اچھا ہو گیا
امیدِ وعدہ بھی تو نہیں روز ہجر میں
ہم سے وفائے زندگیٔ بے وفا عبث
یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض
کہا جاں بلب ہوں جو آئے تو مری زندگی ہو تو یوں کہا
ترے جینے کی مجھے کیا خوشی ترے مرنے کا مجھے کیا قلق
وہ جو زندگی میں نصیب تھا وہی بعد مرگ رہا قلق
یہ قلق ہے کیسا کہ ہے ستم گئی جان پر نہ گیا قلق
مرگ ہے انتہائے عشق یاں رہی ابتدائے شوق
زندگی اپنی ہوگئی رنجش بار بار میں
سو زندگی نثار کروں ایسی موت پر
یوں روئے زار زار تو اہل عزا کے ساتھ

یارب وصال یار میں کیوں کر ہو زندگی
نکلی ہی جان جاتی ہے ہر ہر ادا کے ساتھ

لاغری سے زندگی مشکل ہوئی
ہے گراں تر جان جسم زار سے

تلخ کام عشق، شیریں لب جئے تو کیا ہوا
شور بختی سے مزہ ہی زندگی کا جائے ہے

منت حضرت عیسیٰ نہ اٹھائیں گے کبھی
زندگی کے لیے شرمندۂ احساں ہوں گے

چھٹ کر کہاں اسیر محبت کی زندگی
ناصح یہ بند غم نہیں قید حیات ہے

ہجر پردہ نشیں میں مرتے ہیں
زندگی پردہ در نہ ہوجائے

شب فراق میں بھی زندگی پہ مرتا ہوں
کہ گو خوشی نہیں ملنے کی پر ملال تو ہے

وہ آئے ہیں پشیماں لاش پر اب
تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے

زندگی بخش: زندگی عطا کرنے والا

اے مسیح دم رواں پرور
زندگی بخش دین پیغمبر

زندہ: جیتا ہوا، مردہ کی ضد

زندہ نہ ہوا ہائے دلِ مردہ اگرچہ
تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

زندہ دلو: خوش دل والا

گریہ پہ میرے زندہ دلو ہنستے کیا ہو آہ
روتا ہوں اپنے میں دلِ جنت مقام کو

زندہ کرنا: زندگی بخشنا، فرحت دینا

اعجاز جاں وہی ہے ہمارے کلام کو
زندہ کیا ہے ہم نے مسیحا کے نام کو

زنگ: گھنٹہ، جرس

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے زنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

زنگ: لوہے کا میل

جلا پزیر ہو میرے غبار دل سے تو زنگ
فنائے آئینہ کے بعد بھی نہ ہو زائل

اے قیس تیرے نالے کی غیرت کو کیا ہوا
لیلیٰ نے زنگ باندھے ہیں محمل کے آس پاس

زنگار: زنگ

کیا کہوں قصہ طغیانی دریائے سرشک
دیکھ لو آئینہ چرخ ہے زیر زنگار

زنہار: کلمۂ تاکید و تنبیہ۔ ہرگز

میں کیوں کہ مطربۂ مہروش کو رام کروں
چلے نہ ،،زہرہ،، پہ زنہار جادوئے بابل

یہ کیا غضب ہے کہ تم کو تو ربط غیر سے اور
مجھے یہ حکم کہ زنہار تو کسی سے نہ مل

ہووے فریاد رسا، سمع خراش تا
پر ترحم، کہ ہے بے صرفہ نہ آئے زنہار

کردیا خواہش بیداد نے احوال تباہ
تو تو ظالم نہیں زنہار پہ میں ہوں مظلوم

گر کہے ،،یرحمک اللہ،، ترا خصم لئیم
عطسہ زن پھر نہ ہو زنہار دماغ مزکوم

کعبہ سے جانب بتخانہ پھر آیا مومن
کیا کرے جی نہ کسی طرح سے زنہار لگا

زوال: انحطاط، تنزل

یعنی وہ فنا ازل سے ہے اور
اس ذات کو کب زوال آیا

زود کشتن: مارنے میں جلد بازی کرنا

اجل جاں بلب اس کے شیون سے ہے
یہ نادم مرے زود کشتن سے ہے

زور: قوت، توانائی

میرے سینے پہ قدم زور سے مت رکھ ظالم!
ہاں نہ چبھ جائیں کفِ پا میں کہیں دل کے خار

وہ دست زور، مظہر سر پنجۂ خدا
وہ تیغ باعث شرف دودمان تیغ

صبح مری شب مریض، شب، شب اولین گور
زور گذار ہم شام، سختی روز محشری

جو پھر جائے اُس بے وفا سے تو جانوں
کہ دل پر نہیں زور چلتا کسی کا

زرد منہ دکھلا دیا غم کا اثر دکھلا دیا
آج ہم نے اُس کو اپنا زور و زر دکھلا دیا

ثواب ترک صنم سچ سہی و لے مومن
یہ کیا سبب کہ سناتے ہو بار بار مجھے

زور آزمانا: طاقت دکھانا، زور دکھانا

جذب دل زور آزمانا چھوڑ دے
پائے نازک کا ستانا چھوڑ دے

توڑا نہ وفا کے سلسلے کو
توبہ ہی پہ زور آزمایا

زور آزما ہونا: طاقت دکھانا، اثر دکھانا

امتحاں کیجئے مرا جب تک
شوق زور آزما نہیں ہوتا

زور آزمائی: طاقت آزمانے کا عمل

یہ مایوسی دل و جاں نالۂ شب گیر تو کھینچو
کھنچے گا اس کا دل آہ و فسوں تاثیر تو کھینچو

زور شور: شدت، جوش و خروش

مومن سے اچھی ہو غزل تھا اس لئے یہ زور شور
کیا کیا مضامیں لائے ہم کس کس ہنر سے باندھ کر

زور کرنا: طاقت دکھانا

اس کو میں جا مریں گے مدد اے ہجوم شوق
آج اور زور کرتے ہیں بے طاقتی سے ہم

زہ و حبذا: دونوں کلمہ تحسین ہیں، جیسے شاباش، مرحبا

مومن وہی غزل پڑھو شب جس سے بزم میں
آتی تھی لب پہ جان زہ و حبذا کے ساتھ

زہد ریائی: دکھلاوے کا تقوی۔ ظاہری پرہیزگاری

مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اُس بت دشمن ایماں سے ہمارا اخلاص

زہد ریائی: دکھلاوے کی دینداری

مومن اس زہد ریائی سے بھی کیا بدتر ہے
اُس بت دشمن ایماں سے ہمارا اخلاص

زہر: سم

زہر ملتا نہیں کہ پی جاؤں
اب کہاں وہ شراب ریحانی

بہر حسود جام زہر، ساغر مے ترے لیے
تا نہ ہو ناگوار طبع تلخی بادہ شکری

اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا

نہ کانوں پر کوئی یوں لوٹنے جوں میں بستر گل پر
ترے بن کروٹیں شب اے سمن اندام لیتا تھا

شربت مرگ آب حسرت شور بختی زہر غم
تلخ کامی سے مجھے کیا کیا گوارہ ہوگیا

زخم کھایا زہر کھایا تو بھی کچھ ہوتا نہیں
دیر گزری مرگ کو کیا جانئے کیا ہوگیا

ہجر بتاں میں تجھ کو ہے مومن تلاش زہر
غم پر حرام خوار توکل نہ ہوسکا

یادِ خطِ نگار میں ہم زہر کھا موئے
کیا آبِ زندگی کا ہوا ہے خضر سے فیض

افلاس سے کھایا کیے غم سبز خطوں کا
افسوس کہیں زہر بھی ہم کو نہ ملا قرض

زہر نکلے ہے نگاہ یار سے
موت سوجھی نرگس بیمار سے

غم خط میں ترے مرجائیں تو کچھ کیا ہے عجب
زہر کو لو کوئی کھاتا ہے ضرر کرتا ہے

لے تو ہی بھیج دے کوئی پیغام تلخ اب
تجویز زہر ہے ترے بیمار کے لیے

زہر نوش غم شیریں نے کہا خسرو سے
تلخی مرگ میں شکر کا مزا ہوتا ہے

مجلس میں اس نے پان دیا اپنے ہاتھ سے
اغیار سبز بخت تھے ہم زہر کھا گئے

زہراب: زہر آلود پانی

زہراب دیں اگر تری دولت کے دور میں
عمر خضر ہو زندگی جاودان تیغ
محتسب وہم ہے تو پہلے پلا دیکھ مجھے
نہ لنڈھا پی لے ہے تاب ہے زہراب نہیں

زہر چشم دکھلانا: غضب ناک نگاہوں سے دیکھنا، غصہ بھری نگاہ ڈالنا

غیر بے مروت ہے آنکھ وہ دکھا دیکھیں
زہر چشم دکھلائیں پھر ذرا مزہ دیکھیں

زہر دینا: زہر کھلا دینا، زہر سے مارنا

اور ایسا کوئی کیا بے سروساماں ہوگا
کہ مجھے زہر بھی دیجے گا تو احساں ہوگا

زہرہ: ایک ستارہ کا نام جو تیسرے آسمان پر ہے

یقیں کہ زہرہ و خورشید میں مقابلہ ہو
پڑھوں جو میں پے دوری دعائے بدریطوس
میں کیوں کہ مطربۂ مہر وش کو رام کروں
چلے نہ ،،زہرہ،، پہ زنہار جادوے بابل
میرے اقبال کا آجائے اگر دور قریب
تو ثوابت سے گراں رو ہوں نجوم سیار
نالے سے میرے گرم خشک، زہرہ و ماہ کا مزاج
گریے سے میرے سرد و تر طبع بروج آذری
ہے ترے در پہ منحصر اب جو شرف تو جائے تنگ
ماہ کو بیت زہرہ اور زہرہ کو برج مشتری
ہوں غضب سے اس کے سرگرم فغان شعلہ زن
جل گیا جی احتراق زہرہ کی تاثیر سے

زہرہ الحانی: خوش آوازی

ہائے وہ زمزمہ سرا جن کی
سحر باروت ،زہرہ الحانی

زہرہ پیرایہ: زہرہ جیسے لباس والا

زہرہ پیرایہ گر گیا تھا اسے
مجھے لازم تھی شاہی خاور

زہرہ جبیں: زہرہ جبیں روشن پیشانی والا۔ مراد خوب رو، روشن جبیں

پاک بازی کی شمع ہم سے گنہ گاروں سے
کیا ہوئے عشق میں اے زہرہ جبیں وہ معصوم

زہرہ چہر: زہرہ جیسے چہرے والا، خوب رو

اے زہرہ چہرہ دشمن منحوس کو نہ دیکھ
نالے بہیں گے خون کے اس فتح باب میں

زہرہ معجری: زہرہ کی سی چادر ہونا

فرط جمال سے نہیں گرچہ لباس کا خیال
تو بھی تو بکر فکر کو، ننگ ہے زہرہ معجری

زہے: کلمہ تحسین کے ہوتے ہیں

زہے فریب صفا خاک بیز ہے گل چیں
پڑے جو وسعت گلزار میں گلوں کے عکوس

زیاد: زیادہ کا مخفف افزوں، فاضل

ناتوانی سے نزاکت ہے زیاد
مجھ سے تو دامن چھڑانا چھوڑ دے
کہیں منکر کو نہ انکار قیامت ہو زیاد
عدل سے اس کے ہے آبادی ہر کشور و بوم

زیادہ: افزوں، فاضل

بعید کچھ نہیں شادابی زمیں سے اگر
زیادہ تر کرے سیلان خوں گل شاموس
جبہہ خورشید سے فروزاں تر
جبہہ سے دل زیادہ نورانی
کل سے زیادہ آج ہے غم کی فراہمی مباد
آج سے کل زیادہ ہو حال کی اپنے ابتری
اس سے زیادہ اور کیا ہووے گی بخشش و عطا
کم رہے اکثروں سے ملک، پیش نہ ہو مشتری
عاشق ہوئے ہیں آپ کہیں گو اسی پہ ہوں
شب حال غیر مجھ سے زیادہ خراب تھا
تھیں وحشت سے زیادہ تر اس کو میں سختیاں
کیا چھوڑیں سر تصور دیوار و در میں ہم

خاک میں وہ تپش نہیں خار میں وہ خلش نہیں
کیوں نہ ہمیں زیادہ ہو جوشِ جنوں بہار میں
خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں
اعجاز سے زیادہ ہے سحر ان کے ناز کا
آنکھیں وہ کہہ رہی ہیں جو لب سے بیاں نہ ہو
عبث ترقیِ فن کی ہوس ہے مومن کو
زیادہ ہووے گا کیا اس سے بے مثال تو ہے
کہو مرگ سے ہاں نوازش کرے
کہ اس سے زیادہ نہیں ہو چکی

زیادہ تر: بہت زیادہ

ترے زمانہ میں صد سالہ پیر فانی سے
زیادہ تر ہیں جوانان فتنہ گر کاہل

زیادہ تر: بہت زیادہ

جب فرق بے کلاہ ہوا چین آ گیا
راحت زیادہ تر ہو اگر تن پہ سر نہ ہو
کیوں نہ مجھ سے رم وہ مہ وش اب زیادہ تر کرے
بد گماں ہے سبعۂ سیارہ کی تسخیر سے

زیاں: نقصان، خسارا

لرزاں تھے مثلِ بید ترے رعب سے جو ہاتھ
پھل باغیوں کو کچھ نہ ملا جز زیانِ تیغ
دیت میں روزِ جزا لے رہیں گے قاتل کو
ہمارا جان کے جانے میں بھی زیاں نہ ہوا
دل کے لینے تک ہے بس آپ کی خریداری
کیوں کریں وہ سودا ہم جس میں ہو زیاں اپنا
سب گرمیِ نفس کی ہیں اعضا گدازیاں
دیکھو نہ زندگی ہے سراپا زیانِ شمع
ہاتھ شاید کہ وہ سرمایۂ حسن آ جاوے
کچھ نہ کچھ فائدہ ہے جی کے زیاں ہونے تک
سو طرح کے زیان ہیں رہنے میں اس کے گھر
دشمن بھی مفت لے تو میں سودائے دل کروں

کھولا جو دفترِ گلہ اپنا زیاں کیا
گذری شبِ وصال ستم کے حساب میں
بے اختیارِ یار میں سود و زیاں مگر
فاضل تھے ہم جہاں سے قضا کے حساب میں
یوں تو بہت سے دل کے خریدار ہیں ولے
جو ہے سو بد معاملہ کیوں کر زیاں نہ ہو

زیب: زینت، آرائش

سو ہمیں زیب وہ صدرِ خلافت، عثمانؓ
جس کی مسند کے حسد سے، فلکِ اطلس، خوار
تاجِ ظفر ہو زیب وہ فرقِ دوستاں
اعدا کا سر رہے تہہ بارِ گرانِ تیغ
فیل نشیں بنا دیا خاک نشیں کو اس نے اب
خاک نہیں فلک کو زیب، لاف و گزاف برتری
آہ پُر دود اپنی کب زیبِ فلک تھی رات کو
دیدۂ مہتاب میں سرمہ کا یہ دنبالہ تھا
اے جامہ زیب میں ہوں وہ مجنوں کہ قیس کا
طوطیاں سیکھیں کہاں سے نالۂ رشک آفریں
ہو نہ زیبِ پشتِ آئینہ تری تصویر سے
پھٹ جائے سینہ میرے گریباں کے جور دیکھ
پھر زیبِ سر ہے شعلۂ داغِ جنوں سے تاج
پھر دور باش نالہ اثر اہتمام ہے

زیبا: زیب دینے والا، موزوں

وہاں ترقیِ جمال کو ہے یہاں محبت ہے روز افزوں
شریکِ زیبا تھا بوالہوس بھی جو بے وفائی میں کم نہ ہوتا

زیبا: موزوں، زیب دینے والا

یہی صلہ، یہی ممدوح، مجھ کو زیبا تھا
یہی سخن، یہی مداح تھا ترے قابل
پائے خم ہی تھی سزاوار یہ زیبا نہ ہوئی
محتسب کے سرِ ناپاک پہ اپنی دستار
شیخِ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط
کیا غرور ہیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

زیبا جواں: گبرو جوان

شیخ حرم سے کام نہ پیرِ مغاں سے ربط
کیا کفر و دیں جو پاس وہ زیبا جواں نہ ہو

زیبندہ: زیب دینے والا

اسے ''بلقیس'' کر بنایا تھا
میں بھی زیبندہ تھا سلیماں فر
نقش پائے رقیب کی محراب
نہیں زیبندہ سر جھکانے کو

زیر: نیچے، تلے

ہائے مجھ سا عزیز ہو یوں خوار
حیف خورشید زیرِ خاکستر
غیر کو بام پہ آ، جلوہ دکھایا تم نے
یہ نہ سوجھا کہ پڑا ہے کوئی زیرِ دیوار
زیرِ راں اس کے توسنِ چالاک
رشک اسپِ سپہر گردانی
اطلسِ چرخ زیرِ گرد جوش ہوائے رشک سے
آتش سینۂ نجوم، خجلت آبِ پیکری
روزِ نبرد گرچہ ہو خصمِ جہاں کے زیرِ راں
توسنِ برتریں فلک، تو بھی محال جاں بری
ارمان نکلنے دے بس اے بیم نزاکت
یاں ہاتھ تصور میں مرا زیرِ کمر ہے
کیا کہوں قصۂ طغیانیِ دریائے سرشک
دیکھ لو آئینۂ چرخ ہے زیرِ زنگار

زیست: زندگی، حیات

زیست اپنی ہے تو تربیع و تقابل کے سوا
بھول جاویں گے منجم جو ہیں باقی انظار
ہجراں میں بھی زیست کیوں نہ چاہوں
جاں دادۂ شوخِ بیوفا ہوں
وہ آئے یا نہ آئے زیست میری ہو نہ ہو لیکن
ذرا اے چارہ سازو زحمتِ تدبیر تو کھینچو
دل دیا جس نے وہ ناکام رہا تا دمِ زیست
فی الحقیقت کہ برا کام برا ہوتا ہے

کیا ہی بیزار ہے اس زیست سے جی ہائے
قتل کرتے نہیں وہ اور ستم کرتے ہیں

زین: کاٹھی، گھوڑے کا چمڑہ کا زین جس کے نیچے نمدی ہوتی

نہ جس کے دھیان میں مضمون قاب توسین آئے
وہ دیکھ لے ترے زین و کمان کا قربوس

زینت: آرائش

درِ منشور مرے، زینت صد صدر ہوئے
لیک بزم امرا میں، نہ ملا مجھ کو بار
ہر گدا کی ہے زینت کشکول
رشک ترصیع، تاج سلطانی

زینت افزا: زیب و زینت میں اضافہ کرنے والا

صرف دلق گدا ہوئے پردے
زینت افزائے کاخ سلطانی

زیور: گہنا

زر و سیم نثار کردہ ترا
ہے عروس زمانہ کا زیور
گرم دعائے بازگشت، شکل بشر میں سوئے خاک
بہر حصول زیور و چارۂ رشک زیوری

مصنف کی

زیرِ طبع کتابیں

•

فرہنگِ کلام مومن

(حصہ دوم)

•

تذکرہ شعراء بنارس

•

مبادیات کمپیوٹر

Printed By: " ZARNIGAR " Varanasi. Ph: 2393131